امداد الفتاویٰ جدید

فتاویٰ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان

خلیفہ اجل حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

جدید مطول حاشیہ

شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء والحدیث جامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مرادآباد الہند

۹

بقية الحظر و الإباحة

وصايا، فرائض

ناشر:

زکریا بک ڈپو انڈیا الهند

امداد الفتاوی جدید

مُبوّب

فتاوی

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان

خلیفہ اجل حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

جدید مطول حاشیہ: .... مفتی شبیر احمد قاسمی

محشی: — شبیر احمد القاسمی 9412552294

مالک: — مکتبہ زکریا — 01336-223223

ZAKARIA BOOK DEPOT DEOBAND

فون دکان: [illegible] مکان: [illegible] آفس: [illegible]

ZAKARIA BOOK DEPOT
DEOBAND SAHARANPUR (U.P.)
Ph: (01336) 223223(O) 225223 R
Fax: (01336) 225223
Mob.: 09897352223, 09319861123

اجمالی فهرست ایک نظر میں

فہرست مضامین

مسئلہ نمبر		صفحہ نمبر
۲۴۰۴	ہنود کے ہاتھ سے پانی یا کوئی پکی ہوئی چیز کھانا	۲۳
۲۴۰۵	ریگ ماہی کھانے کا حکم	۲۵
۲۴۰۶	شراب میں اجزائے ارضی کا مل جانا یا نشہ کی حد میں نہ آنا جواز کا سبب نہیں بنتا.....	۲۶
۲۴۰۷	تمباکو کھانے کا حکم	۲۷
۲۴۰۸	تین سانس میں پانی پینا اور ہر سانس میں بسم اللہ کہنا	۲۹
	اشتہار شکر تری ولایتی	۲۹
	سوال متعلق اشتہار مذکور	۳۰
۲۴۰۹	حکم شکر ولایتی	۳۰
۲۴۱۰	نبیذ جو حضور ﷺ نے نوش فرمائی اس کی تحقیق	۳۲
۲۴۱۱	اشربۂ اربعہ منہیہ کے علاوہ میں گوندھے ہوئے آٹے کی روٹی کا حکم	۳۳
۲۴۱۲	حلال جانور کے اعضاء محرمہ کا بیان	۳۴
	۶/ باب: ہدیہ اور دعوت کے متعلق احکام	**۳۵**
۲۴۱۳	سودخوار پابند رسوم کی دعوت قبول کرنا	۳۵
۲۴۱۴	میت کے گھر والوں کی دعوت کھانا	۳۶
۲۴۱۵	ایسے لوگوں کی دعوت قبول کرنا جو پہلے حکومت کے ملازم تھے	۳۹
۲۴۱۶	سودخور اگر یہ کہے کہ میں دعوت مالِ حلال سے کر رہا ہوں تو اس قول میں تحرّی کرنا چاہئے..	۴۰
	۷/ باب: احکام متعلقہ لباس	**۴۲**
۲۴۱۷	ٹخنوں سے نیچے پاجامہ یا تہبند لٹکانا و دفع شبہ متعلقہ مسئلہ مذکورہ	۴۲

۸/ باب: سونے، چاندی، پیتل، لوہے وغیرہ کا استعمال ۶۳

۹/ باب: کسب جائز وناجائز ومکروہ　۹۱

۱۰/ باب: مالِ حرام ومشتبہ کے احکام ۱۰۲

۱۱/ باب: جائز و ناجائز، مکروہ افعال و استعمال　۱۲۶

المقالةُ المَمالكةُ في تصوّر الحَلِيلة الهَالكة

۱۴/ باب: زنا اور اُس کے متعلّقات　۲۴۰

۱۵/ باب: احکام متعلقہ علاج ودوا وغیرہ　۲۴۵

۱۶/باب: بالوں کے حلق وقصر اور خضاب اور ختنہ وغیرہ کے احکام	۲۸۲

رسالہ ''قول السداد في الخضاب بالسواد''

۱۸/ باب: حقوق حیوانات ومتعلّقات آں — ۴۰۱

۲۱/ باب: احکامِ سلام و تعظیم اکابر ۴۳۱

۲۲/ باب: مسائل متعلّقہ طاعون ووَباء ۴۶۱

۲۳/ باب: مسائل متفرقہ　۵۲۹

۳۶/ کتاب الوصایا

۳۷/ کِتَاب الفَرَائِضُ

بقية كتاب الحظر والإباحة

ہنود کے ہاتھ سے پانی یا کوئی پکی ہوئی چیز کھانا

سوال (۲۴۰۴): قدیم ۴/۱۱۴- ہنود کے ہاتھ سے پانی پینا یا کوئی پختہ شے کھانی درست ہے یا نا درست ہے؟ نزدیک امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اگر درست ہے تو کس صورت سے درست ہے، کافر نجس العین ہے یا کچھ کم؟

الجواب: انسان نجس العین نہیں، اگر چہ کافر و مشرک ہو، بعضے لوگوں کو آیت کریمہ **إِنَّمَا المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام** (۱) سے شبہ ہو جاتا ہے کہ مشرک نجس العین ہے، اور اسی وجہ سے مسجد حرام میں آنا درست نہیں، مگر انصاف یہ ہے کہ اس آیت سے ہرگز اس مطلب پر استدلال نہیں ہوسکتا، لفظ نجس مشترک ہے درمیان نجاست اصلی و عارضی و ظاہری و باطنی و حقیقی و حکمی و خفیفہ و غلیظہ کے، پس بلا دلیل ایک معنی کو معیّن کرنا تحکم ہے؛ بلکہ لفظ محتمل سب معانی کو ہے۔ جب محتمل ہوا قابل استدلال نہ رہا۔ **إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال.**

پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں: **إنما الخمر والميسر والأنصاب والازلام رجس** (۲)۔ پھر کیا میسر و انصاب و ازلام کو نجس العین کہیں گے؟ اور ممانعت دخول مسجد حرام کی کچھ نجس العین ہونے کی وجہ سے نہیں، اگر یہ وجہ ہوتی تو مسجد حرام کی کیا تخصیص تھی سب مساجد کے لئے یہی فرماتے، پس خاص مسجد حرام کے حکم بیان فرمانے سے معلوم ہوا کہ مراد اس سے ممانعت حج و عمرہ کی ہے، جو خاص مسجد حرام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور مساجد میں داخل ہونا مشرک کا جائز ہے (۳) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد

---

(۱) سورة التوبة، رقم الآية: ۲۸۔

(۲) سورة المائدة، رقم الآية: ۹۰۔

(۳) **قوله تعالىٰ: "فلا يقربوا المسجد الحرام" قالت الحنفية: المراد به النهي عن الحج والعمرة لا عن الدخول مطلقا بدليل أن النبي صلى الله عليه وسلم بعث عليا رضي الله عنه ينادي في الموسم: لا يحج بعد العام مشرك، فظهر أن المراد منعهم عن الحج والعمرة فيجوز عنده دخول الكافر المسجد الحرام، ودخول غيره بالطريق الأولى، وورد النهي عن الاقتراب للمبالغة.** (تفسير مظهري سورة التوبة، آيت: ۲۸، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۱۵۹)

بنی ثقیف کو جو کہ مشرکین تھے مسجد میں اتارا۔ اور ثمامہ ابن اثال کو جو کہ حالتِ شرک میں گرفتار ہو کر آئے تھے، مسجد کے ستون سے باندھا، دونوں روایتیں مرقوم ہیں:

روي أن النبي ﷺ أنزل وفد ثقيف في المسجد، وكانوا مشركين. انتهى عناية شرح هداية (۱)۔ وروي البخاري بعث رسول الله ﷺ خيلا قبل نجد فجاء ت برجل من بني حنيفة يقال له ثمامة بن أثال سيد أهل اليمامة فربطوه بسارية من سواري المسجد. جلد اول، صفحه ٦٧، باب دخول المشرك في المسجد (۲)۔

پس اگر مشرک نجس العین ہوتا تو آپ ﷺ کیوں مسجد میں داخل ہونے دیتے؟ اور اسی طرح صحابہؓ و تابعین و اتباع تابعین وغیرہم امّت کا تعامل رہا۔ پس معلوم ہوا کہ مراد نجس سے آیت میں نجس العین نہیں؛ بلکہ مراد نجس الباطن وخبیث الاعتقاد ہے (۳) کیونکہ شرک نجاست قلب کی ہے جیسے ایمان طہارت قلب کی ہے۔ جب مراد نجاست باطنی ہوئی تو باطنی نجاست طہارت ظاہری کے منافی نہیں ہوسکتی، پس جو احکام متعلق طہارت ظاہری کے ہیں سب ثابت ہوں گے، اس کے ہاتھ کا دباغت ہوا چمڑا پاک ہوگا، یا وہ پانی پلائے یا احتیاط سے کوئی حلال کھانا پکا کر کھلائے، کھانا پینا جائز وحلال ہوگا (۴) ہاں اگر کوئی یوں سمجھے کہ

---

(۱) عناية مع فتح القدير، الطهارة، فصل في الآسار وغيرها، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ١١٣، كوئٹه ١/ ٩٤۔

(۲) بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب دخول المشرك في المسجد، النسخة الهندية ١/ ٦٧، رقم: ٤٦٤، ف: ٤٦٩۔

(۳) **ونجاسة المشرك في اعتقاده لا في ظاهره.** (هداية، كتاب أدب القاضي، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ١٣٥)

وأما نجاسة المشرك ففي الاعتقاد على معنى التشبيه. (شامي، كتاب القضاء، قبيل مطلب في أجرة المحضر، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٤٧، كراچی ٥/ ٣٧٢)

(۴) **ولا بأس بطعام المجوس كله إلا الذبيحة، فإن ذبيحتهم حرام ولم يذكر محمد الأكل مع المجوسي ومع غيره من أهل الشرك أنه هل يحل أم لا؟ وحكي عن الحاكم الإمام عبدالرحمن الكاتب: أنه إن ابتلي به المسلم مرة أو مرتين فلا بأس به، وأما الدوام عليه فيكره.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر: في أهل الذمة الخ، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٧، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤٠١) ←

ہندو باوجود یہ کہ اہل باطل ہیں ہم سے کہ اہل حق ہیں ذلیل وناپاک سمجھ کر پرہیز کرتے ہیں، تو اس کی پاداش میں ہم بھی ان سے احتراز رکھیں، اس احتیاط کا کچھ مضائقہ نہیں کہ **الحق يعلو ولا يعلىٰ** (۱)۔ **وجزاء سيئة سيئة مثلها** (۲)۔ **والله أعلم وعلمه أتم وأحكم.** (امداد، ج۲،ص ۱۳۸)

ریگ ماہی کھانے کا حکم

سوال (۲۴۰۵): قدیم ۴/ ۱۱۵- ریگ ماہی کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اطبّاء ایک قسم کی مچھلی بیان کرتے ہیں جو مصر سے آتی ہے؟

الجواب : جائز نہیں؛ کیونکہ وہ ہوام ارض سے ہے (۳) صرف تشبیہاً ماہی کہلاتی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۶)

← **ولا بأس بطعام المجوس كله إلا الذبيحة، فإن ذبيحتهم حرام، قال عليه الصلاة والسلام: سنوا بالمجوس سنة أهل الكتاب غير ناكحي نساء هم ولا آكلي ذبائحهم.** (المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل السادس عشر: المجس العلمي ٨/ ٦٩، رقم: ٩٦٠٣)

قال محمدؒ: يكره الأكل والشرب في أواني المشركين قبل الغسل، ومع هذا لو أكل أو شرب فيها قبل الغسل جاز، ولا يكون الأكل والشرب حراما، وهذا إذا لم يعلم بنجاسة الأواني، فأما إذا علم فإنه لايجوز أن يشرب ويأكل منها قبل الغسل، ولو شرب، أو أكل كان شاربا وآكلا حراما. (تاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل السادس عشر: في أهل الذمة الخ، مكتبه زكريا ديوبند ١٨/ ١٦٥، رقم: ٢٨٣٧٠)

البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣٧٤، كوئٹه ٨/ ٢٠٤۔

(۱) **وقال عليه الصلاة والسلام: الإسلام يعلو ولا يعلى.** (بخاري شريف، كتاب الجنائز، النسخة الهندية ١/ ١٨٠، تحت رقم الباب: ٧٩)

السنن الكبرى للبيهقي، كتاب اللقطة، باب ذكر بعض من صار مسلما بإسلام أبويه وأو أحدهما من أولاد الصحابةؓ، دارالفكر بيروت ٩/ ٢٣٣، رقم: ١٢٣٩٩۔

سنن الدارقطني، باب المهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٧٧، رقم: ٣٦٢٠۔

(۲) سورة الشورى، رقم الآية: ٤٠۔

(۳) **ويحرم كل ذي ناب من السباع وهو الأسد والذئب ...... وجميع الهوام** ←

شراب میں اجزائے ارضی کامل جانا یا نشہ کی حد میں نہ آنا جواز کا سبب نہیں بنتا

سوال (۲۴۰۶): قدیم ۴/ ۱۱۰- ایک فریق کا خیال ہے کہ خمر دوسرے اجزائے ملحیات ارضی وغیرہ امتزاج پانے کی وجہ سے خل کا حکم پیدا کرتی ہے، بعض کا قول ہے کہ جو ہر مذکور داخل دائرہ ماخامر العقل نہیں ہے، جس پر خمر کا اطلاق ہو سکے، کیا یہ صحیح مانا جا سکتا ہے یا نہیں؟

← **مما يكون سكناه في الأرض كالفأرة، والوزغة، وسام أبرص، والقنفذ، والجيفة، والضفدع، وكل ما لا دم فيه كالزنبور، والبرغوث، والذباب، والبعوض، والقمل والقراد.**
(خانية على هامش الهندية، كتاب الصيد والذبائح، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٣٥٨، جديد زكريا ٣/ ٢٥٤)

أما الذي يعيش في البر فأنواع ثلاثة: ماليس له دم أصلا، وما ليس له دم سائل، وما له دم سائل، فما لا دم له، مثل الجراد، والزنبور، والذباب، والعنكبوت، والخنفساء، والعقرب، والببغاء، ونحوها لا يحل أكله إلا الجراد خاصة، وكذلك ما ليس له دم سائل مثل الحية، والوزغ، وسام أبرص، وجميع الحشرات وهوام الأرض من الفأر، والجراد، والقنافذ، والضب، واليربوع، وابن عرس ونحوها، ولا خلاف في حرمة هذه الأشياء إلا في الضب، فإنه حلال عند الشافعي. (هندية، كتاب الذبائح، الباب الثاني: في بيان ما يؤكل من الحيوان وما لا يؤكل، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٨٩، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٣٣)

وكرهوا أيضا جميع الهوام الذي سكناه في الأرض نحو الفأرة، والوزغ، والقنفذ، وسام أبرص، والحيات، وجميع هوام الأرض إلا الأرنب، فإنه يحل أكله. (المحيط البرهاني، كتاب الصيد، الفصل الأول الخ، المجلس العلمي ٨/ ٤١٥، رقم: ١٠٦٤٤)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصيد، الفصل الأول: ما يؤكل وما لا يؤكل، مكتبه زكريا ديوبند ١٨/ ٤٤٩، رقم: ٢٩٥٤٤-

وكذلك ما ليس له دم سائل مثل الحية، والوزغ، وسام أبرص، وجميع الحشرات وهوام الأرض من الفأر والقراد، والقنافذ، والضب، واليربوع، وابن عرس ونحوها، ولا خلاف في حرمة هذه الأشياء إلا في الضب، فإنه حلال عند الشافعي. (بدائع الصنائع، كتاب الصيد والذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٤٦)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب : اجزائے خمر حکم خمر میں ہیں، کما صرّحوا (۱)۔اس لئے دوسرا عذر صحیح نہیں،اوراگراس کا استحالہ ہوجاتا تو خواص بھی باقی نہ رہتے۔"وھي باقیة" پس پہلا عذر بھی صحیح نہیں (۲)۔

۱۱رصفر ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۱۳)

تمبا کو کھانے کا حکم

سوال (۲۴۰۷): قدیم ۴/۱۱۶- اکثر لوگ اس امر میں جمے ہوئے ہیں کہ آج کل جوزردہ پان وغیرہ میں کھایا جاتا ہے بلاکراہت جائز ہے،اس کی کوئی صورت جواز بلاکراہت معلوم نہیں ہوتی ،

---

(۱) **عن جابر بن عبدالله رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما أسكر كثيره فقليله حرام.** (أبوداؤدشريف، كتاب الأشربة، باب ماجاء في السكر، النسخة الهندية ۲/ ۵۱۸، دارالسلام رقم: ۳۶۸۱)

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل مسكر حرام، ما أسكر الفرق منه فملء الكف منه حرام. (ترمذي شريف، أبواب الأشربة، باب ما أسكر كثيره فقليله حرام، النسخة الهندية ۲/ ۸، دارالسلام، رقم: ۱۸۶۶)

وأما الخمر فلها أحكام ستة: أحدها: أنه يحرم شرب قليلها وكثيرها الخ. (هندية، كتاب الأشربة، الباب الأول، قديم زكريا ۵/ ۴۱۰، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۴۶۸)

ويحد بشرب قطرة من الخمر وإن لم يسكر. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الأشربة، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۲۴۷)

والثالث أن عينها حرام غير معلول بالسكر ولا موقوف عليه، ومن الناس من ينكر حرمة عينها، وقال: إن السكر منها حرام؛ لأن به يحصل الفساد وهو الصد عن ذكر الله، وهذا كفر؛ لأنه جحود الكتاب، فإنه سماه رجسا، والرجس ما هو محرم العين، وقد جاء ت السنة متواترة أن النبي صلى الله عليه وسلم حرم الخمر وعليه انعقد الإجماع؛ ولأن قليله يدعوا إلى كثيره. (هداية، كتاب الأشربة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۴۹۳)

(۲) **من معاني الاستحالة لغة: تغير الشيء عن طبعه ووصفه أو عدم الإمكان، ولا يخرج استعمال الفقهاء والأصوليين للفظ "استحاله" عن هذين المعنيين اللغويين.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳/ ۲۱۳)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تجربہ سے معلوم ہے کہ اگر غیر عادی شخص ذرا سا بھی زردہ کھالیتا ہے تو آدھ گھنٹہ تک مبہوت رہتا ہے، عادی شخص کے کھانے کا کیا اعتبار، اگر ’’کل مسکر حرام‘‘ کے قاعدہ سے حرمت ثابت ہے تو یہ کلّی مشکک ہے، درجۂ حرمت نہیں تو درجہ کراہت تحریمی تو ہے، اور اگر یہ بھی نہیں تو کراہت تنزیہی سے تو نہ نکلے گی، اس کے کھانے میں کوئی فائدہ نہیں، ایک عمل ہے کہ اختیاراً پیدا ہوتا ہے، اور ہمیشہ تک مال و پیسہ کا نقصان رہتا ہے، اور جہّال زمانہ جو حقہ نوشی میں مبتلا ہیں اُن کے لئے ایک زبردست دلیل ہے کہ جب مولوی لوگ تمبا کو کھاتے ہیں تو اگر ہم حقہ میں ڈال کر پی لیں تو کیا حرج؟ عادی شخص کی نسبت حقہ نوشی بھی مورثِ نشہ نہیں ہو سکتی جیسا کہ زردہ خوردنی، اور غیر عادی کی نسبت دونوں برابر ہیں، مولوی لوگ یہ فرق نکال سکتے ہیں کہ حقہ نوشی میں اور بھی مضرات پائے جاتے ہیں جیسا دخان بدبودار اندرون کے لئے مضر ہے، اور یہ طریق یہود اور غیر قوموں کی روش ہے، اسلام میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ تو جہّال کہہ سکتے ہیں، چلو صرف دخانِ بد کا فرق رہا؛ اس لئے حقہ نوشی تو مکروہ تحریمی رہا، زردہ خوردنی مکروہ تنزیہی رہا؟

الجواب: بلاضرورت کراہت تو سمجھتا ہوں، اور بضرورت کھانا اور پینا دونوں جائز ہیں، اور ضرورت میں نفس اکل مکروہ نہیں، دوسرے عوارض خارجیہ سے گو کراہت ہو جاوے (۱) اور عوارض کی خفّت و

---

(۱) **قلت: فيفهم منه حكم النبات الذي شاع في زماننا المسمى بالتتن وهو الإباحة على المختار أو التوقف، وفيه إشارة إلى عدم تسليم إسكاره وتفتيره وإضراره الخ.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأشربة، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ٤٤، كراچی ٦/ ٤٦٠)

يباح أكل النورة مع الورق المأكول في ديار الهند؛ لأنه قليل نافع، فإن الغرض المطلوب من الورق المذكور لا يحصل بدونها. (نفع المفتي والسائل من مجموعة رسائل الكهنوي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل ذكر ما يحل لبسه وما لا يحل، إدارة القرآن كراچی ٤/ ١٤٨)

سئل بعض الفقهاء عن أكل الطين البخاري ونحوه قال: لا بأس بذلك ما لم يضر وكراهية أكله لا للحرمة بل لتهييج الداء. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الحادي عشر: في الكراهة في الأكل، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٤١، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٩٤)

وأما الأفيون فهو حرام؛ لأنه مضر بالبدن، وكل شيء يضره فأكله حرام. (تقريرات رافعي، باب حد الشرب، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤١)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

شدّت سے کراہت کی شدّت وخفت میں تفاوت ہوگا، اور سُکر تمبا کو میں نہیں ہے صرف حدّت ہے، اسی سے پریشانی ہوتی ہے؛ لیکن عقل موؤف نہیں ہوتی، اور اُن عوارض خارجیہ ہی کے اعتبار سے کھانا اخف ہے بہ نسبت پینے کے کما ہو مشاہد۔ ۱۲؍صفر ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۶)

تین سانس میں پانی پینا اور ہر سانس میں بسم اللہ کہنا

سوال (۲۴۰۸): قدیم ۴/ ۱۱۶- (۱) درآب نوشیدن آنچہ دراحادیث آمدہ کہ بسہ۳ کرات نوشیدہ شود آیا دراول ہر مرتبہ بسم اللہ ودرآخرآں الحمد للہ گفتہ شود یانہ؟

الجواب: (۲) نہ۔ لأن مجموع الثلث عمل واحد (۳)۔

۸؍ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۱۳)

اشتہار شکرتری ولایتی

(۴) بخدمت ہمہ مسلمانان وہندوان واضح باشد کہ شکرتری ولایتی از چقندروشلغم وتاڑخرما تیار می شود وبرائے مقطر یعنی صاف کردن اواستخوانہائے نرگاوان وہمہ مردار جانوران وخونِ نرگاوان استعمال می کنند بدیں

---

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ سوال:** پانی پینے کے سلسلہ میں احادیث میں جو آیا ہے کہ تین مرتبہ میں پیا جائے تو کیا ہر مرتبہ کے شروع میں ''بسم اللہ'' اور آخر میں ''الحمد للہ'' کہا جائے یا نہ؟

(۲) **خلاصۂ ترجمۂ جواب:** ہر مرتبہ کے شروع وآخر میں نہ کہا جائے؛ اس لئے کہ تینوں کا مجموعہ مل کر عمل واحد ہے۔

(۳) عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله عليه وسلم: لاتشربوا واحدا كشرب البعير، ولكن اشربوا مثنى وثلث وسموا إذا أنتم شربتم واحمدوا إذا أنتم رفعتهم (**فرغتم**). (ترمذي شريف، أبواب الأشربة، باب ماجاء في التنفس في الإناء، النسخة الهندية ۲/ ۱۰، دارالسلام، رقم: ۱۸۸۵)

(۴) **خلاصۂ ترجمہ:** تمام مسلمانوں اور ہندوؤں کی خدمت میں عرض ہے کہ ولایتی شکرتری چقندر شلغم اور تاڑ خرما سے تیار ہوتی ہے اور اس کو مقطر یعنی صاف کرنے کے لئے بیلوں اور تمام مردہ جانوروں کی ہڈیاں اور بیلوں کا خون استعمال کرتے ہیں، اس وجہ سے یہ مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کے مذہب کے ←

وجہ برخلاف ہندو ومسلمان یعنی ہر دو مذہب است ایمان ودھرم راغرق می کنند، نیز دررائے ڈاکٹران وحکیمان مضرصحت ست وبیماری طاعون وہیضہ پیدا می کنند، علاوہ ازیں کروڑ ہا روپیہ از ہندوستان، پنجاب، کشمیر بدیگر ممالک میروند مردمان مفلس شدہ؛ لہٰذا التماس ست کہ جملہ صاحبان اہل اسلام وہندوان ایں ناپاک شکرتری را مطلقاً ترک کنند کہ برائے مسلمانان وہندوان (یعنی ہر دو مذہب) واقعی حرام است اگر سلامتی ایمان ودھرم بکار است شکرتری دیسی بخورند وولایتی ترک کنند۔

المشتھر : خواجہ ملک محمد حسن سوداگر کشمیر

سوال متعلق اشتہار مذکور

حکم شکر ولایتی

سوال (۲۴۰۹): قدیم ۴/۱۱۷- دانہ دار شکر جس کی کیفیت ترکیب صفائی اشتہار ہذا میں بیان کی ہے، آیا عند الشرع طاہر وحلال ہے، یا نجس وحرام مہربانی فرما کر جواب مفصل ومدلل بیان فرمائیے؟

المرسل: -محمد عبدالرحمٰن از گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی

الجواب: جہاں تک تحقیق ہوئی ہڈی تو جلا کر استعمال کی جاتی ہے، اور جل کر ہڈی پاک ہو جاتی ہے خواہ کسی جانور کی ہو(۱)۔

← خلاف ہے اور دونوں اپنے مذہب کا بیڑا غرق کر رہے ہیں، نیز ڈاکٹروں اور حکیموں کی رائے میں یہ صحت کے لئے مضر بھی ہے، اور اس سے طاعون اور ہیضہ جیسی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، اس کے علاوہ وہ کروڑوں روپئے پورے ہندوستان پنجاب، کشمیر سے دوسرے ملکوں میں لے جا رہے ہیں، جس کی وجہ سے لوگ مفلس وغریب ہو گئے ہیں؛ لہٰذا درخواست ہے کہ تمام مسلمان وہندو اس ناپاک شکرتری کو بالکل چھوڑ دیں؛ کیوں کہ دونوں مذہب میں قطعی طور پر یہ حرام ہے، اگر ایمان ودھرم کی سلامتی مقصود ہے تو دیسی شکرتری کھائیں اور ولایتی شکرتری چھوڑ دیں۔

(۱) والحرق كالغسل وقدمنا أنه من المطهرات؛ لأن النار تأكل ما فيه من النجاسة لا يبقى فيه شيء أو تحيله فيصير الدم رمادًا فيطهر بالاستحالة، ولهذا لو أحرقت العذرة وصارت رمادًا طهرت للاستحالة كالخمر إذا تخللت، وكالخنزير إذا وقع في المملحة وصار ملحا.

(الدرالمختار مع الشامی، مسائل شتی، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۰/ ۴۵۸، کراچی ۶/ ۷۳۵) ←

البتہ بیلوں کا خون کہ دم مسفوح ہے بنص قطعی نجس ہے(۱) اور جس چیز میں ملے گا اس کو نجس کردے گا، گو کسی تدبیر سے پھر وہ مقطر اور خارج کرلیا جاوے لیکن شکر کے اجزا تو اس سے نجس ہو چکے ہیں اور بحالہا باقی ہیں' جیسے آٹا شراب میں گوندھ کر روٹی پکائی جائے گو شراب آگ میں اڑ جاتی ہے لیکن اجزائے دقیق کہ نجس ہوگئے تھے باقی ہیں اس لئے روٹی اس کی نجس ہوگی۔ **كما صرحوا في الكتب الفقهية** (۲)۔ **والله أعلم.** مگر یہ جواب برتقدیر ثبوت اس امر کے ہے ورنہ نہیں۔ ۲۴/ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۴ھ

(امداد، ج ۱ ص ۱۲ و حوادث اول ص ۶۰)

← **ومنها (ما يطهر به النجس) الإحراق: السرقين إذا أحرق حتى صار رمادا فعند محمد رحمه الله يحكم بطهارته وعليه الفتوى، هكذا في الخلاصة، وكذا العذرة هكذا في البحر.** (هندية، كتاب الطهارة، الباب السابع: في النجاسة وأحكامها، الفصل الأول، قديم زكريا ديوبند ۱/ ٤٤، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۹۹)

ولو أحرقت العذرة أو الروث فصار كل منهما رمادا أو مات الحمار في المملحة، وكذا إن وقع فيها بعد موته، وكذا الكلب والخنزير لو وقع فيها فصار ملحا طهر عند محمد، وأكثر المشايخ اختاروا قول محمد وعليه الفتوى؛ لأن الشرع رتب وصف النجاسة على تلك الحقيقة، وقد زالت بالكلية، فإن الملح غير العظم واللحم (حلبي كبيري، فصل في الآسار، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱۸۸)

الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۰/ ۱۷۸۔

(۱) **اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ.** [الأنعام: ۱٤۵]

(۲) **وإذا عجن الدقيق بالخمر وخبزه لا يؤكل.** (هندية، كتاب الأشربة، الباب الأول الخ، قديم زكريا ديوبند ۵/ ٤۱۱، جديد زكريا ديوبند ۵/ ٤٦۸)

ولو عجن الدقيق بالخمر وخبز يكره أكله. (المحيط البرهاني، كتاب الأشربة، الفصل الأول: في أنواع ما يتخذ من العنب، المجلس العلمي ۱۹/ ۱۱٦، رقم: ۱۸٦۷۳)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأشربة، الفصل الأول الخ، مكتبه زكريا ديوبند ۱۸/ ٤۱۳، رقم: ۲۹٤۱۲۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نبیذ جو حضور ﷺ نے نوش فرمائی اس کی تحقیق

سوال (۲۴۱۰): قدیم ۴/ ۱۱۷- میں آج کل طبقات بن سعد کا ترجمہ لکھ رہا ہوں اس میں بعض مقامات ایسے بھی ہیں جو مشکل معلوم ہوتے ہیں، مثلاً فتح مکہ میں آپ نے سقایۃ النبیذ سے نبیذ نوش فرمائی، پھر ایک زمانہ کے بعد ابن عباسؓ سے کسی نے کہا (جب وہ بھی نبیذ پلا رہے تھے) کہ اس میں تم کیا بہتری سمجھتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ''جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا وہ مجھے دُنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہے'' نبیذ کے معنی لغت میں مجھے سوائے خمر کے اور کچھ نہیں ملے؛ لیکن میں نے اس مقام کی یہ توجیہ سمجھی کہ آیا جاہلیت میں کوئی مقام حقیقۃً سقایۃ النبیذ ہوگا، اور بعد اسلام اس میں زمزم رکھا گیا ہوگا، مگر اس کا نام نہیں بدلا گیا۔ واللہ اعلم

الجواب: کتب لغت میں مجازی معنی بھی لکھ دیئے جاتے ہیں، نبیذ کے حقیقی معنی خیساندہ کے ہیں، اس پر محمول کرنے سے کون مانع ہے؛ بلکہ جب تک قرینہ خلاف کا نہ ہو راجح ہے (۱) باقی میں نے کتب لغت کی طرف مراجعت نہیں کی۔ (النور، ربیع الاول ۱۳۵۲ھ ص ۸)

---

(۱) **الأصل في الكلام الحقيقة: الحقيقة نقيض المجاز، وهي استعمال اللفظ بالمعنى الذي وضع له كالأسد للحيوان المفترس واليد للعضو المعلوم، والمجاز يطلق على اللفظ المستعمل لغير ما وضع له بشرط وجود قرينة تدل على عدم إرادة المعنى الحقيقي، فالأصل في الكلام الحقيقة، أي لايجوز حمل اللفظ على المجاز إذا أمكن حمله على المعنى الحقيقي.** (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۲۴-۲۵، رقم المادة: ۱۲)

أولا: من القواعد العامة عند الفقهاء أن الأصل في الكلام الحقيقة، ولما كانت الحقيقة هي الأصل، والمجاز خلف عنها فلا يصرف اللفظ عن معناه الحقيقي إلى المجازي إلا عند عدم إمكان المعنى الحقيقي بأن كان متعذرا أو متعسرا أو مهجورا عادة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۸/ ۵۰)

الأصل في الكلام الحقيقة. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۵۹)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اشربۂ اربعہ منہیہ کے علاوہ میں گوندھے ہوئے آٹے کی روٹی کا حکم

سوال (۲۴۱۱): قدیم ۴/۱۱۸- خاکسار نے بچشم خود دیکھا ہے کہ ایک نانبائی مسلمان نے تاڑی جونشہ کی چیز اور حرام ہے آٹے میں خمیر کے واسطے ملائی، اور اُس سے پاوڈر اور بسکٹ بنا کر فروخت کئے، اس قسم کی روٹی بسکٹ وغیرہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: نہیں، مگر جہاں اس سے نہ بچ سکتے ہوں وہاں بر بناء بعض روایات اجازت ہے(۱)۔

۱۳/ رمضان ۱۳۳۱ھ (حوادث اول ص ۱۲۰)

---

(۱) **أما الأشربة المتخذة من الشعير أو الذرة أو التفاح أو العسل إذا اشتد وهو مطبوخ أو غير مطبوخ، فإنه يجوز شربه ما دون السكر عند أبي حنيفة وأبي يوسفؒ، وعند محمد حرام شربه، قال الفقيه: وبه نأخذ، كذا في الخلاصة.** (هندية، كتاب الأشربة، الباب الثاني في المتفرقات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٤١٤، جديد زكريا ديوبند ٤/ ٤٧١)

وحرمها محمدؒ أي الأشربة المتخذة من العسل والتين ونحو هما قاله المصنف مطلقا قليلها وكثيرها، وبه يفتى ذكره الزيلعي وغيره واختاره شارح الوهبانية، وذكر أنه مروي عن الكل ...... قلت: وفي طلاق البزازية، وقال محمدؒ: ما أسكر كثيره فقليله حرام وهو نجس أيضا، ولو سكر منها المختار فى زماننا أنه يحد، زاد في الملتقى: ووقوع طلاق من سكر منها تابع للحرمة والكل حرام عند محمد وبه يفتى. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأشربة، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ٣٦-٣٨، كراچی ٦/ ٤٥٥-٤٥٦)

والكل حرام عند محمد وبه يفتى لفساد الزمان والخلاف بينه وبين الشيخين إنما هو عند قصد التقوي بشربها أما عند قصد التلهي فحرام إجماعا. (مجمع الأنهر، كتاب الأشربة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٥٠-٢٥١)

وأما ما سواها -الأشربة الأربعة- فيتخذ النبيذ من كل شيء من الحبوب والثمار والألبان وتسمى هذه الأقسام بالأنبذة، وحكمها ما ذكروا أن القليل أي القدر غير المسكر منها حلال إذا كان بقصد التقوي على العبادة، وحرام بقصد التلهي والكثير أي القدر المسكر منه حرام، وهذا مذهب الشيخين للأحناف ...... وأما الشافعيؒ وأحمد ومالك ومحمد بن حسن وجمهور الصحابة فذهبوا إلى أن المسكر المائع من كل شيء يحرم قليله وكثيره أسكر أم لم يسكر، وأفتى أرباب الفتاوى منا بقول محمد بن حسنؒ. (العرف الشذي على الترمذي، الأشربة، النسخة الهندية ٢/ ٧-٨)

حلال جانور کے اعضاء محرمہ کا بیان

سوال (۲۴۱۲): قدیم ۴/ ۱۱۸- جو جانور حلال ہیں اُن کی کونسی چیزیں حرام ہیں؟

الجواب : جانور میں سات چیزیں حرام ہیں: (۱) خونِ جاری (۲) ذکر (۳) خصیے (۴) شرمگاہ (۵) غدود (۶) پھکنا (۷) پتہ۔

وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان سبعة: الدم المفسوح، والذكر والأنثيان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة، كذا في البدائع. عالمگیری ج۴، ص ۱۶۰ (۱) واللہ اعلم ۹؍ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ

---

(۱) هندية، كتاب الذبائح، الباب الثالث: في المتفرقات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٩٠، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٣٥-

عن مجاهد أن النبي صلى الله عليه وسلم كره من الشاة سبعا: المثانة، والمرارة، والغدة، والذكر، والحياء، والأنثيين. (مراسيل أبي داؤد، النسخة الهندية ص: ١٩، رقم: ٤١٢)

عن مجاهد قال: كره رسول الله صلى الله عليه وسلم من الشاة سبعا: المرارة، والمثانة، والغدة ، والحياء، والذكر، والأنثيين، والدم، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحب من الشاة مقدمها. (إعلاء السنن، الذبائح، باب ما يكره من الحيوان المزكي، دارالكتب العلمية بيروت ١٧/ ١٤٤، كراچی ١٧/ ١٣٠)

مصنف عبدالرزاق، باب ما يكره من الشاة، المجلس العلمي ٤/ ٥٣٥، رقم: ٨٧٧١-

المعجم الأوسط للطبراني، دارالكتب العلمية بيروت ٦/ ٤٨١، رقم: ٩٤٨٠-

وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول فالذي يحرم أكله منه سبعة: الدم المسفوح، والذكر، والأنثيان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة. (بدائع الصنائع، قبيل كتاب الاصطياد، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٩٠، كراچی ٥/ ٦١)

تتمة: ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول سبعة: الدم المسفوح، والذكر، والأنثيان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة. (شامي، قبيل كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٥١، كراچی ٦/ ٣١١)

الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ١٥٢- شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۶/ باب: ہدیہ اور دعوت کے متعلق احکام

سودخوار پابندرسوم کی دعوت قبول کرنا

سوال (۲۴۱۳): قدیم ۴/۱۱۸- اس مقام پر اکثر لوگ سود لیتے ہیں اور وہ لوگ کاشت بھی کرتے ہیں، بعض کے یہاں نصف آمدنی حلال ہے اور نصف حرام اور کہیں نصف سے زیادہ حلال ہے، اور نصف سے کم حرام، اور بعض جگہ اس کا عکس۔ ان لوگوں کے مکان میں پردہ بھی نہیں، اور مولود شریف کی محفلیں بھی کرتے ہیں، ایسے لوگوں کی دعوت قبول کرنا درست ہے یا نہیں؟ لیکن اکثر ایسی محافل میں جانے سے بعض لوگوں کی اصلاح بھی ہوتی ہے؟

الجواب: بے پردگی ومجلس مولود بہیئت متعارفہ اور جمیع معاصی اور بدعات کو اموال کی حلّت اور حرمت میں کچھ دخل نہیں، پس اس بنا پر تو ردِ دعوت بے اصل ہے، اگر رد سے قصد زجر واصلاح کا ہو تو رد کریں (۱) اور اگر قبول کرنے میں تالیفِ قلب اور امید قبول نصیحت ہو تو قبول کرنا اولیٰ ہے (۲)۔

---

(۱) **لا يجيب دعوة الفاسق الملعن ليعلم أنه غير راض بفسقه.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: في الهدايا والضيافات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٣، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٩٧)

وأما الإجابة إلى دعوة المجاهر بالفسق فقد نص الحنفية وقالوا: لا يجيب دعوة الفاسق المعلن ليعلم أنه غير راض بفسقه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٦/ ١٢٢)

(۲) **وإن علم المقتدى به بذلك قبل الدخول وهو محترم يعلم أنه لو دخل يتركون ذلك فعليه أن يدخل وإلا لم يدخل كذا في التمرتاشي.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: في الهدايا والضيافات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٣، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٩٧)

إلا إذا علم أنهم يتركون ذلك احتراما له فعليه أن يذهب إتقاني. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٠٢، كراچی ٦/ ٣٤٨)

بزازية على هامش الهندية، كتاب الكراهية، الخامس في الأكل، قديم زكريا ديوبند ٦/ ٣٦٤، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٠٦۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

البتہ سود کے اختلاط کو حرمت میں اثر ہے، پس اگر نصف یا زائد سود ہے تو سب حرام ہے اور اگر نصف سے کم ہے تو حلال ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم (امداد، ج۲،ص ۱۵۰)

میت کے گھر والوں کی دعوت کھانا

سوال (۲۴۱۴): قدیم ۴/ ۱۱۹- اول روز اہالیانِ میت جو طعام کرتے ہیں اُس کی کوئی سند شرعی صحیح موجود ہے یا نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کے گھر کا طعام کھایا ہے یا نہیں؟

الجواب: في ردالمحتار عن الفتح: ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة روى الإمام أحمد وابن ماجة بإسناد صحيح عن جرير بن عبد الله قال: كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت

---

(۱) آكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالب ماله حرام لا يقبل، ولا يأكل مالم يخبره أن ذلك المال أصله حلال ورثه أو استقرضه، وإن كان غالب ماله حلالا لا بأس بقبول هديته، والأكل منها كذا فى الملتقط. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: في الهدايا والضيافات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٣، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٩٧)

غالب مال المهدي إن حلالا لا بأس بقبول هديته وأكل ماله ما لم يتعين أنه من حرام، وإن غالب ماله الحرام لا يقبلها، ولا يأكل إلا إذا قال أنه حلال ورثه أو استقرضه. (بزازية على هامش الهندية، كتاب الكراهية، الرابع فى الهدية والميراث، قديم زكريا ديوبند ٦/ ٣٦٠، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٠٣)

وفي عيون المسائل: رجل أهدى إلى إنسان أو أضافه إن كان غالب ماله من حرام لا ينبغي أن يقبل ويأكل من طعامه ما لم يخبر أن ذلك المال حلال استقرضه أو ورثه، وإن كان غالب ماله من حلال فلا بأس بأن يقبل الهدية، ويأكل ما لم يتبين له أن ذلك من الحرام. (تاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل السابع عشر: في الهدايا والضيافات، مكتبه زكريا ديوبند ١٨/ ١٧٥، رقم: ٢٨٤٠٥)

مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٦۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وصنعهم الطعام من النياحة اه. وفي البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع الخ (۱)۔

اس روایت حدیثیہ فقہیہ سے اس طعام کی کراہت ثابت ہوتی ہے، بعض لوگوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کے میّت کے گھر سے کھانے پر ابوداؤد کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

---

(۱) شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱٤۸، كراچی ۲/ ۲٤۰۔

عن جرير بن عبدالله البجلي قال: كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت وصنعة الطعام بعد دفنه من النياحة. (ابن ماجة شريف، كتاب الجنائز، باب ماجاء في النهي عن الاجتماع إلى أهل الميت، النسخة الهندية ص: ۱۱٦، دارالسلام رقم: ۱٦۱۲)

مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۲۰٤، رقم: ٦۹۰٥۔

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ۲/ ۳۰۷، رقم: ۲۲۷۹۔

قرر أصحاب مذهبنا من أنه يكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول أو الثالث أو بعد الأسبوع كما في البزازية، وذكر في الخلاصة، أنه لايباح اتخاذ الضيافة عند ثلاثة أيام. (مرقاة المفاتيح، باب في المعراج، الفصل الثالث، مكتبه إمداديه ملتان ۱۱/ ۲۲۳)

فإن كانت من أهل الميت فقد ذهب الفقهاء -الحنفية والمالكية والشافعية والحنابلة- إلى أنه يكره اتخاذها؛ لأن فيه زيادة على مصيبتهم وشغلا لهم إلى شغلهم وتشبها بصنع أهل الجاهلية، ولأن اتخاذ الطعام في السرور وليس ذلک موضعه وهو بدعة مستقبحة مكروهة لم ينقل فيها شيء الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ۸)

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الدفن، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱٥۱، كوئٹه ۲/ ۱۰۲۔

بزازية على هامش الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون: في الجنائز، قديم زكريا ديوبند ٤/ ۸۱، جديد زكريا ديوبند ۱/ ٥٤۔

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، قبيل فصل في زيارة القبور، دارالكتاب ديوبند ص: ٦۱۷۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عن رجل من الأنصار قال: خرجنا مع رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم في جنازة فرأيت رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو على القبر يوصى الحافر ’’أوسع من قبل رجليه أوسع من قبل رأسه‘‘ فلما رجع استقبله داعي امرأة فجاء فجئ بالطعام، فوضع يده، ثم وضع القوم، فأكلوا. الحديث (۱)۔

سواس کے تین جواب تو ردالمحتار میں ہیں:-

أقول: وفيه نظر، فإنه واقعة حال لا عموم لها مع احتمال سبب خاص على أنه بحث في المنقول في مذهبنا ومذهب غيرنا كالشافعية والحنابلة استدلالا بحديث جرير المذكور علىٰ الكراهة، ولا سيما إذا كان في الورثة صغار إلىٰ آخر ما قال وأطال (۲)۔

جواب اوّل کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک واقعہ خاصہ ہے ممکن ہے کہ کسی سبب خاص سے آپ ؐ نے کھانا تناول فرمایا ہو،اس سے دلیل نہی میں جو عام ہے، قدح نہیں لازم آتا۔

دوسرے جواب کا حاصل یہ ہے کہ جو امر مذہب میں متقرر و منقول ہے اور خود مبنی بھی ہے دلیل صحیح پر، اس میں بحث اور شبہ نکالنا ہے جو مقلد کا حق نہیں ہے۔

تیسرے جواب کا ملخص یہ ہے کہ اب طعام میّت کے ساتھ بہت سے مفاسد کا اقتران ہوگیا ہے، سواس کی اجازت میں سب مفاسد کی اجازت لازم آتی ہے، پس مضمون حدیث پر اس امر منکر کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

اور چوتھا جواب اس احقر کے نزدیک یہ ہے کہ اس حدیث میں یہی امر کہیں مذکور نہیں کہ یہ طعام میّت کے گھر تھا، گو شرح منیہ میں دعویٰ کیا ہے۔ دعته امرأة رجل ميت لما رجع من دفنه الخ (۳)۔

---

(۱) أبو داؤد شريف، كتاب البيوع، باب في اجتناب الشبهات، النسخة الهندية ۲/ ۴۷۳، دارالسلام رقم: ۳۳۳۲۔

(۲) شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱۴۹، كراچی ۲/ ۲۴۱۔

(۳) شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱۴۸، كراچی ۲/ ۲۴۰۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

لیکن کسی حدیث کی کتاب کا حوالہ ضروری ہے۔ وإذليس فليس (*).

پانچواں جواب یہ ہے: إذا تعارض المحرم والمبيح ترجح المحرم (۱)۔ بہر حال جس طرح اس وقت رسم ہے وہ بے شبہ ممنوع ہے، اور وہ شارع علیہ السلام سے قولاً وفعلاً منقول نہیں فقط۔

یکم شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۵۵)

ایسے لوگوں کی دعوت قبول کرنا جو پہلے حکومت کے ملازم تھے

سوال (۲۴۱۵): قدیم ۴/۱۲۰- میں دورہ میں رہتا ہوں اور اکثر اپنے ہم پیشہ و ہم مرتبہ لوگوں سے میل جول اور بے تکلفی ہے اور بعض بعض سے رشتہ داری بھی ہے، جب دورہ میں جاتا ہوں اور وہ کھانا وغیرہ کے لئے کہتے ہیں تو کھالیتا ہوں، اور جب وہ میرے مکان پر آتے ہیں تو وہ بھی کھانا کھالیتے ہیں، یہ تعلق پیشتر سے ہے، افسر ماتحتی کا بھی تعلق نہیں ہے، وہ بھی پٹرول ہیں اور میں بھی پٹرول ہوں، وہ آب پاشی کا کام کرتے ہیں، میں ضلعدار صاحب کی پیشی کا کام کرتا ہوں، مجھ سے پیشتر جو صاحب اس کام پر تھے اُن کو کھانا کوئی نہیں کھلاتا تھا، نہ معلوم مجھ سے کیوں اس قدر محبت کرتے ہیں کہ باوجود عذر کرنے کے بھی مجھ کو کھانا نہیں پکانے دیتے؛ لیکن سب لوگوں سے نہیں؛ بلکہ جن لوگوں سے پیشتر سے تعلق ہے وہی ایسا کرتے ہیں، اور چونکہ وہ لوگ بیحد محبت کرتے ہیں؛ اس لئے ان سے صاف انکار کرتے ہوئے شرم آتی ہے، یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کی دل شکنی نہ ہو، اور کسی قسم کا غیر محبت کا شبہ بھی نہیں ہوتا، اور نہ ظاہراً اُن پر کوئی بار معلوم ہوتا ہے؛ البتہ اُن کے یہاں رشوت وغیرہ کا مال آتا ہے جس سے مجھ کو کراہت تو ہوتی ہے؛ لیکن

(*) علاوہ اس کے یہ طعام بسبب میت کے نہ تھا اور کلام اسی میں ہے۔ ۱۲ منہ

---

(۱) **إذا اجتمع الحلال والحرام أو المحرم والمبيح غلب الحرام والمحرم.** (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۵۵)

إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام وبمعناها ما اجتمع محرم ومبيح إلا غلب المحرم والعبارة الأولى لفظ الحديث أورده جماعة ما اجتمع الحلال والحرام إلا غلب الحرام الحلال. (الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية، قديم ص: ۱۷۰، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۳۰۱)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اُن کی محبت اور دل شکنی کی وجہ سے خاموش رہتا ہوں کہ وہ خیال کریں گے کہ ہم کو ذلیل سمجھتا ہے؛ لہٰذا عرض ہے کہ اس سے غلام کے ذمہ تو کوئی گناہ اس قسم کا نہ ہوگا جس سے باز پرس ہو، اور یہ رشوت تو نہیں ہے؟ جہاں کسی قسم کا بار اور بے تعلقی ہوتی ہے یا جو چیز میرے سامنے مشکوک ہوتی ہے وہ نہیں کھاتا، عذر کر دیتا ہوں، اور وہ لوگ زیادہ اصرار بھی نہیں کرتے۔

الجواب : اس طور سے اُن کا کھانا کھا لینے میں کچھ حرج نہیں، یہ رشوت نہیں؛ البتہ اگر وہ رشوت سے کھلائیں بہ نرمی عذر کر دیا جاوے(۱)۔

۱۵؍شوال ۱۳۳۶ھ (حوادث خامسہ ص ۱۷)

سودخوار اگر یہ کہے کہ میں دعوت مالِ حلال سے کر رہا ہوں تو اس قول میں تحرّی کرنا چاہئے

سوال (۲۴۱۶): قدیم ۴/ ۱۲۱- جس کا اکثر مال یا مساوی مال حرام ہو اور وہ ظاہر کرے

---

(۱) آكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالب ماله حرام لا يقبل، ولا يأكل مالم يخبره أن ذلك المال أصله حلال ورثه أو استقرضه، وإن كان غالب ماله حلالا لا بأس بقبول هديته، والأكل منها كذا في الملتقط. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: في الهدايا والضيافات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٣، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٩٧)

غالب مال المهدي إن حلالا لا بأس بقبول هديته وأكل ماله ما لم يتعين أنه من حرام، وإن غالب ماله الحرام لا يقبلها، ولا يأكل إلا إذا قال أنه حلال ورثه أو استقرضه. (بزازية على هامش الهندية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع فى الهدية والميراث، قديم زكريا ديوبند ٦/ ٣٦٠، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٠٣)

وفي عيون المسائل: رجل أهدى إلى إنسان أو أضافه إن كان غالب ماله من حرام لا ينبغي أن يقبل ويأكل من طعامه ما لم يخبر أن ذلك المال حلال استقرضه أو ورثه، وإن غالب ماله من حلال فلا بأس بأن يقبل الهدية، ويأكل ما لم يتبين له أن ذلك من الحرام. (تاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل السابع عشر: في الهدايا والضيافات، مكتبه زكريا ديوبند ١٨/ ١٧٥، رقم: ٢٨٤٠٥)

مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٦-

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کہ میں اپنے حلال مال سے ضیافت یا ہدیہ دیتا ہوں، تو بدون کسی شہادت وتصدیق کے محض اُس کا بیان مسموع ہوگا یا بر بنائے فسق واعلان مردود ونا مقبول ہوگا؟

الجواب: **في الدرالمختار: ويتحري في خبر الفاسق بنجاسة الماء، وخبر المستور ثم يعمل بغالب ظنه.** ص ۳۰۸ (۱)۔ بناء براس روایت کے اگر قلب اس کے صدق کی شہادت دے تو عمل کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔

۲۲/ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۱۹)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٤٩٩، كراچی ٦/ ٣٤٦۔

ويتحري في خبر الفاسق، والمستور، ثم يعمل بغالب ظنه كما في حظر الدرالمختار. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، فصل في متعلقات الشروط وفروعها، دارالكتاب ديوبند ص: ٢٤٣)

ويتحري في خبر الفاسق بنجاسة الماء، وفي خبر المستور، ثم يعمل بغالب رأيه. (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، قبيل فصل في اللبس، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٩-١٩٠) تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل في اللبس، إمداديه ملتان ٦/ ١٣، زكريا ديوبند ٧/ ٢٩۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۷/ باب: احکام متعلقہ لباس

ٹخنوں سے نیچے پاجامہ یا تہبند لٹکانا و دفع شبہ متعلقہ مسئلہ مذکورہ

سوال (۲۴۱۷): قدیم ۴/ ۱۲۱- زید کا خیال ہے کہ ازار تحت الکعبین ممنوع اس وقت ہے جب کہ براہ تکبّر وخیلاء ہو جیسا کہ عرب کا دُستور تھا کہ اس پر فخر کیا کرتے تھے، اور جب کہ تکبراً نہ ہو محض خوبصورتی اورزینت کیلئے ایسا کرے تو جائز ہے، اورزینت محض امر ذوقی ہے، ایک ہی امر ایک کو پسند ہوتا ہے، دوسرا ناپسند کرتا ہے، اختلاف ملک، اختلاف رواج کی وجہ سے بہت فرق ہوجاتا ہے، جس طرح نصف ساق تک پائجامہ اوراُس سے بھی اُونچا بُرا لگتا ہے، اسی طرح مافوق الکعبین بہ نسبت ماتحت الکعبین کے ابناءزماں کی نظر میں بدنما لگتا ہے، صرف اس بدنما لگنے کی وجہ سے نیچا پہنتے ہیں، رہا کبراور تفاخر سودو چار اُنگل کے گھٹنے بڑھنے سے ہرگز نہیں ہوسکتا؛ بلکہ زینت وپسندیدگی اس کی باعث ہے، چنانچہ احادیث میں اکثر یہ قید مذکور ہے **من جر إزاره خيلاء** (۱)۔ وغیرہ میں خیلاء کی قید ضرور ہے اور جو حدیثیں مطلق ہیں، جیسے **ما أسفل من الكعبين من الإزار ففي النار** (۲)۔ وغیرہ وہ بھی حسب دُستور عرب اسی قید پر محمول ہیں اور مطلق کا مقید پر محمول نہ ہونا اس وقت ہے جب کہ مطلق ومقید دونوں دو واقعہ پر آئے ہوں، جیسے کفارۂ قتل وکفارۂ ظہار اور اتحاد واقعہ کے وقت حسب اصول حنفیہ مطلق مقید پر محمول ہوجاتا ہے، جیسے کفارۂ قسم کا، قرأت ابن مسعود متتابعات کے ساتھ مقید ہوجانا، نیز اس کی مؤید وہ حدیث ہے کہ حضرت نے مااسفل من الکعبین کی وعید بیان کی اور فرمایا **من جر ثوبه خيلاء لن ينظر الله إليه يوم القيامة** تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یارسول اللہ میری ازار لٹک پڑتی ہے، **إلا أن أتعاهد** تو حضرت نے

---

(۱) بخاري شريف، كتاب اللباس، باب من جر ثوبه من الخيلاء، النسخة الهندية ۲/ ۸۶۱، رقم: ۵۵۶۰، ف: ۵۷۸۸۔

مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم جر الثوب خيلاء، النسخة الهندية ۲/ ۱۹۵، بيت الأفكار رقم: ۲۰۸۵۔

(۲) بخاري شريف، كتاب اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار، النسخة الهندية ۲/ ۸۶۱، رقم: ۵۵۵۹، ف: ۵۷۸۷۔

فرمایا: إنک لست ممن تفعله خیلاء. رواه البخاري كذا في المشكوٰة (۱)۔ پس اگر مطلقاً جرِ ازار ممنوع ہوتا، تو آپ اجازت نہ دیتے، تو معلوم ہوا کہ یہ وعید خیلاء ہی کی صورت میں ہے اور بلا اس کے جائز ہے، اس شبہ کا حل مطلوب ہے؟

الجواب: في نورالأنوار، بحث حمل المطلق على المقيد في حكم واحد ما نصه: وفي صدقة الفطر ورد النصان في السبب، ولا مزاحمة في الأسباب فوجب الجميع بينهما يعني أن ما قلنا إنه يحمل المطلق على المقيد في الحادثة الواحدة والحكم الواحد إنما هو إذا وردا في الحكم للتضاد، وأما إذا وردا في الأسباب أو الشروط فلا مضايقة فيه ولاتضاد، فيمكن أن يكون المطلق سببا بإطلاقه، والمقيد سببا بتقييده اه (۲)۔

اور ما نحن فيه میں حکم معصیت ہے اور مطلق جر اور جر للخيلاء اسباب اس کے ہیں، یہاں مطلق مقید پر محمول کرنے کی کوئی وجہ نہیں، پس مطلق جر کو بھی حرام کہیں گے اور جر للخيلاء کو بھی؛ البتہ دونوں حرمتوں میں اگر کسی قدر تفاوت مانا جائے تو گنجائش ہے؛ کیونکہ ایک جگہ ایک منہی عنہ کا ارتکاب ہے، یعنی جر کا اور دوسری جگہ دو منہی عنہ کا ارتکاب ہے، یعنی جر کا اور خیلاء کا، پس یہ کہنا کہ چونکہ عرب کا دُستور یہی تھا کہ فخراً ایسا کرتے تھے اس لئے حرمت اسی کی ہوگی بلا دلیل ہے؛ کیونکہ خصوص مورد سے خصوص حکم لازم نہیں آتا، جب کہ الفاظ میں عموم ہو (۳)۔ ويتفرع عليه كثير من الأحكام الفقهية.

---

(۱) مشكوة شريف، كتاب اللباس، الفصل الأول، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۳۷۶۔

(۲) نور الأنوار، مبحث الوجوه الفاسدة، بحث كون المطلق محمولا على المقيد، مكتبه نعمانيه ديوبند ص: ۱۶۰۔

(۳) **العبرة بعموم اللفظ لا لخصوص السبب.** (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۳۵)

العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب، وهنا اللفظ عام. (البناية، الصلاة، باب شروط الصلاة التي تتقدمها، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۱۱۹)

الموسوعة الفقهية الكويتية ۸/ ۶۸، ۱۰/ ۵۸۔

رہا قصہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، میرے نزدیک اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ **إنک لست تفعله بالاختيار والقصد** چنانچہ **إلا أن أتعاهد** اس کی دلیل ہے کہ بلا قصد ایسا ہو جاتا تھا، اور اسی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہے (۱)۔ رہا **للخيلاء** کی قید، یہ اس بنا پر ہے کہ اکثر جو لوگ اس فعل کو باختیار کرتے ہیں وہ براہ خیلاء کرتے ہیں، پس حدیث میں اطلاق سبب (یعنی **فعله بالخيلاء**) کا مسبب (یعنی فعل بالاختیار) پر ہوا ہے۔ **وهو شائع في الكلام أي شيوع**. فقط واللہ اعلم

۱۸/ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ج ۲ ص ۱۵۰)

بدون خیلاء اسبال ازار کی کراہت پر اشکال کا جواب

سوال (۲۴۱۸): قدیم ۲/ ۱۲۲- آنجناب کے کسی رسالہ کے منہیہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ اسبال مطلقاً ممنوع ہے حالانکہ بعض احادیث میں خیلاء کی قید موجود ہے۔

والمطلق يحمل على المقيد، وأيضا يؤيده ما في تاريخ الخلفاء للسيوطي مانصه أخرج البخاري عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من جر ثوبه خيلاء لم ينظر الله إليه يوم القيٰمة، فقال أبوبكرؓ: إن أحد شقي ثوبي يسترخى إلا أن أتعاهد ذلک منه، فقال رسول الله ﷺ: إنک لست تصنع ذلک خيلاء. ۱۲ تاريخ الخلفاء في فصل في الأحاديث الواردة في فضل أبى بكر الصديق مقرونا بعمر رضى الله عنهما (۲)۔

---

(۱) عن سالم عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من جر ثوبه خيلاء لم ينظر الله إليه يوم القيامة، فقال أبوبكر الصديق يا رسول الله! إن أحد شقي إزاري يسترخى إلا أن أتعاهد ذلک منه، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: لست ممن يصنعه خيلاء. (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب من جر إزاره من غير خيلاء، النسخة الهندية ۲/ ۸۶۰، رقم: ۵۵۵۶، ف: ۵۷۸۵)

نسائي شريف، كتاب الزينة، إسبال الإزار، النسخة الهندية ۲/ ۲۵٤، دارالسلام رقم: ۵۳۳۷۔

(۲) تاريخ الخلفاء للسيوطي، فصل في الأحاديث الواردة في فضله وحده سوى ما تقدم، مكتبه رحيميه ديوبند ٤۱۔

وإليه ذهب الشيخ ولي الله المحدث الدهلوي في المصفى (۱)۔

الجواب: حنفیہ کے نزدیک ایسی صورت میں مطلق اپنے اطلاق پر اور مقید اپنی تقیید پر رہتا ہے اور دونوں پر عمل واجب ہوتا ہے۔ **كما هو مصرح في الأصول (۲)**۔ اور جو حدیث تائید میں نقل کی ہے خود سوال میں تصریح ہے کہ وہ عمداً نہ کرتے تھے (۳) پس جواب کے بھی یہی معنی ہیں۔ **إنک لست تصنع ذلک عمداً**۔ چونکہ خیلاء سبب ہوتا ہے تعمد کا، پس سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا۔

۱۵/ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

اسبال ازار، حکم لہنگا، نکاح بیوہ، عورتوں کو بازار جانا، ڈاڑھی و مونچھیں اور چوٹی وغیرہ کے احکام

سوال (۲۴۱۹): قدیم ۴/ ۱۲۳- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں یعنی مَردوں کو پاجامہ ٹخنوں کے نیچے پہننا اور مسلمان عورتوں کو لہنگا پہننا اور بیوہ عورتوں کو نکاح ثانی سے روکنا۔

---

(۱) المصطفى في شرح الموطأ، كتاب الأحكام بالطعام والشرب واللباس، مكتبه رحيميه دهلي ۲/ ۱۹۳۔

(۲) **وفي صدقة الفطر ورد النصان في السبب ولا مزاحمة في الأسباب فوجب الجمع بينهما يعني أن ما قلنا أنه يحمل المطلق على المقيد في الحادثة الواحدة، والحكم الواحد إنما هو إذا وردا فى الحكم للتضاد، وأما إذا وردا في الأسباب أو الشروط فلا مضايقة فيه، ولا تضاد فيمكن أن يكون المطلق سببا بإطلاقه، والمقيد سببا بتقييده الخ.** (نور الأنوار، مبحث الوجوه الفاسدة، بحث كون المطلق محمولا على المقيد، مكتبه نعمانيه ديوبند ص: ۱٦۰)

(۳) **عن سالم عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من جر ثوبه خيلاء لم ينظر الله إليه يوم القيامة، فقال أبوبكر الصديق: يا رسول الله! إن أحد شقي إزاري يسترخي إلا أن أتعاهد ذلک منه، فقال النبی صلى الله عليه وسلم: لست ممن يصنعه خيلاء.** (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب من جر إزاره من غيره خيلاء، النسخة الهندية ۲/ ۸٦۰، رقم: ۵۵۵٦، ف: ۵۷۸۵)

نسائي شريف، كتاب الزينة، إسبال الإزار، النسخة الهندية ۲/ ۲۵٤، دارالسلام رقم: ۵۳۳۷۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اور مسلمان عورتوں کو بازار جانا، اور دیگر مسلمانوں کو داڑھی کتروانا یا مونڈانا اور مونچھیں بڑھانا اور سر میں پٹھے رکھانا یا خط بنوانا اور چوٹی رکھانا، یہ شرع شریف میں حلال ہے یا حرام یا مکروہ مع دلیل شرع کے بیان فرمائیے؟ بینوا توجروا فقط۔

الجواب: یہ سب اُمور معصیت ہیں بعض صغیرہ بعض کبیرہ، اور وقت اصرار سب کبیرہ ہوجاتے ہیں۔

أما الأول: فلما روي عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ما أسفل من الكعبين من الإزار في النار. رواه البخاري وغيره ذٰلك من الأحاديث (١)۔

أما الثاني: فلما روي عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال: رأى رسول الله ﷺ عليّ ثوبين معصفرين، فقال: إن هٰذه ثياب الكفار فلا تلبسها. رواه مسلم (٢)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے معصفر سے ممانعت کی علت یہ ارشاد فرمائی کہ یہ لباس کفار میں سے ہے، اُن کے ساتھ تشبیہ جائز نہیں، پس لہنگا بھی مخصوص لباس زنانِ ہنود کا ہے؛ اس لئے بُرا ہے (٣)۔

---

(١) بخاري شريف، كتاب اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار، النسخة الهندية ٢/ ٨٦١، رقم: ٥٥٥٩، ف: ٥٧٨٧۔

وأخرج البخاري أيضا عن أبي هريرةؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا ينظر الله يوم القيامة إلى من جر إزاره بطرا.

وأخرج أيضا عن ابن عمرؓ يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من جر ثوبه من مخيلة لم ينظر الله إليه يوم القيامة. (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب من جر ثوبه من الخيلاء، النسخة الهندية ٢/ ٨٦١، رقم: ٥٥٦٠، ٥٥٦٣، ف: ٥٧٨٨-٥٧٩١)

عن أبي ذر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة، ولا ينظر إليهم ولا يزكيهم ولهم عذاب أليم قال: فقرأها رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث مرارا، قال أبوذر: خابوا وخسروا من هم يا رسول الله! قال: المسبل والمنان، والمنفق سلعته بالحلف الكاذب. (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار، النسخة الهندية ١/ ٧١، بيت الأفكار رقم: ١٠٦)

(٢) مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب النهي عن لبس الرجل الثوب المعصفر، النسخة الهندية ٢/ ١٩٣، بيت الأفكار رقم: ٢٠٧٧۔

(٣) عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ←

أما الثالث: فلما قال اللّٰه تعالیٰ: فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن إذا تراضوا بينهم بالمعروف ذٰلک يوعظ به من كان منكم يؤمن باللّٰه واليوم الاٰخر ذٰلكم ازكیٰ لكم واطهر الاٰية (۱)۔ وقال اللّٰه تعالیٰ: وأنكحوا الأيامیٰ منكم الاٰية (۲)۔ وقال رسول اللّٰه ﷺ: يا علي! لا تؤخر ثلثا وعد منها الأيم إذا وجدت لها كفوا (الحديث (۳)۔

اوراگراس کوعاروعیب وننگ سمجھتا ہےتو خوف کفر ہے:-

لقوله تعالیٰ: فلا وربک لايؤمنون حتى يحكموک فيما شجربينهم ثم لا يجدوا فی أنفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما. الآية (۴)۔ ولقوله عليه السلام: لا يؤمن أحدكم حتى يكون هواه تبعا لما جئت به. (الحديث (۵)۔

أما الرابع: فلقوله تعالى: ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى (۶)۔

← **تشبه بقوم فهو منهم.** (أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۵۹، دارالسلام، رقم: ۴۰۳۱)

(من تشبه بقوم) أي من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار (فهو منهم) أي في الإثم والخير، قال الطيبي: هذا عام في الخلق والخلق. (مرقاة، كتاب اللباس، الفصل الثاني، إمداديه ملتان ۸/ ۲۵۵)

(۱) سورة البقرة، رقم الآية: ۲۳۲۔

(۲) سورة النور، رقم الآية: ۳۲۔

(۳) عن علي بن أبي طالب أن النبي صلى الله عليه وسلم قال له: يا علي! ثلاث لا تؤخرها: الصلاة إذا آنت، والجنازة إذا حضرت، والأيم إذا وجدت لها كفؤا. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الوقت الأول من الفضل، النسخة الهندية ۱/ ۴۳، دارالسلام رقم: ۱۷۱)

(۴) سورة النساء، رقم الآية: ۶۵۔

(۵) مشكوة شريف، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، قبيل الفصل الثالث، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۳۰۔

(۶) سورة الأحزاب، رقم الآية: ۳۳۔

ولقوله تعالیٰ: غير متبرجٰت بزينة الأية (١)۔ ولقوله تعالیٰ: ولا يبدين زينتهن. الأية (٢)۔
پس معلوم ہوا کہ زینت کے ساتھ عورت کو بازار یا مجمع میں نکلنا یا کسی غیر محرم کے سامنے آنا قطعاً حرام ہے؛ البتہ اگر کوئی ضروری حاجت ہو اور ہیئت رثہ اور ثیاب بذلہ یعنی میلے کچیلے کپڑوں میں پردہ کر کے نکلے تو جائز ہے۔

لقوله تعالیٰ: يدنين عليهن من جلابيبهن (٣)۔ ولقوله تعالیٰ: إلا ما ظهر منها (٤)۔

وفي الدرالمختار: وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا؛ لأنه عورة بل لخوف الفتنة (٥)۔ والله أعلم.

أما الخامس والسادس: فلما روى عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: خالفوا المشركين، وفروا اللحٰى، واحفوا الشوارب (٦)۔ وفي رواية: انهكوا الشوارب واعفوا اللحى. متفق عليه (٧)۔
البتہ مقدار قُبضہ یعنی ایک مٹھی سے اگر داڑھی زائد ہو جاوے اُس وقت کتروانا درست ہے، چنانچہ عالمگیری میں تصریح کی گئی ہے (٨)۔

---

(١) سورة النور، رقم الآية: ٦٠۔

(٢) سورة النور، رقم الآية: ٣١۔

(٣) سورة الأحزاب، رقم الآية: ٥٩۔

(٤) سورة النور، رقم الآية: ٣١۔

(٥) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٧٩٩، كراچى ١/ ٤٠٦۔

(٦) بخاري شريف، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، النسخة الهندية ٢/ ٨٧٥، رقم: ٥٦٦٣، ف: ٥٨٩٢۔

(٧) بخاري شريف، كتاب اللباس، باب إعفاء اللحى، النسخة الهندية ٢/ ٨٧٥، رقم: ٥٦٦٤، ف: ٥٨٩٣۔

مسلم شريف، الطهارة، باب خصال الفطرة، النسخة الهندية ١/ ١٢٩، بيت الأفكار رقم: ٢٥٩۔

(٨) عن ابن عمر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: خالفوا ←

أما السابع: فلما روى عن ابن عمرؓ أن النبي ﷺ رأى صبياً قد حلق بعض رأسه وترك بعضه فنهاهم عن ذٰلک، وقال: احلقوا کله أو اترکوا کله. رواه مسلم (۱)۔

أما الثامن: فلما روى عن الحجاج بن حسان قال: دخلنا علیٰ أنس بن مالک فحدثتني أختي المغيرة قالت: وأنت يومئذ غلام ولک قرنان أو قصتان فمسح رأسک وتبرک علیک، وقال: احلقوا هذين أو قصوهما، فإن هذا زيّ اليهود. رواه أبو داؤد (۲)۔

وہ زیّ یہود تھا یہ زیّ ہنود ہے اور خصوصاً اگر کسی پیر فقیر کے نام پر رکھی جائے تو شرک ہے۔ **واللہ اعلم**

۲۱؍ شعبان روز چہار شنبہ ۱۳۰۳ھ

← **المشركين وفروا اللحى واحفوا الشوارب، وكان ابن عمر إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته فما فضل أخذه.** (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، النسخة الهندية ۲/ ۸۷۵، رقم: ۵۶۶۳، ف: ۵۸۹۲)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأخذ من لحيته من طولها وعرضها. (ترمذی شريف، كتاب الأدب، باب ماجاء في أخذ اللحية، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۵، دارالسلام رقم: ۲۷۶۲)

ولا بأس إذا طالت لحيته أن يأخذ من أطرافها ولا بأس أن يقبض على لحيته، فإن زاد على قبضته منها شيء جزه. (هندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر الخ، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۵۸، جديد زكريا ديوبند ۵/ ٤١٤)

(۱) مشكوة شريف، كتاب اللباس، باب الترجل، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ٤٨٠۔

مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب كراهية القزع، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۳، بيت الأفكار رقم: ۲۱۲۰۔

أبوداؤد شريف، كتاب الترجل، باب في الصبي له ذوابة، النسخة الهندية ۲/ ۵۷۷، دارالسلام رقم: ٤١٩٥۔

نسائي شريف، كتاب الزينة من السنن، الرخصة في حلق الرأس، النسخة الهندية ۲/ ۲۳٤، دارالسلام رقم: ۵۰۵۱۔

(۲) أبوداؤد شريف، كتاب الترجل، باب ماجاء في الرخصة، النسخة الهندية ۲/ ۵۷۷، دارالسلام رقم: ٤١٩٧۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مختلف قسم کے رنگوں کی حلت وحرمت کا بیان

سوال (۲۴۲۰): قدیم ۴/۱۲۵- پارچہ میں کس کس قسم کا رنگ ناجائز ہے؟

الجواب: عورتوں کے لئے ہر قسم کا رنگ جائز ہے، اور مردوں کے لئے کسم اور زعفران کا اتفاقاً ممنوع ہے اور سرخ میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک حرام، بعض کے نزدیک مباح، بعض کے نزدیک مستحب، بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے، اور قول اخیر مفتیٰ بہ ہے، اور باقی سب رنگ جائز ہیں۔

وكره لبس المعصفر والمزعفر الأحمر والأصفر للرجال مفاده أن لايكره للنساء، ولا بأس بسائر الألوان، وفي المجتبى والقهستاني وشرح النقاية لأبى المكارم: لابأس بلبس الثوب الأحمر اه. ومفاده: أن الكراهة تنزيهية لكن صرح في التحفة بالحرمة، فأفاد أنها تحريمية، وهي المحمل عند الإطلاق قاله المصنف قلت وللشر نبلالي فيه رسالة نقل فيها ثمانية أقوال: منها: أنه مستحب. در مختار وفي الشامي: ولكن جل الكتب علىٰ الكراهة كالسراج والمحيط والاختيار والمنتقى والذخيرة وغيرها، وبه أفتى العلامة قاسم. جلد ۵، ص ۲۲۸ (۱)۔

۲۵/ربیع الاول ۱۳۰۴ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۲۷)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۱۵-۵۱۶، كراچی ۶/ ۳۵۸۔

ويكره الثوب الأحمر والمعصفر للرجال؛ لأنه عليه السلام نهى عن لبس الأحمر والمعصفر، وفي المنح: ولا بأس بلبس الثوب الأحمر، وبه صرح أبوالمكارم في شرح النقاية، وهذا ظاهر في أن المراد بالكراهة كراهة التنزيه؛ لأنها ترجع إلى خلاف الأولى كما صرح به كثير من المحققين؛ لأن كلمة لا بأس تستعمل غالبا فيما تركه أولى كما قاله بعض أهل التحقيق، لكن صرح صاحب تحفة الملوك بالحرمة، فأفاد أن المراد كراهة التحريم وهو المحمل عند الإطلاق. (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل: في اللبس، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۹۲) ←

عورتوں کو مردانہ جوتہ پہننے کی ممانعت

سوال (۲۴۲۱): قدیم ۴/۱۲۵- مردانہ چڑھواں جوتہ عورتوں کو پہننا کیسا ہے؟ بعض دیار میں علی العموم رواج ہے کہ عورتیں بھی مثل مَردوں کے وہی جوتہ پہنتی ہیں جو ایڑی کی طرف زیرپائی کے بیٹھا ہے اور چپٹا نہیں ہوتا؛ بلکہ جیسا مردوں کا جوتہ ویسا ہی وہ بھی، اوّل تو مجھے ناجائز ہی ہونے کا خیال ہوا؛ کیونکہ عورتوں کو لباس وغیرہ میں مردوں کی مشابہت پیدا کرنے کی حدیث شریف میں وعید آئی ہے؛ لیکن جب سے یہ معلوم ہوا ہے کہ جناب فلانے صاحب مرحوم مغفور کے یہاں سب یا اکثر عورتیں اورلڑکیاں بھی مردانہ جوتہ پہنتی ہیں اور مولانا مرحوم نے کبھی منع نہیں فرمایا اس وقت سے یہ رائے سُست ہوگئی؛ لیکن ابھی کچھ اطمینان نہیں ہوا، میں نے جوایک آدھ کو منع کیا تو یہ کہا گیا کہ اس میں پیر کو آرام زیادہ ملتا ہے، اور چلنے میں نکل جانا اوراس میں چلتے وقت خاک اور چھینٹیں بھی نہیں اُڑتیں؛ اس لئے ایسا پہنا جاتا ہے اور زیرپائی میں ایڑی کو تکلیف ہوتی ہے؟

الجواب: اس کے رواج میں عموم نہیں ہوا، کہ دیکھنے والوں کو منکر اور موجب تشبہ نہ معلوم ہوتا ہو؛ اس لئے تشبہ اس میں ضرور ہے (۱) کسی بزرگ کا منع نہ کرنا حجّت شرعیہ نہیں، رہا تکلیف ہونا، سواس کی اصلاح وترمیم ممکن ہے کہ بنانے والا اس کی رعایت کرے، رہا چھینٹ وغیرہ کا پڑنا سواس کی احتیاط بھی دُشوار نہیں۔ فقط۔ (امداد، ج۲،ص۱۵۲)

← **ويكره تحريما للرجال الأحمر والمعصفر، وقيل: تنزيها، قيل: يستحب أحيانًا، ولا بأس بسائر الألوان.** (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، الكراهية، فصل في اللبس، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٩٢)

تبيين الحقائق، كتاب الخنثى، مسائل شتى، قبيل كتاب الفرائض، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٤٦٩، إمداديه ملتان ٦/ ٢٢٩۔

(۱) **عن ابن عباس رضي الله عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المتشبهات بالرجال من النساء، والمتشبهين بالنساء من الرجال.** (ترمذي شريف، أبواب الأدب، باب ماجاء في المتشبهات بالرجال من النساء، النسخة الهندية ٢/ ١٠٦، دارالسلام رقم: ٢٧٨٤) ←

مردانہ جوتہ کی ایڑی بٹھا کر پہننا عورتوں کے لئے جائز ہے

سوال (۲۴۲۲): قدیم ۴/۱۲۶- دہلی کی جوتی نوکدار کا مدار جو کہ مرد پہنتے ہیں اگر اس جوتی کی ایڑی بٹھا کر عورت پہنے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: میں تو جائز سمجھتا ہوں (۱)۔ ۱۵/ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۷۳)

سلیپر جوتہ پہننا

سوال (۲۴۲۳): قدیم ۴/۱۲۶- سلیپر پہننے میں نصاریٰ کی مشابہت تو نہیں ہے؟

الجواب: اگر مشابہت نہیں ہے تو جائز ہے (۲)۔ واللہ اعلم

یوم الاضحیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۶۹)

← وأخرج أبوداؤد عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه لعن المتشبهات من النساء بالرجال والمتشبهين من الرجال بالنساء.

وأخرج أيضا عن ابن أبي مليكة قال: قيل لعائشة: إن امرأة تلبس النعل، فقالت: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الرجلة من النساء. (أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في لباس النساء، النسخة الهندية ۲/ ۵٦٦، دارالسلام رقم: ٤٠٩٧-٤٠٩٩)

بخاري شريف، كتاب اللباس، باب المتشبهون بالنساء والمتشبهات بالرجال، النسخة الهندية ۲/ ۸۷٤، رقم: ٥٦٥٦، ف: ٥٨٨٥۔

ابن ماجة شريف، كتاب النكاح، باب في المخنثين، النسخة الهندية ص: ۱۳۷، دارالسلام رقم: ۱۹۰۳-۱۹۰٤۔

مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۱۷/ ٤٠، رقم: ٩٥٥٧۔

(۱) چونکہ ممانعت کی اصل وجہ تشبہ بالرجال تھی (كما تقدم تخريجه آنفا) اور جب اس جوتی کی ایڑی بٹھا کر اس کی ہیئت کذائیہ بدل دی گئی تو مردوں کے ساتھ مشابہت باقی نہ رہی؛ لہٰذا اس کا پہننا عورتوں کے لئے جائز ہوگا۔

(۲) عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ←

ایضاً

سوال (۲۴۲۴): قدیم ۴/۱۲۶- سلیپر یعنی بلا ایڑی کا جوتہ مرد کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر تحقیق سے ثابت ہوجاوے کہ اس میں تشبّہ نہیں ہے تو درست ہے(۱)۔

۱۲/ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (حوادث اول ص ۱۲۵)

← **تشبه بقوم فهو منهم.** (أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۵۹، دارالسلام رقم: ۴۰۳۱)

مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۳۷۵۔

مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۷/ ۳۶۸، رقم: ۲۹۶۶۔

قال القاري: أي من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصرف والصلحاء الأبرار فهو منهم، أي في الإثم والخير، قال الطيبي: هذا عام في الخلق والخلق والشعار. (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ۸/ ۲۵۵)

قال القاري: أي من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصرف والصلحاء الأبرار فهو منهم، أي في الإثم والخير، قاله القاري: قال العلقمي: أي من تشبه بالصالحين يكرم كما يكرمون، ومن تشبه بالفساق لم يكرم، ومن وضع عليه علامة الشرفاء أكرم، وإن لم يتحقق شرفه. (عون المعبود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، دارالكتاب العربي بيروت ۴/ ۷۸، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۱/ ۵۱)

شرح الطيبي، كتاب اللباس، تحت رقم الحديث: ۴۳۴۷، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۲۳۲، كراچى ۸/ ۲۱۹۔

بذل المجهود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، قديم ۵/ ۴۱، جديد دارالبشائر الإسلامية ۱۲/ ۵۹۔

(۱) **عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم.** (أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۵۹، دارالسلام رقم: ۴۰۳۱) ←

مختلف چوڑیاں پہننا

سوال (۲۴۲۵): قدیم ۴/ ۱۲۶- چوڑی ربڑ و بلوری، سادہ و نقشی و کچ کی سیاہ پہننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: سب جائز ہے(۱)۔ فقط ۱۲/ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد، ج۲، ص۱۸۴)

← مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مكتبه أشرفيه ديوبند ٢/ ٣٧٥۔

قال القاري: أي من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصرف والصلحاء الأبرار فهو منهم، أي في الإثم والخير، قال الطيبي: هذا عام في الخلق والخلق والشعار. (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ٨/ ٢٥٥)

عون المعبود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، دارالكتاب العربي بيروت ٤/ ٧٨، مكتبه أشرفيه ديوبند ١١/ ٥١۔

بذل المجهود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، قديم ٥/ ٤١، جديد دارالبشائر الإسلامية ١٢/ ٥٩۔

(۱) **عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله عنه أن امرأتين أتتا رسول الله صلى الله عليه وسلم وفي أيديهما سواران من ذهب، فقال لهما: أتؤديان زكاته؟ فقالتا: لا، فقال لهما رسول الله صلى الله عليه وسلم: أتحبان أن يسور كما الله بسوارين من نار؟ قالتا: لا، قال: فأديا زكاته.** (ترمذي شريف، كتاب الزكوة، باب ماجاء في زكاة الحلي، النسخة الهندية ١/ ١٣٨، دارالسلام رقم: ٦٣٧)

يجوز للنساء لبس أنواع الحلي كلها من الذهب، والفضة، والخاتم، والحلقة، والسوار، والخلخال، والطوق والعقد، والتعاويذ، والقلائد وغيرها. (إعلاء السنن، كتاب الحظر والإباحة، باب حرمة الذهب على الرجال وحله للنساء، دارالكتب العلمية بيروت ١٧/ ٣١٨، كراچی ١٧/ ٢٩٣)

وجميع أنواع الزينة بالحلي والطيب ونحو ذلک جائز لهن ما لم يغيرن شيئا من خلقهن. (عمدة القاري، كتاب اللباس، باب الطيب، في الرأس واللحية، دار إحياء التراث العربي ٢٢/ ٥٩، مكتبه زكريا ديوبند ١٥/ ١٠٨، تحت رقم الحديث: ٥٩٢٣) ←

مخمل کا حکم

سوال (۲۴۲۶): قدیم ۴/ ۱۲۶- مخمل کا شافی یا دوسری قسم کی مخمل سرخ یا سبز یا زرد یا سیاہ پہننی مردوں کو جائز ہے یا نا جائز، حرام یا مکروہ؟ مولوی عبدالحی صاحب مرحوم نفع المفتی والسائل میں منع لکھتے ہیں؟

الجواب: مثل ریشم (*) کے حرام ہے۔ لأنه منه (۱)۔ فقط

۱۲/ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۸۴)

(*) بعد میں معلوم ہوا کہ بعض مخمل ریشمی نہیں، پس وہ جائز ہوگی۔ ۱۲ منہ

← **ويكره للولي إلباس الخلخال أو السوار لصبي (درمختار) وفي الشامية: أي الذكر؛ لأنه من زينة النساء.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٦٠٢، كراچى ٦/ ٤٢٠)

(١) **عن عمر بن الخطابؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إنما يلبس الحرير في الدنيا من لا خلاق له في الآخرة.** (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب لبس الحرير وافتراشه للرجال، وقدر ما يجوز منه، النسخة الهندية ٢/ ٨٦٧، رقم: ٥٦٠٦، ف: ٥٨٣٥)

أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب ماجاء في لبس الحرير، النسخة الهندية ٢/ ٥٦٠، دارالسلام رقم: ٤٠٤٠۔

مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة الخ، النسخة الهندية ٢/ ١٨٩، بيت الأفكار رقم: ٢٠٦٧۔

يحرم لبس الحرير ولو بحائل بينه وبين بدنه على المذهب الصحيح على الرجل الخ. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٠٦، كراچى ٦/ ٣٥١)

ويحل للنساء لبس الحرير ولا يحل للرجال ولو بحائل بينه وبين بدنه على المذهب كما في التنوير؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن لبس الحرير والديباج، وقال: إنما يلبسه من لا خلاق له، أي لا نصيب له في الآخرة. (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٩٢) ←

ایضاً

سوال (۲۴۲۷): قدیم ۴/ ۱۲۶- پارچہ مخمل میں بہت اختلاف ہے علماء سے سُنا گیا ہے کہ خالص ریشم یا جس کا تانا سوت کا اور بانا ریشم کا ہو حرام ہے، جس کا تانا ریشم بانا سوت ہو درست ہے، مخمل کس درجہ میں رہا، اس پر تو ریشم جمایا جاتا ہے، اس کے جواز کا کیا قاعدہ، تانے بانے سے اس کو تعلق نہیں، تحریر فرمائیے، کس قدر ریشم جما ہو تو حلال اور کس قدر حرام؟

الجواب: اس کی تہ مثل ابرے کے ہے، اگر ریشمی ہوگی حرام ہے(۱)۔

رجب ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۷)

← **يجب أن يعلم أن لبس الحرير وهو ما كانت لحمته حريرا وسداه حريرا حرام على الرجال في جميع الأحوال عند أبي حنيفة، وقال أبويوسف ومحمد رحمهما الله: لا يكره فى حالة الحرب، ويكره في غير حالة الحرب.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع: في اللبس ما يكره من ذلك وما لا يكره، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٣١، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٨٣)

(۱) **عن عمر بن الخطابؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إنما يلبس الحرير في الدنيا من لا خلاق له في الآخرة.** (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب لبس الحرير وافتراشه للرجال، وقدر ما يجوز منه، النسخة الهندية ٢/ ٨٦٧، رقم: ٥٦٠٦، ف: ٥٨٣٥)

عن عبدالرحمن ابن أبي ليلى قال: استسقى حذيفة فسقاه مجوسي في إناء من فضة، فقال: إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا تلبسوا الحرير ولا الديباج، ولا تشربوا في آنية الذهب والفضة، ولا تأكلوا في صحافها، فإنها لهم في الدنيا. (مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة على الرجال والنساء، وخاتم الذهب والحرير على الرجال، النسخة الهندية ٢/ ١٨٩، بيت الأفكار رقم: ٢٠٦٧)

أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب ماجاء في لبس الحرير، النسخة الهندية ٢/ ٥٦٠، دارالسلام رقم: ٤٠٤٠۔

يحرم لبس الحرير ولو بحائل بينه وبين بدنه على المذهب الصحيح على الرجل الخ. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٠٦، كراچی ٦/ ٣٥١) ←

ٹسر کا استعمال اوراس کا حکم

سوال (۲۴۲۸): قدیم ۴/ ۱۲۷- ٹسر کا کپڑا جو آج کل رائج ہے، ریشم ہے یا نہیں، استعمال اس کا مردوں کو جائز ہے یا کیا؟

الجواب: تحقیق سے ثابت ہوگیا کہ وہ ریشم ہے گوادنٰے درجہ کا ہو(۱)۔ ۱۲/ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

← **ويحل للنساء لبس الحرير ولا يحل للرجال ولو بحائل بينه وبين بدنه على المذهب كما في التنوير؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن لبس الحرير والديباج، وقال: إنما يلبسه من لا خلاق له، أى لا نصيب له في الآخرة.** (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٩٢)

البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣٤٧، كوئٹه ٨/ ١٨٩۔

هندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع: في اللبس ما يكره من ذلك وما لا يكره، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٣١، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٨٣۔

(۱) **عن عمر بن الخطابؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إنما يلبس الحرير في الدنيا من لا خلاق له في الآخرة.** (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب لبس الحرير وافتراشه للرجال، وقدر ما يجوز منه، النسخة الهندية ٢/ ٨٦٧، رقم: ٥٦٠٦، ف: ٥٨٣٥)

عن عبدالرحمن ابن أبي ليلى قال: استسقى حذيفة فسقاه مجوسي في إناء من فضة، فقال: إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا تلبسوا الحرير ولا الديباج، ولا تشربوا في آنية الذهب والفضة، ولا تأكلوا في صحافها، فإنها لهم في الدنيا. (مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة على الرجال والنساء، وخاتم الذهب والحرير على الرجال، النسخة الهندية ٢/ ١٨٩، بيت الأفكار رقم: ٢٠٦٧)

يحرم لبس الحرير ولو بحائل بينه وبين بدنه على المذهب الصحيح على الرجل الخ. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٠٦، كراچی ٦/ ٣٥١)

ويحل للنساء لبس الحرير ولا يحل للرجال ولو بحائل بينه وبين بدنه على المذهب كما في التنوير؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن لبس الحرير والديباج، وقال: ←

ایضاً

سوال (۲۴۲۹): قدیم ۴/ ۱۲۷- لوگ ریشم کو استعمال کرنا ناجائز جانتے ہیں اور ٹسر کو جائز حالانکہ دونوں کی ماہیت ایک ہے، یعنی کیڑا شہتوت کے پتّے کھا کر ریشم بناتا ہے اور اسی قسم کا دوسرا کیڑا جو ارنڈ کے پتّے یا دوسری جنگلی پتّے کھا کر ٹسر بناتا ہے تو آیا ایسی صورت میں ٹسر کا اور ریشم کا ایک حکم ہے یا دو؟

الجواب: دونوں کا ایک حکم ہے، یعنی دونوں ریشم ہیں ایک اعلیٰ ایک ادنیٰ (۱)۔

۸/ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

← **إنما يلبسه من لا خلاق له، أى لا نصيب له في الآخرة.** (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٩٢)

هندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع: في اللبس ما يكره من ذلك وما لا يكره، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٣١، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٨٣-

(۱) **عن عمر بن الخطابؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إنما يلبس الحرير في الدنيا من لا خلاق له في الآخرة.** (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب لبس الحرير وافتراشه للرجال، وقدر ما يجوز منه، النسخة الهندية ٢/ ٨٦٧، رقم: ٥٦٠٦، ف: ٥٨٣٥)

مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة الخ، النسخة الهندية ٢/ ١٨٩، بيت الأفكار رقم: ٢٠٦٧-

أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب ماجاء في لبس الحرير، النسخة الهندية ٢/ ٥٦٠، دارالسلام رقم: ٤٠٤٠-

يحرم لبس الحرير ولو بحائل بينه وبين بدنه على المذهب الصحيح على الرجل الخ. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٠٦، كراچی ٦/ ٣٥١)

ويحل للنساء لبس الحرير ولا يحل للرجال ولو بحائل بينه وبين بدنه على المذهب كما في التنوير؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن لبس الحرير والديباج، وقال: إنما يلبسه من لا خلاق له، أى لا نصيب له في الآخرة. (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٩٢) ←

اطلس پہننا

سوال (۲۴۳۰): قدیم ۴/ ۱۲۷- کپڑا (اطلس) جس کا تانا ریشم کا اور بانا ٹسر کا ہوتا ہے، مرد کو پہننا جائز ہے یا نہیں؟ ٹسر ایک قسم کا (سن) ہوتا ہے کہ جس کو صاف کرنے سے ریشم کے مانند ملائم کر لیتے ہیں اور پھر اس کو استعمال کرتے ہیں، اور یہ (سن) بھاگلپور کی طرف ہوتا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب: کپڑے میں بانا معتبر ہے، پس اگر ٹسر کی وہی حقیقت ہے جو سائل نے لکھی ہے تو یہ کپڑا مرد کیلئے بھی جائز ہے گوتانا ریشم ہے(۱)۔ ۵/ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۱)

← **يجب أن يعلم أن لبس الحرير وهو ما كانت لحمته حريرا وسداه حريرا حرام على الرجال في جميع الأحوال عند أبي حنيفة، وقال أبويوسف ومحمد رحمهما الله: لا يكره فى حالة الحرب، ويكره في غير حالة الحرب.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع: في اللبس ما يكره من ذلك وما لا يكره، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٣١، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٨٣)

(۱) **وأما ما كان سداه حريرا ولحمته غير حرير فلا بأس بلبسه بلا خلاف بين العلماء وهو الصحيح وعليه عامة المشايخ.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع: في اللبس ما يكره من ذلك وما لا يكره، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٣١، جديد زكريا ٥/ ٣٨٣)

و لا بأس بلبس ماسداه إبريسم ولحمته غيره، أي غير الإبريسم سواء كان مغلوبا أو غالبا أو مساويا للحرير كالقطن والكتان والصوف يعني فى الحرب وغيره؛ لأن الصحابة رضي الله عنهم كانوا يلبسون مثل هذا، ولأن الثوب يصير بالنسج والنسج باللحمة، فهى معتبرة لكونها علة قريبة فيضاف الحكم من الحل والحرمة إليها دون السدى فيكون العبرة لما يظهر دون ما يخفى. (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٩٤-١٩٥)

ويحل لبس ماسداه إبريسم ولحمته غيره ككتان وقطن وخز؛ لأن الثوب إنما يصير ثوبا بالنسج والنسج باللحمة فكانت هى المعتبرة دون السدى. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥١٣، كراچی ٦/ ٣٥٦)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل العاشر فى اللبس ما يكره من ذلك، مكتبه زكريا ديوبند ١٨/ ١٠٨، رقم: ٢٨١٨٦۔

البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣٤٨، كوئٹه ٨/ ١٩٠۔

کامدار ٹوپی کا استعمال

سوال (۲۴۳۱): قدیم ۴/ ۱۲۷- میرٹھی ٹوپی پر سونے چاندی کا یا پیتل وریشم کلابتوں کا کام کیا جاتا ہے، اس طرح کہ کوئی بیل بُوٹا چار اُنگل کا نہیں ہوتا ہے، مگر اس طرح متصل ہوتا ہے کہ بعض دو میں کوئی فرجہ دیکھا نہیں جاتا، اور بعض ٹوپی میں کسی قدر فرق ہوتا ہے، اس کا استعمال کیسا ہے؟

الجواب: اگر فرجہ متمیز بلا تکلف ہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز (۱)۔

۸/ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۲)

---

(۱) **ولا يحل للرجال إلا قدر أربع أصابع كالعلم؛ لأن الناس يلبسون الثياب وعليها الأعلام والطراز في تلك الأعصار من غير نكير، وإن كان أكثر من الأربع فهو مكروه وقد روي أن النبي صلى الله عليه وسلم لبس جبة مكفوفة بالحرير، وروي أنه عليه الصلاة والسلام لبس فروة أطرافها من الديباج، وكان المعنى في ذلك أنه تبع كما في السراج ...... وكذلك إذا كان في طرف القلنسوة لا بأس به إذا كان قدر أربع أصابع أو دونها في ظاهر المذهب كما في القنية.** (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٩٢-١٩٣)

يحرم لبس الحرير ولو بحائل على المذهب على الرجل لا المرأة إلا قدر أربع أصابع كأعلام الثوب مضمونة، وقيل: منشورة، وقيل: بين بين، وظاهر المذهب عدم جمع المتفرق ولو في عمامة كما بسط في القنية، وفيها عمامة طرازها قدر أربع أصابع من إبريسم من أصابع عمر رضي الله عنه، وذلك قيس شبرنا يرخص فيه، وكذا المنسوج بذهب يحل إذا كان هذا المقدار أربع أصابع وإلا لا يحل للرجل زيلعي. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٠٦-٥٠٧، كراچی ٦/ ٣٥١-٣٥٣)

وفي السراجية: ويكره أن يلبس الذكور قلنسوة من الحرير أو الذهب أو الفضة أو الكرباس الذي خيط عليه إبريسم كثير أو شيء من الذهب أو الفضة أكثر من قدر أربع أصابع ولا بأس بأن يكون على طرف القلنسوة قدر أربعة أصابع من ذلك، وكذا على طرف العمامة، وكذا علم الجبة. (تاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل العاشر: في اللبس، ما يكره من ذلك وما لا يكره، مكتبه زكريا ديوبند ١٨/ ١١٠، رقم: ٢٨١٩٢) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

چوڑی دار پائجامہ پہننا

سوال (۲۴۳۲): قدیم ۴/ ۱۲۷- چوڑی دار پائجامہ جوشائقین اوباشوں میں رائج ہے، جب کہ بوتام لگا کر ٹخنے سے اُوپر رکھا جائے جائز ہونا چاہئے، عدم جواز کی کیا دلیل ہے، اسراف تو کہہ نہیں سکتے: کیونکہ بغرض زینت اگر کچھ کپڑا زائد لگ جائے تو اسراف میں داخل نہیں، ورنہ لکھنؤ کا زنانہ پائجامہ بھی ناجائز ہونا چاہئے، حالانکہ اگر اس میں قباحت ہے تو صرف اتنی کی تستر کلی طور پر نہیں ہوتا، چلنے میں ران اور ساق کھل جاتی ہے، کپڑا زیادہ لگنا وجہ ممانعت نہیں ہے، ورنہ کابلیوں کا پائجامہ بھی ممنوع ہونا چاہئے، اور مردوں کولمبا کرتا اچکن بھی ممنوع ہو کہ اس سے کم لمبا چوڑا بن سکتا ہے؟

الجواب: چونکہ اس میں تشبّہ بالفسّاق ہے اس لئے مکروہ ہے(۱) جیسا ایک حدیث میں ہے کہ ایک بزرگ نے ایک امیر پر خطبہ میں انکار کیا تھا۔ **یلبس ثیاب الفساق** (۲)۔ حالانکہ وہ صرف باریک کپڑا پہنے تھا، جو فی نفسہٖ مباح ہے، مگر اس وقت ثیاب رقیقہ شعار فساق کا تھا۔ کذا ہذا۔ فقط واللہ اعلم (امداد، ج ۲، ص ۱۵۲)

---

(۱) **عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم.** (أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۵۹، دارالسلام رقم: ۴۰۳۱)

مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۳۷۵۔

مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۷/ ۳۶۸، رقم: ۲۹۶۶۔

قال القاري: أي من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار فهو منهم، أي في الإثم والخير، قال الطيبي: هذا عام في الخلق والخلق والشعار. (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ۸/ ۲۵۵)

عون المعبود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، دارالكتاب العربي بيروت ۴/ ۷۸، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۱/ ۵۱۔

(۲) **عن زياد بن كسيب العدوي قال: كنت مع أبي بكرة تحت منبر ابن عامر** ←

چوڑی دار پائجامہ کا حکم

سوال (۲۴۳۳): قدیم ۴/ ۱۲۸ - اگر آڑا پائجامہ ٹخنے سے اُونچا ہو تو اس کے استعمال میں کچھ حرج تو نہیں؟

الجواب: آڑا پائجامہ اکثر اوباشوں کی وضع ہے، اور تشبّہ اہل باطل کیساتھ ممنوع ہے۔

۱۵/ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ

← **وهو يخطب وعليه ثياب رقاق، فقال أبو بلال: انظروا إلى أميرنا يلبس ثياب الفساق، فقال أبوبكرة: أسكت، سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من أهان سلطان الله في الأرض أهانه الله.** (ترمذي شريف، كتاب الفتن، باب ماجاء في الخلفاء، النسخة الهندية ٢/ ٤٦، دارالسلام رقم: ٢٢٢٤)

(۱) **عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم.** (أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ٢/ ٥٥٩، دارالسلام رقم: ٤٠٣١)

مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مكتبه أشرفيه ديوبند ٢/ ٣٧٥۔

مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ٧/ ٣٦٨، رقم: ٢٩٦٦۔

قال القاري: أي من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار فهو منهم، أي في الإثم والخير، قال الطيبي: هذا عام في الخلق والخلق والشعار. (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ٨/ ٢٥٥)

عون المعبود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، دارالكتاب العربي بيروت ٤/ ٧٨، مكتبه أشرفيه ديوبند ١١/ ٥١۔

بذل المجهود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، قديم ٥/ ٤١، جديد دارالبشائر الإسلامية ١٢/ ٥٩۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸/ باب: سونے، چاندی، پیتل، لوہے وغیرہ کا استعمال

تانبہ پیتل وغیرہ کے برتنوں کا استعمال

سوال (۲۴۳۴): قدیم ۴/ ۱۲۸- خاص ظروف تانبہ وجست وپیتل وپھول ولوہا میں خواہ قلعی دار تانبہ ہو یا بغیر اس کے کھانا پینا کیسا ہے؟

الجواب: چاندی سونے کے سِوا جس چیز کا برتن ہو اس کا استعمال جائز ہے۔

وفي الجوهرة: وأما الآنية من غير الفضة والذهب فلا بأس بالأكل والشرب فيها والانتفاع بها، كالحديد، والصفر، والنحاس، والرصاص، والخشب، والطين. اهـ ردالمحتار لیکن صاحب درمختار نے تانبہ اور پیتل میں کھانے کو مکروہ کہا ہے۔ **حيث قال: ويكره الأكل في نحاس أو صفر** اھ. مگر علامہ شامی نے اس کو مقید کیا ہے بے قلعی کے ساتھ **حيث قال: ثم قيد النحاس بالغير المطلي بالرصاص الخ** (۱)۔

پس اس حمل پر کلام صاحب جوہرہ ودرمختار میں تطبیق ہوگئی کہ جواز مخصوص ہے قلعی کے ساتھ اور کراہت بے قلعی کے ساتھ۔ فتنبہ وتفقہ واللہ اعلم۔ (امداد، ج ۲، ص ۱۳۴)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۹۴، ۴۹۵، كراچی ۶/ ۳۴۳۔

لا من رصاص وزجاج وبلور وعقيق (كنز) وتحته في التبيين: أي لا يكره استعمال الأواني من هذه الأشياء، وقال الشافعيؒ: يكره؛ لأنه في معنى الذهب والفضة في التفاخر به، قلنا: لا نسلم، ولئن كانت عادتهم جارية بالتفاخر في غير الذهب والفضة فلم تكن هذه الأشياء في معناهما، فامتنع الإلحاق بهما، ويجوز استعمال الأواني من الصفر لما روي عن عبدالله بن يزيد أنه قال: أتانا رسول الله صلى الله عليه وسلم فأخرجنا له ماء في تور من صفر فتوضأ. رواه البخاري، وأبوداؤد وغيرهما. ويمكن أن يستدل به على إباحة غير الذهب والفضة؛ لأنه في معناه بل عينه. (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۲۵، إمداديه ملتان ۶/ ۱۱) ←

ظروف بدری کے استعمال کا حکم

سوال (۲۴۳۵): قدیم ۴/ ۱۲۸- پاندان وغیرہ یعنی کٹورہ و پلنگ واُ گالدان ظروف بدری میں استعمال کیسا ہے؟

الجواب: شرعاً اعتبار غالب کا ہے، پس اگر بدری چاندی یا سونا غالب ہے تو اس کا استعمال ناجائز ہے، اور اگر مغلوب ہے تو جائز، اور اگر دونوں مساوی ہیں تو احتیاط عدم جواز میں ہے۔

وغالب الفضة والذهب فضة وذهب وما غلب غشه منهما يقوم، واختلف في غش المساوى، والمختار لزومها احتياطاً اھ۔ **قاله صاحب الدرالمختار في أحكام الزكوٰة** (۱)۔ **قلت لما جعل الحكم للغالب وأوجبت الزكوة فيه فلابد من أن يكون الحكم له في كل الأحكام، وكذا المغلوب والمساوي.** واللہ اعلم۔ (امداد، ج۲، ص۱۳۴)

← **وحل استعمال إناء عقيق وبلور وزجاج ورصاص عندنا لعدم التفاخر بمثل هذه الآنية عادة؛ لأنها ليست من جنس الأثمان، وقال الشافعيؒ: يكره لحصول التفاخر كالحجرين، قلنا: لا نسلم، ولئن كانت عادتهم جارية بالتفاخر في غيرهما فلم تكن هذه الأشياء في معناهما فامتنع الإلحاق بهما، ويجوز استعمال الأواني من الصفر، وفي التبيين: ويمكن أن يستدل به على إباحة غير الذهب والفضة؛ لأنه في معناه بل عينه.** (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، قبيل فصل في الكسب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٢-١٨٣)

البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣٤١، كوئٹه ٨/ ١٨٦۔

الجوهرة النيرة، كتاب الحظر والإباحة، دارالكتاب ديوبند ٢/ ٣٦٤۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب زكاة المال، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٣٠-٢٣١، كراچی ٢/ ٣٠٠۔

وما غلب ذهبه أو فضته فحكمه حكم الذهب والفضة الخالصين، وما غلب غشه تعتبر قيمته لا وزنه، وتشرط نية التجارة فيه كالعروض ...... واختلف في الغش المساوي، والمختار لزومها احتياطا. (سكب الأنهر على مجمع الأنهر، كتاب الزكوة، باب زكوة الذهب والفضة والعروض، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٠٥-٣٠٦) ←

لاٹھی میں لوہا، پیتل، چاندی وغیرہ کا چھلا لگوانے کا حکم

سوال (۲۴۳۶): قدیم ۴/ ۱۲۹- لاٹھی میں شام لوہا و پیتل و چاندی وغیرہ کی لگانا کیا حکم ہے؟

الجواب: سوائے چاندی سونے کے ہر جگہ خواہ اُوپر ہو یا نیچے جائز ہے، اور چاندی سونے کی اگر پکڑنے کی جگہ ہو تو جائز نہیں، اگر نیچے ہو تو جائز ہے۔

كما لو جعله أي التفضيض في نصل سيف وسكين أو فى قبضتهما أو لجام أو ركاب ولم يضع يده موضع الذهب والفضة. درمختار (۱)۔ واللہ اعلم۔ (امداد، ج۲، ص۱۳۴)

← **وما غلب على الغش فكالخالص من النقدين؛ لأن الدراهم لا تخلو عن قليل غش؛ لأنها لا تطبع إلا به فجعلنا الغلبة فاصلة. نهر. ومثلها الذهب ...... واختلف في الغش المساوي والمختار لزومها احتياطا.** (حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح، كتاب الزكوة، قبيل باب المصرف، دارالكتاب ديوبند ص: ۷۱۸)

النهرالفائق، كتاب الزكوة، باب زكاة المال، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۳۹۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۹۶، كراچى ۶/ ۳۴۴۔

وحل الشرب من إناء مفضض، والركوب على سرج مفضض، والجلوس على كرسي مفضض، ويتقى موضع الفضة (كنز) وفي التبيين: أي يتقي موضعها بالفم، وقيل: بالفم واليد في الأخذ، وفي الشرب ...... وكذا إذا جعل ذلك في نصل السيف والسكين أو في قبضتهما ولم يضع يده في موضع الذهب والفضة. (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۲۵، إمداديه ملتان ۶/ ۱۱)

وكذلك (يحل) إذا جعل ذلك في نصل السيف والسكين أو في قبضتهما ولم يضع يده في موضع الذهب والفضة. (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۳۴۱، كوئٹه ۸/ ۱۸۶)

إذا كان في نصل السكين أو في قبضة السيف فضة، قال أبوحنيفة: إن أخذ السكين من موضع الفضة يكره وإلا فلا. (هندية، كتاب الكراهية، الباب العاشر: في استعمال الذهب والفضة، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۳۴، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۸۷) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

لوہے کا جوتا استعمال کرنے کا حکم

سوال (۲۴۳۷): قدیم ۴/ ۱۲۹- جوتا میں نعل آہنی لگانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: نعل لگانا جائز ہے۔ **في ردالمحتار، في مفسدات الصلوٰة: قال هشام: رأيت على أبي يوسف نعلين مخصوفين بمسامير فقلت: أترى بهٰذا الحديد بأسا؟ قال: لا، الخ** (۱)۔ واللہ اعلم۔ (امداد، ج ۲، ص ۱۳۴)

سونے چاندی کے بٹن

سوال (۲۴۳۸): قدیم ۴/ ۱۲۹- کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت دربارۂ چاندی سونے کے بٹنوں کے، آیا مردوں کو قمیص وغیرہ میں اُن کا لگانا جائز ہے یا نہیں؟ مع سند کے لکھیں۔ اللہ اس کا اجر دے۔ فقط

الجواب: (۲) چاندی سونے کے بٹن لگانا مردوں کو جائز ہے۔

كما في الدرالمختار، في المجلد الخامس، في كتاب الكراهة، في فصل اللبس.

---

(۱) شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: في التشبه بأهل الكتاب، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۸۴، كراچی ۱/ ۶۲۴۔

قال هشام في نوادره: رأيت على أبي يوسف نعلين مخصوفتين بمسامير، فقلت: أ ترىٰ بهٰذا الحديد بأسا؟ قال: لا. (المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل الثاني والثلاثون: في المتفرقات، المجلس العلمي ۸/ ۱۲۷، رقم: ۹۷۵۱)

هندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع: في اللبس ما يكره من ذلك وما لا يكره، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۳۳، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۸۶۔

منحة الخالق على البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۸، كوئٹه ۲/ ۱۱۔

(۲) حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے اپنے اس جواب سے رجوع فرمالیا ہے جیسا کہ آگے سوال نمبر: ۲۴۴۰ کے جواب میں آرہا ہے۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وفي التاتارخانية عن السير الكبير: لابأس بأزرار الديباج والذهب (۱)۔

ترجمہ لفظی اس کا یہ ہوا کہ کچھ ڈرنہیں ریشم اور سونے کی گھنڈیوں کا فقط، پس گھنڈی اوربٹن اول تو صورۃً متقارب ہیں، دوسرے اس قسم کی اشیاء کے جواز کی دلیل تابعیت لکھی ہے۔ یہ علّت دونوں میں مشترک ہے،غرض بٹن اور گھنڈی صورۃً ومعنیً ای علۃً مساوی ہیں، جب ایک جائز دوسرا بھی جائزاور جب سونے کی تصریح موجود ہے چاندی بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔**لأنها أكثر منه رخصة.** واللہ اعلم۔ (امداد، ج۲،ص ۱۳۵)

ایضاً

سوال (۲۴۳۹): قدیم ۴/ ۱۲۹- آپ کی کتاب ''صفائی معاملات'' مطبوعہ رزاقی کانپور صفحہ ۳۴ پر بیان بعضے متفرق حلال وحرام چیزوں کے بیان میں یہ مسئلہ ہے کہ چاندی سونے کے بوتام یعنی بٹن اور گھنڈی لگانا جائز ہے فقط۔اس مسئلہ میں آپ سے یہ دریافت کرتا ہوں کہ واقعی سونے چاندی کے بوتام لگانا جائز ہے یااس کتاب میں کاتب سے غلطی ہوئی ہے؟ آپ اس کا خلاصہ تحریر فرمائیں۔اگر جائز ہے،اس کی تشریح ہوتو بہت بہتر ہوتا کہ اطمینان ہو؟

الجواب: (۲) کاتب کی تو غلطی نہیں ہے، میں نے ہی لکھا ہے،اوراس میں کسی قدر قیاس سے بھی کام لیا ہے،اصل مسئلہ جودرمختار وغیرہ میں ہے،اس کے الفاظ یہ ہیں: **ولابأس بأزرار الذهب الخ.** یہ''ازرار'' جمع ''زر'' کی ہے۔اور''زر'' کا ترجمہ ہے گھنڈی اور علّت لکھی ہے: **لأنه تابع للباس** (۳)۔

پس اس علّت کے اشتراک سے زر کے مفہوم میں توسع کرکے بوتام کوشامل سمجھا گیا ہے، اتنا تصرف اس میں قیاس کا ہے، پس یہ حقیقت ہے اس فتویٰ کی،مگر چندروز سے خود مجھ کواس میں تردد ہوگیا، وجہ تردد یہ

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۱۱، كراچی ٦/ ۳۵۵۔

(۲) حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے اپنے اس زیرنظر فتویٰ سے رجوع فرمالیا ہے جیسا کہ آگے سوال نمبر:۲۴۴۰ کے جواب میں آرہا ہے۔

(۳) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۱۱، كراچی ٦/ ۳۵۵۔

ہے کہ ایک بڑے محقق کا قول اس باب میں یہ سُنا ہے کہ زر سے مراد گھنڈی ہے جو کلابتوں کے تاروں سے بنی ہوئی ہو، اور کپڑے میں سلی ہوئی ہو، بوتام مراد نہیں، اور پوری تابع ایسی ہی گھنڈی ہے، پس بہتر یہ ہے کہ اور علماء سے تحقیق مزید کر لیجئے۔ (ترجیح خامس ص ۱۰۹)

ایضاً

سوال (۲۴۴۰): قدیم ۴/۱۳۰- امور مذکورہ ذیل دریافت طلب ہیں مفصل مدلل جواب سے مشرف فرماویں۔ ''صفائی معاملات'' کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سونا چاندی کے بوتام یعنی بٹن مطلقاً جائز ہیں، خواہ کتنے ہی وزن میں ہوں، اور ان کے ساتھ زنجیر خواہ ایک ہو یا زیادہ، اور زنجیر کے ساتھ گھونگھریاں بھی ہوں یا نہ ہوں بلا کراہت جائز ہیں۔ بندہ نے اس کے جزئیہ کو بعض کتب فقہ میں تلاش کیا تو میرے خیال میں اس کے متعلق درمختار کی یہ عبارت آئی:

في التتارخانية، عن السير الكبير: لا بأس بأزرار الديباج والذهب (۱)۔

اور عالمگیری کی یہ عبارت: **في السير الكبير: لابأس بلبس الثوب في غير الحرب إذا كان إزاره ديباجاً أو ذهباً كذا في الذخيره (۲)۔**

بندہ اس عبارت کا جو مطلب سمجھا ہے وہ عرض کرتا ہے، مراد ازرار ذہب سے کلابتوں کی گھنڈی ہے جو کپڑے کے ساتھ سلی ہوئی ہوتی ہے، نہ خالص سونے کا بٹن جو علیحدہ ہوتا ہے **بقرينة ازرار الديباج** کے اور بقرینہ اس کے کہ جہاں ملبوسات میں فضہ اور ذہب مذکور ہے مانند درمختار کے **لا يكره علم الثوب من الفضة ويكره من الذهب** (۳)۔ اس سے مراد کلابتون ہے، نہ خالص قطعہ ذہب

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۱۱، كراچی ٦/ ۳۵۵۔

(۲) هندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع: في اللبس ما يكره من ذلك وما لا يكره، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۳۳، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۸۵۔

(۳) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۱۱، كراچی ٦/ ۳۵۵۔

وفضہ چونکہ یہ تو زیور میں داخل ہوگا اور زیور سونے چاندی کا مطلقاً مرد کے واسطے منع ہے سوائے چند اشیاء کے جو خاصہ آثار کے ساتھ ان کی رخصت ثابت ہے اور بوتام ان مستثنیات سے نہیں ہے، جیسا درمختار اور شامی سے واضح ہے:

في الدرالمختار: ولايتحلى الرجل بذهب وفضة مطلقاً إلا بخاتم ومنطقة وحلية سيف منها، أي الفضة إذا لم يرد به التزيين. وفي الشامي قوله: منها أي الفضة لامن الذهب. درر. وقال في غرر الأفكار: حال كون كل من الخاتم والمنطقة والحلية منها، أي الفضة لورود آثار الرخصة منها في هذه الأشباه خاصة (۱)۔

اور ازرار الذہب سے کلابتون کی گھنڈی مراد لیجاوے تو یہ البتہ تابع کپڑے کے ہے، بخلاف بوتام کے، کہ یہ اس زمانہ میں مستقل زیور ہوگیا ہے، چونکہ اس کی آرائش کے واسطے بعض لوگ دو تین چار زنجیریں لگاتے ہیں، اور بعض زنجیر میں ذی روح کی تصویر بناتے ہیں، اور بعض گوکھریاں لگاتے ہیں، جو وقت تیز چلنے کے بجتی ہیں، اور بعض جواہر کا جڑاؤ اُن میں کراتے ہیں، اور پہننے کا اطلاق اُن پر کیا جاتا ہے کہتے ہیں سونے کے بٹن پہنے یا چاندی کے بٹن پہنے، اور بوتام علیحدہ بھی کپڑے سے ہوسکتے ہیں، مانند خالص ریشمی ازار بند کے جو باوجود تابع ہونے سروال کے ناجائز ہے، یہ سب علامات بوتام کے مستقل زیور ہونے کے ہیں، اور اگر ازرار الذہب میں کلابتون کی گھنڈی اور خالص سونے کا بٹن دونوں کا احتمال ہے، تو قاضی خاں کے اس قول سے:-

لارخصة للرجل فيما يتخذ من الذهب والفضة مفضضاً أومذهبا ماخلا الخاتم من الفضة وحلية السيف والسلاح لرخصة جاء ت فيه. اھ(۲)۔

بٹن کا احتمال مرتفع ہوگیا۔ پس گھنڈی باقی رہی، اور اگر امور مذکورہ سے قطع نظر کرکے ازرار الذہب سے خالص سونے کا بٹن مراد لیا جاوے جب بھی اُن کا ترک استعمال اولیٰ معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ کلمہ لاباس سے مستفاد ہے۔ شامی کے باب مکروہات الصلوٰۃ میں مذکور ہے۔

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۱۶-۵۱۷، كراچی ۶/ ۳۵۸-۳۵۹۔

(۲) خانية على هامش الهندية، كتاب الحظر والإباحة، باب ما يكره من الثياب والحلي والزينة وما لا يكره، قديم زكريا ديوبند ۳/ ۴۱۳، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۲۹۹۔

قال في النهاية: لأن لفظ لابأس دليل على أن المستحب غيره؛ لأن البأس الشدة (۱)۔

علاوہ اس کے اس زمانہ میں اکثر لوگ واسطے فخر اور زینت اور بڑائی کے پہنتے ہیں، جو سبب ممانعت کا ہے نہ واسطے اظہار نعمت کے، اسی واسطے اس کو اکثر علماء وصلحاء نہیں پہنتے بلکہ اکثر جہّال وفسّاق پہنتے ہیں۔

اب عرض یہ ہے کہ سونے چاندی کے بوتام کا جواز عبارت مذکورہ سے ہی ہے تو اس کی تشریح اور شبہات کا دفع مفصّل فرمائیں، یا اور نصوص اور تصریحات فقہیہ سے اس کے جواز کی تفصیل تحریر فرماویں، تاکہ تحیر دور ہو، اور اطمینان حاصل ہو؟

الجواب: مدّت ہوئی حضرت مولانا قاری عبد الرحمٰن پانی پتی رحمہ اللہ کا قول کہ اس ازرار سے مراد کلابتون کی گھنڈی ہے، بٹن اُس میں داخل نہیں، اُن کے صاحبزادے قاری عبد السلام مرحوم سے سُن کر ''صفائی معاملات'' کے اس مسئلہ میں مجھ کو تردّد ہوگیا ہے، اور اس وقت احتیاط کے درجہ میں اس سے رجوع کرتا ہوں۔ ۱۳؍ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ (ترجیح خامسہ ص ۱۱۲)

تفصیل حکم جرس

سوال (۲۴۴۱): قدیم ۴/۱۳۲- جرس ممنوع کی کیا تعریف ہے۔ **مع کل جرس شیطانٌ** (۱) سے کیا مراد ہے؟ بجتی ہوئی گھڑی اور گھنٹہ جرس میں کیوں شامل نہیں؟ عامۂ محدثین کی توجیہ (یعنی بوجہ اعلام دُشمن، سفر میں ممنوع ہونا) سے تو لازم آتا ہے کہ اب غلبہ اسلام کے وقت سفر میں بھی جائز ہو، اگر ضرورت کو سببِ اباحت قرار دیا جائے تو اوّل تو کچھ زیادہ ضرورت بھی نہیں، بغیر بجے بھی وقت معلوم ہوسکتا ہے، نیز لازم آتا ہے کہ بیل گھوڑے کی گردن میں گھنٹی اور گھنگرو بھی پہنانے جائز ہوں کہ لوگ آواز

---

(۱) شامي، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، مطلب: كلمة لا بأس دليل على أن المستحب غيره، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۳۰-۴۳۱، كراچی ۱/ ۶۵۸۔

(۱) **إن عامر بن عبدالله قال: علي بن سهل أخبره أن مولاة لهم ذهبت بابنة الزبير إلى عمر بن الخطاب، وفي رجلها أجراس فقطعها عمرؓ، ثم قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن مع كل جرس شيطانا.** (أبوداؤد شريف، كتاب الخاتم باب ماجاء في الجلاجل، النسخة الهندية ۲/ ۵۸۱، دارالسلام رقم: ۴۲۳۰)

سُن کر راستہ سے ہٹ جائیں، اگر ہر جرس کی ممانعت عام رکھی جائے تو لوٹا، کٹورہ، گلاس کا ایک دوسرے سے لگ کر بجنا بھی حرام ہوگا، غرض یہ کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا؟

الجواب: جرس کی حُرمت بعینہٖ نہیں ہے لغیرہ ہے، جہاں کوئی غرض صحیح ہو گو وہ حدِ اضطرار تک نہ ہو جواز کا فتویٰ دیں گے، تو گھڑی گھڑیال میں غرض صحیح ہونا یقینی ہے؛ البتہ جہاں طرب، تلہی یا تفاخر و مثل اس کے غرض فاسد ہو وہاں ناجائز کہیں گے، روایت عالمگیری اس کی کافی دلیل ہے۔

في العالمگيرية في الباب السابع عشر من كتاب الكراهة: قال محمد في السير الكبير: إنما يكره اتخاذ الجرس للغزاة في دار الحرب وهو المذهب عند علمائنا إلى أن قال: قال محمد في السير: فأما ما كان في دار الإسلام وفيه منفعة لصاحب الراحلة فلا بأس به، قال: وفي الجرس منفعة جمة منها إذا ضلّ واحد من القافلة يلحق بها بصوت الجرس، ومنها: إن صوت الجرس يبعد هوام الليل عن القافلة كالذئب وغيره، ومنها أن صوت الجرس يزيد في نشاط الدواب فهو نظير الحداء كذا في المحيط (۱)۔

---

(۱) هندية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر: في الغناء واللهو وسائر المعاصي والأمر بالمعروف، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٥٣، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤٠٩۔

قال محمدؒ: إنما يكره اتخاذ الجرس للغزاة في دار الحرب وهو المذهب عند علماء نا رحمهم الله؛ لأن تعليق الجرس على الدواب إنما يكره في دار الحرب؛ لأن العدو يشعر بمكان المسلمين -إلى قوله- قال محمدؒ في السير: فأما ما كان في دار الإسلام وفيه منفعة لصاحب الراحلة فلا بأس، وفي الجرس منفعة منها: إذا ضل واحد من القافلة يلتحق بها بصوت الجرس، ومنها: صوت الجرس يبعد هوام الليل عن القافلة كالذئب وغيره، ومنها: أن صوت الجرس يزيد فينشاط الدواب فهو نظير الحدو. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل الثاني والثلاثون: في المتفرقات، مكتبه زكريا ديوبند ١٨/ ٢٧١-٢٧٢، رقم: ٢٨٧٦٩-٢٨٧٧٠)

المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل الثاني والثلاثون: في المتفرقات، المجلس العلمي ٨/ ١٢٥، رقم: ٩٧٤٤۔

اور چونکہ گھوڑے کے گلے میں محض تفاخر وتلہی کے لئے باندھتے ہیں، اور کوئی ضرورت نہیں ہے؛ لہٰذا جائز نہیں ہوسکتا (۱)۔ واللہ اعلم ۲۱/ ذیقعدہ ۱۳۲۰ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۴۵)

چاندی کے پائے استعمال کرنا حرام ہے

سوال (۲۴۴۲): قدیم ۴/ ۱۳۲- چاندی کا پلنگ جو اکثر جہیز میں دیا جاتا ہے، جس کے پائے پتلی پتلی چاندی سے منڈھے ہوئے ہوتے ہیں، اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ بوقت استعمال بدن سے تو چاندی الگ رہتی ہے؛ البتہ پائے پر اگر کوئی بیٹھے تو جائز نہ ہونا چاہئے؟

الجواب: مفضض ومذہب یا مضبّب کو جو امام صاحبؒ نے بشرط اتقاء موضع ذہب وفضہ جائز فرمایا ہے مراد اس سے وہ ہے جس میں فِضّہ یا ذہب متفرق مواضع میں لگا ہو، دلیل اس کی شرط مذکور ہے، ورنہ اگر ذہب وفضہ بالکل محیط ہو تو اس میں کوئی جز ایسا نہ ہوگا جس کے استعمال کے وقت اتقاء فضہ وذہب ممکن ہو، چنانچہ ظاہر ہے؛ لہٰذا چاندی کے پائے جو متعارف ہیں کسی طرح جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

۱۸/ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۵۱)

چاندی کے کیس کی گھڑی کا استعمال کرنا

سوال (۲۴۴۳): قدیم ۴/ ۱۳۳- جرمن سلور کا حکم چاندی ہی کا ہے یا نہیں؟ جس

---

(۱) اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا. [سورة النساء، رقم الآية: ٣٦]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ. [سورة لقمان، رقم الآية: ٥]

(۲) وحل الشرب من إناء مفضض، أي مزوّق بالفضة والركوب على سرج مفضض والجلوس على كرسي مفضض، ولكن بشرط أن يتقي أي يجتنب موضع الفضة بفم، قيل: ويد، وجلوس سرج ونحوه، وكذا الإناء المضبب بذهب أو فضة والكرسي المضبب بهما وحلية مرآة ومصحف بهما (درمختار) وفي الشامية: ولا يخفى أن الكلام في المفضض، وإلا فالذي كله فضة يحرم استعماله بأي وجه كان كما قدمناه، ولو بلا مس بالجسد.

(الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٩٥-٤٩٦، كراچی ٦/ ٣٤٣-٣٤٤)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

گھڑی کا کیس اسی چاندی کا ہو رکھنی جائز ہے یا نہیں؟ اگر کسی کے پاس ہو تو کیا کرے؟ قیمتی شے کو ضائع کرنے سے کسی تدبیر یا حیلہ سے بچا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر اُو پر لوہے یا پیتل وغیرہ کا خول چڑھوا لے تو جائز ہو جائیگی، اس قسم کی گھڑی کی بیع کیوں جائز ہے، مسلمان کے ہاتھ بیچنا جب کہ معلوم ہو کہ وہ اس کو استعمال کرے گا اعانت علےٰ المعصیت نہیں ہے، زین اور قبضہ سیف وغیرہ موضع جلوس وقبض سے بچنے پر کیوں جائز ہو گیا فقہ میں ظرف کی قید نہیں ؛ بلکہ استعمال مثل ذلک ہے جس میں مکحلہ وغیرہ بھی داخل ہے جو آلہ ہے ظرف نہیں ہے، غرض کوئی قاعدہ کلیہ فرمائیں جس سے جزئیات مستخرج ہو جائیں، اور گھڑی کے بارہ میں اگر کوئی حیلہ نکل سکے بشرط یہ کہ صحیح ہو تو مسلمان کا مال بچ جائے؟

الجواب : جرمن سِلور کی ماہیت اگر فضّہ ہے تو حکم فضہ میں ہے ورنہ نہیں، مجھ کو اس کی ماہیت کی تحقیق نہیں (*)۔ اور جس گھڑی کا کیس چاندی کا ہو اس کا استعمال جائز نہیں۔ **قیاساً علی المرآۃ من الفضّۃ** (۱)۔ اور لوہے وغیرہ کا خول چڑھانا اس طرح سے کہ چاندی کا ظرف نظر نہ آئے ظاہراً جواز کے لئے کافی ہے۔

أخذا مما في ردالمحتار عن التتارخانية: لابأس بأن يتخذ خاتم حديد قدلوى

(*) بعد میں ایک ماہر سے تحقیق ہوا کہ چاندی نہیں۔۱۲ منہ

---

(۱) **وكذا يكره الأكل بملعقة الفضة والذهب والاكتحال بميلهما وما أشبه ذلك من الاستعمال كمكحلة ومرآة الخ.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٤۹۲، كراچى ٦/ ۳٤۱)

الحاصل أن الذهب لا يحل للرجال مطلقا لا استعمالا ولا اتخاذا ولا تضبيبا ولا تمويها لا لآلة الحرب ولا لغيرها، وكذا الفضة إلا في التضبيب والخاتم وتحلية آلة الحرب الخ. (إعلاء السنن، كتاب الحظر والإباحة، قبيل باب خاتم الحديد وغيره، دارالكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۳٥۱، كراچى ۱۷/ ۳۲٥)

ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۱۹٥-۱۹٦۔

علیه فضة وألبس بفضة حتی لایری. جلد ۵ ص ۳۵۴ (۱)۔ قلت: والأمر المشترک بینهما ستر لایجوز بما یجوز. فتامل.

رہا بیع کا جواز وعدم جواز، سواس میں روایات فقہیہ بظاہر بہت متزاحم معلوم ہوتی ہیں، چنانچہ درمختار میں ایک مقام پر ہے:

فإذا ثبت کراهة لبسها للتختم ثبت کراهة بیعها وصیغها لما فیه من الإعانة علیٰ مالایجوز، وکل ما أدی إلی مالا یجوز لایجوز (۲)۔

اورشامی میں اس میں تامل کیا ہے۔ **بقول أئمتنا بجواز بیع العصیر من خمار** اورآگے ایک فرق کیا ہے جلد ۵، ص ۳۵۴ (۳)۔

احقر کے نزدیک کراہت تنزیہی تواس میں ضرور ہے، رہا تحریمی سواس کا قاعدہ روایاتِ فقہیہ کے جمع کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز بجز معصیت کے اورکسی مباح غرض میں کام نہ آسکے، اس کی بیع تو محرم ہے، اورجو دوسرے کام میں بھی آسکے اس کی بیع میں تحریم نہیں۔

---

(۱) شامي، کتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مکتبه زکریا دیوبند ۹/ ۵۱۹، کراچی ٦/ ٣٦٠۔

ولا بأس بأن یتخذ خاتم حدید قد لوی علیه فضة أو ألبس بفضة حتی لا یری کذا في المحیط. (هندیة، کتاب الکراهیة، الباب العاشر: في استعمال الذهب والفضة، قدیم زکریا دیوبند ۵/ ۳۳۵، جدید زکریا دیوبند ۵/ ۳۸۹)

الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الکراهیة، الفصل الحادي عشر: في استعمال الذهب والفضة، مکتبه زکریا دیوبند ۱۸/ ۱۲۷، رقم: ۲۸۲۵۳۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، کتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مکتبه زکریا دیوبند ۹/ ۵۱۸-۵۱۹، کراچی ٦/ ٣٦٠۔

(۳) قوله: (وکل ما أدی الخ) **یتأمل فیه مع قول أئمتنا بجواز بیع العصیر من خمار. شرنبلالي. ویمکن الفرق بما یأتي من أن المعصیة لم تقم بعین العصیر بل بعد تغیره.** (شامي، کتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مکتبه زکریا دیوبند ۹/ ۵۱۹، کراچی ٦/ ٣٦٠)

كـمـا قـال الشيـخ عـن ابن الشحنة: إلا أن المنع في البيع أخف منه في اللبس إذ يمكن الانتفاع بها في غير ذٰلک، ويمكن سبكها وتغيير هيئتها. جلد۵' ص ۳۵۴ (۱)۔

اور منطقۂ حلیہ وسیف علاوہ تبعیّت کے بوجہ آثار کے بھی مستثنٰی ہیں۔ کما فی الہدایہ (۲)۔ اور سرج مفضض وغیرہ میں بشرط بچنے موضع فِضہ کے اس لئے اجازت دی گئی ہے کہ تفضیض کو تابع قرار دیا ہے۔ کما فی الہدایہ (۳)۔ اور مکحلہ وغیرہ خود استعمال میں مستقل ہیں، اسی طرح کیس گھڑی کا گو قصد میں تابع ہے، مگر وضع وترکیب میں متبوع ہے جیسے آئینہ کا خانہ، اور اسی سے قاعدہ کلیہ سمجھ میں آ گیا ہوگا، اور حیلہ خول چڑھانے کا اُوپر گذر چکا ہے۔ واللہ اعلم۔ ۳۰/ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۸۱)

---

(۱) شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۱۸-۵۱۹، کراچی ۶/ ۳۶۰۔

(۲) لا يـجـوز لـلـرجـال الـتـحـلـي بالذهب لما روينا، ولا بالفضة؛ لأنها في معناه إلا بـالـخـاتـم والـمـنـطـقـة وحلية السيف من الفضة تحقيقا لمعنى النموذج والفضة أغننت عن الـذهـب إذهما من جنس واحد كيف وقد جاء في إباحة ذلک آثار، وفي الجامع الصغير: لا يتختم إلا بالفضة الخ. (هداية، كتاب الكراهية، فصل في اللبس، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٧)

عـن أنـسؓ قـال: كـانـت قبيعة سيف رسـول الله صلى الله عليه وسلم فضة. (أبوداؤد شريف، كتاب الجهاد، باب في السيف يحلى، النسخة الهندية ۲/ ۳٤۸، دارالسلام، رقم: ۲۵۸۳)

أمـا الـمـنـطـقـة ففي كتاب عيون الأثر للشيخ أبي الفتح بن سيد الناس اليعمري قال: وكان للنبي صلى الله عليه وسلم منطقة من أديم منشور ثلاث، حلقها وأبزيمها وطرفها فضة. (نصب الراية، كتاب الكراهية، فصل في ا للبس، کراچی ٤/ ۳۳٤)

(۳) ويـجـوز الشـرب فـي الإنـاء الـمـفـضـض عند أبي حنيفةؒ والركوب في السرج الـمـفـضـض، والـجـلـوس على الكرسي المفضض والسرير المفضض إذا كان يتقى موضع الـفـضـة -إلـى قـولـه- ولأبـي حـنـيـفـة أن ذلک تـابـع ولا مـعـتـبر بالتوابع، فلا يكره كالجبة الـمـكـفـوفة بالحرير، والعلم في الثوب ومسمار الذهب في الفص. (هـداية، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٣)

مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۱۹۸۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

چاندی کے گلاس کا حکم

سوال (۲۴۴۴): قدیم ۴/۱۳۴- عرض یہ ہے کہ اہلیہ کو منجملہ اشیاء جہیز کے کچھ ظروف نقرہ بھی میکہ سے ملے ہیں، ظاہر ہے کہ ان ظروف کا استعمال مرد وعورت کو حرام ہے، بجز زینت کے اور کسی کام میں نہیں آسکتے ہیں، مگر منجملہ ظروف نقرہ کے ایک گلاس نقرہ ہے اور اُس پر سرپوش نقرہ اور طشتری نقرہ ہے، یہ گلاس مشبک ہے، اس میں گلاس شیشہ کا اتارا گیا ہے بدیں طور کہ پانی پینے کے وقت ہر دولب گلاس مشبک نقرہ کے کسی جزو پر نہیں پڑتے ہیں، میرے خیال میں اس حالت کے گلاس میں شاید پانی وغیرہ پینا جائز نہیں ہو؟

الجواب : في الهداية: ويجوز الشرب في الإناء المفضض -إلى قوله- إذا كان يتقي موضع الفضة، ومعناه يتقي موضع الفم، وقيل: هذا وموضع اليد في الأخذ وفيها، وعلىٰ هٰذا الخلاف الإناء المضبب بالذهب والفضة -إلى قوله- وحلقة المرآة وفيها لأبى حنيفةؒ أن ذلک تابع، ولا معتبر بالتوابع (۱)۔ وفي الكفاية: والمراد حلقة المرآة التي تكون حوالي المرآة لا ما تأخذه المرأة بيدها، فإن ذٰلک مكروه بالاتفاق (۲)۔ في الدرالمختار: وكذا يكره الأكل -إلىٰ قوله- ومرآة في ردالمحتار: قال أبوحنيفةؒ: لابأس بحلقة المرآة من الفضة إذا كانت المرآة حديداً، وقال أبويوسفؒ: لاخير فيه. تاتار خانية (۳)۔

روایت بالا میں نظر کرنے سے یہ امور مستفاد ہوئے:

(۱) یہ گلاس مشابہ اناء مضبب کے ہے، یا مشابہ حلقۂ آئینہ کے ہے۔

---

(۱) هداية، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٣۔

(۲) كفاية مع فتح القدير، كتاب الكراهية، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ١، كوئٹه ٨/ ٤٤٢۔

(۳) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٩٢، كراچى ٦/ ٣٤١۔

(۲) اناء مضبّب میں فم کا نہ لگنا بالاتفاق اور ہاتھ کا نہ لگنا بالاختلاف شرط ہے۔

(۳) حلقہ آئینہ میں امام صاحبؒ کے نزدیک جواز ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حُرمت، اور ہاتھ میں پکڑنے کا حلقہ چاندی سونے کا ہو تو عدم جواز پر اتفاق ہے، ان امور ممہدہ کے بعد حاصل جواب کا یہ ہے کہ اگر یہ اناء مضبب کے مشابہ ہے تب تو مُنھ نہ لگنے کی صورت میں اس میں پانی پینا ایک قول میں جائز ہے اور ہاتھ لگنے کی وجہ سے دوسرے قول میں ناجائز ہے۔ اور اگر حلقہ آئینہ کے مشابہ ہے تو اگر اس کو ہاتھ نہ لگتا تو امام صاحبؒ کے نزدیک جواز ہوتا اور ابو یوسفؒ کے نزدیک عدم جواز۔ اور جب ہاتھ بھی لگتا ہے تو کسی کے نزدیک جواز نہیں، بہر حال ایسے اختلافات واحتمالات میں پڑنا خطرہ سے خالی نہیں۔

۱۹/شوال ۱۳۳۸ھ

ناک میں لونگ پہننا

سوال (۲۴۴۵): قدیم ۴/۱۳۵- اکثر عورتیں ناک میں سنہرا پھول چھوٹا سا پہنتی ہیں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اختلاف ہے اگر احتیاط کی جائے تو بہتر ہے اور اگر کوئی پہن لے گنجائش ہے (۱)۔ فقط

۱۲/ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۸۴)

---

(۱) حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے عورتوں کے ناک میں زیور پہننے کے بارے میں اختلاف نقل فرمایا ہے، احقر کو اختلافی جزئیہ تو نظر سے نہیں گذرا مگر زینت کے طور پر جواز کی عبارت دستیاب ہوئی ہے، جو ذیل میں درج ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

ولا بأس بثقب أذن البنت والطفل استحسانا ملتقط، قلت: وهل يجوز الخزام في الأنف لم أره (درمختار) وفي الشامية: قلت: إن كان مما يتزين النساء به كما هو في بعض البلاد فهو فيها كثقب القرط الخ، وقد نص الشافعية على جوازه مدني. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۶۰۲، كراچى ۶/ ۴۲۰)

حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كوئٹه ۴/ ۲۰۹۔

الاستفسار: هل يجوز ثقب أنف النساء؟ الاستبشار: إن كان للتزين يجوز كما في ثقب الأذن ...... يجوز قياسا على ثقب الأذن. (نفع المفتي والسائل من مجموعة رسائل الكهنوي، المتفرقات، إدارة القرآن كراچى ۴/ ۱۹۶)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جرمنی سلور کا استعمال

سوال (۲۴۴۶): قدیم ۴/۱۳۵- جرمنی سلور کو علماء نے لوہا کہا ہے، پانی کے نیچے کیچڑ میں دو چار روز دفن کرنے سے صاف لوہا ظاہر ہونا شاہد لایا ہے، حضور والا کو اس کی تحقیق کیسی ہے؟ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح میں استعمال درست لکھا ہے۔ فقط

الجواب: مبصرین عدول سے معلوم ہوا کہ یہ ایک مرکب چیز ہے، ایسے اجزا سے کہ ان میں چاندی نہیں ہے؛ لہٰذا مردوں کو بھی استعمال اس کا درست ہے بجز انگشتری کے کہ حدیث میں نہی آئی ہے، بجز چاندی کے مردوں کو اور بجز چاندی سونے کے عورتوں کو(۱)۔ فقط

۸/ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۱)

---

(۱) **عن ابن بريدة عن أبيه قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم وعليه خاتم من حديد، فقال: ما لي أرى عليه حلية أهل النار؟ ثم جاءه وعليه خاتم من صفر، فقال: ما لي أجد منك ريح الأصنام؟ ثم أتاه وعليه خاتم من ذهب، فقال: ما لي أرى عليك حلية أهل الجنة؟ قال: من أي شيء اتخذه؟ قال: من ورق ولا تتمه مثقالا.** (ترمذي شريف، كتاب اللباس، باب ماجاء في خاتم الحديد، النسخة الهندية ۱/ ۳۰۸، دارالسلام رقم: ۱۷۸۵)

نسائي شريف، كتاب الزينة من السنن، مقدار ما يجعل في الخاتم من الفضة، النسخة الهندية ۲/ ۲٤٥، دارالسلام رقم: ٥۱۹۸۔

أبوداؤد شريف، كتاب الخاتم، باب ماجاء في خاتم الحديد، النسخة الهندية ۲/ ٥۸۰، دارالسلام رقم: ٤۲۲۳۔

ولا يتختم إلا بالفضة لحصول الاستغناء بها فيحرم بغيرها كحجر وذهب وحديد وصفر ورصاص وزجاج وغيرها لما مر (درمختار) وتحته في الشامية: وفي الجوهرة: والتختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه للرجال والنساء. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٥۱۷-٥۱۸، كراچى ٦/ ۳٥۹-۳٦۰)

اتفق الفقهاء على أنه يجوز للنساء التختم بالذهب ويحرم على الرجال ذلك لما روي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أحل الذهب والحرير لإناث أمتي وحرم على ذكورها. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۱/ ۲۳)

روپے کو بطور زیور ہار بنا کر گلے میں ڈالنا

سوال (۲۴۴۷): قدیم ۴/۱۳۵- جس روپے، اٹھنّی، چونّی وغیرہ میں تصویر ہے جیسا کہ ایڈورڈ ہفتم کی تصویر ہے، اس کو عورتوں کا گلے میں ڈالنا، اس کو گلے یا کمر میں رکھ کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: گلے میں ڈالنا درست نہیں، اور پاس رکھ کر نماز پڑھنا درست ہے(۱) کیونکہ اول میں ضرورت نہیں، ثانی میں ضرورت ہے(۲)۔ ۸/ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۱)

پیتل، رانگ، تانبہ، گلٹ کا استعمال جائز مع دلائل

سوال (۲۴۴۸): قدیم ۴/۱۳۵- بہشتی زیور میں پیتل، رانگ، گلٹ وغیرہ کے جواز کا مسئلہ نظر سے گذرا، جزئ اس مسئلہ کی ارقام فرمائیے۔

---

(۱) **ولو صلى ومعه دراهم عليها تماثيل ملك لا بأس به؛ لأن هذا يصغر عن البصر.** (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، دارالكتاب ديوبند ص: ٣٦٢)

ومفاده كراهة المستبين لا المستتر بكيس أو صرة بأن صلى ومعه صرة أو كيس فيه دنانير أو دراهم فيها صور صغار فلا تكره لاستتارها. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤١٨، كراچى ١/ ٦٤٨)

يفيد أنه لا يكره أن يصلي ومعه صرة أو كيس فيه دنانير أو دراهم فيها صور صغار لاستتارها، ويفيد أنه لو كان فوق الثوب الذي فيه صورة ثوب ساتر له، فإنه لا يكره أن يصلي فيه لا ستتارها بالثوب الآخر. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٨، كوئٹه ٢/ ٢٧)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع: ما يكره للمصلي وما لا يكره، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٠٣، رقم: ٢١٤٩۔

(۲) **الضرورات تبيح المحظورات.** (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٨٩)

الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة، الضرر يزال، قديم ص: ١٤٠، جديد زكريا ١/ ٢٥١۔

الجواب: في الدرالمختار: **ولايتختم إلا بالفضة لحصول الاستغناء بها فيحرم بغيرها**

کحجر، وذهب، وحديد، وصفر، ورصاص، وزجاج. وفي ردالمحتار عن الجوهرة: والتختم بالحديد، والصفر، والنحاس، والرصاص مكروه للرجل والنساء. ج۵، ص ۳۵۲، ۳۵۳ (۱)۔ قلت: وقد تقرر في محله أن مفاهيم الروايات حجة (۲)۔

بنابر جزئی وکلی مذکورین کے ثابت ہوا کہ بجز انگشتری کے دوسرا زیور حدید وصفر ونحاس ورصاص کا عورتوں کے لئے جائز ہے (۳) ۲۷/رجب ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۲)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۱۸، كراچی ۶/ ۳۶۰۔

(۲) **ولم يقل: قبل إدخالهما الإناء لئلا يتوهم اختصاص السنة بوقت الحاجة؛ لأن مفاهيم الكتب حجة بخلاف أكثر مفاهيم النصوص.** (النهر الفائق، كتاب الطهارة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۷)

مفاهيم الكتب حجة بخلاف أكثر مفاهيم النصوص كذا في النهر. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، مطلب في دلالة المفهوم، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۲۹، كراچی ۱/ ۱۱۰)

(۳) **عن عبدالله بن بريدة عن أبيه أن رجلا جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم وعليه خاتم من شبه، فقال له: ما لي أجد منك ريح الأصنام؟ فطرحه، ثم جاء وعليه خاتم من حديد فقال: ما لي أرى عليك حلية أهل النار؟ فطرحه، فقال: يا رسول الله! من أي شيء أتخذه؟ قال: اتخذه من ورق ولا تتمه مثقالا.** (أبوداؤد، شريف، كتاب الخاتم، باب ماجاء في خاتم الحديد، النسخة الهندية ۲/ ۵۸۰، دارالسلام رقم: ۴۲۲۳)

ترمذي شريف، آخر أبواب اللباس، باب ماجاء في خاتم الحديد، النسخة الهندية ۱/ ۳۰۸، دارالسلام رقم: ۱۷۸۵۔

وفي المغني لابن قدامة: يباح للنساء من حلي الذهب والفضة والجواهر كل ما جرت عادتهن يلبسه كالسوار، والخلخال، والقرط، والخاتم وما يلبسه على وجوههن، وفي أعناقهن، وأيديهن، وأرجلهن وآذانهن وغيره. (إعلاء السنن، كتاب الحظر والإباحة، باب حرمة الذهب على الرجال وحله على النساء، دارالكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۳۱۸، كراچی ۱۷/ ۲۹۴)

المغني لابن قدامة، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۳۲۴۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جس دوات کا ڈھکنا چاندی کا ہو اس کا استعمال جائز نہیں

سوال (۲۴۴۹): قدیم ۴/۱۳۶- اگر کسی دوات کے گرد کا گھیرا اور نیچے کا پینداپیتل کا اور اُوپر بند کرنے کا ڈھکنا چاندی کا ہو، ایسی دوات سے لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ڈھکنا تابع نہیں مستقل ہے؛ لہٰذا جائز نہیں (۱) بخلاف میخ و پتر وغیرہ کے جب کہ اس کو ہاتھ نہ لگایا جاوے (۲)۔ ٦؍ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۹۹)

---

(۱) **وكره الأكل والشرب والإدهان والتطيب من إناء ذهب وفضة للرجل والمرأة؛ لإطلاق الحديث، وكذا يكره الأكل بملعقة الفضة والذهب والاكتحال بميلهما وما أشبه ذلك من الاستعمال كمكحلة ومرآة وقلم ودواة ونحوها.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۹۲، كراچی ٦/ ۳۴۱)

ولا يجوز الأكل والشرب والإدهان والتطيب في آنية الذهب والفضة للرجال والنساء لقوله عليه السلام في الذي يشرب في إناء الذهب والفضة إنما يجرجر في بطنه نار جهنم ...... وإذا ثبت هذا في الشرب فكذا في الإدهان ونحوه؛ لأنه في معناه؛ ولأنه تشبه بزي المشركين وتنعم بتنعم المترفين والمسرفين، وقال في الجامع الصغير: يكره ومراده التحريم، ويستوى فيه الرجال والنساء لعموم النهي، وكذلك الأكل بملعقة الذهب والفضة والاكتحال بميل الذهب والفضة وما أشبه ذلك كالمكحلة والمرآة وغيرهما لما ذكرنا. (هداية، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۴۵۲)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل الحادي عشر: في استعمال الذهب والفضة، مكتبه زكريا ديوبند ۱۸/ ۱۲۰، رقم: ۲۸۲۳۱۔

(۲) **ويجوز الشرب في الإناء المفضض عند أبي حنيفةؒ والركوب في السرج المفضض، والجلوس على الكرسي المفضض، والسرير المفضض إذا كان يتقي موضع الفضة ...... وقال أبويوسف: يكره ذلك، وقول محمد يروى مع أبي حنيفة، ويروى مع أبي يوسفؒ ...... ولأبي حنيفة أن ذلك تابع ولا معتبر بالتوابع فلا يكره كالجبة المكفوفة بالحرير، والعلم في الثوب ومسمار الذهب في الفص.** (هداية، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۴۵۳) ←

جس قلم کا نب سونے کا ہو اس کا استعمال جائز نہیں

سوال (۲۴۵۰): قدیم ۴/۱۳۶- میری عادت ہے کہ کتاب کے مطالعہ کے وقت قلم ہاتھ میں رکھتا ہوں اور نئی ایجاد قلم سے جس کے اندر سیاہی ہوتی ہے مجھے بہت سہولت رہتی ہے؛ لیکن اس قلم کے نب میں سونے کی ملاوٹ ہوتی ہے، جس کی نسبت ۲۴/۱۴ ہے، اور نوک جو کاغذ پر لگتی ہے اور دھات کی ہوتی ہے، نب میں سونے کی مِلاوٹ صرف اس وجہ سے ہوتی ہے کہ زنگ نہ لگے، دوسری دھات کا نِب بہت جلد زنگار خوردہ ہو جاتا ہے، کیا اس کے استعمال میں کوئی صورت جواز ہے؟

الجواب: چونکہ اس میں سونا نصف سے زائد ہے؛ اس لئے اس کا استعمال جائز نہیں (۱) لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ کم قیمت قلم میں غالباً یہ نب سونے کی آمیزش کا نہیں ہوتا۔ اشرف علی

۲۸/شعبان ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالث، ص ۱۴۴)

← **ویجوز الأكل والشرب من إناء مفضض، والجلوس على سرير مفضض بشرط اتقاء موضع الفضة، ويكره عند أبي يوسفؒ، وعن محمدؒ روايتان في رواية مع الإمام، وفي رواية مع أبي يوسفؒ ...... وللإمام أن ذلك تابع ولا تعتبر بالتوابع فلا يكره كالجبة المكفوفة بالحرير والعلم في الثوب.** (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٩٨)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٩٥، كراچی ٦/ ٣٤٣۔

(۱) **وغالب الفضة والذهب فضة وذهب الخ.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب زكوة المال، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٣٠، كراچی ٢/ ٣٠٠)

وما غلب ذهبه أو فضته فحكمه حكم الذهب والفضة الخالصين الخ. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكوة، باب زكوة الذهب والفضة والعروض، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٠٥)

وما غلب على الغش فكالخالص من النقدين؛ لأن الدراهم لا تخلو عن قليل غش؛ لأنها لا تطبع إلا به فجعلنا الغلبة فاصلة. نهر. ومثلها الذهب. (حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح، كتاب الزكوة، قبيل باب المصرف، دارالكتاب ديوبند ص: ٧١٨) ←

ایضاً

سوال (۲۴۵۱): قدیم ۴/۱۳۶- قلم کے متعلق کارخانہ کا جواب کہ اس میں سونا بمقابلہ تانبے کے زیادہ ہے بالکل غلط معلوم ہوتا ہے، اس وجہ سے کہ یہاں میں نے چار بڑے صراف اور جوہری سے اس کی جانچ کرائی، تو ان لوگوں نے کسوٹی پر لگا کر دیکھا کہ اس میں سونے کا رنگ بالکل خفیف آیا، ورنہ سیاہی آئی اور ان سب نے یہ ہی تشخیص کیا کہ اس میں سونا غالب یا برابر ہونا تو درکنار آٹھواں حصہ بھی نہیں ہے؛ بلکہ بہت خفیف جزو اس میں سونے کا ہے، تو ایسی صورت میں تو اس کے استعمال میں کوئی تردد یا ناجوازی باقی نہیں رہتی، کارخانہ کا دعویٰ بلا دلیل معلوم ہوتا ہے، اگر حضور والا کی رائے میں مناسب ہو تو الامداد میں اس مسئلہ کو شائع فرما دیا جاوے، اس وجہ سے کہ بعض لوگوں کو نامکمل سوال کی بنا پر کہ جہاں خود سائل کو اس قلم میں سوائے سونے کے اور کسی دھات کے شامل ہونے کا علم بھی نہ تھا، حضور نے ناجوازی کا فتویٰ دیا تھا۔

← **وكره الأكل والشرب والإدهان والتطيب من إناء ذهب وفضة للرجل والمرأة؛ لإطلاق الحديث، وكذا يكره الأكل بملعقة الفضة والذهب والاكتحال بميلهما وما أشبه ذلك من الاستعمال كمكحلة ومرآة وقلم ودواة ونحوها.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٤۹۲، كراچى ٦/ ٣٤١)

ولا يجوز الأكل والشرب والإدهان والتطيب في آنية الذهب والفضة للرجال والنساء لقوله عليه السلام في الذي يشرب في إناء الذهب والفضة إنما يجرجر في بطنه نار جهنم ...... وإذا ثبت هذا في الشرب فكذا في الإدهان ونحوه؛ لأنه في معناه؛ ولأنه تشبه بزي المشركين وتنعم بتنعم المترفين والمسرفين، وقال في الجامع الصغير: يكره ومراده التحريم، ويستوى فيه الرجال والنساء لعموم النهي، وكذلك الأكل بملعقة الذهب والفضة والاكتحال بميل الذهب والفضة وما أشبه ذلك كالمكحلة والمرآة وغيرهما لما ذكرنا. (هداية، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٢)

مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، قبيل فصل في الكسب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٢۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: میں نے تو پہلے ہی لکھا تھا کہ کارخانہ کے جواب میں یہ شبہہ ہے کہ اپنی تجارت کی اس مصلحت سے لکھ دیا ہو کہ یوں نہ سمجھا جاوے کہ باوجود اس میں سونا کم ہونے کے اتنی قیمت رکھ دی ہے، اور میرا پہلا فتویٰ بیانِ سائل پر تھا، اب اس کے خلاف بظن غالب ثابت ہوا تو حکم بھی بدل جاوے گا، یعنی جواز کا حکم دیا جاوے گا(۱)۔(ترجیح خامسہ ص ۸۶)

جہیز میں سونے چاندی کے برتن دینا

سوال (۲۴۵۲): قدیم ۴/ ۱۳۷- حضور کے ارشاد مورخہ ۹ رشعبان ۱۳۳۳ھ میں مرقوم ہے کہ سونے چاندی کے برتن وسامان کا جہیز دینا حرام ہے، جب کہ ظن غالب اُن کے استعمال کا ہو، اب عرض یہ ہے کہ اگر ظن غالب اُن کے استعمال کا نہ ہو یا عدم استعمال کی شرط یا قسم دیکر اُن چیزوں کا جہیز دیا جائے تو وہ شرعاً جائز ہوگا کہ نہیں؟ حلفاً عرض ہے کہ جملہ ظنِ غالب کا مطلب ہی نہ سمجھ سکا، ضرور صراحت سے اصلی مطلب ووجہ وحقیقت ارشاد فرمائیں تو اجر عظیم ہوگا؟

الجواب: ظنِ غالب گمانِ غالب ہے، اور جو صورت آپ نے لکھی ہے اس طرح دینا جائز ہوتا،

---

(۱) یعنی جب تحقیق سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ قلم کے نب میں سونا برائے نام اور مغلوب ہوتا ہے، غالب یا مساوی نہیں ہوتا ہے تو وہ سونے کے حکم میں نہ ہوگا؛ لہٰذا اس کا استعمال جائز ومباح ہوگا۔

وغالب الفضة والذهب فضة وذهب، وما غلب غشه منهما يقوم كالعروض الخ. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب زكوة المال، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۳۰، كراچی ۲/ ۳۰۰)

وما غلب ذهبه أو فضته فحكمه حكم الذهب والفضة الخالصين وما غلب غشه تعتبر قيمته لا وزنه، وتعتبر نية التجارة فيه كالعروض الخ. (ملتقى الأبحر، مع مجمع الأنهر، كتاب الزكوة، باب زكوة الذهب والفضة والعروض، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۰۵)

حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح، كتاب الزكوة، قبيل باب المصرف، دارالكتاب ديوبند ص: ۷۱۸۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جب کہ اور کوئی وجہ منع کی نہ ہوتی، یہاں وجہ اتباعِ رسم وتفاخر ہے، منع کے لئے یہ بھی کافی ہے(۱)۔

۱۰/ رمضان ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالث ص ۱۴۷)

بجنے والے زیور کی حرمت کی تفصیل

سوال (۲۴۵۳): قدیم ۴/ ۱۳۷- باجہ کا زیور عورتوں کو پہننا درست ہے یا نہیں؟ مثل پازیب و چوڑیاں وغیرہ کے، اور نابالغ لڑکیوں کو باجہ کا زیور پہنانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: **عن بنانة مولاة عبدا لرحمٰن بن حيان الأنصاري كانت عند عائشة إذ دخلت عليها بجارية وعليها جلاجل يصوتن، فقالت: لا تدخلنها علي إلا أن تقطعن جلاجلها سمعت رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يقول: لا تدخل الملٰئكة بيتا فيه**

---

(۱) **عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم.** (أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۵۹، دارالسلام رقم: ۴۰۳۱)

قال القاري: أي من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصرف والصلحاء الأبرار فهو منهم، أي في الإثم والخير عند الله تعالى. (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ۸/ ۲۵۵)

عون المعبود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، دارالكتاب العربي بيروت ۴/ ۷۸، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۱/ ۵۱۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا. [سورة النساء، رقم الآية: ۳۶]

أخرج أبوداؤد عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قال الله تعالىٰ: الكبرياء ردائي، والعظمة إزاري فمن نازعني واحدا منهما قذفته في النار.

وأخرج أيضا عن عبدالله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال حبة من خردل من كبر، ولا يدخل النار من كان في قلبه مثقال خردل من إيمان. (أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب ماجاء في الكبر، النسخة الهندية ۲/ ۵۶۶، دارالسلام رقم: ۴۰۹۰-۴۰۹۱)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جرس. رواه أبوداؤد، كذا في المشكوٰة ج۲، ص ۳۷۱ (۱)۔

وقال تعالىٰ: وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ (۲)۔

حدیث صراحۃً اس پر دال ہے کہ جن زیوروں میں خود باجہ ہے اُس کا پہننا بڑی عورت اور چھوٹوں کو سب کو ناجائز ہے، اور آیت بعد تامل اس پر دال ہے کہ جن زیوروں میں خود باجہ نہ ہو مگر دوسرے زیور سے لگ کر بجتے ہوں اُن کا پہننا درست ہے، مگر اُن کو پہن کر ایسی طرح چلنا کہ لگ کر آواز دیں یہ درست نہیں (۳)۔

یکم محرم ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۴)

طلائی دانتوں کا حکم

سوال (۲۴۵۴): قدیم ۴/ ۱۳۷- ایک شخص کے سامنے سے اُوپر کا دانت گر گیا ہے، پڑھنے کے وقت ہوا نکلتی ہے تلفظ برابر نہیں نکلتا ہے، اس شخص کو سونے کا دانت لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کون کتاب میں اور کتنے صفحہ پر یہ مسئلہ لکھا ہے؟

الجواب: اختلاف ہے؛ اس لئے گنجائش ہے، مگر اولیٰ احتیاط ہے۔ کذا فی الدر المختار (۴)۔

۴/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۴۵)

---

(۱) مشكوة شريف، كتاب اللباس، باب الخاتم، الفصل الثاني ۲/ ۳۷۹۔

أبوداؤد شريف، كتاب الخاتم، باب ماجاء في الجلاجل، النسخة الهندية ۲/ ۵۸۱، دارالسلام رقم: ۴۲۳۱۔

(۲) سورة النساء، رقم الآية: ۳۱۔

(۳) **ومن الواجب أن يعلم أن هذه الكراهة فيما كان وضعه كذلك، وأما ما ليس بموضوع للصوت والجرس فلا يحرم، وإن لزم فيه التصويت أحيانا كما يشاهد في حلي النساء إذا أكثرن منها.** (بذل المجهود، كتاب الخاتم، باب ماجاء في الجلاجل، مكتبه يحيوي سهارنپور ۵/ ۸۶، دارالبشائر الإسلامية بيروت ۱۲/ ۱۵۹)

(۴) **عن عرفجة بن أسيد قال: أصيب أنفي يوم الكلاب في الجاهلية فاتخذت أنفا من ورق، فأنتن علي فأمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن اتخذ أنفا من ذهب.** (ترمذي شريف، كتاب اللباس، باب ماجاء في شد الأسنان بالذهب، النسخة الهندية ۱/ ۳۰۶، دارالسلام رقم: ۱۷۷۰) ←

جس بٹن پر چاندی کا حلقہ چڑھا ہو

سوال (۲۴۵۵): قدیم ۴/ ۱۳۸- شیروانی کے بٹن جن کا پینڈا پیتل کا اور اُوپر کا حصّہ سینگ کا اور اُن کے کنارے چاندی کے پتر کی گوٹ لگی ہوتی ہے، جو شاید بٹن کا آٹھواں حصّہ بھی نہیں ہوتی، استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ بٹن حضور والا کو اثنائے سفر حیدرآباد میں بھی دکھائے تھے۔

← أبوداؤد شريف، كتاب الخاتم، باب ماجاء في ربط الأسنان بالذهب، النسخة الهندية ٢/ ٥٨١، دارالسلام رقم: ٤٢٣٢۔

مسند أحمد بن حنبل ٤/ ١٤٢۔

ولا يشد سنه المتحرك بذهب بل بفضة وجوزهما محمدؒ (درمختار) **وفي الشامية: وفي التاتارخانية: وعلى هذا الاختلاف إذا جدع أنفه أو أذنه أو سقط سنه، فأراد أن يتخذ سنا آخر فعند الإمام يتخذ ذلك من الفضة فقط، وعند محمدؒ من الذهب أيضا.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٢٠-٥٢١، كراچی ٦/ ٣٦٢)

قال محمدؒ في الجامع الصغير: ولا تشد الأسنان بالذهب وتشدها بالفضة، يريد به إذا تحركت الأسنان وخيف سقوطها، فأراد صاحبها أن يشدها، شدها بالفضة ولا يشدها بالذهب، وهذا قول أبي حنيفة رضي الله تعالى عنه، وقال محمدؒ: يشدها بالذهب أيضا، ولم يذكر في الجامع الصغير قول أبي يوسفؒ، قيل: هو مع محمد، وقيل: هو مع أبى حنيفةؒ، وعلى هذا الاختلاف إذا جدع أنفه أو أذنه فأراد أن يتخذ أنفا أو أذنا من ذهب ...... وعلى هذا الاختلاف إذا سقط سنه، فأراد أن يتخذ سنا آخر على قول أبي حنيفة: يتخذ من الفضة دون الذهب، وعند محمدؒ: يتخذ من الذهب أيضا. (المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل الحادي عشر: في استعمال الذهب والفضة، المجلس العلمي ٨/ ٥١، رقم: ٩٥٦٥)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل الحادي عشر الخ، مكتبه زكريا ديوبند ١٨/ ١٣١، رقم: ٢٨٢٦٢۔

مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٩٦۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في الدرالمختار بعد ذكر حكم المفضض: وشرط جواز استعماله من اتقاء موضع الفضة مانصه، وكذا الإناء المضبب بذهب أو فضة، والكرسي المضبب بهما وحلية مرآة ومصحف بهما. وفي ردالمحتار قوله: وحلية مرآة الذي في المنح والهداية وغيرها حلقة بالقاف قال في الكفاية: والمراد بها التي تكون حوالي المرآة لاما تأخذه المرأة بيدها فإنه مكروه اتفاقاً. اه ج۵' ص۳۳۷ (۱)۔

یہ چاندی کا پتر جو مثل گوٹ کے ہے، مثل حلقہ آئینہ کے ہے، جس کے جواز استعمال کی شرط یہ ہے کہ اس کو ہاتھ نہ لگے، اور یہ اس گوٹ میں ممکن نہیں؛ لہٰذا اس کا استعمال ناجائز ہے۔

۱۸/محرم ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۴۹)

ایضاً

سوال (۲۴۵۶): قدیم ۴/۱۳۸- کہتے ہیں بوتام پہننا ناجائز ہے، عدم جواز کی دلیل یہ ہے کہ تذکیرالاخوان میں مولانا اسماعیلؒ نے لکھا ہے بحث میں حدیث: إن اليهود والنصارىٰ

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۹۵-۵۹۶، کراچی ٦/ ٣٤٣-٣٤٤۔

ويجوز الأكل والشرب من إناء مفضض، والجلوس على سرير مفضض بشرط اتقاء موضع الفضة، بأن لا يكون الفضة في موضع الفم عند الأكل والشرب، وقيل يتقي موضع الفم واليد، وفي موضع الجلوس عنده، هذا عند الإمام، ويكره ذلک عند أبي يوسفؒ مطلقا، وعن محمدؒ روايتان، في رواية مع الإمام، وفي رواية مع أبي يوسفؒ، وعلى هذا الخلاف الإناء المضبب بالذهب والفضة والكرسي المضبب بهما، وكذا إذا فعل ذلک في السقف والمسجد وحلقة المرآة الخ. (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٩٨)

والمراد بحلقة المرآة التي تكون حوالي المرآة لا ما تأخذه المرأة بيدها، فإن ذلک مكروه بالاتفاق. (كفاية مع فتح القدير، كتاب الكراهية، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ١، كوئٹه ٨/ ٤٤٢)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

لایصبغون فخالفوهم (۱) کے ۲۴۷ پر، سینہ پر پیش رو گریبان رکھ کر اس میں بوتام لگانا یہ سب نصاریٰ کی مشابہت ہے اھ۔ اب یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ کتاب کیا مولانا اسماعیلؒ کی تصنیف ہے، یا یہ عبارت الحاقی ہے، یا یہ کہنا غلط ہے؟

الجواب : تذکیر الاخوان مولانا کی نہیں ہے، مگر ہے کسی محقق کی، اور اس زمانہ میں بوتام کا اس قدر شیوع نہ ہوا تھا، نصاریٰ سے خصوصیت تھی، تشبہ کے سبب منع کیا (۲)۔ اور اب اس میں عموم ہے؛ اس لئے کچھ حرج نہیں۔ (تتمہ خامسہ ص ۲۰۰)

پیتل کے برتنوں کا حکم

سوال (۲۴۵۷): قدیم ۴/۱۳۵- پیتل کا بدھنا لوٹا وغیرہ استعمال کرنا کیسا ہے؟ اگر مکروہ یا ناجائز ہو تو اس پر قلعی کرا کے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن اليهود والنصارى لا يصبغون فخالفوهم. (بخاري شريف، كتاب أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، النسخة الهندية ۱/ ۴۹۲، رقم: ۳۳۴۳، ف: ۳۴۶۲)

(۲) عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۵۹، دارالسلام رقم: ۴۰۳۱)

مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۳۷۵۔

قال القاري: أي من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار فهو منهم، أي في الإثم والخير، قال الطيبي: هذا عام في الخلق والخلق والشعار. (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ۸/ ۲۵۵)

عون المعبود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، دارالكتاب العربي بيروت ۴/ ۷۸، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۱/ ۵۱۔

بذل المجهود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، قديم ۵/ ۴۱، جديد دارالبشائر الإسلامية ۱۲/ ۵۹۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: پیتل کے برتن بوجہ احتمال ضرر طبی یا تشبہ بالہنود مکروہ ہیں (۱) اگر قلعی سے یا تبدلِ لون یا ہیئت سے یہ دونوں عارض مرتفع ہو جاویں تو کراہت نہیں رہتی۔

۴/ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۵۹)

نقرئی وطلائی تعویذ کا حکم

یہ مسئلہ کتاب ہذا کے مسائل شتیٰ میں ص میں آیا ہے (۲)۔

---

(۱) **عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم.** (أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ٢/ ٥٥٩، دارالسلام رقم: ٤٠٣١)

قال القاري: أي من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار فهو منهم، أي في الإثم والخير، قال الطيبي: هذا عام في الخلق والخلق والشعار. (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ٨/ ٢٥٥)

عون المعبود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، دارالكتاب العربي بيروت ٤/ ٧٨، مكتبه أشرفيه ديوبند ١١/ ٥١۔

قوله: (ويكره الأكل في نحاس أو صفر) عزاه في الدر المنتقى إلى المفيد والشرعة، والصفر مثل قفل النحاس، وقيل: أجوده مصباح، وفي شرعة الإسلام: هو شيء مركب من المعدنيات كالنحاس والأشرب وغير ذلک اه، ثم قيد النحاس بالغير المطلي بالرصاص، وهكذا قال بعض من كتب على هذا الكتاب، أي قبل طليه بالقصدير والذهب؛ لأنه يدخل الصدأ في الطعام فيورث ضررا عظيما، وأما بعده فلا. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٤٩٤-٤٩٥، كراچی ٦/ ٣٤٣)

ويكره الأكل في الصفر وفي النحاس) أي الغير المطلي بالرصاص. (شرح الإسلام، فصل في سنن الأكل والشرب، ص: ٢٤٤)

(۲) دیکھئے سوال نمبر: ۲۸۴۰ کا جواب۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۹/ باب: کسب جائز و ناجائز و مکرُوہ

بارود و سکّہ بنانا

سوال (۲۴۵۸): قدیم ۴/ ۱۳۹- ایک بات دریافت طلب یہ ہے کہ سکّہ ڈھالنا یا بندوق کی بارُود بلا لائسنس بنانا قانوناً ناجائز ہے تو آیا شرعاً بھی ناجائز ہے، اور ہے تو کیوں؟

الجواب: چونکہ اس میں خطرہ ہے اور خطرہ میں پڑنا شرعاً ناجائز ہے؛ اس لئے بچنا واجب ہے(۱)۔

یکم رمضان ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالثہ ص ۱۴۷)

زمیندار کو مزدوروں اور چمڑہ نکالنے والوں سے ٹیکس لینا

سوال (۲۴۵۹): قدیم ۴/ ۱۳۹- گاؤں میں حسب معمول وزن کشی کا منجانب زمیندار ٹھیکہ کسی کو دیدینا کہ فلاں شخص تمام گاؤں میں غلہ وزن کیا کرے اور اس قدر وزن کشی لیا کرے اور زمیندار کو اس قدر دیا کرے یہ بھی ایک قسم کا حق زمینداری بطور حق لگان زمین کے سمجھا جاوے تو جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح جو جانور گاؤں میں فوت ہو جایا کرتا ہے اور اس سے کچھ حق زمینداری مقرر کر لیا جاتا ہے، اس کا جواز ہوسکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) **قال الله تعالیٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ.** [سورة البقرة، رقم الآية: ١٩٥]

عن حذيفة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه، قالوا وكيف يذل نفسه؟ قال: يتعرض من البلاء لما لا يطيق. (ترمذي شريف، كتاب الفتن، باب ماجاء في النهي عن سب الرياح، النسخة الهندية ٢/ ٥١، دارالسلام رقم: ٢٢٥٤)

ابن ماجة شريف، كتاب الفتن، باب قوله تعالىٰ: يا أيها الذين آمنوا عليكم أنفسكم، النسخة الهندية ص: ٢٩٠، دارالسلام رقم: ٤٠١٨۔

مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ٧/ ٢١٨، رقم: ٢٧٩٠۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب : یہ زمیندار اگروزن کشی یا چمڑہ لینے والے سے اس بناء پر حق لیتا ہے کہ ہم نے تجھ کو یہ کام دلوا کر نفع پہنچایا تب تو یہ لینا حرام ہے (۱) اور اگر کوئی اور وجہ ہے تو سوال میں ظاہر کرنا چاہئے۔

۱۹ر شعبان ۱۳۳۱ھ (حوادث اول ص ۱۴۴)

تصویر بنانے کی نوکری کا حکم

سوال (۲۴۶۰): قدیم ۱۳۹/۴- جولوگ حاکم کے ٹکسال گھر اور کارخانہ میں پیسہ اور روپیہ، اشرفی وغیرہ ڈھالتے ہیں، اور چونکہ اس میں تصویر ہوتی ہے، کیا اُن کو بھی مصوّر کہیں گی، اور تصویر بنانے کا اُن کو گناہ عنداللہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: تصویر بنانے کی نوکری کرنا جائز نہیں ہے (۲)۔

۵ر ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۶)

---

(۱) **وَلَا تَـأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوْا فَرِيْقًا مِنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ.** [سورة البقرة، رقم الآية: ۱۸۸]

سَمَّاعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكَّالُوْنَ لِلسُّحْتِ. [سورة المائدة، رقم ا لآية: ٤٢]

عن عبدالله بن عمرو قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي. (أبوداؤد شريف، كتاب القضاء، باب في كراهية الرشوة، النسخة الهندية ٢/ ٥٠٤، دارالسلام رقم: ٣٥٨٠)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي في الحكم. (ترمذي شريف، كتاب الأحكام، باب ما جاء في الراشي والمرتشي في الحكم، النسخة الهندية ١/ ٢٤٨، دارالسلام رقم: ١٣٣٧)

ابن ماجة شريف، كتاب الأحكام، باب التغليظ في الحيف والرشوة، النسخة الهندية ص: ١٦٧، دارالسلام رقم: ٢٣١٣۔

(۲) **عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابا يوم القيامة المصورون.** (بخاري شريف، باب عذاب المصورين يوم القيامة، النسخة الهندية ٢/ ٨٨٠، رقم: ٥٧١٧، ف: ٥٩٥٠) ←

مباح الاصل چیز جو نابالغ کے احراز سے اس کی ملک ہو اس کا حکم

سوال (۲۴۶۱): قدیم ۴/۱۳۹- (۱) دراں چیزکہ مباح باشدوبفعل کودکان نابالغ مِلک ایشاں می گرددآیا تصرف مادرو پدرایشاں جائزست یانہ مثلاً آب چاہ کہ طفلان از چاہ پُر کردہ درخانہ می آرند مادرو پدرآں آب رادراستعمال آرندیانہ۔ بینواتوجروا۔

← **عن أنس بن مالك قال: كنت جالسا عند ابن عباس فجعل يفتي ولا يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى سأله رجل فقال: إني رجل أصور هذه الصور، فقال له ابن عباس: ادنه، فدنا الرجل، فقال ابن عباس: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من صور صورة فى الدنيا كلف أن ينفخ فيها الروح يوم القيامة وليس بنافخ.** (مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صور الحيوان الخ، النسخة الهندية ٢/ ٢٠٢، بيت الأفكار رقم: ٢١١٠)

ولا تصح الإجارة لأجل المعاصي الخ. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٧٥، كراچى ٦/ ٥٥)

ولا تجوز الإجارة على شيء من الغناء والنوح والمزامير والطبل، وشيء من اللهو؛ لأنه معصية والاستئجار على المعصية باطل، فإن بعقد الإجارة يستحق تسليم المعقود عليه شرعا، ولا يجوز أن يستحق على المرء فعل به يكون عاصيا شرعا. (المبسوط للسرخسي، الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت ١٦/ ٣٧-٣٨)

ومنها أن يكون مقدور الاستيفاء حقيقة أو شرعا فلا يجوز استئجار الآبق ولا الاستئجار على المعاصي؛ لأنه استئجار على منفعة غير مقدورة الاستيفاء شرعا. (هندية، كتاب الإجارة، الباب الأول الخ، قديم زكريا ديوبند ٤/ ٤١١، جديد زكريا ديوبند ٤/ ٤٤١)

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ سوال:** کوئی چیز مباح ہے اورنابالغ بچوں کے فعل سے وہ ان کی ملکیت میں آگئی توان کے ماں باپ اس میں تصرف کرسکتے ہیں یانہیں؟ مثلاً بچے کنویں کا پانی بھرکرلاتے ہیں تو ماں باپ اس پانی کو استعمال میں لاسکتے ہیں یانہیں؟

الجواب: (۱) بعد غور چناں بذہن آمد کہ فقہاء در بعض جزئیات تصریح فرمودہ کہ پُر کردن غلہ در غرائر مسلم الیہ اگرچہ او حاضر نباشد قائم مقام قبض او باشد پس برہمیں منوال چوں ظروف آب کشی از ملک مستخدم باشد چوں آب دراں آمد ملک مستخدم شد و فعل طفلاں محض خدمت باشد و ممکن ست کہ اگر زیادہ غور کردہ شود یا تتبع کتب کردہ شود وجہے اقرب ازیں بذہن آید۔

۲۸/ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۰۱)

سرکاری آفسران ماتحت ملازمین کی تنخواہ سے کچھ بچالیں اس کا حکم

سوال (۲۴۶۲): قدیم ۴/ ۱۴۰- اگر زید وعمرو بکر تین شخص ایک جگہ سرکاری ملازم ہیں اور تینوں شخصوں کا کام اکٹھا ہے، اور اُن کو سرکار کی طرف سے فی کس چار نوکر ملے ہوئے ہیں، یعنی کل بارہ نوکر ہیں، اور وہ شخص نو آدمی ملازم رکھ کر اپنا کام کر رہے ہیں، ایسی صورت میں زید وعمرو بکر کو تین ملازموں کی تنخواہ بچتی ہے تو وہ تنخواہ متذکرہ بالا اشخاص کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر سرکار نے بارہ (۱۲) آدمیوں کی تنخواہ دیکران کو اختیار دے دیا ہے کہ خواہ تم کم میں کام

---

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ جواب**: غور کرنے کے بعد اس طرح کی بات ذہن میں آتی ہے کہ فقہاء نے بعض جزئیات میں صراحۃً بیان کیا ہے کہ مسلم الیہ کی بوری میں بھر دینا اگرچہ مسلم الیہ حاضر نہ ہو مسلم الیہ کے قبضہ کے قائم مقام ہو جائے گا، تو اسی طرح جب پانی کھینچنے کا ڈول مخدوم کی ملکیت میں ہو اور اس میں پانی آئے تو وہ بھی مخدوم کی ہی ملکیت کہلائے گا اور بچوں کے فعل کو محض خدمت قرار دیا جائے گا، ممکن ہے زیادہ غور کرنے اور کتابوں کو کھنگالنے کے بعد کوئی اس سے بھی قریب وجہ ذہن میں آجائے۔

ولو دفع رب السلم غرائره إلى المسلم إليه وفيها طعامه وقال: كل مالي عليك في الغرائر ورب السلم غائب اختلف المشايخ فيه، والصحيح أنه يصير قابضا الخ. (هندية، كتاب البيوع، الباب الثامن عشر في السلم، الفصل الثالث فيما يتعلق بقبض رأس المال والمسلم فيه، قديم زكريا ديوبند ٣/ ١٧٨، جديد زكريا ديوبند ٣/ ١٧٩)

خانية على هامش الهندية، كتاب البيوع، باب السلم، فصل فيما يجوز فيه السلم وما لا يجوز، قديم زكريا ديوبند ٢/ ١٢٠، جديد زكريا ديوبند ٢/ ٧٣۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نکالوتم کواختیار ہے تب تو ایسا کرنا ان کو جائز ہے (۱) اور وہ روپیہ ان ہی کی ملک ہے، اور اگر ایسا اختیار نہیں دیا تو جس قدر تنخواہ بچی ہے وہ ملک سرکار کی ہے، جو بچی ہے وہ سرکار کو واپس کر دینا واجب ہے (۲)۔

۲۲ رصفر ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۳۲)

بینڈ باجہ کی ملازمت کا حکم

سوال (۲۴۶۳): قدیم ۴/ ۱۴۰- ریاست چھچھرولی میں ایک بینڈ کا محکمہ ہے اور ایک شخص معتقد حضور کا ملازم ہے، اور کام صرف باجہ بجانا اور رات کو پہرہ تین گھنٹہ کا دینا ہے اور دس سال کا اقرار نامہ اور پچاس (۵۰) روپیہ ضمانت سرکار نے لی ہے کہ ملازمت چھوڑ کر بھاگ نہ جاوے، اور ملازمت نہ چھوڑ دے، اور باجہ میں جو ولایتی میوزک ہے وہ بجانا پڑتا ہے: لہٰذا عرض ہے کہ اس مسئلہ میں علماء دین ومفتیانِ شرع متین کا کیا ارشاد ہے؟ ممنون ومشکور فرمایا جائے، اور باجہ کا سرکاری وقت مقرر شدہ ہے ۲ یا ۳ گھنٹہ کا؟

---

(۱) **المالک للشيء هو الذي يتصرف فيه باختياره ومشيئته.** (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، بيان ما يبطل به الخيار، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٦٣٨، كراچى ۲/ ۳۲۷)

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء من الملک. (بيضاوي شريف، سورة الفاتحة، مكتبه سعد ديوبند ۱/ ۷)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ٦٥٤، رقم المادة: ۱۱۹۲)

(۲) **اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوْا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا.** [سورة النساء، رقم الآية: ۵۸]

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان. (بخاري شريف، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق، النسخة الهندية ۱/ ۱۰، رقم: ۳۳)

مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق، النسخة الهندية ۱/ ۵٦، بيت الأفكار رقم: ۵۹۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب : ناجائز فعل کی نوکری جائز نہیں (۱) لیکن جو نوکر ہو چکا اور وہ قانون سے مجبور ہے، مجبوری میں اس کو اجازت ہے (۲)۔ ۲۴/ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (حوادث ثالثہ ص ۱۶۲)

جس زمین کی سینچائی سرکاری اجازت اور معاوضہ کی ادائیگی کے بغیر کی گئی ہو اس کی پیداوار کا حکم

سوال (۲۴۶۴): قدیم ۴/ ۱۴۰- نہر سرکاری سے قیمۃً پانی ملتا ہے اور اس کا اندازہ مقرر

---

(۱) **وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ.** [المائدة، رقم الآية: ۲]

ولا تجوز الإجارة على شيء من الغناء والنوح والمزامير والطبل، وشيء من اللهو؛ لأنه معصية والاستئجار على المعصية باطل، فإن بعقد الإجارة يستحق تسليم المعقود عليه شرعا، ولا يجوز أن يستحق على المرء فعل به يكون عاصيا شرعا. (المبسوط للسرخسي، الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت ۱۶/ ۳۷-۳۸)

ولا تصح الإجارة لأجل المعاصي الخ. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۷۵، كراچی ۶/ ۵۵)

وعلى هذا يخرج الاستئجار على المعاصي أنه لا يصح؛ لأنه استئجار على منفعة غير مقدورة الاستيفاء شرعا. (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، الاستئجار على المعاصي، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۳۹)

هندية، كتاب الإجارة، الباب الأول الخ، قديم زكريا ديوبند ۴/ ۴۱۱، جديد زكريا ديوبند ۴/ ۴۴۱۔

تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۱۱۸-۱۱۹، إمداديه ملتان ۵/ ۱۲۵۔

(۲) **الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة، وإساغة اللقمة بالخمر، والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه، وكذا إتلاف المال وأخذ مال الممتنع من أداء الدين بغير إذنه الخ.** (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة، الضرر يزال قديم ص: ۱۴۰، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۲۵۱-۲۵۲)

قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۸۹۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہے، اگر بلا اجازت مالک نہر اندازہ سے زیادہ پانی لیا گیا ہو تو توبہ سے معاف ہو جاوے گا یا اس کی پیداوار میں حرمت آجاوے گی، یعنی بغیر اجازت جو آب پاشی کی ہے اس کی پیداوار حلال کس طرح ہو سکتی ہے؟

الجواب: پانی پیداوار میں معین ہے، اس کا جزو نہیں؛ لہٰذا پیداوار حلال ہے (۱) اگرچہ وہ فعل جائز نہ ہو (۲)۔ ۱۶/ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثالثہ ص ۹۹)

حکیم لوگ جو عطاروں سے لیتے ہیں یہ رشوت ہے

سوال (۲۴۶۵): قدیم ۴/ ۱۴۰- اگر طبیب کا عطاروں سے معاہدہ ہے کہ میں اپنے نسخہ کی جو میں خود اپنے متعلقین کے واسطے لونگا قیمت نہ دوں گا، ایک عطار کو اپنا روپیہ دے کر مضاربت کی اور حصّہ بھی مقرر کر لیا، تو اب بھی وہ اپنے لئے بلا قیمت دوا لے سکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) **مستفاد: فلذا كان دخان النجاسة طاهرا، وأما الهوائية فقد اختلف فيها على ما مرّ، ومنشأ الخلاف مشاركتها للمائية في الصفة المؤثرة للنجاسة، وهي الرطوبة، وإن كان الأصح طهارتها لما مر من الدليل، ولشدة لطافتها واضمحلالها فليتأمل، فإنه بديع، وهذا كله على القول بالتنجس كما ذكره المصنف لكن المذكور في فتاوى قاضي خان: إذا أحرقت العذرة في بيت فأصاب ماء الطابق ثوب إنسان لا يفسده استحسانا ما لم يظهر أثر النجاسة فيه الخ.** (حلبي كبيري، الطهارة، فصل في الآسار، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱۹۳)

إذا أحرقت العذرة في بيت فعلا دخانه وبخاره إلى الطابق وانعقد ثم ذاب أو عرق الطابق، فأصاب ماءه ثوبا لا يفسد استحسانا ما لم يظهر أثر النجاسة، وبه أفتي الإمام أبوبكر محمد بن الفضل وهو اختيار أستاذنا الشيخ ظهير الدين المرغيناني. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل السابع في معرفة النجاسة وأحكامها، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ٤٤٤، رقم: ١١٤٦)

(۲) **لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامنا.** (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ٦١، رقم المادة: ٩٦)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ١١٠)

لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته الخ. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۹۱، كراچی ٦/ ٢٠٠)

الجواب: نہ قبل مضاربت ایسا معاہدہ جائز ہے اور نہ بعد مضاربت، یہ رشوت محضہ ہے(۱)۔

۱۵؍ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (حوادث اول وثانی ص ۱۶۲)

خلاف ورزی معاہدہ کی صورت میں بائع سے جُرمانہ وصول کرنا

سوال (۲۴۶۶): قدیم ۱۴۱/۴- یہاں پر ایک مسجد ہے، محلّہ والوں نے چندہ جمع کر کے اس کی مرمّت شروع کی ہے، ایک ہندو سے کچھ پتھر مسجد کیلئے خریدا، بہت روز پیشتر اس کی قیمت دیدی، اور معاملہ ہوگیا، بائع کا بہت سا پتھر ایک جگہ پڑا ہوا ہے، اس میں سے کچھ خریدا ہے؛ لہٰذا اس نے یہ کہا کہ تم اپنی پتھروں کی سلوں پر نشان لگا دو، اور پھر جب چاہو اُٹھا لیجاؤ، ہم نے نشان پتھروں پر لگا دیئے، اور کچھ دنوں تک اس وجہ سے پتھر نہ اُٹھا سکے کہ بائع نشان شدہ پتھروں کو دیکھ لے، چنانچہ اُس نے دیکھ بھال لئے، اب جو اُٹھانے گئے تو اُس نے اور اُس کے کارندوں نے بدنیتی سے ہمارا نشان شدہ پتھر سب بیچ ڈالا، اور خراب پتھر دیتا ہے، اس معاملہ میں ہم لوگوں کو سخت جاں کاہی محنت اور بار برداری کا خرچہ دینا پڑا، اور بائع بد معاملگی سے پیش آتا ہے، اگر عدالت میں مقدمہ دائر کیا جاتا ہے تو بوجہ خیانت جرمانہ کے اس

---

(۱) **وَلَا تَـأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوْا فَرِيْقًا مِنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ.** [سورة البقرة، رقم الآية: ۱۸۸]

عن عبدالله بن عمرو قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي. (أبوداؤد شريف، كتاب القضاء، باب في كراهية الرشوة، النسخة الهندية ۲/ ۵۰٤، دارالسلام رقم: ۳۵۸۰)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي في الحكم. (ترمذي شريف، أبواب الأحكام، باب ما جاء في الراشي والمرتشي في الحكم، النسخة الهندية ۱/ ۲٤۸، دارالسلام رقم: ۱۳۳۷)

عن عبدالله بن عمرو قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: الراشي والمرتشي في النار. (المعجم الأوسط، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۵۵۰، رقم: ۲۰۲٦)

ابن ماجة شريف، كتاب الأحكام، باب التغليظ في الحيف والرشوة، النسخة الهندية ص: ۱٦۷، دارالسلام رقم: ۲۳۱۳۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قیمت سے جو بائع کو دی گئی ہے، دوگنا روپیہ عدالت دِلواتی ہے؛ لہٰذا اصل سے زائد وصول شدہ روپیہ مسجد میں لگانا جائز ہے یانہیں؟ میں نے مفصل حال لکھ دیا ہے، اُمید ہے کہ آپ کی سمجھ میں آجاوے گا۔
ہاں اس قدر اور عرض ہے کہ اگر بائع اپنی خوشی سے علاوہ اس قدر پتھر کے جس قدر کی قیمت وہ لے چکا ہے مفت زائد کچھ پتھر بطور ہرجانہ یا جرمانہ خیانت کے دے تو وہ لے کر مسجد میں لگا دیا جاوے، یا ناجائز ہے، جیسی کچھ صورت آکر پڑے براہ نوازش مفصّلاً مطلع فرما کر ممنون فرماویں؟

الجواب: بائع سے بلا رضامندی اصل حق سے کچھ زائد لینا جائز نہیں (۱) عدالت کے دلوانے سے تو ناراضی اس کی ظاہر ہے، اور بدون عدالت بھی ہرجانہ یا جُرمانہ دینا اس کا خوف ودباؤ سے ہوگا وہ بھی جائز نہیں، پس اپنا حق لے لیا جاوے، اور جو مزدوری وباربرداری میں واقعی صرف ہوا ہے وہ بھی بعض علماء کے نزدیک لینا جائز ہے (۲)۔ ۱۲/رجب ۱۳۳۱ھ (حوادث اول ص ۱۰۷)

---

(۱) **عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه.** (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الغصب، دارالفكر بيروت ٨/ ٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠ ـ

(۲) **وكذا يضمن لو سعى بغير حق عند محمدؒ زجرا له، أي للساعي وبه يفتى دفعا للفساد وزجرا له، وإن كان غير مباشر، فإن السعي سبب محض لإهلاك المال.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الغصب، مطلب في ضمان الساعي، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٣٠٩، كراچی ٦/ ٢١٣)

وكذا ضمن الساعي لو سعى بغير حق عند محمد زجرا له، وبه يفتى لكثرة السعاة في زماننا الخ. (مجمع الأنهر، كتاب الغصب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٩٩)

وكذا يضمن لو سعى بغير حق عند محمدؒ زجرا للساعي، وبه يفتى ويعزر، ولو مات الساعي فللمسعى به أن يأخذ قدر الخسران من تركته وهو الصحيح. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٨/ ٣٠٥)

سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الغصب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٩٨ ـ

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ناجائز ملازمت کا حکم

سوال (۲۴۶۷): قدیم ۴/۱۴۱- شرع شریف کے خلاف حکم احکام کرنے کو حرام لکھا ہے، اور خلاف شرع حکم احکام کرنے والے کو قرآن شریف میں کافر، ظالم، فاسق فرمایا ہے، چنانچہ سورۂ مائدہ میں ہے: **ومن لم يحكم بما انزل الله فاولٰئک هم الكفرون. أيضاً: هم الظٰلمون. أيضاً: هم الفاسقون** (۱)۔ اور فرمایا ہے کہ: **ولا تعاونوا على الاثم والعدوان** (۲)۔
لہٰذا آج کل عہد انگریزی کی ملازمت تحصیلداری ڈپٹی گری، منصفی وصدر صدوری اور وکالت ومختار کاری و بیرسٹری وغیرہ کہ ان میں خلاف حکم احکام جاری کرنا لازم ہے شرعاً حلال ہے یا حرام؟

الجواب: حرام ہے (۳)۔ واللہ اعلم یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۵۸)

---

(۱) سورة المائدة، رقم الآية: ٤٤-٤٥-٤٧۔

(۲) سورة المائدة، رقم الآية: ٢۔

(۳) **ولا تصح الإجارة لأجل المعاصي الخ.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٧٥، كراچی ٦/ ٥٥)

وعلى هذا يخرج الاستئجار على المعاصي أنه لا يصح؛ لأنه استئجار على منفعة غير مقدورة الاستيفاء شرعا الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، الاستئجار على المعاصي، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٣٩)

ولا تجوز الإجارة على شيء من الغناء والنوح والمزامير والطبل، وشيء من اللهو؛ لأنه معصية والاستئجار على المعصية باطل، فإن بعقد الإجارة يستحق تسليم المعقود عليه شرعا، ولا يجوز أن يستحق على المرء فعل به يكون عاصيا شرعا. (المبسوط للسرخسي، الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت ١٦/ ٣٧-٣٨)

ومنها أن يكون مقدور الاستيفاء حقيقة أو شرعا فلا يجوز استئجار الآبق ولا الاستئجار على المعاصي؛ لأنه استئجار على منفعة غير مقدورة الاستيفاء شرعا. (هندية، كتاب الإجارة، الباب الأول الخ، قديم زكريا ديوبند ٤/ ٤١١، جديد زكريا ديوبند ٤/ ٤٤١)

تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ١١٨، ١١٩، إمداديه ملتان ٥/ ١٢٥۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جن لوگوں کو سرکاری کام کے لئے پاس ملا ہو اُس سے ذاتی ضرورت کا سفر

سوال (۲۴۶۸): قدیم ۱۴۲/۴- میں کوئلہ کی کان میں ملازم ہوں، اور یہ کان جی، آئی، پی ریلوے کی ہے، کمپنی کی جانب سے مجھ کو سیکنڈ کلاس کا پاس مِلا ہوا ہے، جس کے ذریعہ سے میں ٹریولنگ کرتا رہتا ہوں، اب میرا ارادہ مکّہ معظّمہ جانے کا ہے عمر میری بیس سال ہے، مجھ کو علاوہ ریل کے پاس کے کمپنی کی جانب سے جہاز میں سفر کرنے کی اجازت بلا ادائیگی محصول ہوسکتی ہے، اگر اس طریق سے حج کے لئے جاوے تو اس میں کچھ حرج تو نہیں ہے، اس کے بارے میں حضور فتویٰ دیں کہ ایسا حج قبول ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جہاز میں جو آپ کو سفر کی اجازت ہے تو اس میں آیا یہ قید بھی ہے کہ وہ سفر کمپنی کے کام کے لئے ہو، یا آپ کے ذاتی کام کے لئے بھی اجازت ہے، اول صورت میں جائز نہیں، دوسری صورت میں جائز ہے (۱)۔ فقط

۱۷ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۰۱)

---

(۱) ہمارے زمانہ میں سرکار کی طرف سے جو پاس ملتا ہے وہ مطلق ہوتا ہے، اس میں کوئی قید نہیں ہوتی کہ کمپنی یا سرکار کی ضرورت کا سفر ہے یا ذاتی ضرورت کا؛ بلکہ ہر طرح کے سفر کی اجازت کا ملتا ہے؛ لہٰذا اس کا حاصل کرنا اور اس سے اپنی ذاتی ضرورت کے لئے سفر کرنا جائز ہے؛ کیوں کہ یہ سرکار کی طرف سے ایک قسم کا تبرع ہے، جو جائز ہے۔

قال الفقيه أبو الليث: اختلف الناس في أخذ الجائزة من السلطان، قال بعضهم: يجوز ما لم يعلم أنه يعطيه من حرام، قال محمدؒ: وبه نأخذ ما لم نعرف شيئا حراما بعينه، وهو قول أبى حنيفة وأصحابه، كذا في الظهيرية الخ. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: في الهدايا والضيافات، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۴۲، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۹۶)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰/ باب: مالِ حرام ومشتبہ کے احکام

مالِ حرام سے خریدے گئے برتن کے استعمال کا حکم

سوال (۲۴۶۹): قدیم ۴/ ۱۴۲- کوئی جائز مال کا کھانا ناجائز مال کے برتن میں پکا کر خیرات کرے تو ثواب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: کھانے کا ثواب ہوگا (۱) اور اُس برتن کے برتنے کا گناہ ہوگا (۲)۔

۱۶/ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

---

(۱) اس لئے کہ اتصال خبث انتقال خبث کو مستلزم نہیں ہے؛ لہٰذا جب کھانا پاک اور حلال ہے تو اس کے کھلانے اور خیرات کرنے کا ثواب ملے گا۔

(۱) **فلذا كان دخان النجاسة طاهرا، وأما الهوائية فقد اختلف فيها على ما مر، ومنشأ الخلاف مشاركتها للمائية في الصفة المؤثرة للنجاسة، وهي الرطوبة، وإن كان الأصح طهارتها لما مر من الدليل، ولشدة لطافتها واضمحلالها فليتأمل، فإنه بديع، وهذا كله على القول بالتنجس كما ذكره المصنف لكن المذكور في فتاوى قاضى خان: إذا أحرقت العذرة في بيت فأصاب ماء الطابق ثوب إنسان لا يفسده استحسانا ما لم يظهر أثر النجاسة فيه الخ.** (حلبي كبيري، الطهارة، فصل في الآسار، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱۹۳)

إذا أحرقت العذرة في بيت فعلا دخانه وبخاره إلى الطابق وانعقد ثم ذاب أو عرق الطابق، فأصاب ماءه ثوبا لا يفسد استحسانا ما لم يظهر أثر النجاسة، وبه أفتى الإمام أبوبكر محمد بن الفضل وهو اختيار أستاذنا الشيخ ظهير الدين المرغيناني. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل السابع في معرفة النجاسة وأحكامها، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ٤٤٤، رقم: ۱۱٤٦)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه، أو وكالة منه، أو ولاية عليه، وإن فعل، كان ضامنا. (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ٦۱، رقم المادة: ۹٦)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱٤٠) ←

توبہ کے بعد مال حرام کا حکم

سوال (۲۴۷۰): قدیم ۴/۱۴۲- کمترین بخانہ کنجران تولّد ہوا ہے اور علم دین کی جب واقفیت حاصل کی تو قباحت اس بد پیشہ کی معلوم ہوئی، تو میں نے اس سے نفرت کر کے نوکری کا پیشہ اختیار کیا اور بعد اس کے تجارت چوب وآوہ پختہ کی شروع کی، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس میں بہت نفع دیا، اب محض برضامندی حق تعالیٰ کے اس قوم کنجر کے سب افعال ناشائستہ سے توبہ کر کے پورا اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہوں، وہ مالِ موروثہ میرے نانا کا مثل مکان ونقد جائیداد کے جو مظہر کے سوا اُس کا اور کوئی وارث نہیں، جو نالائق ناجائز خورسودی وشراب کی کمائی وغیرہ فسق وفجور کے ذریعہ سے جمع کیا ہوا نانا کا ہے، اور وہ بھی جگہ مصارف اسلام مسجد وچاہ ومدرسہ وغیرہ خدمت عالمان اور حج بیت اللہ میں خرچ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ جو حضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں مجھ خطاوار کے مانند مشرف باسلام ہوتے تھے، اُن کے مال حضرت ﷺ کہاں دیتے تھے؟ **الإسلام يهدم ما كان قبله** ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: **في الدرالمختار، الفصل الأخير من كتاب الغصب: ولاضمان في ميتة ودم أصلاً. وفي ردالمختار: قوله: ولا ضمان في ميتة ودم أصلا، أي مطلقا ولو لذمي كما سيصرح به إذ لايدين تمولهما أحد من أهل الأديان. هداية (٢)۔ وفيه قبل الفصل في بيان بعض الصور الحرام قوله: فكذلک يتصدق، وفي صحيح البخاري، باب الشروط و الجهاد من كتاب الشروط في قصة الحديبية: وكان المغيرة صحب قوما في الجاهلية فقتلهم وأخذ أموالهم، ثم جاء فأسلم، فقال النبي ﷺ: أما الإسلام،**

← **لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته الخ.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۹۱، کراچی ۶/ ۲۰۰)

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۳۰۴، کراچی ۶/ ۲۱۰۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۷۶، کراچی ۶/ ۱۸۹۔

فأقبل، وأما المال فلست منه في شيء (۱)۔ قال القسطلاني: ولعله صلی الله علیه وسلم ترک المال في یده لإمکان أن یسلم قومه فیرد إلیهم أموالهم. اھ(۲)۔

درمختار کی روایت اولیٰ سے حسب تعلیل ردالمحتار یہ قاعدہ کلیہ معلوم ہوا کہ کفار جس کو اپنے دین کے موافق سمجھتے ہوں، اس سے جو اموال حاصل ہوں وہ اُن کے مملوک ہوتے ہیں، اور جو امر خود ان کے نزدیک بھی دین کے خلاف ہو اس سے جو مال حاصل ہوگا وہ مملوک نہیں، اور ظاہر ہے کہ فسق و فجور اور سود کو سب بُرا جانتے ہیں؛ البتہ شراب کو بہت کفار بُرا نہیں جانتے؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں شراب کی کمائی تو اگر کفار سے اولاد کو میراث میں پہنچی حلال ہے، اور اگر مورث مسلمان تھے تو یہ بھی حرام ہے، اور دوسری کمائیاں ہر حال میں حرام ہیں اور درمختار کی روایت ثانیہ سے معلوم ہوا کہ ایسے اموال خبیثہ کو تصدق کردے (*) یعنی بہ نیت اخراج عن الملک ورفع احتیاج مساکین ایسے محتاجوں کو دیدے جو بہت فقر میں مبتلا ہوں؛ لہٰذا مصارف خیر میں جن سے ثواب حاصل کرنا مقصود ہے خرچ نہ کرے (۳)۔

(*) یہ منقول نہیں دیکھا اپنے استاذ علیہ الرحمہ کے ارشاد سے سمجھا میں کہتا ہوں کہ اگر خود مالکان مال کی طرف سے جن کو واپس کرنا ایسے اموال کا واجب تھا اور بوجہ عدم تعیین تعذر ہو جائے خرچ کیا جائے تو دوسرے امور خیر میں بھی صرف جائز ہے۔ ۱۲ منہ

---

(۱) بخاري شریف، کتاب الشروط، باب الشروط في الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب وکتابة الشروط، النسخة الهندیة ۱/ ۳۷۷، رقم: ۲۶۵۱، ف: ۲۷۳۱۔

(۲) إرشاد الساري، شرح صحیح البخاري، کتاب الشروط في الجهاد، دارالفکر بیروت ۶/ ۲۲۷۔

(۳) **وأما إذا کان عند رجل مال خبیث، فإما إن ملکه بعقد فاسد أو حصل له بغیر عقد، ولا یمکنه أن یرده إلی مالکه ویرید أن یدفع مظلمته عن نفسه فلیس له حیلة إلا أن یدفعه إلی الفقراء ...... ولکن لا یرید بذلک الأجر والثواب، ولکن یرید دفع المعصیة عن نفسه.** (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، قدیم ۱/ ۳۷، جدید دارالبشائر الإسلامیة بیروت ۱/ ۳۵۹-۳۶۰)

وعلی هذا قالوا: لو مات رجل وکسبه من بیع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة یتورع الورثة، ولا یأخذوا منه شیئا وهو أولی لهم ویردونها علی أربابها إن عرفوهم، وإلا ←

اور بخاری کی روایت سے معلوم ہوا کہ ایسے اموال کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نومسلموں کے لئے جائز نہ رکھتے تھے، چنانچہ قسطلانی نے اور زیادہ تصریح کردی، قرآن مجید کی آیاتِ ربوا مثل **وذروا ما بقي من الربوا** وغیرہ سے بھی یہی ثابت ہے؛ کیونکہ مخاطب اس کے نومسلم ہیں، اور اُن کا معاملہ ربوا زمانہ جاہلیت قبل الاسلام تھا، پھر بھی حرمت کا حکم فرمایا(۱)۔

← **تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه** (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٦٠، إمداديه ملتان ٦/ ٢٧)

شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٥٣، كراچی ٦/ ٣٨٥۔

هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر: في الكسب وهو أنواع، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٩، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤٠٤۔

(۱) أخرج ابن جرير عن ابن جريج في قوله (يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله ......) الآية، قال: كانت ثقيف قد صالحت النبي صلى الله عليه وسلم على أن مالهم من ربا على الناس وما كان للناس عليهم من ربا فهو موضوع، فلما كان الفتح استعمل عتاب بن أسيد على مكة، وكانت بنو عمرو بن عوف يأخذون الربا من بني المغيرة، وكانت بنو المغيرة يربون لهم في الجاهلية، فجاء الإسلام ولهم عليهم مال كثير، فأتاهم بنو عمرو يطلبون رباهم، فأبى بنو المغيرة أن يعطوهم في الإسلام، ورفعوا ذلك إلى عتاب بن أسيد، فكتب عتاب إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فنزلت: (يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربا) إلى قوله (ولا تظلمون) فكتب بها رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى عتاب وقال: إن رضوا وإلا فأذنهم بحرب. (الدرالمنثور، سورة البقرة، آيت: ٢٧٨، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٦٤٦)

وقال عليه الصلاة والسلام في حجته الوداع: وربا الجاهلية موضوع، وأول ربا أضع ربانا ربا عباس ابن عبدالمطلب، فإنه موضوع كله الحديث. (مسلم شريف، كتاب الحج، باب حجة النبي صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ١/ ٣٩٧، بيت الأفكار، رقم: ١٢١٨)

ترمذي شريف، أبواب التفسير، من سورة التوبة، النسخة الهندية ٢/ ١٤٠، دارالسلام رقم: ٣٠٨٧۔

اورالإسلام یھدم (۱) حق معاصی میں ہے نہ کہ اموال حرام کے باب میں، ورنہ چاہئے تھا کہ نساءِ محرمات سے بھی بعد اسلام تفریق نہ کراتے، حالانکہ احادیث میں اس تفریق کی تصریح وارد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۲۶؍شوال ۱۳۲۲ھ (امداد، ج۲،ص۱۶۴)

ایضاً

سوال (۲۴۷۱): قدیم ۴/۱۴۴- رنڈی، جواری، دغاباز اعنی کسب حرام والے تائب ہوکر اگر چاہیں کہ اپنے مال کو خدا کی راہ میں صرف کریں تو اس کی کیا صورت ہے؟ اگر خدا کی راہ میں صرف ناجائز ہو تو کیا کرے جلا ڈالے، ڈبا دے؟ اور کوئی شرعی حیلہ حلال کرنے کا ہے یا نہیں؟ بعض اپنا حلال روپیہ اس حرام روپے میں ملا کر زمین خرید لیتے ہیں، یہ حیلہ کیسا ہے؟

الجواب: وہ مال حرام رہتا ہے، جو لوگ فقروفاقہ سے بہت پریشان ہوں ایسوں کو وہ مال بہ(*) نیت رفع حاجت دینا چاہئے، نہ بہ نیت حصولِ ثواب، اوراگر وہ شخص جس سے وہ مال ان لوگوں کا حاصل ہوا ہے وہ بالتعیین وبالتخصیص معلوم ہو تو اس کو واپس کردینا چاہئے (۲) اور حرام کو حلال کرنے کے لئے کوئی حیلہ

(*) اور اپنی طرف سے دینے کی نیت نہ کرے؛ بلکہ اہل حقوق کی طرف سے۔۱۲ منہ

---

(۱) ”الإسلام یھدم“ والی حدیث یہ ہے: أخرج المسلم عن ابن شماسة المهري حديثا طويلا –وفيه– فلما جعل الله الإسلام في قلبي أتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقلت: ابسط يمينک فلأبايعک فبسط يمينه قال: فقبضت يدي قال مالک يا عمرو! قال: قلت: أردت أن أشترط، قال: تشترط بما ذا؟ قلت: أن يغفر لي، قال: أما علمت يا عمرو أن الإسلام يهدم ما كان قبله وأن الهجرة تهدم ما كان قبلها، وأن الحج يهدم ما كان قبله، وما كان أحد أحب إلي من رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولا أجل في عيني منه. الحديث (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب كون الإسلام يهدم ما كان قبله، وكذا الحج والهجرة، النسخة الهندية ١/ ٧٦، بيت الأفكار رقم: ١٢١)

(۱) صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة، والاستئجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه، ولكن إن أخذه ←

مفید نہیں، اگر دوسرے روپے میں ملایا تو حصہ رسد اس کی نسبت سے اس میں بھی حرمت و خباثت پیدا ہو جاوے گی، اور اسی طرح جو چیز اس سے خریدی اس میں بھی۔ فقط واللہ اعلم (امداد، ج ۳، ص ۱۲۹)

کافر زانیہ مسلمان ہوجائے تو اس کا مال حرام جائز نہ ہوگا

سوال (۲۴۷۲): قدیم ۴/۱۴۴- زانیہ کافرہ اگر مسلمان ہوجائے تو مال مکتسبہ اس کا طیب ہوگا یا غیر طیب؟

الجواب: غیر طیب؛ کیونکہ زنا کسی ملّت میں حلال نہیں (۱)۔

یکم جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۳۴)

← **من غير عقد لم يملكه، ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الأحوال يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء ...... ولكن لا يريد بذلك الأجر والثواب، ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه.** (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، النسخة الهندية قديم ١/ ٣٧، جديد دارالبشائر الإسلامية ١/ -٣٥٩-٣٦٠)

وعلى هذا قالوا: لو مات رجل وكسبه من بيع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئا وهو أولى لهم ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٥٣، كراچى ٥٥٣، كراچى ٦/ ٣٨٥)

تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٦٠، إمداديه ملتان ٦/ ٢٧۔

البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٣٦٩، كوئٹه ٨/ ٢٠١۔

(١) **الزنا حرام، وفاحشة عظيمة وهو من الكبائر العظام، واتفق أهل الملل على تحريمه، ولم يحل في ملة قط، ولهذا كان حده أشد الحدود؛ لأنه جناية على الأعراض والأنساب.** (الفقه الإسلامي وأدلته، القسم الخامس: الفقه العام، الباب الأول: الحدود الشرعية، الفصل الأول: حد الزنا، مكتبه هدى انٹرنيشنل ديوبند ٥/ ٧٧٣)

الزنا حرام: وهو من أكبر الكبائر بعد الشرك والقتل، قال الله تعالى: (والذين لا يدعون مع الله إلها آخر ولا يقتلون -إلى قوله- مهانا) وقد أجمع أهل الملل على ←

جو برتن مال حرام سے خریدا گیا اس کا استعمال گناہ ہے

سوال (۲۴۷۳): قدیم ۴/ ۱۴۰- کوئی جائز مال کا کھانا ناجائز مال کے برتن میں پکا کر خیرات کرے تو ثواب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: کھانے کا ثواب ہوگا(۱)۔

← **تحريمه فلم يحل في ملة قط، ولذا كان حده أشد الحدود؛ لأنه جناية على الأعراض والأنساب الخ.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٤/ ١٩-٢٩)

اور یہ قاعدۂ کلیہ ہے کہ کفار جس کو اپنے دین کے موافق اور حلال سمجھتے ہوں اس سے جو اموال حاصل ہوں وہ ان کے لئے حلال اور ان کے مملوک ہوتے ہیں اور جو امر خود ان کے نزدیک بھی دین ودھرم کے خلاف ہو اس سے جو مال حاصل ہوگا وہ ان کے لئے بھی غیر طیب وخبیث اور غیر مملوک ہوگا اور زنا چونکہ ان کے نزدیک بھی برا کام ہے؛ اس لئے اس سے حاصل ہونے والا مال بھی غیر طیب ہوگا۔

عن أبي مسعود الأنصاري رضي الله عنه قال: نهىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ثمن الكلب ومهر البغي، وحلوان الكاهن. (ترمذي شريف، كتاب النكاح، باب ما جاء في كراهية مهر البغي، النسخة الهندية ١/ ٢١٥، دارالسلام رقم: ١١٣٣)

بخاري شريف، كتاب البيوع، باب ثمن الكلب، النسخة الهندية ١/ ٢٩٨، رقم: ٢١٨٥، ف: ٢٢٣٧۔

مسلم شريف، كتاب المساقاة، باب تحريم ثمن الكلب وحلوان الكاهن، ومهر البغي، النسخة الهندية ٢/ ١٩، بيت الأفكار رقم: ١٥٦٧۔

(۱) اس لئے کہ اتصال خبث انتقال خبث کو مستلزم نہیں ہے اور جب کھانا پاک وحلال ہے تو اس کے کھلانے اور خیرات کرنے کا ثواب ہوگا۔

مستفاد: فلذا كان دخان النجاسة طاهرا، وأما الهوائية فقد اختلف فيها على ما مر، ومنشأ الخلاف مشاركتها للمائية في الصفة المؤثرة للنجاسة، وهي الرطوبة، وإن كان الاصح طهارتها لما مر من الدليل، ولشدة لطافتها واضمحلالها فليتأمل، فإنه بديع، وهذا كله على القول بالتنجس كما ذكره المصنف لكن المذكور في فتاوى قاضي خان: إذا أحرقت العذرة في بيت فأصاب ماء الطابق ثوب إنسان لا يفسده استحسانا ما لم يظهر أثر النجاسة فيه الخ.

(حلبي كبيري، الطهارة، فصل في الآسار، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ١٩٣) ←

اور اس برتن کے برتنے کا گناہ ہوگا (۱)۔ ۱۶/ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۹۵)

میراث میں ملے ہوئے مال حرام کا حکم

سوال (۲۴۷۴): قدیم ۴/ ۱۴۴- کیا جواب ہے ان سوالوں کا اے علمائے دین ومفتیان شرع متین وحاملانِ حبل المتین! اوّل یہ ہے کہ ایک شخص مَر گیا اور اس کی کمائی حرام ذریعہ سے ہے اور اس کا بیٹا اس کو جانتا ہے اور خاص لوگوں کو بھی جانتا ہے، تو بیٹے کے واسطے یہ مال حلال ہے یا نہیں؟ مع دلیل بیان کیجئے اور ثواب لیجئے، اور اگر حلال نہ ہو تو بیٹے پر وہ مال مالکوں کے پاس واپس کر دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدرالمختار: وفي الأشباه: الحرمة تتعدد مع العلم بها إلا في حق الوارث، و قيده في الظهيرية: بأن لا يعلم أرباب الأموال وسنحققه ثمه (۲)۔

← **إذا أحرقت العذرة في بيت فعلا دخانه وبخاره إلى الطابق وانعقد ثم ذاب أو عرق الطابق، فأصاب ماء ه ثوبا لا يفسد استحسانا ما لم يظهر أثر النجاسة، وبه أفتى الإمام أبوبكر محمد بن الفضل وهو اختيار أستاذنا الشيخ ظهير الدين المرغيناني.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل السابع في معرفة النجاسة وأحكامها، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٤٤٤، رقم: ١١٤٦)

(۱) **الحرام ينتقل فلو دخل بأمان وأخذ مال حربي بلا رضاه وأخرجه إلينا ملكه وصح بيعه لكن لا يطيب له ولا للمشتري منه (درمختار) وفي الشامية: قوله (الحرام ينتقل) أي تنتقل حرمته، وإن تداولته الأيدي وتبدلت الأملاك، ويأتي تمامه قريبا، وقوله (ولا للمشتري منه) فيكون بشرائه منه مسيئا؛ لأنه ملكه بكسب خبيث، وفي شرائه تقرير للخبث ويؤمر بما كان يؤمر به البائع من رده على الحربي؛ لأن وجوب الرد على البائع إنما كان لمراعاة ملك الحربي ولأجل غدر الأمان، وهذا المعنى قائم في ملك المشتري كما في ملك البائع الذي أخرجه.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٣٠٠، كراچی ٥/ ٩٨)

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٣٠١، كراچی ٥/ ٩٨-٩٩۔

اور ردالمحتار میں اس پر بہت بسط سے بحث کی ہے، حاصل مجموعہ کا یہ ہے کہ اگر کوئی مالِ حرام علیحدہ رکھا ہے تو وہ بالکل حرام ہے، یعنی اس میں تصرّف بھی نافذ نہ ہوگا، پس اگر اس کا مالک معلوم ہے تو اس کو واپس کرنا واجب ہے اور اگر معلوم نہیں تو لقطہ کی طرح مساکین پر تصدق کردے۔ اور اگر وہ مال باہم مخلوط ہوگیا تو اگر مالک مستحق معلوم ہیں تو اس کا بدل واپس کردے، اور اگر مالک بھی معلوم نہیں تو قضاءً اس میں تصرف نافذ ہوسکتا ہے؛ لیکن دیانۃً اس کو حلال نہیں۔ ج ۴ ص ۲۰۱-۲۰۲۔ إلی شرحه قوله سنحققه ثمه (۱)۔ واللہ اعلم ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۰۲)

جو مال بطور ریاء کے دیا جائے مگر خوشدلی سے اس کا حکم

سوال (۲۴۷۵): قدیم ۴/۱۴۵- صاحب تقریب غیر مشروع اپنے محلّہ کے مولوی کو بعض اوقات کچھ نقد یا کپڑا اللہ واسطے کا نام لیکر دیتے ہیں، اکثر تو اسی غرض سے دیتے ہیں، کہ لوگ کہیں گے کہ اچھا بیاہ کیا کہ مُلّاں مولوی کو بھی کچھ نہیں دیا، یہی حال مساجد میں بھی دینے کا ہے، بعض اخلاص کے ساتھ بھی دیتے ہیں، وقلیل ماهم بل الأقل. اس میں لینے والے کی تین صورتیں ہیں: بعض کو ریاء کا یقین ہوتا ہے، بعض کو اخلاص کا، بعض اشتباہ میں رہتے ہیں۔ ہر سہ صور کا حکم فرمایا جاوے، اگر مُلّاں مولوی کو گھر آکر اللہ واسطے کا نام لیکر کچھ دیوے اور قبول کرنے پر اصرار کرے تو لیا جاوے یا نہیں؟

الجواب: ریا سے مال میں خبث نہیں آتا صرف ثواب باطل ہوجاتا ہے (۲)۔

---

(۱) والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق بنية صاحبه، وإن كان مالا مختلطا مجتمعا من الحرام ولا يعلم أربابه ولا شيئا منه بعينه حل له حكما، والأحسن ديانة التنزه عنه، ففي الذخيرة: سئل الفقيه أبو جعفر عمن اكتبسب ماله من أمراء السلطان، ومن الغرامات المحرمات وغير ذلک هل يحل لمن عرف ذلک أن يأكل من طعامه؟ قال: أحب إلي في دينه أن لا يأكل ويسعه حكما إن لم يكن ذلک الطعام غصبا أو رشوة. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراما، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۳۰۱-۳۰۲، كراچی ۵/ ۹۹)

(۲) يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ. [سورة البقرة، رقم الآية: ۲۶۴] ←

اگر بطیب خاطر دینا یقینی ہو، گوریا سے دیا ہو وہ حلال ہے(۱)۔

۲۸ جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۵۱)

سوختۂ حرام سے آگ لینا

سوال (۲۴۷۶): قدیم ۴/ ۱۴۵- کچھ کوئلہ یا لکڑی کسی ناجائز جگہ سے لایا یا چرا کر لایا اور آگ جلالی، اس آگ کی ڈھیر میں سے ''ب'' آگ لے سکتا ہے یا نہیں؟ ''ب'' کو خوب طرح سے معلوم ہے کہ کوئلہ یا لکڑی چوری کا مال ہے؟

← **لا تلازم بين صحة العبادة وإجزاء ها وبين بطلان ثوابها، فإن العبادة قد تكون صحيحة مجزئة لاستكمال أركانها وشرائطها، ولكن لا يستحق فاعلها الثواب لما يقترن بها من المقاصد والنيات التي تبطل ثمرتها في الآخرة، ودليل ذلك قول النبي صلى الله عليه وسلم: إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرئ ما نوى، فمن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها أو مرأة ينكحها فهجرته إلى ما هاجر إليه، ومن ذلك الريا فإنه يبطل ثواب العبادة في الجملة.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ١٥/ ٦١)

أقوال: هذا يومهم أنها لا تصح مع الريا مع أن الإخلاص شرط للثواب لا للصحة كما سيأتي في الفروع أنه لو قيل لشخص صل الظهر ولك دينار فصلى بهذه النية ينبغي أن يجزيه، وأنه لا رياء في الفرائض في حق سقوط والواجب، فهذا يقتضي صحة الشروع مع عدم الإخلاص فليتأمل. (شامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، بحث النية، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٩٠، كراچی ١/ ٤١٥)

(۱) **عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه.** (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الغصب، دارالفكر بيروت ٨/ ٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: انگارا نہیں لے سکتا (۱) اس کے شعلہ سے اپنی کوئی چیز سلگا سکتا ہے (۲)۔

۱۳/ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۲۴)

---

(۱) اس لئے کہ کوئلہ یا لکڑی جس کا یہ انگارا ہے مال مسروق ہے اور مال مسروق کا حکم یہ ہے کہ وہ بدستور اصل مالک کی ملکیت میں باقی رہتا ہے اور سارق پر مال مسروق اصل مالک کو لوٹانا واجب ہوتا ہے، اس کے لئے اس میں کسی طرح کا تصرف جائز نہیں ہوتا ملک غیر ہونے کی وجہ سے، اور جب مال مسروق سارق کی ملکیت میں داخل ہی نہیں ہوتا تو دوسروں کے لئے بھی ملک غیر ہونے کی وجہ سے اس کا استعمال جائز نہ ہوگا۔

والثاني وجوب رد عين المسروق على صاحبه إذا كان قائما بعينه وجملة الكلام فيه أن المسروق في يد السارق لا يخلو إما إن كان على حاله لم يتغير، وإما أن أحدث السارق فيه حدثا، فإن كان على حاله رده على المالك لما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال على اليد ما أخذت حتى ترده وروي أنه عليه السلام قال: من وجد عين ماله فهو أحق به، وروي أنه عليه الصلاة والسلام رد رداء صفوان رضي الله عنه وقطع السارق فيه، وكذلك إن كان السارق قد ملك المسروق رجلا ببيع أو هبة أو صدقة أو تزوج امرأة عليه أو كان السارق امرأته فاختلعت من نفسها به وهو قائم في يد المالك فلصاحبه أن يأخذه؛ لأنه ملكه إذ السرقة، لا توجب زوال الملك عن العين المسروقة، فكان تمليك السارق باطلا الخ.

(بدائع الصنائع، كتاب السرقة، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٤-٤٥، كراچى ٧/ ٨٩)

لا خلاف بين الفقهاء فى وجوب رد المسروق إن كان قائما إلى من سرق منه، سواء كان السارق موسرا أو معسرا، وسواء أقيم عليه الحد أو لم يقم، وسواء وجد المسروق عنده أو عند غيره، وذلك لما روي أن الرسول صلى الله عليه وسلم رد على صفوان رداءه وقطع سارقه، وقد قال صلى الله عليه وسلم: على اليد ما أخذت حتى تؤدي الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٤/ ٣٤٥)

(٢) عن رجل من المهاجرين من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم قال: غزوت مع النبي صلى الله عليه وسلم ثلاثا أسمعه يقول: المسلمون شركاء في ثلاث: في الكلأ، والماء، والنار. (أبوداؤد شريف، كتاب الإجارة، باب في منع الماء، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٢، دارالسلام رقم: ٣٤٧٧) ←

فاحشہ عورت یا کفار کے بنوائے ہوئے کنویں سے پانی لینا

سوال (۲۴۷۷): قدیم ۴/ ۱۴۵- علمائے دین وشرع متین ان مسائل میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک کنواں کسی رنڈی نے خاص روپے سے تعمیر کرایا ہے، اور اس کنویں پر کسی شخص کو مقرر کر دیا، کہ وہ پانی نکال کر خلق خدا کو فیس لے کر پانی بھر دیا کرے، دوسرا کنواں جو کسی ہندو نے چڑھاوے کے روپے سے بنوایا ہو اور یہ ہندو کسی قسم کی فیس نہ لیوے، ان دونوں کنووں کا پانی مسلمان کو پینا اور اس سے وضو کر کے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کنواں تعمیر کرنے سے پانی مملوک نہیں ہوتا (۱)۔

← **عن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المسلمون شركاء في ثلاثة: في الماء، والكلأ، والنار، وثمنه حرام.** (ابن ماجه شريف، الرهون، باب المسلمون شركاء في ثلاث، النسخة الهندية ص: ۱۷۸، دارالسلام رقم: ۲٤۷۲)

(۱) **والثالث إذا دخل الماء في المقاسم فحق الشفة ثابت، والأصل فيه قوله عليه السلام: الناس شركاء في ثلاث: في الماء، والكلأ، والنار، وإنه ينتظم الشرب والشرب خص منه الأول، وبقي الثاني وهو الشفة، ولأن البئر ونحوها ما وضع للإحراز ولا يملك المباح بدونه كالظبي إذا تكنس في أرضه، ولأن في إبقاء الشفة ضرورة؛ لأن الإنسان لا يمكنه استصحاب الماء إلى كل مكان وهو محتاج إليه لنفسه وظهره فلو منع عنه أفضى إلى حرج عظيم.**

(هداية، كتاب إحياء الموات، فصل في مسائل الشرب، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤۸٥-٤۸٦)

وفي الأنهار المملوكة والآبار والحياض لكل شربه وسقي دوابه لا أرضه، وإن خيف تخريب النهر لكثرة البقرة يمنع، وإنما كان له حق الشرب، وسقي الدابة فيه لما روينا، ولأن الأنهار والآبار والحياض لم توضع للإحراز، والمباح لا يملك إلا بالإحراز فصار كالصيد إذا تكنس في أرض إنسان، ولأن الحاجة إلى الماء تتجدد ساعة فساعة، ومن سافر لا يمكنه أن يستصحب ما يكفيه إلى أن يرجع إلى وطنه فيحتاج إلى أن يأخذ المال من الآبار والأنهار التي تكون على طريقه لنفسه ودابته وصاحبه لا يتضرر بذلك القدر فلو منع من ذلك لحقه حرج عظيم، وهو مدفوع شرعا. (تبيين الحقائق، كتاب إحياء الموات، مسائل الشرب، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۸۷، إمداديه ملتان ٦/ ۳۹) ←

لہٰذا روپے اور نیت کا خبث پانی میں مؤثر نہیں ہوگا، دونوں کا پانی حلال ہے، پینا اور وضو وغیرہ سب جائز ہے (۱)۔ رمضان ۱۳۳۱ھ (حوادث اول ص ۱۱۶)

ریلوے ملازم کیلئے اسٹیشن کے ٹھیکہ دار فروخت اشیاء سے رعایتی قیمت پر چیزیں خریدنا

سوال (۲۴۷۸): قدیم ۴/۱۴۶- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کسی ریلوے اسٹیشن پر اشیاء خورد ونوش مٹھائی وغیرہ کا ٹھیکہ دار ہے اور مسافروں کو نرخ مقررہ افسران ریلوے پر دیتا ہے، مگر اسٹیشن کے بابوؤں کو خاص رعایت سے دیتا ہے، اور یہ رعایت اسی لئے منظور ہے کہ بابو لوگ کوئی رخنہ اندازی اس کے کام میں نہ کریں۔ یہ رعایت اس اسٹیشن کے بابوؤں کو لینی کیسی ہے؟

الجواب: ناجائز ہے (۲)۔ ۱۳؍ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالثہ ص ۱۳۳)

← مجمع الأنهر، كتاب إحياء الموات، فصل في الشرب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٣٦-٢٣٧-

الدرالمختار مع الشامي، كتاب إحياء الموات، فصل في الشرب، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ١٥، كراچی ٦/ ٤٤٠-

(۱) **مستفاد: إذا أحرقت العذرة في بيت فعلا دخانه وبخاره إلى الطابق وانعقد ثم ذاب أو عرق الطابق، فأصاب ماء ه ثوبا لا يفسد استحسانا ما لم يظهر أثر النجاسة، وبه أفتى الإمام أبوبكر محمد بن الفضل وهو اختيار أستاذنا الشيخ ظهير الدين المرغيناني.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل السابع في معرفة النجاسة وأحكامها، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٤٤٤، رقم: ١١٤٦)

وهذا كله على القول بالتنجس كما ذكره المصنف لكن المذكور في فتاوى قاضي خان: إذا أحرقت العذرة في بيت فأصاب ماء الطابق ثوب إنسان لا يفسده استحسانا ما لم يظهر أثر النجاسة فيه الخ. (حلبي كبيري، الطهارة، فصل في الآسار، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ١٩٣)

(۲) **عن عبدالله بن عمرو رضي الله عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي.** (ترمذي شريف، كتاب الأحكام، باب ما جاء في الراشي والمرتشي في الحكم، النسخة الهندية ١/ ٢٤٨، دارالسلام رقم: ١٣٣٧) ←

سرکاری کام سے بچی ہوئی چیزیں مثل کاغذ، قلم، روشنائی وغیرہ کا حکم

سوال (۲۴۷۹): قدیم ۴/ ۱۴۶- میرا ایک عزیز ڈاک خانہ میں ایک ماہ کے لئے عوضی تھا بعد اختتام مکان آیا، اور اپنے ساتھ کچھ بتّیاں لاکھ کی اور ڈورلایا، اور مجھ سے کہا کہ یہ بچی ہیں میں نے اس سے تفصیل پوچھی، اس نے کہا کہ یہ حاکم بالا کی طرف سے ایک ماہ کے خرچ کو ملتی ہیں اور جو بچے اس کو کوئی نہیں پوچھتا، میں نے یہ سُن کر خاموشی اختیار کی، حالانکہ مجھ کو بہت ضرورت لاکھ کی تھی؛ اس لئے دریافت کرتا ہوں کہ اس کے استعمال میں حرج ہے یا نہیں؟ اور ملازمین کے ذمّہ جو چیزیں بچیں اُن کی واپسی سرکار کو کردینی چاہئے یا نہیں؟

الجواب: ملازمانِ سرکاری سے تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ چیزیں اس شخص کی مِلک نہیں کی

← أبوداؤد شريف، كتاب القضاء، باب في كراهية الرشوة، النسخة الهندية ٢/ ٥٠٤، دارالسلام رقم: ٣٥٨٠ـ

ابن ماجة شريف، كتاب الأحكام، باب التغليظ في الحيف والرشوة، النسخة الهندية ص: ١٦٧، دارالسلام رقم: ٢٣١٣ـ

عن أبي سلمة بن عبدالرحمن عن أبيه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: الراشي والمرتشي في النار. (المعجم الأوسط، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٥٥٠، رقم: ٢٠٢٦)

ومنها إذا دفع الرشوة خوفا على نفسه أو ماله فهو حرام على آخذ غير حرام على الدافع. (البحرالرائق، كتاب القضاء، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٤١، كوئٹه ٦/ ٢٦٢)

دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولاستخراج حق له ليس برشوة، يعني في حق الدافع. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٦٠٧، كراچى ٦/ ٤٢٣)

هندية، كتاب الهبة، الباب الحادي عشر في المتفرقات، قديم زكريا ديوبند ٤/ ٤٠٣، جديد زكريا ديوبند ٤/ ٤٣١ـ

الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٢/ ٢٢٢ـ

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جاتیں؛ اس لئے بچی ہوئی چیزیں مِلک سرکاری ہیں، جن کا واپس کردینا واجب ہے(۱) البتہ اگر احیاناً دی ہوئی سے زیادہ خرچ ہوجاتی ہوں تو اس صورت میں بچی ہوئی کو احتیاطاً بطور امانت اس غرض سے رکھ لینا جائز ہے کہ اگر کمی پڑے گی تو اس میں سے خرچ کرلیں گے؛ لیکن ہر حال میں وہ امانت ہے، اس شخص کی ملک نہیں (۲)۔ ۱۲ر شعبان ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالثہ ص ۱۴۴)

---

(۱) **اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوْا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا.** [سورة النساء، رقم الآية: ۵۸]

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: أدّ الأمانة إلى من ائتمنك ولا تخن من خانك. (ترمذي شريف، كتاب البيوع، باب ماجاء في النهي للمسلم أن يدفع إلى الذمي الخمر يبيعها له، النسخة الهندية ۱/ ۲۳۹، دارالسلام رقم: ۱۲۶٤)

أبوداؤد شريف، كتاب الإجارة، باب في الرجل يأخذ حقه من تحت يده، النسخة الهندية ۲/ ٤۹۸، دارالسلام رقم: ۳۵۳٤۔

(۲) **عن عبدالله بن عمرو رضي الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال: أربع إذا كن فيك فلا عليك ما فاتك من الدنيا: حفظ أمانة، وصدق الحديث، وحسن الخليقة، وعفة في طعمه.** (شعب الإيمان للبيهقي، باب في حفظ اللسان، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۲۰۵، رقم: ٤۸۰۱)

عن عبادة بن الصامت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: اضمنوا لي ستا من أنفسكم أضمن لكم الجنة: اصدقوا إذا حدثتم، وأوفوا إذا وعدتم، وأدوا إذا ئتمنتم، واحفظوا فروجكم، وغضوا أبصاركم، وكفوا أيديكم. (شعب الإيمان، باب في حفظ اللسان، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۲۰۵-۲۰۶، رقم: ٤۸۰۲)

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان. (بخاري شريف، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق، النسخة الهندية ۱/ ۱۰، رقم: ۳۳)

مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق، النسخة الهندية ۱/ ۵٦، بيت الأفكار رقم: ۵۹۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ایضاً

سوال (۲۴۸۰): قدیم ۱۴۶/۴- غلام کو کاغذ سادہ کارِ سرکار کے لئے ماہانہ ملتے ہیں، جن کی تعداد مقرر ہے، اس سے زیادہ نہیں مل سکتا، خواہ کمی رہے یا زیادتی رہے، اس صورت میں اگر خرچ سے زیادہ ہوں تو اپنے نجی کے کام میں وہ کاغذ وغیرہ خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ تحقیق کرنا چاہئے کہ اگر کاغذ بچنے کی اطلاع ہو جاوے تو اس کی وجہ سے آئندہ کمی تو نہ کریں (۱)۔ (حوادث خامسہ ص ۴۱۷)

مالِ مخلوط از حلال وحرام جائز ہے جب تک کہ اس میں حرام غالب نہ ہو

سوال (۲۴۸۱): قدیم ۱۴۶/۴- ایک مدرسہ جس میں انگریزی تعلیم ہوتی ہے کچھ سرکاری امداد ہے اور کچھ رؤسائے مقام دیتے ہیں، سرکاری رقم پچاس روپے ماہوار ہے، اور رقم چندہ سو روپے ہے، جس میں پچاس روپے کی رقم ایک رئیس کی آمدنی سے ہے جو وکالت پیشہ تھا، بقیہ رقم مختلف پیشے کے لوگوں کی ہے، جس میں زیادہ ملازم سرکاری ہیں، گو یہ محقق نہیں ہے، نہ بلا دقّتِ عظیم ہوسکتا ہے، کہ رقم چندہ خالص تنخواہ سے آتی ہے، ایسے مخلوط سرمایہ کے اسکول کی نوکری مطلقاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو اس قید سے جائز ہوسکتی ہے کہ تنخواہ سرکاری رقم سے حاصل کی جاوے؟

الجواب: اصل اباحت ہے (۲)۔

---

(۱) تھوڑی سی چیز زائد ہو جائے تو اگر آئندہ کمی نہیں کی جاتی ہے اور اس کا معفو عنہ کے درجہ میں ہونا معروف اور اس کا تعامل ہے تو "**الثابت بالعرف كالثابت بالنص**" (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۷۴) کے حکم میں ہو جائے گا۔

وفي شرح البيري عن المبسوط أن الثابت بالعرف كالثابت بالنص الخ. (شامي، كتاب الوقف، مطلب في التعامل والعرف، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۵۵۶، كراچی ۴/ ۳۶۴)

(۱) **الأصل في الأشياء الإباحة.** (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۵۹)

صرح في التحرير بأن المختار أن الأصل الإباحة عند الجمهور من الحنفية والشافعية ۵۱. وتبعه تلميذه العلامة قاسم وجرى عليه في الهداية من فصل الحداد، وفي الخانية ←

اور ''الیقین لایزول بالشک'' (۱)۔اس لئے جب تک حلال کا غیر غالب نہ ہونا یقیناً نہ معلوم ہو اس مخلوط سے تنخواہ لینا حلال ہے (۲)۔ اور اگر ایسا انتظام کرلیا جاوے کہ خاص سرکاری رقم سے یہ تنخواہ لی جاوے، تو اور زیادہ احتیاط کی بات ہے۔

۶ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۲۰)

← من أوائل الحظر والإباحة، وقال في شرح التحرير وهو قول معتزلة البصرة، وكثير من الشافعية، وأكثر الحنفية لا سيما العراقيين، قالو: وإليه أشار محمد فيمن هدد بالقتل على أكل الميتة أو شرب الخمر فلم يفعل حتى قتل بقوله: خفت أن يكون آثما؛ لأن أكل الميتة وشرب الخمر لم يحرما إلا بالنهي عنهما فجعل الإباحة أصلا والحرمة بعارض النهي. (الدرالمختار مع الشامي، الطهارة، مطلب المختار أن الأصل في الأشياء الإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۲۱-۲۲۲، كراچى ۱/ ۱۰۵)

الأشباه والنظائر، القاعدة الثالثة، قديم ص: ۱۱۵، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۲۰۹۔

(۱) **اليقين لا يزول بالشک.** (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱۴۳)

الأشباه والنظائر، القاعدة الثالثة، قديم ص: ۱۰۰، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۱۸۳۔

(۲) **أهدى إلى رجل شيئا أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لا يقبل الهدية، ولا يأكل الطعام إلا أن يخبره بأنه حلال ورثه أو استقرضه من رجل كذا في الينابيع.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: في الهدايا والضيافات، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۴۲، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۹۶)

غالب مال المهدي إن حلالا لا بأس بقبول هديته وأكل ماله ما لم يتعين أنه من حرام، وإن غالب ماله الحرام لا يقبلها ولا يأكل إلا إذا قال: أنه حلال ورثه أو استقرضه. (بزازية على هامش الهندية، الكراهية، الفصل الرابع: في الهدية والميراث، قديم زكريا ديوبند ۶/ ۳۶۰، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۲۰۳)

الفتاوى التاتارخانية، الكراهية، الفصل السابع عشر: في الهدايا والضيافات، مكتبه زكريا ديوبند ۱۸/ ۱۷۵، رقم: ۲۸۴۰۵۔

مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۸۶۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

غالب حلال آمدنی سے خریدا ہوا مکان حلال ہے

سوال (۲۴۸۲): قدیم ۴/۱۴۰- اگر ایک مکان بذریعہ وراثت حاصل ہوا ہو اور مورث رشوت لینے والا ہو اور زراعت وغیرہ بھی ہوتی ہو مگر یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ اس میں کس آمدنی کا روپیہ لگا، مگر اتنا معلوم ہے کہ زراعت بہ نسبت رشوت زیادہ تھی تو اُس مکان کو اپنی جائے سکونت بنانا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: جائز ہے، اوّل تو زراعت کا بہ نسبت رشوت زیادہ ہونا ظاہراً قرینہ غلبۂ منافع زراعت کا ہے (۱) دوسرے معلوم نہ ہونے کی صورت میں اباحت کے اصل ہونے سے حلال ہی کو غالب کہا جاوے گا (۲)۔ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ

---

(۱) **آكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه، وغالب ماله حرام لا يقبل ولا يأكل ما لم يخبره أن ذلك المال أصله حلال ورثه أو استقرضه، وإن كان غالب ماله حلالا لا بأس بقبول هديته والأكل منها.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: في الهدايا والضيافات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٣، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٩٧)

غالب مال المهدي إن حلالا لا بأس بقبول هديته وأكل ماله ما لم يتعين أنه من حرام، وإن غالب ماله الحرام لا يقبلها ولا يأكل إلا إذا قال: أنه حلال ورثه أو استقرضه. (بزازية على هامش الهندية، الكراهية، الفصل الرابع: في الهدية والميراث، قديم زكريا ديوبند ٦/ ٣٦٠، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٠٣)

وفي عيون المسائل: رجل أهدى إلى إنسان أو أضافه إن كان غالب ماله من حرام لا ينبغي أن يقبل ويأكل من طعامه ما لم يخبر أن ذلك المال حلال استقرضه أو روثه، وإن كان غالب ماله من حلال فلا بأس بأن يقبل الهدية ويأكل ما لم يتبين له أن ذلك من الحرام. (الفتاوى التاتارخانية، الكراهية، الفصل السابع عشر: في الهدايا والضيافات، مكتبه زكريا ديوبند ١٨/ ١٧٥، رقم: ٢٨٤٠٥)

مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٦۔

(۲) **الأصل في الأشياء الإباحة.** (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٥٩) ←

ناجائز سوختہ سے پکی ہوئی اینٹ یا گرم کئے ہوئے پانی کا استعمال

سوال (۲۴۸۳): قدیم ۴/ ۱۴۷- **اول**: قصبہ ہذا کی مسجد میں خاکروب کو واسطے گرم کرنے پانی کے کہا تو اُس نے جواب دیا کہ چھ(۶) دھڑی اناج ملتا ہے میں سات دھڑی لوں گا؛ کیونکہ کوڑا بہت مشکل سے ملتا ہے، کوڑی پر سے کاشتکار وزمیندار اُٹھانے نہیں دیتے، چوری چھپّے سے لاؤں گا، نمازیوں نے سات دھڑی اناج قبول کرلیا، اورخاکروب کوڑا ڈالنے لگا، ایسے کوڑے سے پانی گرم کرنے سے وضو وغسل درست ہے یا کیا؟

دوم: پزاوہ گر کباڑہ کا ٹھیکہ زمیندار سے لیتے ہیں کہ دس بیس روپیہ دیتے ہیں کہ چھ ماہ یا برس روز تک کباڑہ ہمارا رہا، اوروہ کباڑہ زمیندار کی رعیت کے مکانوں کا جو رعیت کاشتکار نہیں ہے، پژاوہ گروں کے یہاں جاتا ہے، ایسے کباڑ سے پزاوہ پکا کر اینٹیں فروخت کرنا درست ہے یا کیا؟ جواب سے سرفراز فرماویں، اورایسے پزاوہ گر کی کمائی درست ہے یا کیا؟

الجواب: یہ سب صورتیں ناجائز ہیں(۱)۔

← صرح في التحرير بأن المختار أن الأصل الإباحة عند الجمهور من الحنفية والشافعية اهـ. وتبعه تلميذه العلامة قاسم وجرى عليه في الهداية من فصل الحداد، وفي الخانية من أوائل الحظر والإباحة، وقال في شرح التحرير وهو قول معتزلة البصرة، وكثير من الشافعية، وأكثر الحنفية لا سيما العراقيين، قالو: وإليه أشار محمد فيمن هدد بالقتل على أكل الميتة أو شرب الخمر فلم يفعل حتى قتل بقوله: خفت أن يكون آثما؛ لأن أكل الميتة وشرب الخمر لم يحرما إلا بالنهي عنهما فجعل الإباحة أصلا والحرمة بعارض النهي. (الدرالمختار مع الشامي، الطهارة، مطلب المختار أن الأصل في الأشياء الإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۲۱- ۲۲۲، كراچى ۱/ ۱۰۵)

الأشباه والنظائر، القاعدة الثالثة، قديم ص: ۱۱۵، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۱۸۳۔

(۱) عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢) ←

لیکن ان سے پانی اور اینٹ میں کوئی حرمت نہیں آتی (۱)۔ ۸؍محرم ۱۳۳۴ھ (حوادث رابعہ ص۶)

وارث کے لئے رشوت کے مال کا حکم

سوال (۲۴۸۴): قدیم ۴/ ۱۴۷- زید کا باپ عمرو پچاس روپے مشاہرہ پر ایک عیسائی ریاست میں ملازم تھا، مگر خرچ بھی اسی قدر تھا، زید کو معلوم ہے کہ اس کا باپ متدیّن اور رشوت سے محترز نہ تھا، عمرو نے ایک مکان اور جائیداد خریدی، جو زید کو ترکہ میں ملی، اخراجات و مصارف خانگی سے بخوبی

← السنن الکبری للبیهقي، کتاب الغصب، دارالفکر بیروت ۸/ ۵۰۶، رقم: ۱۱۷۴۰۔

لا یجوز لأحد أن یتصرف في ملک الغیر بغیر إذنه. (قواعد الفقه، مکتبه أشرفیه دیوبند ص: ۱۱۰)

لا یجوز التصرف في مال غیره بلا إذنه ولا ولایته الخ. (الدرالمختار مع الشامي، کتاب الغصب، مکتبه زکریا دیوبند ۹/ ۲۹۱، کراچی ۶/ ۲۰۰)

لا یجوز لأحد أن یتصرف في ملک غیره بلا إذنه أو وکالة منه أو ولایة علیه، وإن فعل کان ضامنا. (شرح المجلة لسلیم رستم باز، مکتبه اتحاد دیوبند ۱/ ۶۱، رقم المادة: ۹۶)

(۱) مستفاد: فلذا کان دخان النجاسة طاهرا، وأما الهوائیة فقد اختلف فیها علی ما مر، ومنشأ الخلاف مشارکتها للمائیة في الصفة المؤثرة للنجاسة، وهي الرطوبة، وإن کان الاصح طهارتها لما مر من الدلیل، ولشدة لطافتها واضمحلالها فلیتأمل، فإنه بدیع، وهذا کله علی القول بالتنجس کما ذکره المصنف لکن المذکور في فتاوی قاضي خان: إذا أحرقت العذرة في بیت فأصاب ماء الطابق ثوب إنسان لا یفسده استحسانا ما لم یظهر أثر النجاسة فیه الخ. (حلبي کبیري، الطهارة، فصل في الآسار، مکتبه أشرفیه دیوبند ص: ۱۹۳)

إذا أحرقت العذرة في بیت فعلا دخانه وبخاره إلی الطابق وانعقد ثم ذاب أو عرق الطابق، فأصاب ماء ه ثوبا لا یفسد استحسانا ما لم یظهر أثر النجاسة، وبه أفتی الإمام أبوبکر محمد بن الفضل وهو اختیار أستاذنا الشیخ ظهیر الدین المرغیناني. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الطهارة، الفصل السابع في معرفة النجاسة وأحکامها، مکتبه زکریا دیوبند ۱/ ۴۴۴، رقم: ۱۱۴۶)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

واقفیت کی بناء پر زید کہہ سکتا ہے کہ یہ کل مال رشوت کا پیدا کیا ہوا ہے، اور کل نہیں تو اکثر مال رشوت کا ضرور ہے اس مکان میں رہنا یا اس کا بیچنا وغیرہ انتفاع زید کو حلال ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا کرے؟

الجواب: تكلم عليه في الدرالمختار في مواضع قبيل باب زكوٰة المال (۱) وقبيل باب الفضولي (۲)۔ وكتاب الغصب (۳)۔ وأحكام البيع من الحظر والإباحة (۴)۔ و تنقل منها رواية واحدة وهي كالمخلص من جميعها، وهي هٰذه، والحاصل إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا، فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق به عنه صاحبه، وإن كان مالا مختلطاً مجتمعاً من الحرام ولايعلم أربابه ولا شيئاً منه بعينه حل له حكما، والأحسن ديانة التنزه عنه. اھ(۵)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جن سے رشوت لی ہے اگر معلوم ہوں یا کوئی چیز خاص رشوت میں لی ہوئی بعینہٖ موجود ہو تب تو زید کو انتفاع حلال نہیں، ورنہ فتویٰ کی رُو سے حلال ہے، گو تقویٰ کے خلاف ہے(۶)۔

۱۱/ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۶۱)

---

(۱) شامي، كتاب الزكوة، قبيل باب زكوة المال، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۱۸، كراچی ۲/ ۲۹۱۔

(۲) شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، قبيل فصل في الفضولي، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۳۰۱، كراچی ۵/ ۹۹۔

(۳) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۶۳، كراچی ۶/ ۱۷۹۔

(۴) شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۵۳، كراچی ۶/ ۳۸۶۔

(۵) شامي، البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراما، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۳۰۱، كراچی ۵/ ۹۹۔

(۶) **وإذا مات الرجل وكسبه خبيث فالأولى لورثته أن يردوا المال إلى أربابه، فإن لم يعرفوا أربابه تصدقوا به، وإن كان كسبه من حيث لا يحل وابنه يعلم ذلك، ومات الأب ولا يعلم الابن ذلك بعينه فهو حلال له فى الشرع، والورع أن يتصدق به بنية خصماء ←**

اہل رشوت کے ساتھ خلط کر کے کھانا کھانا

سوال (۲۴۸۵): قدیم ۴/ ۱۴۸- زید اپنے برادران اور باپ کی شرکت میں رہتا ہے مگر جانتا ہے کہ باپ بھائی رشوت لیتے ہیں، خانہ داری کی مشارکت کے باعث ماہوار کے حساب سے زید گھر میں برابر دیتا ہے، مگر اس کی کمائی اور بھائیوں کی رشوت کی رقم سب مشترک تصرف میں آتی ہے، یہ صورت اس کو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: خلط استہلاک ہے اور استہلاک موجب مِلک (۱)۔ پس اگر سب کی رقمیں مختلط

← **أبيه كذا في الينابيع.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر: في الكسب وهو أنواع، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٩، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤٠٤)

وصرح الحنفية بأنه إذا مات الرجل وكسبه خبيث كأن كان من بيع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة، فالأولى لورثته أن يردوا المال إلى أربابه، فإن لم يعرفوا أربابه تصدقوا به؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. وفي البزازية: إن علم المال الحرام بعينه لا يحل له (للوارث) أخذه، وإن لم يعلم بعينه أخذه حكما، وأما فى الديانة فإنه يتصدق به بنية الخصماء. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٦)

البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٣٦٩، كوئٹه ٨/ ٢٠٨۔

(۱) **ولذا قالوا: لو أن سلطانا غصب مالا وخلطه صار ملكا له حتى وجبت عليه الزكوة، وورث عنه على قول أبي حنيفة؛ لأن خلط دراهمه بدراهم غيره عنده استهلاک.** (البحرالرائق، كتاب الزكوة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٣٥٩، كوئٹه ٢/ ٢٠٥)

ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه فتجب الزكوة فيه ويورث عنه؛ لأن الخلط استهلاک إذا لم يمكن تمييزه عند أبى حنيفة الخ. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢١٧، كراچی ٢/ ٢٩٠)

ولذا قالوا: لو أن سلطانا غصب مالا وخلطه صار ملكا له حتى وجبت عليه الزكوة، وورث عنه ولا يخفى أن هذا بناء على قول الإمام من أنخلط دراهمه بدراهم غيره استهلاک. (النهرالفائق، كتاب الزكوة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٤١٣)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اُٹھتی ہیں، تو مملوک مشترک ہیں فتویٰ سے جائز ہے گو تقویٰ کے خلاف ہے (۱)۔ اور اگر علی سبیل التعاقب پر ایک کی رقم جُدا اور ممتاز صرف ہوتی ہے تو رشوت کے اُٹھنے کے وقت زید بھی حرام کھاتا ہے (۲)۔ واللہ اعلم۔

۱۲/ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۲، ص ۱۶۱)

ایضاً

سوال (۲۴۸۶): قدیم ۴/ ۱۴۸- جس شخص کی آمدنی مختلط ہو یعنی سودی کاروبار کرتا ہے و نیز کھیتی وغیرہ حلال آمدنی بھی کرتا ہے، ایسے شخص کے مکان میں خورد و نوش کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بر تقدیر جواز لِم بھی ارشاد ہو؛ اس لئے کہ بظاہر تو عدم جواز کو ترجیح ہے، حسب قواعد اصول: **إذا اجتمع الحلال والحرام فغلب الحرام؟**

الجواب: اس میں غالب کا اعتبار ہے اگر حلال غالب ہے تو حلال ہے۔ اور اگر حرام غالب ہے یا دونوں متساوی ہیں تو حرام ہے (۳)۔

---

(۱) **وإن كان مالا مختلطا مجتمعا من الحرام ولا يعلم أربابه ولا شيئا منه بعينه حل له حكما، والأحسن ديانة التنزه عنه.** (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۳۰۱، كراچی ۵/ ۹۹)

(۲) اور حرام کھانے پر سخت وعید آئی ہے:

عن أبي هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا، وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين، فقال: (يا أيها الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحا إني بما تعملون عليم) وقال: (يا أيها الذين آمنوا كلو من طيبات مارزقناكم) ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر، يمد يديه إلى السماء يا رب! يا رب! ومطعمه حرام، ومشربه حرام، وملبسه حرام، وغذي بالحرام، فأني يستجاب لذلك.

(مسلم شريف، كتاب الزكوة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، النسخة الهندية ۱/ ۳۲۶، بيت الأفكار رقم: ۱۰۱۵)

ترمذی شريف، كتاب تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، النسخة الهندية ۲/ ۱۲۸، دارالسلام رقم: ۲۹۸۹۔

(۳) **أهدى إلى رجل شيئا أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس إلا** ←

اور واقعی إذا اجتمع الحلال والحرام (۱) کا مقتضی حرمۃ علی الاطلاق تھا، لیکن دفع حرج کے لئے اعتبار غالب کا کیا گیا۔ واللہ اعلم۔ ۱۶؍ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۷۲)

← **أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لا يقبل الهدية، ولا يأكل الطعام إلا أن يخبره بأنه حلال ورثه أو استقرضه من رجل كذا في الينابيع.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: في الهدايا والضيافات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٢، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٩٦)

غالب مال المهدي إن حلالا لا بأس بقبول هديته وأكل ماله ما لم يتعين أنه من حرام، وإن غالب ماله الحرام لا يقبلها ولا يأكل إلا إذا قال: أنه حلال ورثه أو استقرضه. (بزازية على هامش الهندية، الكراهية، الفصل الرابع: في الهدية والميراث، قديم زكريا ديوبند ٦/ ٣٦٠، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٠٣)

وفي عيون المسائل: رجل أهدى إلى إنسان أو أضافه إن كان غالب ماله من حرام لا ينبغي أن يقبل ويأكل من طعامه ما لم يخبر أن ذلك المال حلال استقرضه أو روثه، وإن كان غالب ماله من حلال فلا بأس بأن يقبل الهدية ويأكل ما لم يتبين له أن ذلك من الحرام. (الفتاوى التاتارخانية، الكراهية، الفصل السابع عشر: في الهدايا والضيافات، مكتبه زكريا ديوبند ١٨/ ١٧٥، رقم: ٢٨٤٠٥)

مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٦۔

(۱) إذا اجتمع الحلال والحرام أو المحرم والمبيح غلب الحرام والمحرم. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٥٥)

الأشباه والنظائر، النوع الثاني، القاعدة الثانية، قديم ص: ١٧٠، جديد زكريا ١/ ٣٠١۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱/ باب: جائز و ناجائز، مکروہ افعال واستعمال

دورۂ حکّام کے نقصان کی تلافی کی ایک صورت

سوال (۲۴۸۷): قدیم ۴/۱۴۹- اس کا کیا حکم ہے کہ جن دنوں میں حکّام لوگ دورہ کیا کرتے ہیں تو دوکاندار سے کھیوٹ کے نام سے تاوان لیا جاتا ہے، یعنی آپس میں سب دوکاندار یہ قرار دے لیتے ہیں کہ جو دوکاندار ڈیرۂ حکام پر جاوے تو اس کو جتنا ضرر ہوگا اس کی مکافات کے لئے اس کو سب جمع کر کے کچھ کچھ دیدیتے ہیں، کبھی نقصان اس سے کم ہوتا ہے کبھی زیادہ ہوتا ہے، اگر کوئی دوکاندار دینے میں کچھ حجت کرے تو دوکان اس کی اُٹھوا کر جہاں حکّام دورہ ٹھہرے ہوتے ہیں وہاں بھیج دیتے ہیں، جس کی کچھ داد نہ فریاد، وہاں جا کر کئی روپیوں کا نقصان ہوتا ہے، دوکان پر ایک آدھ روپیہ دیدیا جاتا ہے تو یہ وبال نہیں اُٹھانا پڑتا۔ دریافت طلب یہ بات ہے کہ دوکان پر کچھ دیدیں یا وہاں جا کر کسر اُٹھائیں، اور وہاں جا کر زیادہ کسر کا سبب یہ ہوتا ہے کہ بازار کے بھاؤ سے زیادہ لیتے ہیں؟

الجواب: یہ کھیوٹ ایک قسم کی رشوت ہے جس کا دینا دفع ظلم کیلئے جائز ہے مگر لینا جائز نہیں، جس دوکاندار کو یہ تاوان جمع کر کے نمبر وار دیا جاتا ہے، اس کو لینا حرام ہے، اور جن دوکانداروں سے لیا جاتا ہے، اُن کو دینا جائز ہے۔ یعنی وہ اس کے دینے سے گنہگار نہ ہوں گے(۱)۔

۲۱/ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۷۳)

---

(۱) **عن وهب بن منبه قال: ليست الرشوة التي يأثم فيها صاحبها بأن يرشو فيدفع عن ماله ودمه، إنما الرشوة التي تأثم فيها أن ترشو لتعطي ما ليس لک.** (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب آداب القاضي، باب من أعطاها ليدفع بها عن نفسه أو ماله ظلما أو يأخذ بها حقا، دارالفكر بيروت ١٥/ ١٤٥، رقم: ٢١٠٦٩)

لا بأس بالرشوة إذا خاف على دينه والنبي عليه الصلاة والسلام كان يعطي الشعراء ولمن يخاف لسانه (درمختار) وفي الشامية: دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولاستخراج حق له ليس برشوة يعني في حق الدافع. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٦٠٧، كراچی ٦/ ٤٢٣) ←

گھر کی نالی کو قدیم سے زیادہ بڑھالینا

سوال (۲۴۸۸): قدیم ۴/ ۱۴۰- زید کے صحن کا پانی بذریعہ ناؤدان بکر کے صحن میں گذرتا ہے، اور زید اپنے سائبان کھپریل کا پانی جواب تک دوسرے ناؤدان سے جو زید کے گھر میں ہے بہتا تھا، اب زید اس کھپریل کو جدید کوٹھا تیار کر کے کوٹھے کا ناؤدان اُس ناؤدان کے پاس گراتا ہے جو بکر کے صحن میں ہو کر گذرتا ہے، تاکہ اس سائبان کھپریل کا پانی بھی اسی ناؤدان سے جاوے، جس کا پانی بکر کے صحن میں ہو کر گذرتا ہے، بکر اس پانی کو جو جدید کوٹھے کا ہے اس ناؤدان سے نہیں جانے دیتا، تو کیا بکر کو اس روکنے کا حق حاصل ہے شرعاً یا اس بناء پر کہ جب زید کو تھوڑے پانی کے مرور کا حق اسی ناؤدان سے حاصل ہے تو اس سائبان کا پانی بہانے کا حق بھی اس ناؤدان سے شرعاً حاصل ہو جائے گا، کیا ایسی رعایت جار کے حقوق واجبہ سے ہے جو بکر کو سمجھایا جاوے کہ زید کو کوٹھے کا پانی بہانے دے، اور زید باوجود یہ کہ بہ آسانی اس کوٹھے کا پانی اسی طرف بہا سکتا ہے جس طرف پہلے سائبان کھپریل کی اولتی گرتی تھی، مگر خواہ مخواہ جبراً اسی ناؤدان سے جو بکر کے صحن میں ہو کر گذرتا ہے بہانا چاہتا ہے۔ فقط

الجواب: **في الدرالمختار، كتاب القسمة: قسم ولأحدهم مسيل ماء أو طريق في ملك الآخر، والحال أنه لم يشترط في القسمة صرف عنه إن أمكن وإلا فسخت القسمة. وفي ردالمحتار قوله: لم يشترط أما لو اشترط تركهما علىٰ حالهما فلا تفسخ، ويكون له ذٰلک علىٰ ماكان قبل القسمة.** (جوهره ج۵ ص ۲۵۶ (۱))۔

← **ومنها إذا دفع الرشوة خوفا على نفسه أو ماله فهوحرام على الآخذ غير حرام على الدافع.** (البحرالرائق، كتاب القضاء، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٤١، كوئٹه ٦/ ٢٦٢)

إذا دفع الرشوة لدفع الجور عن نفسه أو أحد من أهل بيته لم يأثم. (الهندية، كتاب الهبة، الباب الحادي عشر: فى المتفرقات، قديم زكريا ديوبند ٤/ ٤٠٣، جديد زكريا ٤/ ٤٣١) الموسوعة الفقهية الكويتية ٤/ ٤٠٣۔

أما إذا أعطى ليتوصل به إلى حق أو ليدفع به عن نفسه ظلما فلا بأس به. (مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء، باب رزق الولاة وهداياهم، مكتبه إمداديه ملتان ٧/ ٢٤٨)

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب القسمة، مطلب في الرجوع عن القرعة، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٣٨٢، كراچى ٦/ ٢٦٣۔ ←

وفي الدرالمختار، فصل الشرب: وليس لأحد من الشركاء في النهر أن يشق منه نهراً أو ينصب عليه رحى إلا رحى وضع في ملكه ولايضر بنهر ولا بماء، وقاية أودالية كنا عورة أوجسر أو قنطرة، ويوسع فم النهر -إلى قوله- لأن القديم يترک على قدمه لظهور الحق فيه، وفي ردالمحتار قوله: لأن القديم الخ، كذا في الهداية وغيرها. ج۵ ص ۴۳۹ (۱)۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ اس طرف جدید کا زید کو کوئی حق حاصل نہیں، جبر کرنے سے گنہگار و ظالم ہوگا (۲)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب إحياء الموات، فصل في الشرب، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۲۰-۲۱، کراچی ٦/ ٤٤٤۔

إذا أراد أن يسفل كواه أو يرفعها حيث يكون له ذلک في الصحيح؛ لأن قسمة الماء في القسمة باعتبار سعة الكوة وضيقها من غير اعتبار التسفل والترفع وهو العادة فلم يكن فيه تغيير موضع القسمة، ولو كانت القسمة وقعت بالكوی، فأراد أحدهم أن يقسم بالأيام ليس له ذلک؛ لأن القديم يترک على قدمه لظهور الحق فيه. (هدية، كتاب إحياء الموات، فصل في مسائل الشرب، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٩١)

مجمع الأنهر، كتاب إحياء الموات، فصل في الشرب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٤٠-٢٤١۔

البناية، كتاب إحياء الموات، فصل في مسائل الشرب، مكتبه أشرفيه ديوبند ١٢/ ٣٣٥۔

(۲) عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من اقتطع شبرا من الأرض ظلما، طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين. (مسلم شريف، كتاب المساقات والمزارعة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندية ٢/ ٣٢، بيت الأفكار، رقم: ١٦١٠)

بخاري شريف، كتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض، النسخة الهندية ١/ ٣٣٢، رقم: ٢٣٨٨، ف: ٢٤٥٢۔

أبوداؤد شريف، كتاب الأدب، باب من يأخذ الشيء من مزاح، النسخة الهندية ٢/ ٦٨٣، دارالسلام رقم: ٥٠٠٣۔

اور بکر کو حق ہے کہ زید کو اس سے مانع ہو(۱)۔ اشرف علی ۳۰/ شعبان ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالثہ ص ۱۴۶)

پالکی کی سواری کا حکم

سوال (۲۴۸۹): قدیم ۴/ ۱۵۰- (۲) زنان و مردان را بر پالکی و میانہ سوار شدن بہر حالت خواہ تندرست باشد یا مریض اگر حاملان پالکی مسلمان باشند رواست و در حالت حاملانِ کافر ہیچ اختلاف ست یا نہ؟

الجواب: (۳) سواری پالکی حلال ست خواہ حاملانِ مسلمان باشند یا غیر مسلمان دلیلش حمل حمالان است آں ہودج را کہ در و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا می بود کما **في حديث الإفك** (۴)۔ و در مسلم و غیر مسلم وجہ فرق نیست۔ ۲۱/ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۱۸)

---

(۱) **المالك للشيء هو الذي يتصرف فيه باختياره ومشيته.** (بدائع الصنائع، النفقة، باب ما يبطل به الخيار، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۶۳۸، كراچی ۲/ ۳۲۷)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۵۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲)

المالك هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي شريف سورة الفاتحة، مكتبه سعيد ديوبند ۱/ ۷)

(۲) **خلاصۂ ترجمۂ سوال:** صحت و مرض دونوں حالتوں میں عورتوں اور مردوں کے لئے پالکی اور میانہ پر سوار ہونا اگر پالکی کو اٹھانے والے مسلمان ہوں جائز ہے؟ اور اگر پالکی اٹھانے والے کافر ہوں تو اس میں کچھ اختلاف ہے یا نہیں؟

(۳) **خلاصۂ ترجمۂ جواب:** پالکی پر سواری کرنا جائز ہے، خواہ اس کو اٹھانے والے مسلمان ہوں یا کافر، اس کی دلیل حمالی کرنے والوں کا اس پالکی کو اٹھانا ہے، جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تشریف فرماں تھیں، جیسا کہ حدیث افک میں مذکور ہے اور مسلم و غیر مسلم میں فرق کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

(۴) **عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم حين قال لها أهل الإفك ما قالوا وكلهم حدثني طائفة من حديثها، وبعضهم كان أوعى لحديثها من بعض وأثبت له اقتصاصا، وقد وعيت عن كل رجل منهم الحديث الذي حدثني عن عائشة، وبعض حديثهم يصدق بعضا وإن كان بعضهم أوعىٰ له من بعض قالوا قالت عائشةؓ كان رسول الله صلى الله عليه** ←

ضرر کے خوف سے رشوت دینا

سوال (۲۴۹۰): قدیم ۴/۱۵۰- گاؤں کے پٹواری کو جس سے اندیشہ قوی نقصان ہونے کا ہے رشوت دینا کیسا ہے؟ اور یہ رشوت سالانہ مقرر کر لینا بلا کسی قید و کام کے کیسا ہے؟

الجواب: جب بدون دیئے مضرت کا خوف ہے جائز ہے(۱)۔

۱۸ محرم ۱۳۳۴ھ (حوادث ثالثہ ص ۶۲)

← **وسلم إذا أراد سفرا أقرع بين أزواجه فأيهن خرج سهمها خرج بها رسول الله صلى الله عليه وسلم معه، قالت عائشة: فأقرع رسول الله صلى الله عليه وسلم بيننا في غزوة غزاها، فخرج فيها سهمي فخرجت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد ما أنزل الحجاب فكنت أحمل في هودجي وأنزل فيه فسرنا حتى إذا فرغ رسول الله صلى الله عليه وسلم من غزوته تلك وقفل دنونا من المدينة قافلين آذن ليلة بالرحيل فقمت حين آذنوا بالرحيل فمشيت حتى جاوزت الجيش فلما قضيت شأني أقبلت إلى رحلي فلمست صدري، فإذا عقد لي من جزع ظفار قد انقطع فرجعت فالتمست عقدي فحبسني ابتغاء ه قالت وأقبل الرهط الذين كانوا يرحلوني فاحتملوا هودجي فرحلوه على بعيري الذي كنت أركب عليه وهم يحسبون أني فيه وكان النساء إذ ذاک خفافا لم يهبلن ولم يغشهن اللحم إنما يأكلن العلقة من الطعام فلم يستنكر القوم خفة الهودج حين رفعوه وحملوه الحديث.** (بخاري شريف، كتاب المغازي، باب حديث الإفك، النسخة الهندية ۲/ ۵۹۳-۵۹۴، رقم: ۳۹۹۲، ف: ۴۱۴۱)

(۱) **عن وهب بن منبه قال: ليست الرشوة التي يأثم فيها صاحبها بأن يرشو فيدفع عن ماله ودمه، إنما الرشوة التي تأثم فيها أن ترشو لتعطي ما ليس لک.** (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب آداب القاضي، باب من أعطاها ليدفع بها عن نفسه أو ماله ظلما أو يأخذ بها حقا، دارالفكر بيروت ۱۵/ ۱۴۵، رقم: ۲۱۰۶۹)

ولا بأس بالرشوة إذا خاف على دينه (درمختار) وفي الشامية: دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولاستخراج حق له ليس برشوة يعني في حق الدافع.

(الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۶۰۷، كراچی ۶/ ۴۲۳) ←

افسروں کو ہیئت متعارفہ کے موافق سلام کرنا

سوال (۲۴۹۱): قدیم ۴/۱۵۰- ڈرل وغیرہ کے بعد اسکول کے لڑکے افیسر کو سر پر ہاتھ رکھ کر سلام کرتے ہیں، اگر نہ کرایا جاوے تو وہ خشمگیں ضرور ہوں گے، اگر کرایا جاوے تو یہ گناہ ہے، اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: دفع ضرر کے لئے اس ہیئت سے سلام کرنا درست ہے (۱) اور اس کے منع کے معنی یہ ہیں کہ شرعاً یہ سلام نہیں گو کسی قوم کے عرف میں سلام ہو، تو اس سلام عرفی کے لئے وہ آداب شرعیہ ثابت نہیں۔
۲۳ر ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (حوادث رابعہ ص ۶۶)

← **ومنها إذا دفع الرشوة خوفا على نفسه أو ماله فهو حرام على الآخذ غير حرام على الدافع.** (البحرالرائق، كتاب القضاء، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٤١، كوئٹه ٦/ ٢٦٢)

أما إذا أعطى ليتوصل به إلى حق أو ليدفع به عن نفسه ظلما فلا بأس به. (مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء، باب رزق الولاة وهداياهم، مكتبه إمداديه ملتان ٧/ ٢٤٨)

إذا دفع الرشوة لدفع الجور عن نفسه أو أحد من أهل بيته لم يأثم. (هندية، كتاب الهبة، الباب الحادي عشر: في المتفرقات، قديم زكريا ديوبند ٤/ ٤٠٣، جديد زكريا ٤/ ٤٣١)

(۱) **الضرورات تبيح المحظورات.** (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٨٩)

الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة، وإساغة اللقمة بالخمر، والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه، وكذا إتلاف المال، وأخذ مال الممتنع من أداء الدين بغير إذنه، ودفع الصائل ولو أدى إلى قتله. (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة، الضرر يزال قديم ص: ١٤٠، جديد زكريا ديوبند ١/ ٢٥١-٢٥٢)

الضرر يزال، يبتني على هذه القاعدة كثير من أبواب الفقه مثل الرد بالعيب، وجميع أنواع الخيارات والحجر والشفعة، فإنها للشريك لدفع ضرر القسمة، وللجار لدفع ضر الجار السوء، والقصاص والجيران على القسمة والمهاباة، ونصب القضاة والأئمة وبيع مال المديون جبرا عليه إذا امتنع عن أداء الدين. (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٢٩، رقم المادة: ٢٠)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اہل باطل کے رسائل کی کتابت

سوال (۲۴۹۲): قدیم ۴/۱۵۱- ایک کاتب کاپی لکھنے والا جس کا پختہ عقیدہ اہل سنت والجماعت کا ہے اور انہی حضرات کا معتقد ہے، دریافت کرتا ہے کہ سید احمد خاں کی تفسیر کی کاپی لکھنے میں مجھ سے تو خدا تعالیٰ کے یہاں کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا، ایسی حالت میں جبکہ روزی اسی کام پر ہے اور یہ یقین ہے کہ سید احمد خاں کے عقائد اہل سنت والجماعت کے خلاف تھے، اور اُن کے نیچری مضامین کا اثر انشاء اللہ مجھ پر نہیں ہو سکتا، اور یہ بھی ظاہر کرنا ضروری ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ کاروبار کی کمی ہے، مجبوراً ایسی لکھائی لکھی جاتی ہے، اور موجودہ وقت میں فی صدی ایک کاپی نویس غیر قوم کا ہوگا، ورنہ کل مسلمان ہیں، اور تمام کتابیں دوسری قوموں کی مسلمان ہی لکھتے ہیں؟

الجواب: في الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة: وجاز تعمير كنيسة الخ. ص ۳۲۰ (۱)۔ اس قیاس پر یہ کتابت بروئے فتویٰ جائز ہے، گوتقویٰ کے خلاف ہے، مگر مجبوری میں گنجائش ہے (۲)۔ ۲۲/ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (حوادث رابعہ ص ۶۷)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۶۲، كراچی ۶/ ۳۹۱۔

قال في المنح: ولو أن مسلما آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لا بأس به؛ لأنه لا معصية في عين العمل. (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كوئٹه ۴/ ۱۹۶)

ولو آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها فلا بأس به إذ ليس في نفس العمل معصية. (المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل السادس عشر: في أهل الذمة الخ، المجلس العلمي ۸/ ۷۰، رقم: ۹۶۰۷)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل السادس عشر الخ، مكتبه زكريا ديوبند ۱۸/ ۱۶۷، رقم: ۲۸۳۷۹۔

(۲) **الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة، وإساغة اللقمة بالخمر، والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه، وكذا إتلاف المال، وأخذ** ←

کھانے کی تواضع متعارف بشرط صدق نیت جائز ہے

سوال (۲۴۹۳): قدیم ۴/۱۵۱- اگر کھانا کھاتے وقت کوئی شخص آجائے تو اس کی تواضع جائز ہے یا نہیں؟ خواہ وہ مسافر ہو یا وہاں کا باشندہ ہو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جائز ہے، اگر دل میں بھی ہو کہ یہ کھالے تب تو ظاہر ہی ہے، اور اگر دل میں نہ بھی ہو تو اس نیت سے جائز معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اس کا اکرام ہے، اور نہ کہنے میں بعض اوقات ایک گونہ اہانت ہے، اور ادب کے طریق میں اتنا اختلاف ظاہر و باطن میں محتمل کیا جاتا ہے، جیسا حدیث میں ہے کہ اگر وضو ٹوٹ جاوے تو ناک پکڑ کر باہر چلا جاوے (۱)۔ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ ص ۸)

دھوکا دینا اور سودے میں میل کرنا

سوال (۲۴۹۴): قدیم ۴/۱۵۱- (۲) بعض مردماں دریں باب گندم نمائے جو فروشی می کنند یعنی دختر خوب صورت را نشان دادہ وقت نکاح دختر سیاہ و بدصورت را بآں حوالہ می کنند بعد از آمدن در مکان معلوم می شود کہ ایں دختر دیگر است و آں دختر نمودہ شد دیگر بود دریں باب حکم شرع چیست؟

← **مال الممتنع من أداء الدين بغير إذنه، ودفع الصائل ولو أدى إلى قتله.** (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة، الضرر يزال قديم ص: ١٤٠، جديد زكريا ديوبند ١/ ٢٥١-٢٥٢)

قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٨٩۔

(۱) **عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إذا أحدث أحدكم في صلاته فليأخذ بأنفه، ثم لينصرف.** (أبوداؤد شريف، تفريع أبواب الجمعة، باب استئذان المحدث الإمام، النسخة الهندية ١/ ١٥٩، دارالسلام رقم: ١١١٤)

ابن ماجة شريف، الصلاة، باب ماجاء فيمن أحدث في الصلاة، كيف ينصرف، النسخة الهندية ص: ٨٥، دارالسلام رقم: ١٢٢٢۔

(۲) **خلاصۂ ترجمۂ سوال**: بعض لوگ گیہوں دکھا کر جو فروخت کرتے ہیں، یعنی خوبصورت لڑکی دکھا کر نکاح کے وقت کالی اور بدصورت لڑکی اس کو سونپ دیتے ہیں، گھر آنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوسری لڑکی ہے اور جو دکھائی گئی تھی وہ دوسری لڑکی تھی، اس سلسلے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: (۱) جوابش مثل جواب چہار دہم است (*)۔ (تتمہ اولیٰ ص ۳۱۹)

کسی دوسرے شخص کا مارکہ بنالینا

سوال (۲۴۹۵): قدیم ۴/ ۱۵۱- زید نے اپنی کسی مال کا مارک معیّن کر کے مثلاً شمشیر مارکہ یا مقراض مارکہ مقرر کر کے رجسٹری کرادیا، بخیال تحفظِ حق مارک کے تاکہ کوئی دوسرا شخص میرے اس مارک رجسٹری شدہ کو نہ بناوے، اگر بکر بھی اپنے مال پر اسی مارک کا چھاپ بنادے تو درست ہے یا نہیں؟

(*) وآں جواب این است کہ حرمت این فعل ظاہر ودر سوال ہم مصرح ومسلم است (۲)۔ ۱۲ محمد شفیع

---

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ جواب:** اس کا جواب چودھویں جواب کی طرح ہے اور وہ جواب یہ ہے کہ اس فعل کی حرمت ظاہر اور سوال میں بھی مصرح ومسلم ہے۔

(۲) **عن أبي هريرة -رضي الله عنه- أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر برجل يبيع طعاما فسأله كيف تبيع؟ فأخبره فأوحي إليه أن أدخل يدك فيه فأدخل يده فيه، فإذا هو مبلول، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس منا من غش.** (أبوداؤد شريف، كتاب البيوع، باب في النهي عن الغش، النسخة الهندية ٢/ ٤٨٩، دارالسلام، رقم: ٣٤٥٢)

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على صبرة من طعام، فأدخل يده فيها، فنالت أصابعه بللا، فقال: يا صاحب الطعام! ما هذا؟ قال: أصابته السماء يا رسول الله! قال: أفلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس؟ ثم قال: من غش فليس منا. (ترمذي شريف، كتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع، النسخة الهندية ١/ ٢٤٥، دارالسلام، رقم: ١٣١٥)

ابن ماجه شريف، أبواب التجارات، باب النهي عن الغش، النسخة الهندية ص: ١٦٠، دارالسلام رقم: ٢٢٢٤-٢٢٢٥۔

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا. (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ١/ ٧٠، بيت الأفكار، رقم: ١٠١)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: زید کی تو اس میں شرعاً کوئی حق تلفی نہیں، مگر بوجہ تلبیس کے یہ جائز نہیں کہ دیکھنے والوں کو دھوکا ہوگا (۱)۔ ۱۸؍ربیع الاول ۱۳۳۱ھ (حوادث اوّل ص ۱۶)

ٹیکس تشخیص کرنے والے سے اپنا مال چھپانا

سوال (۲۴۹۶): قدیم ۴/۱۵۲- زید انکم ٹیکس ادا کرنے کی حیثیت رکھتا ہے، تاہم معافی کے خیال سے اپنے مالِ تجارت کو تشخیص کنندہ ٹیکس سے چھپا کر اپنے کو ناقابل ثابت کرتا ہے، آیا یہ فعل زید کا ازروئے شرع شریف کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: گناہ تو نہیں؛ لیکن خطرہ میں پڑنا بھی شرعاً پسند نہیں (۲)۔

۱۸؍ربیع الاول ۱۳۳۱ھ (حوادث اول ص ۱۶)

---

(۱) **عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا.** (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ۱/ ۷۰، بيت الأفكار، رقم: ۱۰۱)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر برجل يبيع طعاما فسأله كيف تبيع؟ فأخبره فأوحي إليه أن أدخل يدك فيه فأدخل يده فيه، فإذا هو مبلول، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس منا من غش. (أبوداؤد شريف، كتاب البيوع، باب في النهي عن الغش، النسخة الهندية ۲/ ۴۸۹، دارالسلام، رقم: ۳۴۵۲)

ترمذي شريف، كتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع، النسخة الهندية ۱/ ۲۴۵، دارالسلام، رقم: ۱۳۱۵۔

ابن ماجه شريف، أبواب التجارات، باب النهي عن الغش، النسخة الهندية ص: ۱۶۰، دارالسلام رقم: ۲۲۲۴-۲۲۲۵۔

(۲) **وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ.** [سورة البقرة، رقم الآية: ۱۹۵]

عن حذيفة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه، قالوا: وكيف يذل نفسه؟ قال: يتعرض من البلاء لما لا يطيق. (ترمذي شريف، كتاب الفتن، باب ماجاء في النهي عن سبب الرياح، النسخة الهندية ۲/ ۵۱، دارالسلام رقم: ۲۲۵۴) ←

حکومت کی طرف سے عائد کردہ ٹیکس ناجائز ہے

سوال (۲۴۹۷): قدیم ۴/ ۱۵۲- کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ حجاج پر قرنطینہ میں یا کہیں اور کسی قسم کا ٹیکس لگایا جانا مذہباً ازروئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شرعاً جائز نہیں؛ بلکہ ایسے ٹیکس اس حد تک ناجائز ہیں کہ اگر بدون ایسے ٹیکسوں کو ادا کئے ہوئے حج نہ کر سکے تو بعض فقہائے اسلام نے حج کی فرضیت کو ساقط کہہ دیا ہے، چنانچہ درمختار کی کتاب الحج میں ہے جو فقہ کی معتبر کتاب ہے: **وهل ما يؤخذ في الطريق من المكس والخفارة عذر قولان.**

اور ردالمحتار میں اس قول کے تحت میں ہے: **ومثله ما يأخذه الأعراب في زماننا من الصر المعين من جهة السلطان نصره الله تعالىٰ لدفع شرهم. ج۲ ص ۴۱۹ (۱)۔**

حاصل ترجمہ عبارتِ مذکورہ کا یہ ہے کہ حج کے راستہ میں جو ٹیکس وغیرہ لیا جاتا ہے، کیا اس سے حج فرض نہیں رہتا، بعض کا یہی قول ہے، اور یہی حکم ہے اس کا جو ہمارے زمانہ میں بدوی لوگ سلطان سے لیتے ہیں؛ بلکہ اسلامی قوانین میں ایسے ابواب کو یہاں تک ناجائز رکھا گیا ہے کہ یہود ونصاریٰ جو بیت المقدس کی زیارت کو جاتے ہیں اس کی وجہ سے اُن سے رقم لینا حرام کہا گیا ہے، چنانچہ ردالمحتار میں جس کا اوپر ذکر آیا ہے لکھا ہے:

← ابن ماجة شريف، كتاب الفتن، باب قوله تعالىٰ: يا أيها الذين آمنوا عليكم أنفسكم، النسخة الهندية ص: ۲۹۰، دارالسلام رقم: ۴۰۱۸۔

مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۷/ ۲۱۸، رقم: ۲۷۹۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحج، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۴۶۳، كراچى ۲/ ۴۶۴۔

وهل ما يؤخذ في الطريق من المكس والخفارة عذر قولان، والمعتمد لا كما في القنية والمجتبى، وعليه فيحتسب في الفاضل عما لا بد منه القدرة على المكس ونحوه كما فى مناسک الطرابلسي. (منحة الخالق على هامش البحرالرائق، كتاب الحج، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۵۱، كوئٹه ۲/ ۳۱۴)

الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۸/ ۳۷۹۔

قال الخير الرملي أقول: منه يعلم حرمة ما يفعله العمال اليوم من الأخذ علىٰ رأس الحربي والذمي خارجاً عن الجزية حتى يمكن من زيارة بيت المقدس. ج ۲ ص ۴۲ (۱)۔

جب سفر بیت المقدس کے سبب سے غیر مسلم سے لینے کی اجازت نہیں تو سفر حج کے سبب سے مسلمِ سے کچھ لینے کی اجازت کیسے ہوگی ؛ بلکہ قواعدِ اسلامیہ کا یہاں تک مقتضا ہے کہ اگر ایسی رقمیں حکام غیر مسلم اہل اسلام سے وصول کرتے ہوں تب بھی اپنے مقام حکومت میں حکام اہل اسلام کو غیر مسلم سے اس کا وصول کرنا جائز نہیں، نظیر اس کی عشر ہے کہ اگر مال تجارت غیر مسلم تاجر کے پاس نصاب سے کم ہو اور وہ لوگ اپنے مقام حکومت میں تاجر مسلم سے اس مقدار میں عشر لیتے ہوں، تو ہم جب بھی تاجر غیر مسلم سے نہ لیں گے، اور اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ یہ ظلم ہے، اور ظلم میں موافقت نہیں کی جاتی، اس وجہ سے صاف ثابت ہوا کہ جس رقم کا وصول کرنا قواعد اسلامی سے ناجائز ہے، اگر غیر مسلِم سلطنت ایسی رقم مسلمان سے بھی وصول کرتی ہو تو اسلامی سلطنت تب بھی غیر مسلم سے وصول نہ کرے گی، عبارت اس نظیر پر دلالت کرنے والی ردالمحتار میں یہ ہے:

ولا نأخذ منهم شيئا إذا لم يبلغ مالهم نصاباً، وإن أخذوا منا في الأصح؛ لأنه ظلم ولامتابعة عليه. ج ۲ ص ۴۳ (۲)۔

پس دلائلِ مذکورہ صاف صاف دلالت کرر ہے ہیں کہ ایسے ٹیکس حجاج سے وصول کرنے بروئے مذہبِ اسلام جائز نہیں۔ ۱۸/صفر ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۰۶)

---

(۱) شامي، كتاب الزكوة، باب العاشر، مطلب: ما يؤخذ من النصارى لزيارة بيت المقدس حرام، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۴۸، كراچی ۲/ ۳۱۳۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، باب العاشر، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۵۰، كراچی ۲/ ۲۱۵۔

وبشرط أخذهم منا حتى لو لم يأخذوا شيئا لم نأخذ منهم؛ لأنا أحق بمكارم الأخلاق وكلامه يعطي أنا لا نأخذ منهم مما هو دون النصاب، وإن أخذوا منا وهذا رواية كتاب الزكوة؛ لأن الأخذ من القليل ظلم ولا متابعة عليه. (النهرالفائق، كتاب الزكوة، باب العاشر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۴۷) ←

حیلہ کا حکم

سوال (۲۴۹۸): قدیم ۴/۱۵۳- ص ۳۴۲، ج۲، قاضي خان: رجل له على رجل عشرة دراهم، فأراد أن يجعلها ثلٰثة عشر إلىٰ أجل قالوا يشتري من المديون شيئا بتلك العشرة ويقبض المبيع، ثم يبيع من المديون بثلثة عشر إلى سنة فيقع التجوز عن الحرام، ومثل هٰذا مروي عن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم أنه أمر بذلك. رجل طلب من رجل دراهم ليقرضه بده دوازده فوضع المستقرض متاعاً بين يدى المقرض فيقول للمقرض: بعت منك هٰذا المتاع بمائة درهم، فيشتري المقرض، ويدفع إليه الدراهم ويأخذ المتاع، ثم يقول المستقرض يعني هٰذا المتاع بمائة وعشرين فيبيعه ليحصل للمستقرض مائة درهم، ويعود إليه متاعه، ويجب للمقرض عليه مائة وعشرون درهمًا والأوثق والأحوط أن يقول المستقرض للمقرض بعد ما قرر المعاملة كل مقالة، وشرط كانَ بيننا فقد تركته ثم يعقد أن بيع المتاع، وهذه المسئلة دليل على جواز بيع الوفاء إذا لم يكن الوفاء شرطاً في البيع هذا إذا كان المتاع للمستقرض، فإن كان المتاع للمقرض، وليس للمستقرض شيء ويريد أن يقرضه عشرة بثلٰثة عشر إلى أجل، فإن المقرض يبيع من المستقرض سلعة بثلٰثة عشر، ويسلم السلعة إلى المستقرض ثم أن المستقرض يبيع السلعة من أجنبي بعشرة ويدفع السلعة إلى الأجنبي ثم الأجنبي يبيع السلعة من المقرض بعشرة، ويأخذ العشرة منه،

← وإن مر حربي بخمسين درهما لم يؤخذ منه شيء إلا أن يكون يأخذون منا من مثلهم؛ لأن الأخذ بطريق المجازاة، وفي الزكوة: لا نأخذ من القليل، وإن كانوا يأخذون منا؛ لأن القليل لم يزل عفوا وهو للنفقة عادة، فأخذهم منا من مثله ظلم وخيانة ولا متابعة عليه.

(البحرالرائق، كتاب الزكوة، باب العاشر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٠٦، كوئٹه ٢/ ٢٣٣)

تبيين الحقائق، كتاب الزكوة، باب العاشر، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٨٨، إمداديه ملتان ١/ ٢٨٥۔

شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ویدفعها إلی المستقرض فیبرأ الأجنبي من الثمن الذي کان علیه للمستقرض فتصل السلعة إلی المقرض بعشرة، وللمقرض علی المستقرض ثلٰثة عشر إلیٰ أجل (۱)۔

عبارتِ منقولہ کے علاوہ اور بھی حیلے قاضی خاں نے لکھے ہیں، اب تک ان حیلوں کو بے اصل سمجھتا تھا، اور نیز ’’صفائی معاملات‘‘ و’’بہشتی زیور‘‘ وغیرہ میں ایسے معاملات پر تنبیہ بھی کی گئی ہے، کچھ عرصہ سے فتاویٰ قاضی خان کے حیلوں کو دیکھ کر دریافت کرنے کا خیال رہا کیا، آج بغرض دریافت ابتدائی عبارات کونقل کرکے بغرض ملاحظہ مرسل ہے دل قبول نہیں کرتا، اگر کوئی غلطی سمجھنے میں ہوئی ہوتو تنبیہ فرمائی جائے، ورنہ تاویل بتائی جاوے، حضور کے ظلِ ہدایت وافادات کو خدائے پاک دائم وقائم رکھے، تردّد صرف یہ ہے کہ یہ حیلہ ربوا معلوم ہوتا ہے؟

الجواب: جواز کے دو معنی ہیں: ایک صحت، یعنی کسی قاعدے پر منطبق ہوجانا، گو اس میں گناہ ہی ہو جیسے کسی شخص پر جبر کرکے اس کی بی بی کو طلاق دلوادے، اور بعد عدّت اس سے نکاح کرلے، صحت نکاح اور معصیت دونوں ظاہر ہیں۔ دوسری حلّت یعنی گناہ نہ ہونا (۲)۔ پس اگر ان حیل کا جواز بالمعنے الاول ہے تب تو کوئی شبہ ہی نہیں، مگر یہ مفید نہیں، اور اگر بالمعنے الثانی ہے تو اس میں یہ شرط ہے کہ ان حیل کے اجزا اتفاقاً واقع ہوجاویں، مشروط اور معروف نہ ہوں اور نہ کسی پر جبر ہو کہ جبر امور غیر لازمہ میں خود حرام ہے (۳)۔

چنانچہ جملہ **إذا لم یکن الوفاء شرطاً في البیع** (۴)۔ اس طرف مشیر ہے، اور ظاہر ہے کہ اس

---

(۱) فتاوی قاضي خان علی هامش الهندیة، کتاب البیوع، باب في بیع مال الربا بعضه ببعض، فصل فیما یکون فرارا عن الربا، قدیم زکریا دیوبند ۲/ ۲۷۹، جدید زکریا ۲/ ۱۷۰۔

(۲) **والمشایخ تارة یطلقون الجواز بمعنی الحل وتارة بمعنی الصحة، وهي لازمة للأول من غیر عکس، والغالب إرادة الأول في الأفعال، والثاني في المعقود.** (البحرالرائق، کتاب الطهارة، مکتبه زکریا دیوبند ۱/ ۱۲۲، کوئٹه ۱/ ٦٦)

(۳) **لا جبر في التبرع.** (شامي، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، مکتبه زکریا دیوبند ۷/ ۳۸٤، کراچی ٥/ ۱٥۸)

إذ لا إجبار في التبرع. (الجوهرة النیرة، البیوع، قبیل باب الربا، دارالکتاب دیوبند ۱/ ۲٥۱) الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۳/ ۱۹۔

(۴) خانیة علی هامش الهندیة، کتاب البیع، فصل فیما یکون فرارا عن الربا، قدیم زکریا دیوبند ۲/ ۲۷۹، جدید زکریا دیوبند ۲/ ۱۷۰۔

صورت میں ان حیل سے انتفاع غیر اختیاری ہے، اور اگر یہ شرط مسلّم نہ ہو تو پھر یا تو یہ بعض کا قول ہے جو اصل مذہب کے خلاف ہے، چنانچہ عباراتِ مذکورہ کے بعد یہ عبارت: **وهذه الحيلة هي العينة التي ذكرها محمدؒ** (۱) اس کی دلیل ہے۔ اور عینہ کا مکروہ تحریمی ہونا جو قریب الی الحرام ہے، ہدایہ وغیرہ میں مصرح ہے **كما في كتاب الكفالة** (۲)۔ جس پر فتح القدیر نے امام محمدؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: **هذا البيع في قلبي كأمثال الجبال ذميم اخترعه أكلة الربا، وقد ذمهم رسول الله ﷺ فقال: إذا تبايعتم بالعين الخ** (۳)۔ اور علاوہ خلاف مذہب ہونے کے اباحت وحرمت میں تعارض کے وقت حرمت ہی کو ترجیح ہوتی ہے (۴)۔ اور یا حلت اضافی ہے جیسا کہ عبارات مذکورہ قاضی خان کے بعد یہ عبارت اس کی دلیل ہے: **وقال مشايخ بلخ: بيع العينة في زماننا خير من البيع التي تجري في أسواقنا عن فضل فيما يكون ضِرارًا عن الربوا. ص ۴۰۸** (۵)۔

۱۰/ شوال ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۵۴)

---

(۱) خانية على هامش الهندية، كتاب البيع، فصل فيما يكون فرارا عن الربا، قديم زكريا ديوبند ۲/ ۲۷۹، جديد زكريا ديوبند ۲/ ۱۷۰۔

(۲) **ومعناه الأمر ببيع العينة مثل أن يستقرض من تاجر عشرة فيتأبى عليه، ويبيع منه ثوبا يساوي عشرة بخمسة عشر مثلا رغبة فى نيل الزيادة ليبيعه المستقرض بعشرة ويتحمل عليه خمسة سمى به لما فيه من الإعراض عن الدين إلى العين، وهو مكروه لما فيه من الإعراض عن مبرة الإقراض مطاوعة لمذموم البخل.** (هداية، كتاب الكفالة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۱۲۳)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب الكفالة، مطلب: بيع العينة، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۶۱۳، كراچى ۵/ ۳۲۵۔

(۳) فتح القدير، كتاب الكفالة، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۱۹۸، كوئٹه ۶/ ۲۲۴۔

النهرالفائق، كتاب الكفالة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۵۷۵۔

(۴) **إذا اجتمع الحلال والحرام أو المحرم والمبيح غلب الحرام والمحرم.**

(قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۵۵)

الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية، قديم ص: ۱۷۰، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۳۰۱۔

(۵) خانية على هامش الهندية، كتاب البيع، فصل فيما يكون فرارا عن الربا، قديم زكريا ديوبند ۲/ ۲۷۹، جديد زكريا ديوبند ۲/ ۱۷۰۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جس جانور کا بچّہ مرجائے اس کا دودھ نکالنے کے لئے مصنوعی بچّہ بنا کر رکھنا

سوال (۲۴۹۹): قدیم ۴/۱۵۴- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کی بھینس کا بچّہ مرگیا اور وہ بھینس بغیر بچّہ کے دودھ نہیں دیتی، اگر اس مردہ بچّہ کی کھال نکلوا کر اور اس میں بھُس وغیرہ بھر کر بھینس کو دکھلا کر دودھ لینے کی غرض سے رکھ لیا جاوے، تو کیا اس طرح مردہ بچّہ کو قائم رکھنا اور دودھ پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے(۱)۔ ۲؍محرم ۱۳۴۱ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۳۰)

نبی بخش نام رکھنا جائز نہیں

سوال (۲۵۰۰): قدیم ۴/۱۵۴- دیگر گذارش یہ ہے کہ حضور کی تصنیف شدہ کتابوں میں مثلاً بہشتی زیور اور تفسیر قرآن شریف میں غلام نے دیکھا تھا کہ پیر بخش، محمد بخش، مراد بخش، عبدالنبی، عبدالرسول وغیرہ نام رکھنے ناجائز ہیں، دو ایک آدمی نے دریافت کیا تو بندہ نے جواب میں کہہ دیا کہ ایسے نام ناجائز ہیں، مگر اس جگہ عوام جو کہ صرف اردو فارسی کے ماہر ہیں بہت اس کلمہ پر ناراض ہو رہے ہیں، چنانچہ ایک شخص نے تو دوسری جگہ سے فتویٰ بھی منگا لیا ہے، جو کہ بجنسہ کارڈ ارسال ہے، جس میں آیت کا

---

(۱) اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو اپنے بندوں کے نفع کے لئے پیدا فرمایا ہے۔

قال اللہ تعالی: وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ. [سورة الأنعام، رقم الآية: ٥]

لہٰذا اس ضرورت ومصلحت کے تحت اگر جانور کو تھوڑی بہت تکلیف ہو جائے تو فقہاء نے اس کی بھی اجازت دی ہے اور مذکورہ صورت میں نہ تو بھینس کی کوئی حق تلفی ہے اور نہ ہی کوئی ناجائز بات ہے؛ بلکہ اپنا حق وصول کرنے کی ایک تدبیر ہے؛ لہٰذا بدرجہ اولیٰ اس کی اجازت ہوگی اور اس طرح مصنوعی بچہ بنا کر دودھ حاصل کرنا بلا کراہت جائز ہوگا۔

والأصل أن إيصال الألم إلى الحيوان لا يجوز شرعا إلا لمصالح تعود إليه. (تبيين الحقائق، كتاب الخنثى، مسائل شتى، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٤٦٥، إمداديه ملتان ٦/ ٢٢٧)

البحر الرائق، كتاب الخنثى، مسائل شتى، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٣٥٩، كوئٹه ٨/ ٤٨٥۔

حوالہ دیا گیا ہے وہ بالکل غلط ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ مولوی مذکور کوئی لائق آدمی نہیں ہے؛ اس لئے حضور سے گذارش ہے جناب عالی اس کے متعلق اگر مفصل جواب عنایت فرما کر تشفی فرما دیں، نیز اعتراض کنندوں کی بھی تسلّی ہو تو عین نوازش حضور ہوگی؟

میری گذارش یہ ہے کہ وجہ رکھنے ایسے ناموں کے ناجائز ہونے کی اگر مفصل تحریر فرمائی جاوے تو نہایت ہی تسلی کا باعث ہوگا، آئندہ حضور مالک ہیں؟

الجواب : حدیث میں ہے: **لا یقل أحدکم عبدي** (۱)۔ ممانعت کے لئے کافی ہے اور **لِاَهَبَ** (۲) سے استدلال عجیب ہے، اس کا ایک جواب **إنما أنا رسول ربک** میں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امر میں وہ نیابت کی حیثیت سے اپنی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ جیسے جبرئیل علیہ السّلام کی قرأت کو آیت **فإذا قرأناه** (۳) میں اپنی قرأت فرمایا ہے، یہاں ہبۂ حق کو ہبۂ جبرئیل فرما دیا، اور محبث میں کونسی نیابت ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں جبرئیل علیہ السّلام کا ایک فعل نفخ ہے جو بِنا ہے اسناد مجازی الی السبب کی، اور امام بخش میں اس اسناد کی بناء کیا ہے۔ ۲۲؍ شعبان ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۸۸)

ڈاکٹری معائنہ کی شرط کے ساتھ جیون بیمہ کا حکم

سوال (۲۵۰۱): قدیم ۴/ ۱۵۵- النور بابت ماہ رجب ۱۳۴۲ھ صفحہ ۱۸ کے سوال ''در تحقیق سود ہر جز تنخواہ کہ وضع کردہ شود'' کو بغور پڑھا، اور واقف کار آدمیوں کو بھی محض احتیاط کی غرض سے

---

(۱) **أنه سمع أبا هريرة رضي الله عنه يحدث عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: لا يقل أحدكم: أطعم ربک وضئ ربک اسق ربک، وليقل سيدي مولاي، ولا يقل أحدكم: عبدي وأمتى، وليقل فتاي وفتاتي وغلامي.** (بخاري شريف، كتاب العتق، باب كراهية التطاول على الرقيق وقوله: عبدي أو أمتى النسخة الهندية ۱/ ۳۴۶، رقم: ۲۴۸۲، ف: ۲۵۵۲)

مسلم شريف، كتاب الألفاظ من الأدب وغيرها، باب حكم إطلاق لفظة العبد والأمة والمولى والسيد، النسخة الهندية ۲/ ۲۳۸، بيت الأفكار رقم: ۲۲۴۹۔

(۲) **إنما أنا رسول ربک لاهب لک غلام زكريا.** [سورة مريم، رقم الآية: ۱۹]

(۳) **فإذا قرأناه فاتبع قرآنه.** [سورة القيامة، رقم الآية: ۱۸]

دکھایا، سائل نے سوال میں بہت خبط کیا، مگر پھر بھی اس کی عبارتِ ذیل سے جان بیمہ کرانے کا جواز وعدم جواز دریافت کرنا معلوم ہوتا ہے، دلالت اگرچہ اس میں صراحۃً نہیں ہے، وہو ہذا۔

’’اب سرکاری دستور العمل یہ ہے کہ روپیہ وضع ہونا شروع ہوتا ہے، اگر یہ ملازم بیس برس تک زندہ رہا تو یکمشت اپنا جمع شدہ روپیہ وصول کر لیتا ہے، اس سے قبل کچھ وصول نہیں کرسکتا؛ لیکن اگر مرگیا تو بغیر شرط کئے خود گورنمنٹ وارثان میت کو اتنا روپیہ دیدیتی ہے جتنا اس ملازم کا بیس برس میں جمع ہوتا، اگرچہ ملازم یہ کارروائی کرنے کے دو ماہ بعد ہی مرجاوے‘‘

یہ الفاظ اخیر کے جن پر بندہ نے سُرخی سے نشان لگا دیا ہے، صاف دلالت کررہے ہیں کہ یہ جان بیمہ ہے، اور محض اس لئے کہ گورنمنٹ ہر حالت میں خواہ جمع کرنے والا دو ماہ بعد ہی مرجاوے یا بیس برس میں مَرے گورنمنٹ کو کُل رقم معہود جس کا عہد اول ہی فریقین میں ہو جاتا ہے، اور اس رقم کے لحاظ سے گورنمنٹ تنخواہ سے جزو وضع کرتی ہے کہ جس کا ذکر سائل نے اپنے سوال میں بالکل نہیں کیا ہے، گورنمنٹ کو دینی پڑتی ہے، اس غرض سے ڈاکٹری معائنہ کی ضرورت پڑتی ہے، کہ جس میں تمام امراض متعدیہ کو ڈاکٹر دریافت کرتا اور الف ننگا کر کے خود معائنہ کرتا ہے، اس سوال سے سائل کا کھلا ہوا مطلب جان بیمہ کے متعلق دریافت کرنا ہے کہ جس کے لئے ڈاکٹری معائنہ لابُدی وضروری ہے؟

الجواب : خواہ یہ جان بیمہ ہو یا کچھ اور ہو، اگر اس میں ڈاکٹری معائنہ برہنہ کر کے شرط نہ ہوتا تو وہی حکم ہے جو رسالہ النّور میں مذکور ہے، اور اگر معائنہ مذکور اس میں شرط ہو تو حکم یہ ہے کہ جائز نہیں؛ کیونکہ یہ اُن عذروں میں سے نہیں ہے کہ جن کے لئے بدن مستور دکھلانا جائز ہو(۱)۔

محرم ۱۳۴۳ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۱۶)

---

(۱) لأنه يباح النظر لهم ضرورة تحمل الشهادة فأشبه الطبيب والقابلة (هداية وتحته في البناية: قوله (فأشبه الطبيب والقابلة) أي أشبه نظر شهود الزنا إلى فرج الزانية لضرورة في ذلک كما ينظر الطبيب والقابلة إلى الفرج، وهذا لأن الطبيب يجوز أن ينظر موضع العورة لضرورة المداواة، وقال في خلاصة الفتاوى: لا يجوز النظر إلى العورة إلا عند الضرورة، وهي الاحتقان والحيان والمداواة والولادة والبكارة في البالغة والرد بالعيب، والمرأة في حق المرأة أولى، وإن لم يوجد سترا ماوراء موضع الضرورة. (البناية، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها، مكتبه أشرفيه ديوبند ٦/ ٣٤٧) ←

ایضاً

سوال (۲۵۰): قدیم ۱۵۰/۴- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جان بیمہ بیس سال تک کے لئے لیا جاتا ہے، پس اگر مثلاً پینتیس سال کی عمر میں زید نے بیس سال کے لئے بیمہ کرایا تو اس کو بحساب فی ہزار سالانہ بیس سال تک دینا ہوگا جس کی مقدار تیئیس ہزار چار سو روپے ہو جائے گی، اور بیمہ کمپنی بیس ہزار روپے مقدار بیمہ پر بیس سال میں بیس روپے سے تیئیس روپے آٹھ آنہ تک فی ہزار سالانہ منافع کے حساب سے مبلغ نو ہزار چار سو روپے اور بیس ہزار روپے مقدار بیمہ جملہ انتیس ہزار چار سو روپے ادا کرے گی، یعنی بیس سال میں ۲۳۴۰۰ روپے کی رقم لے کر ۲۹۴۰۰ روپے ادا کرے گی، پس اس حساب سے بیس سال میں بیمہ کرانے والے کو چھ ہزار روپے کی رقم زائد وصول ہوگی۔ اور اگر بیمہ کرانے والا بیس سال کے اندر فوت ہوگیا تو جتنے روپے کا بیمہ کرایا ہے، مثلاً بیس ہزار کا کرایا ہو تو بیس ہزار اور اُس پر جتنے سال گذرے ہوں اتنے سال کا منافع جو اوپر لکھا ہے بیس روپے سے ساڑھے

← ولا يحل النظر إلى العورة إلا عند الضرورة قال سلمان الفارسيؓ: لأن أخر من السماء فانقطع نصفين أحب إلي من أن أنظر إلى عورة أحد أو ينظر أحد إلى عورتي، ومع هذا إذا جاء العذر فلا بأس بالنظر إليها، فمن جملة الأعذار الختان فالختان ينظر عند ذلک الفعل، وكذلک الخافضة تنظر، وهذا لأن الختان سنة وهو من جملة الفطرة في حق الرجل لا يمكنه تركه، ومن ذلک عند الولادة، فالمرأة تنظر إلى موضع الفرج من المرأة وغيره؛ لأنه لابد من قابلة تقبل الولد ومعالجة بدونها يخاف الهلاک على الولد، وعند قبول الولد ومعالجته يحتاج إلى النظر فأبيح لأجل الحاجة ...... وكذلک ينظر الرجل من الرجل إلى موضع الاحتقان عند الحاجة إليه بأن كان مريضا لأن الضرورة قد تحققت والاحتقان من المداواة. وحكي عن الشافعيؒ قال: إذا قيل له: إن الحقنة تقويک على المجامعة فلا بأس بذلک، وهذا ضعيف؛ لأن الضرورة لا تتحق بهذا، وكشف العورة من غير ضرورة لمعنى الشهوة لا يجوز. (المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل التاسع: فيما يحل للرجل النظر إليه وما لا يحل له الخ، المجلس العلمي ۸/ ۳۲، رقم: ۹۵۲۲-۹۵۲۳-۹۵۲۴)

المبسوط للسرخسي، كتاب الاستحسان، دارالكتب العلمية بيروت ۱۰/ ۱۵۶۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تیئیس روپے فی ہزار سالانہ کے حساب سے جوڑ کر دیدے گی، پس جو ارشاد ہو کہ اس طرح زید کا بیمہ کرانا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ زید نے کچھ ہرج نہ سمجھ کر بیمہ کرایا جس کو ایک سال کی مدت نہیں گذری؛ لیکن ایک سال کا روپیہ مفصّلہ بالا بیمہ کمپنی کو ادا کر چکا ہے، اور بیمہ کمپنی کا قانون ہے کہ اگر بیمہ کرانے والا تین سال کے اندر خود اپنی طرف سے معاہدہ توڑ دے اور سالانہ واجب الادا رقم ادا نہ کرے تو بیمہ کمپنی اس کو بالکل کچھ نہیں دے گی، حتی کہ اس کا دیا ہوا روپیہ بھی واپس نہیں مل سکے گا، پس اگر شرعاً بیمہ کرانا جائز نہ ہو تو اب زید کیا کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب التنقیحی: بیمہ کرانے والا جو رقم داخل کرتا ہے آیا بیمہ کمپنی کو قرض دیتا ہے، یا کمپنی میں بطور حصہ داری کے شرکت کرتا ہے، یعنی یہ بھی کمپنی کا رکن ہوتا ہے، اور پہلی صورت میں اس کمپنی کے ارکان سب کافر ہیں یا کوئی مسلمان بھی ہے، جواب ان تحقیقات پر موقوف ہے۔

جواب التنقیح: بہ سلسلۂ استفتائے مرسلہ سابقہ دریافت طلب امر کے متعلق گذارش ہے کہ بیمہ کرانے والا بطور حصہ داری کے شریک نہیں ہوتا؛ بلکہ سوال کے مطابق اپنا روپیہ بیمہ کمپنی میں جمع کرتا رہتا ہے جس کو بیمہ کمپنی اپنے یہاں قرض میں درج نہیں کرتی؛ بلکہ اپنے قانون کے مطابق عمل کرتی ہے، جیسا کہ سوال سابق میں عرض کیا گیا، بیمہ کرانے والوں کا جو روپیہ بیمہ کمپنی میں جمع ہوتا ہے اس کو بیمہ کمپنی دوسرے کاموں میں لگاتی ہے، اور اس سے نفع حاصل کرتی ہے؛ لیکن بیمہ کرانے والوں کو ان دوسرے کاموں کے نقصان سے کوئی تعلق نہیں ہے، بیمہ کمپنی اپنے قانون کے مطابق ہر سال بیمہ کرانے والوں سے مقررہ رقم مذکورۂ سوال لیتی رہتی ہے، اور بیمہ کرانے والا جب بھی مرجائے خواہ معاملہ ہوجانے سے ایک ہی دن کے بعد، تو وہ کمپنی اپنے قانون کے مطابق بیس ہزار روپیہ مع مقررہ منافع جیسا کہ سوال میں عرض کیا گیا ہے، بیمہ کرانے والے کے ورثہ کو ادا کرے گی؛ لیکن اس کے ساتھ بیمہ کرانے والوں کا جمع کیا ہوا روپیہ واپس نہیں ملتا خواہ ایک سال کا ہو یا زیادہ کا ہو بیمہ کمپنی کے سب ارکان کافر ہیں، مسلمان کوئی نہیں۔

الجواب بعد التنقیح: جواب تنقیح میں جو حالات لکھے ہیں اُن کی بناء پر یہ قرض ہے، جو ربوا اور قمار دونوں پر مشتمل ہے (۱) اور چونکہ معاملہ کافر غیر ذمی سے ہے؛ اس لئے مسئلہ مختلف فیہ

---

(۱) اور ربوا اور قمار دونوں کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے: ←

ہے، اگر کوئی شخص بعض علماء کے قول پر جواز کی شق اختیار کرلے گنجائش ہے(۱)۔

۲۲/ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ (النور، ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ص ۷)

← **قال اللّٰه تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا.** [سورة البقرة، رقم الآية: ۲۷۵]

وقال اللّٰه تعالیٰ: يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ. [سورة البقرة، رقم الآية: ۲۷۶]

وقال اللّٰه تعالیٰ: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ. [سورة المائدة، رقم الآية: ۹۰-۹۱]

عن ابن مسعودؓ عن أبيه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله، وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، كتاب المساقات، باب لعن آكل الربوا ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸)

أبوداؤد شريف، كتاب البيوع، باب في آكل الربوا ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ۴۷۳، دارالسلام رقم: ۳۳۳۳۔

إن القمار من القمر الذي يزداد تارة وينقص أخرى وسمى القمار قمارا؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه وهو حرام بالنص. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۷۷، كراچی ۶/ ۴۰۳)

تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۴۶۶، إمداديه ملتان ۶/ ۲۲۷۔

المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل السابع: فى المسابقة، المجلس العلمي ۸/ ۱۴، رقم: ۹۴۸۶۔

(۱) ولا بين الحربي والمسلم ثمة (كنز) أي لا ربا بينهما في دارالحرب عندهما خلافا لأبي يوسفؒ، وفي البناية: وكذا إذا باع خمرا أو خنزيرا أو ميتة أو قامرهم وأخذ المال كل ذلك يحل له، لهما الحديث: لا ربا بين المسلم والحربي في دارالحرب. ولأن مالهم مباح وبعقد الأمان منهم لم يصر معصوما إلا أنه التزم أن لا يتعرض لهم بغدر ولا لما في أيديهم بدون رضاهم، فإذا أخذ برضاهم أخذ مالا مباحا بلا غدر فيملكه بحكم الإباحة ←

پیر بخش نام رکھنا

سوال (۲۵۰۳): قدیم ۴/ ۱۵۷- حدیث شریف میں ہے: **لا تقولن أحدکم عبدي وأمتي الخ** ۔ اوراسی حدیث سے پیر بخش وعبدالنبی وغیرہ نام رکھنے کی ممانعت کی جاتی ہے؛ لیکن بدعتی قرآن شریف کے ''**عبادکم واماء کم**''سورۂ نور(۱) سے جواز کی سندلاتے ہیں، کیا جواب دیا جائے؟

الجواب: جواب ظاہر ہے کہ یہاں قرآن میں لغوی معنی مراد ہے، جوواقعی ہیں، اورعبدالنبی وغیرہ میں لغوی معنی مرادنہیں؛ کیونکہ خلاف واقع ہیں؛ بلکہ مجازی معنی مراد ہیں جوکہ موہم ہیں شرک کواوراسی ایہام کی بنا پر حدیث میں کراہت آئی ہے، اوراسماء عرفیہ میں حدیث کے ایہام سے اشد ایہام (۲) ہے۔ پس استدلال حدیث سے استدلال بعبارۃ النص نہیں ہے؛ بلکہ بدلالۃ النص ہے،جس کا مدلول عبارۃ النص سے اولیٰ بالحکم ہوتاہے، چنانچہ حرمتِ تافیف سے حرمت ضرب کی اقویٰ ہے(۳)۔ واللہ اعلم فقط

۲۳/ رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ (النور جمادی الثانی ۵۰ھ ص ۱۵)

← **السابقة الخ.** (البحرالرائق، کتاب البیوع، قبیل باب الحقوق، مکتبه زکریا دیوبند ٦/ ٢٢٦، کوئٹه ٦/ ١٣٥-١٣٦)

النهرالفائق، کتاب البیوع، قبیل باب الحقوق، مکتبه زکریا دیوبند ٣/ ٤٨٠۔

مجمع الأنهر، کتاب البیوع، قبیل باب الحقوق والاستحقاق، دارالکتب العلمیة بیروت ٣/ ١٢٧-١٢٨۔

(۱) سورة النور، رقم الآیة: ٣٢۔

(۲) **أنه سمع أبا هریرة رضي الله عنه یحدث عن النبي صلى الله علیه وسلم أنه قال: لا یقل أحدکم: أطعم ربک وضئ ربک اسق ربک، ولیقل سیدي مولاي، ولا یقل أحدکم: عبدي وأمتی، ولیقل فتاي وفتاتي وغلامي.** (بخاري شریف، کتاب العتق، باب کراهیة التطاول على الرقیق وقوله: عبدي أو أمتی النسخة الهندیة ١/ ٣٤٦، رقم: ٢٤٨٢، ف: ٢٥٥٢)

مسلم شریف، کتاب الألفاظ من الأدب وغیرها، باب حکم إطلاق لفظة العبد والأمة والمولی والسید، النسخة الهندیة ٢/ ٢٣٨، بیت الأفکار رقم: ٢٢٤٩۔

وفي القاموس: الأف قلامة الظفر ووسخه أو وسخ الأذن، وما رفعته من الأرض من عود أو قصبة أو الأف معناه القلة، یعني لا تقل لهما کلمة تدل على أدنی کراهة، فیحرم ←

ہندہ نام رکھنا

سوال (۲۵۰۴): قدیم ۴/ ۱۵۸- میرے یہاں دختر تولّد ہوئی ہے، جس کا بخیال حصول سعادت میں نے ایک صحابیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہندہ رکھا ہے، ایک بزرگ نے بیان کیا کہ یہ وہ مبغوض صحابیہ ہیں جنہیں بعد قبول اسلام بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جمال جہاں آرا کی زیارت سے حکماً محروم فرما دیا تھا کہ اسے دیکھ کر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ کی یاد تازہ ہو جائے گی، اور بمقتضائے بشریت آپ کو تکلیف ہوگی۔

روایت مذکورہ اگر صحیح ہے تو کیا ایسی مبغوضہ صحابیہ کے نام رکھنے میں کوئی شرعی قباحت لازم آتی ہے اور مسلمانوں کو تبرّکاً اس نام کا اعادہ اپنے گھروں میں کرنا روا ہے؟

الجواب: اول تو یہ روایت کہ حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زیارت سے آپ نے منع فرما دیا تھا، نظر سے نہیں گذری؛ البتہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے باب میں یہ ممانعت بخاری میں ہے (۱)۔ ان بزرگ سے اس کا حوالہ پوچھا جاوے۔

← **بذلک سائر أنواع الإيذاء بدلالة النص بالطريق الأولى.** (تفسير مظهري، سورة الإسراء، آيت: ۲۳، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۲۷۸)

ومحصل المعنى لا تتضجر مما يستفذر منهما وتستثقل من مؤنهما والنهي عن ذلک يدل على المنع من سائر أنواع الإيذاء قياسا جليا؛ لأنه يفهم بطريق الأولى ويسمى مفهوم الموافقة ودلالة النص وفحوى الخطاب. (روح المعانى، سورة الإسراء، آيت: ۲۳، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۸۰)

(۱) أخرج البخاري عن جعفر بن عمرو بن أمية الضمري حديثا طويلا -وفيه- وكمنت لحمزة تحت صخرة فلما دنا مني رميته بحربتي فأضعها في ثنته حتى خرجت من بين وركيه قال: فكان ذلک العهد به فلما رجع الناس رجعت معهم، فأقمت بمكة حتى فشا فيها الإسلام، ثم خرجت إلى الطائف فأرسلوا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم رسلا فقيل لي إنه لا يهيج الرسل قال: فخرجت معهم حتى قدمت على رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما رآني قال: أنت وحشي! قلت: نعم، قال: أنت قتلت حمزة؟ قلت: قد كان من الأمر ←

دوسرے شیخینؒ کی روایت میں حضرت ہندہؓ کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا اور نفقہ کا مسئلہ پوچھنا اور آپ کا جواب ارشاد فرمانا: **خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف** (۱) مذکور ہے، جو اس روایت کے معارض ہے۔

تیسرے کتب اسماء الرجال تقریب وغیرہ میں یہی نام حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکور ہے (۲) جن کا محبوب ہونا معلوم ہے۔

چوتھے ان سب سے قطع نظر نام کا مبغوض ہونا تو ثابت نہیں، غرض ہر طرح سے یہ دعویٰ بے اصل ہے، اور نام رکھنے میں کسی قسم کا محذور نہیں۔ فقط۔ (النور، رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ ص ۸)

قربان علی نام کو علی بخش پر قیاس کرنا صحیح نہیں

سوال (۲۵۰۵): قدیم ۴/۱۵۸- ایک شخص کے والد صاحب نے اُن کا نام قربان علی

← **ما بلغك، قال: فهل تستطيع أن تغيب وجهك عني قال: فخرجت فلما قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم فخرج مسيلمة الكذاب. الحديث.** (بخاري شريف، كتاب المغازي، باب قتل حمزة، النسخة الهندية ۲/ ۵۸۳، رقم: ۳۹۲۵، ف: ۴۰۷۲)

(۱) **عن عائشة أن هند بنت عتبة قالت: يا رسول الله! إن أبا سفيان رجل شحيح وليس يعطيني ما يكفيني وولدي إلا ما أخذت منه وهو لا يعلم، فقال: خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف.** (بخاري شريف، كتاب النفقات، باب إذا لم ينفق الرجل فللمرأة أن تأخذ بغير علمه ما يكفيها وولدها بالمعروف، النسخة الهندية ۲/ ۸۰۸، رقم: ۵۱۵۵، ف: ۵۳۶۴)

ابن ماجه شريف، كتاب التجارات، باب ما للمرأة من مال زوجها، النسخة الهندية ص: ۱۶۶، دارالسلام رقم: ۲۲۹۳۔

(۲) **هندة بنت أبي أمية بن المغيرة بن عبدالله بن عمر بن مخزوم المخزومية أم سلمة أم المؤمنين تزوجها النبي صلى الله عليه وسلم بعد أبي سلمة سنة أربع، وقيل ثلاث الخ.** (تقريب التهذيب، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۷۵۴، رقم: ۸۶۹۴)

تهذيب التهذيب، المكتبة التجارية مصطفى احمد باز ۱۰/ ۵۰۸-۵۰۹، رقم: ۸۹۸۶۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

رکھا، اُس وقت کوئی مولوی صاحب کہتے ہیں کہ بہشتی زیور میں علی بخش، حسین بخش، عبدالنبی وغیرہ نام رکھنا شرک بتلایا ہے، اب اُس پر قیاس کر کے قربانِ علی ومحمد بخش وغیرہ نام رکھنا شرک ہوگا، علماء دین اس نام کے حق میں کیا فرماتے ہیں؟

الجواب: بہشتی زیور کے ان ناموں میں اور قربان علی میں فرق ہے، اس کے معنی تو یہ ہیں کہ یہ شخص حضرت علیؓ پر فِدا ہے، سوحدیثوں میں: بأبي أنت وأمي يا رسول! صلى الله عليه وسلم (۱) صریح دال ہے مقبولانِ حق پر اپنے کو فدا اور قربان کہنے کے جواز پر؛ البتہ محمد بخش ایسا ہی ہے جیسا بہشتی زیور کے نام۔ ۴/ ذیقعدہ ۴۰ھ

کوئی متبرک لباس پہن کر نماز پڑھنا

سوال (۲۵۰۶): قدیم ۴/ ۱۵۸- مجھے عرصہ ہوا حضرت علیہ الرحمہ نے ایک صدری یہ فرما کر عطا کی تھی کہ یہ حضرت حاجی نوراللہ مرقدہٗ نے حضرت ۔۔۔۔۔۔ قدس سرہ کو خود ایک عرصہ تک زیب تن فرما کر دی تھی، اوراسی طرح حضرت ۔۔۔۔۔۔ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے عطا کی تھی، میں نے بھی اسے پہنا ہے، یہ اب تجھے دیتا ہوں، وہ میرے پاس اسی وقت سے بحفاظت تمام رکھی ہے، کبھی کبھی اس کو پہن کر نوافل پڑھتا ہوں، ایک دفعہ حضرت ۔۔۔۔۔ علیہ الرحمہ نے بھی جب اُن سے اس کا زبانی تذکرہ آیا تھا، یہی فرمایا تھا کہ اس کو پہن کر برکت حاصل کیا کر اور نماز پڑھا کر، آج یہ بات یاد آئی، اب انشاءاللہ مکان سے منگاتا ہوں، اور آج رات سے اس کو پہن کر نماز پڑھوں گا؟

---

(۱) إن أبا هريرة رضي الله عنه قال: بينما نحن جلوس عند رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: بينا أنا نائم رأيتني في الجنة، فإذا امرأة تتوضأ إلى جانب قصر فقلت: لمن هذا القصر؟ فقالوا: لعمر، فذكرت غيرته فوليت مدبرا فبكى عمرؓ وقال: عليك بأبي أنت وأمي يا رسول الله أغار. (بخاري شريف، كتاب التعبير، باب الوضوء في المنام، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۴۰، رقم: ۶۷۵۴، ف: ۷۰۲۵)

عن أبي ذر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عاده أو أن أبا ذر عاد رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: بأبي أنت وأمي يا رسول الله: أي الكلام أحب إلى الله عز وجل؟ قال: ما اصطفاه الله لملائكته سبحان ربي وبحمده سبحان ربي وبحمده. (ترمذي شريف، كتاب الدعوات، باب أي الكلام أحب الى الله، النسخة الهندية ۲/ ۱۹۹، دارالسلام رقم: ۳۵۹۳)

الجواب : خارج نماز برکت حاصل کرنے کا مضائقہ نہیں، یا اتفاقاً اس کے پہنے ہوئے نماز کا وقت آجاوے اور اسی حالت میں پڑھ لی جاوے اس کا بھی حرج نہیں، باقی قصداً اس سے نماز پڑھنا غالباً سبب ہو جاوے گا اس اعتقاد کا کہ اس کے لُبس کو زیادت قبول صلوٰۃ میں خاص دخل ہے، اور یہ اعتقاد بدعت ہے؛ اس لئے قابل احتیاط ہے (۱)۔ رمضان المبارک ۱۳۴۰ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۲۵)

لندن وغیرہ کی سیاحت کا حکم

سوال (۲۵۰۷): قدیم ۴/۱۵۹- نہایت ہی مؤدبانہ التجا ہے کہ آنحضرت بہت بہت امور دریافت طلب کے جواب سے احقر کو مطلع فرما کر ثواب دارین حاصل کریں گے، بندہ نے ایک جگہ آنجناب کے نسخہ میں پڑھا ہے، جس کا مطلب کمترین کو یہ معلوم ہوا ہے کہ آنحضرت ولایت کا جانا بُرا نہیں سمجھتے۔۔۔۔بشرطیکہ انسان حدود شرعی کے اندر رہے؟

---

(۱) **عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد.** (مسلم شريف، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، النسخة الهندية ۲/ ۷۷، بيت الأفكار رقم: ۱۷۱۸)

بخاري شريف، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، النسخة الهندية ۱/ ۳۷۱، رقم: ۲۶۱۹، ف: ۲۶۹۷۔

عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إنما هما اثنتان الكلام والهدي فأحسن الكلام كلام الله وأحسن الهدي هدي محمد، ألا وإياكم ومحدثات الأمور، فإن شر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. الحديث (ابن ماجه شريف، المقدمة، باب اجتناب البدع والجدل، النسخة الهندية ص: ۶، دارالسلام رقم: ٤٦)

أبوداؤد شريف، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، النسخة الهندية ۲/ ٦٣٥، دارالسلام رقم: ٤٦٠٧۔

من أحدث في الإسلام رأيا لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر أو خفي ملفوظ أو مستنبط فهو مردود عليه. (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، مكتبه إمداديه ملتان ۱/ ۲۱۵)

الجواب: یہ واقعی ہے، مگر حدود کے اندر رہنا ہر شخص کی ہمت نہیں؛ اس لئے ضعفاء کو علی الاطلاق منع کیا جاوے گا، جیسے وباء کے زمانہ میں کھیرا ککڑی ہر ایک کو مضر نہیں ہوتا، مگر ممانعت قانونی عام ہوتی ہے۔

بقیہ سوال مذکورہ بالا: تو اِن حالات میں جہاں تک حدود شرعی کا قائم رکھنا ممکن ہو، اور ضروری ہو اس سے خاکسار کو ایما بخشیں؟

الجواب: میں تو وہاں کی حالت سے خالی الذہن ہوں آپ جو پوچھئے گا جواب عرض کروں گا۔

ہدایات برائے سفر لندن

سوال (۲۵۰۸): قدیم ۴/۱۵۹- صرف یہی نہیں بلکہ اور جو کوئی بُرائیاں ہوں جو میرے علم میں ابھی نہ آئی ہوں، مگر آنحضرت کو معلوم ہوں، تو اُن سے بچنے کے لئے بھی فدوی کو آگاہ فرمادیں؟

الجواب: اوپر عرض کیا ہے؛ البتہ بطور کلیہ کے ایک بات میرے خیال میں آئی ہے، جس کو عرض کرتا ہوں، کہ بلاضرورت شدیدہ کسی کی صحبت میں نہ بیٹھے، خواہ فرد واحد یا جماعت، اور آنکھ اور کان کو اُن کے حظوظ سے بچائیے (۱)۔ ۳/رجب ۱۳۴۴ھ (تتمہ خامسہ ص ۴۲۲)

اپنی لڑکی کو ماں یا لڑکے کو باپ کہہ دینے کا حکم

سوال (۲۵۰۹): قدیم ۴/۱۵۹- ملک بنگالہ میں اکثر عوام وخواص اپنی بیٹی کو بطور ناز کے ماں کہہ کر پکارتے ہیں، ایسے ہی بیٹے کو باپ سے خطاب کرتے ہیں، ایک نیم مولوی نے وعظ میں بیان کیا کہ یہ جائز نہیں؛ بلکہ حرام ہے، شرعاً اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

---

(۱) عن أبي موسی رضی اللہ عنہ عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: مثل الجلیس الصالح والسوء کحامل المسک ونافخ الکیر، فحامل المسک إما أن یحذیک وإما أن تبتاع منہ، وإما أن تجد منہ ریحا طیبة، ونافخ الکیر إما أن یحرق ثیابک وإما أن تجد منہ ریحا خبیثة. (بخاري شریف، کتاب الذبائح والصید، باب المسك، النسخة الهندية ۲/ ۸۳۰، رقم: ۵۳۱۹، ف: ۵۵۳۴)

بخاري شریف، کتاب البیوع، باب في العطار وبیع المسك، النسخة الهندية ۱/ ۲۸۲، رقم: ۲۰۵۴، ف: ۲۱۰۱۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: مجاز ہے، جس میں کوئی محذور شرعی نہیں؛ اس لئے جائز ہے(۱)۔ (تتمہ خامسہ ص ۳۲۰)

مفاسد کے پائے جانے کی وجہ سے رسم بیعت کے ترک کے سلسلہ میں مشورہ اور جواب

سوال (۲۵۱۰): قدیم ۴/۱۵۰- بعض مخالفین کہتے ہیں، آج کل پیری مُریدی چھوڑ دینا چاہئے؛ کیونکہ اس میں بہت سے مفاسد پیدا ہو گئے ہیں، جیسا کہ فاتحہ وعرس وقیام کو اسی بناء پر ناجائز کہا جاتا ہے؛ البتہ اگر بیعتِ ارادت کو واجب کہا جاوے تو اعتراض نہیں پڑے گا، لیکن یہ محتاج دلیل ہے؟

الجواب: یہ شخص تقلید شخصی کے باب میں کیا کہے گا، کیا اس میں بعض جگہ مفاسد نہیں، اور اس کا وجوب کیا محتاجِ دلیل نہیں؟ (تتمہ خامسہ ص ۳۲۰)

رسالہ اخبار بینی کے دو قول میں فیصلہ

سوال (۲۵۱۱): قدیم ۴/۱۶۰- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں: زید کہتا ہے کہ آج کل جو مختلف قسم کے اخبار نکلتے ہیں جن میں قسم قسم کے اخبار رطب ویابس نقل کئے جاتے ہیں، جس میں بعض محض بے اصل ہوتی ہیں، اور بعض میں قسم بقسم شکایتیں بھی لکھی جاتی ہیں، جو شرعاً ممنوع معلوم ہوتا ہے، عمرو کا خیال ہے کہ اس میں دنیاوی اور دینی فائدہ ہے؛ کیونکہ اس میں اخلاقی، ادبی، تمدنی اصلاحِ لسانی وغیرہ مضامین ہوتے ہیں، جن سے ترقی کا طریقہ معلوم ہوتا ہے، اور مختلف جگہ کے

---

(۱) **مستفاد: ویکره قوله: أنت أمي ویا ابنتي ویا أختي ونحوه (درمختار) وفي الشامیة: قوله (ویکره) جزم بالکراهة تبعا للبحر والنهر، والذي في الفتح، وفي أنت أمي لا یکون مظاهرا، وینبغي أن یکون مکروها، فقد صرحوا بأن قوله لزوجته یا أخیة مکروه.** (الدرالمختار مع الشامي، کتاب الطلاق، باب الظهار، مکتبه زکریا دیوبند ٥/ ١٣١، کراچی ٣/ ٤٧٠)

وقید بالتشبیه؛ لأنه لو خلا عنه بأن قال: أنت أمي لا یکون مظاهرا لکنه مکروه لقربه من التشبیه الخ. (البحرالرائق، کتاب الطلاق، باب الظهار، مکتبه زکریا دیوبند ٤/ ١٦٥، کوئٹه ٤/ ٩٨)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مسلمانوں کی حالت معلوم ہوتی ہے، یعنی کہیں تو مسلمان سخت مصائب میں گرفتار ہیں، کہیں مسلمانوں پر کفار حملہ کررہے ہیں، جس کا دفعیہ ہر مسلمان پر واجب ہے، کہیں اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات کئے جاتے ہیں، جس کا ثبوت مسلمانوں پر ضروری ہے، یہ سب باتیں اکثر اخبار ہی کے ذریعہ معلوم ہوتی ہیں، تو اِس حالتِ گونا گوں میں زید کا قول صحیح ہے یا عمرو کا؟ بینوا توجروا۔ بحوالۂ کتب۔

الجواب : جو شخص مفاسد سے بچ سکے اس کو تحصیل مصالح کے لئے اخبار بینی جائز ہے، ورنہ مفاسد سے بچنا اہم ہے جلب مصالح سے (۱)۔ ۲۵/ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۷۶)

افکار دینی ضمیمہ اخبار بینی

بعد الحمد والصلوٰۃ! احقر نے ۱۳۴۳ھ میں ایک رسالہ اخبار بینی کے مفاسد کے متعلق لکھا تھا اور یہی اس کا نام تھا، اور اس کے ختم پر بعنوان تنبیہ یہ تصریح کردی تھی کہ اگر کسی اخبار کے بائع ومشتری میں یہ مفاسد نہ ہوں تو میں حلال کو حرام نہیں کہتا؛ لیکن اس کا مصداق بہت قلیل ہے، چونکہ اس تنبیہ کا مضمون گو مبہم تو نہ تھا؛ بلکہ مفسّر تھا؛ لیکن مجمل تھا؛ اس لئے قاصر النظر لوگوں نے اس کو یا دیکھا نہیں یا سمجھا نہیں، اور بیجا اعتراضات کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اس حالت میں تو اخبار کا وجود ہی اُڑ جائے گا اس لازم کی تغلیط کے لئے میری ایک تقریر ملفوظ اور ایک تحریر محفوظ شائع ہوچکی ہے، اس وقت سہولت ناظرین کے لئے مناسب معلوم ہوا کہ ان دونوں کے مختصر اقتباسات سے نفس اخبار کی مشروعیت اور خاص آداب سے اس کی مشروعیت قلمبند کرکے دکھلا دیں کہ ان آداب کی رعایت کے ساتھ اخبار جاری رہ سکتا ہے؛ البتہ بقدر ضرورت علم دین کی ضرورت

---

(۱) **درء المفاسد أولى من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالبا؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتناءه بالمأمورات، ولذا قال عليه الصلاة والسلام: إذا أمرتكم بشيء فأتوا منه ما استطعتم، وإذا نهيتكم عن شيء فاجتنبوه، وري في الكشف حديثا لترك ذرة مما نهى الله عنه أفضل من عبادة الثقلين.** (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال قديم ص: ۱۴۷، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۲۶۴)

درء المفاسد أولى من جلب المصالح. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۸۱)

شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۳۲، رقم المادة: ۳۰۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہے، اور اگر خود ایڈیٹر صاحب علم نہ ہو تو اخبار کا مسودہ مرتب کر کے کسی محقق مبصر عالم کی خدمت میں خود حاضر ہو کر اصلاح کے لئے پیش کر دے، وہ ان مضامین کو آداب شرعیہ پر منطبق فرما کر زبانی سمجھا دیں گے، ذیل میں ان ہی آداب کی تفصیل ہے، اور اس عجالہ کو افکار دینی کے لقب سے اور اس کے اجزاء کو عنوانِ فکر سے ملقب کرتا ہوں اور اس کو اخبار بینی کا ضمیمہ بناتا ہوں۔

فکر اوّل: جو اخبار حدود شرعیہ کے خلاف ہو اس کا مذموم ہونا اس آیت سے معلوم ہوتا ہے: **وإذا جاءهم أمر من الأمن أو الخوف -إلى قوله- يستنبطونه منهم.** یعنی جب ان لوگوں کو کسی امر (جدید) کی خبر پہنچتی ہے خواہ (وہ امر موجب) امن ہو یا (موجب) خوف تو اس (خبر) کو (فوراً) مشہور کر دیتے ہیں (اس میں ایسے اخبار اور ایسے جلسے بھی آ گئے، حالانکہ کبھی وہ غلط ہوتی ہے، کبھی اس کا مشہور کرنا خلاف مصلحت ہوتا ہے) اور اگر (بجائے خود مشہور کریں گے) یہ لوگ اس (خبر) کو رسول اللہ ﷺ (کی رائے) کے اوپر اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں (یعنی اکابر صحابہؓ) ان (کی رائے) کے اوپر حوالہ رکھتے (اور خود کچھ دخل نہ دیتے) تو اس کو وہ حضرات پہچان لیتے ہیں جو ان میں تحقیق کر لیا کرتے ہیں (پھر جیسا یہ حضرات عمل درآمد کرتے ویسا ہی اِن خبر اُڑانے والوں کو کرنا چاہئے تھا)۔ (نساء) (۱)۔

فکر ثانی: اور جو اخبار حدود شرعیہ کے اندر ہو اس کا مفید ہونا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، یعنی ابن ابی ہالہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے حالات کی تلاش رکھتے تھے (اور (خاص) لوگوں سے پوچھتے رہتے کہ (عام) لوگوں میں کیا واقعات (ہو رہے) ہیں (۲) (شمائل ترمذی) ف اخبار کا یہی حاصل ہے۔

---

(۱) سورة النساء، رقم الآية: ۸۳۔

(۲) عن الحسن بن علي رضي الله عنه قالت: سألت خالي هند بن أبي هالة وكان وصّافا عن حلية النبي صلى الله عليه وسلم، وأنا اشتهي أن يصف لي منها شيئا، فقال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم فخما مفخما يتلألأ وجهه تلألأ القمر ليلة البدر، فذكر الحديث بطوله ...... وكان من سيرته في جزء الأمة إيثار أهل الفضل بإذنه وقسمه على قدر فضلهم في الدين، فمنهم ذو الحاجة، ومنهم ذو الحاجتين، ومنهم ذو الحوائج، فيتشاغل بهم ويشغلهم فيما يصلحهم، والأمة من مسئلتهم عنه، وأخبارهم بالذي ينبغي لهم ويقول: ليبلغ الشاهد منكم الغائب، وابلغونى حاجة من لا يستطيع إبلاغها؛ فإنه من أبلغ سلطانا حاجة ←

فکر ثالث : اس باب میں سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی بات کا قلم سے لکھنا بعینہٖ وہی حکم رکھتا ہے جو زبان سے کہنے کا ہے، جس بات کا زبان سے ادا کرنا ثواب ہے اس کا قلم سے لکھنا بھی ثواب ہے، اور جس کو بولنا گناہ ہے اُس کا قلم سے لکھنا بھی گناہ ہے؛ بلکہ لکھنے کی صورت میں ثواب اور گناہ دونوں میں ایک زیادتی ہوتی ہے؛ کیونکہ تحریر ایک قائم رہنے والی چیز ہے، مدتوں تک لوگوں کی نظر سے گذرتی رہتی ہے؛ اس لئے جب تک وہ دنیا میں موجود رہے گی، اور لوگ اس کے اچھے یا بُرے اثر سے متاثر ہوتے رہیں گے اُس وقت تک کاتب کے لئے اس کا ثواب یا عذاب جاری رہے گا (۱) اس لئے ہر مضمون نگار کا فرض ہے کہ ہر مضمون پر قلم اُٹھانے سے پہلے اس کو مندرجہ ذیل معیار پر جانچ لے، اور درحقیقت یہی معیار تمام اُن آداب کی مجمل تصویر کا ہے، جن کی تفصیل ہم اس وقت ہدیۂ ناظرین کرنا چاہتے ہیں۔

فکر رابع: مضمون نگاری اور اخبار نویسی میں مذہبی جرائم اور شرعی گرفت سے بچنے کا سب سے بہتر ذریعہ اور جامع و مانع اصول یہ ہے کہ جس وقت کسی چیز کے لکھنے کا ارادہ کرلے پہلے اپنے ذہن میں استفتاء کرے کہ اس کا لکھنا میرے لئے جائز ہے یا نہیں (۲)۔ اگر جائز ثابت ہو تو قدم آگے بڑھائے،

← **من لا يستطيع إبلاغها ثبت الله قدميه يوم القيامة. الحديث** (شمائل ترمذي، باب ماجاء في تواضع رسول الله صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ص: ٢٢)

(۱) **فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من سن في الإسلام سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها بعده من غير أن ينقص من أجورهم شيء، ومن سن في الإسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أوزارهم شيء.** (مسلم شريف، كتاب الزكوة، باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة أو كلمة طيبة وأنها حجاب من النار، النسخة الهندية ١/ ٣٢٧، بيت الأفكار، رقم: ١٠١٧)

عن المنذر بن جرير عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من سنّ سنة حسنة فعمل بها كان له أجرها، ومثل أجر من عمل بها لا ينقص من أجورهم شيئا، ومن سن سنة سيئة فعمل بها كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده لا ينقص من أوزارهم شيئا. (ابن ماجه شريف، المقدمة، باب من سن سنة حسنة أو سيئة، النسخة الهندية ص: ١٨، دارالسلام رقم: ٢٠٣)

(۲) **عن وابصة بن معبد الأسدي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لوابصة:** ←

ورنہ بعض لوگوں کے خوش کرنے کے لئے گناہ میں ہاتھ رنگ کر پرائی بدشگونی کے لئے اپنی ناک نہ کاٹے، اور اگر خود احکامِ شرعیہ میں ماہر نہ ہو تو کسی ماہر سے استفتاء کرنا ضروری ہے، یہ ایک شرعی اجمالی قانون ہے جو فقط اخبار نویسی میں نہیں بلکہ ہر قسم کی تحریر میں ہر مسلمان کا مطمحِ نظر ہونا چاہئے، اس کے بعد ہم اس کی تفصیل چند نمبروں میں ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

(۱) جو واقعہ کسی شخص کی مذمت اور معائب پر مشتمل ہو اس کو اس وقت تک ہرگز شائع نہ کیا جائے جب تک حجتِ شرعیہ سے اس کا کافی ثبوت نہ مل جائے؛ کیونکہ جھوٹا الزام لگانا یا افتراء باندھنا کسی کافر پر بھی جائز نہیں (۱) لیکن آہ آج اہلِ قلم اس سے غافل ہیں، اور اخبار کا شاید کوئی صفحہ اس سے خالی ہوتا ہو۔

(۲) یہ بات بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس معاملہ میں حجتِ شرعیہ کے لئے کسی افواہ کا عام ہونا یا کسی اخبار کا لکھ دینا ہرگز کافی نہیں؛ بلکہ شہادتِ شرعیہ ضروری ہے؛ کیونکہ دورِ حاضر کے تمام اخبارات کے صدہا تجربات نے اس بات کو ناقابلِ انکار کر دیا ہے کہ بہت سے مضامین اور واقعات اخبارات میں شائع ہوتے ہیں، اور جس شخص کی طرف سے شائع کئے جاتے ہیں، اس غریب کو خبر تک نہیں ہوتی، اور یہ صورت کبھی تو قصداً کی جاتی ہے، اور کبھی سہواً وخطأً ہو جاتی ہے: اس لئے اگر کسی اخبار میں کسی شخص کے حوالہ سے کوئی مضمون یا واقعہ نقل کر دیا جائے تو شرعاً اس کو ثابت نہیں کیا جا سکتا؛ البتہ اگر یہ واقعہ کسی کی مذمّت یا مضرت یا عیب جوئی پر مشتمل نہ ہو تو پھر یہ ضعیف ثبوت بھی کافی ہے، اور اس کو نقل کر کے شائع کر دیا جائے۔

(۳) کسی شخص کے عیب یا گناہ کا واقعہ اگر حجتِ شرعیہ سے بھی ثابت ہو جائے تب بھی اس کی اشاعت اور درجِ اخبار کرنا جائز نہیں؛ بلکہ اس وقت فرض یہ ہے کہ خیر خواہی سے تنہائی میں اس کو سمجھایا

← جئت تسأل عن البر والإثم؟ قال: قلت: نعم، قال: جمع أصابعه فضرب بها صدره وقال: استفت نفسک استفت قلبک یا وابصة -ثلاثا- البر ما اطمأنت إلیه النفس واطمأن إلیه القلب، والإثم ماحاک في النفس، وتردد في الصدر، وإن أفتاک الناس وأفتوک.

(مسند الدارمي، کتاب البیوع، باب دع ما یریبك إلی مالا یریبك، دارالمغني للنشر والتوزیع الریاض ۳/ ۱٦٤۹، رقم: ۲٥۷٥)

(۱) وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُکُمُ الْکَذِبَ هٰذَا حَلَالٌ وَهٰذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ. [سورۃ النحل، رقم الآیة: ۱۱٦]

جائے، اگر سمجھانے کو نہ مانے اور آپ کو قدرت ہو تو بجبر اس کو روک دیں، ورنہ کلمۂ حق پہنچا کر آپ اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں، اس کی اشاعت کرنا اور رسوا کرنا علاوہ نہی شرعی کے تجربہ سے ثابت ہے کہ بجائے مفید ہونے کے ہمیشہ مضر ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے رحمۃ للعالمین ﷺ نے متعدد احادیث میں اس کی تاکید فرمائی ہے، کہ اگر اپنے بھائی مسلمان کا عیب یا گناہ ثابت ہو تو اس کو رُسوا نہ کرے؛ بلکہ پردہ پوشی سے کام لے(۱) اور خفیہ اس کو سمجھائے؛ کیونکہ یہی طرز زیادہ مؤثر اور مفید ثابت ہوا ہے۔

(۴) البتہ اگر کسی مسلمان کا عیب یا گناہ حجّت شرعیہ سے ثابت ہو کہ جس کا نقصان اپنی ذات کو پہنچتا ہے، اور یہ اس سے مظلوم ٹھہرتا ہے تو پھر اس کی بُرائی کو علانیہ شائع کرسکتا ہے، اس کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لا یحب اللّٰہ الجھر بالسوء من القول الامن ظلم** (۲)۔ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ بُرائی کے اعلان کو پسند نہیں فرماتے مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو (وہ ظالم کے ظلم کا اعلان کرسکتا ہے) امام تفسیر مجاہدؒ کہتے ہیں کہ اس آیت کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں فرماتے کہ کوئی شخص کسی کی مذمّت کرے، یا شکایت کرے؛ لیکن اگر کسی پر ظلم ہو تو اُس کے لئے جائز ہے کہ ظالم کی شکایت کرے، اور اپنے معاملہ کا اعلان کرے، اور اس کے ظلم کو لوگوں پر ظاہر کرے (روح المعانی (۳) لیکن اس صورت میں بھی بہتر یہ ہے کہ عام اعلان واشاعت کے بجائے صرف اُن لوگوں کے سامنے بیان کرے جو اس کی دادرسی کرسکیں۔

---

(۱) عن عبدالله بن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه، ومن كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته، ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه كربة من كربات يوم القيامة، ومن ستر مسلما ستره الله يوم القيامة.

(بخاري شريف، كتاب المظالم، باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه، النسخة الهندية ١/ ٣٣٠، رقم: ٢٣٧٨، ف: ٢٤٤٢)

مسلم شريف، كتاب البر والصلة، باب تحريم الظلم، النسخة الهندية ٢/ ٣٢٠، بيت الأفكار رقم: ٢٥٨٠۔

ترمذي شريف، كتاب الحدود، باب ماجاء في الستر على المسلم، النسخة الهندية ١/ ٢٦٣، دارالسلام رقم: ١٤٢٦۔

(۲) سورة النساء، رقم الآية: ١٤٨۔

(۳) وعن مجاهد أن المراد لا يحب الله سبحانه أن يذم أحد أحدا أو يشكوه ←

(۵) اگر کسی اخبار میں کوئی قابل تردید غلط مضمون کسی شخص کے نام سے طبع ہوا ہو تو اس کے جواب میں صرف اس پر اکتفا کیا جائے کہ فلاں اخبار نے ایسا لکھا ہے، اس کا جواب یہ ہے: اس شخص کی ذات پر کوئی حملہ نہ کیا جائے؛ کیونکہ ابھی تک کسی حجّت شرعیہ سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ واقع میں یہ مضمون اس شخص کا ہے۔

(۶) جو خبر کسی شخص کی مذمت اور ضرر پر مشتمل نہ ہو، اس کی اشاعت جائز ہے، مگر اس شرط سے کہ اس کی اشاعت کسی مسلمان کی خاص مصلحت یا عام مصلحت کے خلاف نہ ہو، اور جس میں ایسا احتمالِ ضعیف بھی ہو تو بجز اُن لوگوں کے جو عقل اور شرع کے موافق اس معاملہ کو ہاتھ میں لئے ہوئے ہوں عام لوگوں پر اس کو ظاہر کرنا نہ چاہئے؛ کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے نقصانات کی طرف اس شخص کی نگاہ نہ پہنچی ہو۔ آیت: **وإذا جاء هم أمر من الأمن أو الخوف أذاعوا به** (۱) میں ایسے ہی اخباروں اور جلسوں کی مضرت اور مذمت کو بیان فرمایا ہے (جیسا اوپر بھی گذرا ہے) لیکن مسلمان کے لئے مناسب ہے کہ اس کو بھی خبر کی حیثیت سے نقل نہ کرے؛ بلکہ اس سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ پیدا کرے، اس کی نقلی دلیل یہ ہے:

من حسن إسلام المرء تركه مالا يعنيه (۲)۔ (ترجمہ): ’’انسان کے اسلام کے اچھا ہونے کی علامت یہ ہے کہ بے فائدہ کاموں کو چھوڑ دے‘‘۔

اور عقلی دلیل یہ ہے کہ کوئی خبر خود مقصود نہیں ہوتی؛ بلکہ ہمیشہ کسی انشاء کا ذریعہ ہو کر مقصود کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور دراصل مقصود کوئی فعل ہوتا ہے، جو اس خبر سے متعلق ہو؛ اس لئے بہتر ہے کہ نتائجِ اخبار کو بھی ذکر کر کے اس کے افادہ میں اضافہ کر دیا جائے، مثلاً آپ کسی شخص کے متعلق یہ خبر درج کرتے ہیں کہ اس نے چند ہزار روپے کسی مدرسہ یا مسجد یا کسی اور نیک کام میں صرف کیا تو اس کے بعد اس شخص کے لئے

← **إلا من ظلم، فيجوز له أن يشكو ظالمه ويظهر أمره، ويذكره بسوء ما قد صنعه.** (روح المعاني، سورة النساء، آیت: ۱۴۸، مکتبه زکریا دیوبند ۴/ جزء ۶/ ۳)

(۱) سورة النساء، رقم الآية: ۸۳۔

(۲) **عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حسن إسلام المرء تركه مالا يعنيه.** (ترمذي شريف، كتاب الزهد، باب فيمن تكلم بكلمة يضحك بها الناس، النسخة الهندية ۲/ ۵۸، دارالسلام رقم: ۲۳۱۷)

دعاء ترقی اور دوسرے مسلمانوں کے لئے اس کی ترغیب ذکر کردی جائے، یا مسلمانوں کی کسی جماعت یا ایک شخص کی معصیت کا ذکر آیا تو خود بھی دعاء کرے اور مسلمانوں کو بھی اس کی طرف متوجہ کرے، نیز یہ کہ جس سے ہو سکے تو اس کی مادی امداد بھی کرے، کسی کی موت کا ذکر کیا ہے تو لوگوں کو اُس طرف متوجہ کرے کہ عبرت حاصل کریں، اور اپنے لئے اس وقت کے لئے سامان تیار کریں، اوّل تو کوئی واقعہ اور کوئی خبر دنیا میں ایسی کم ہوتی ہے جو نتیجہ خیز نہ ہو یا کوئی دینی یا دنیوی فائدہ متصور نہ ہو؛ لیکن اگر کوئی خبر ایسی بھی ہو تب بھی اس کو محض تفریح طبع کی مد میں ذکر کر دینا مضائقہ نہیں بلکہ یہ ایک درجہ میں شرعاً مطلوب ہے، جب اعتدال کے ساتھ ہو، اور حضرت نبی کریم ﷺ کا بعض اوقات مزاح (خوش طبعی) فرمانا اس حکمت پر مبنی تھا (۱)۔

(۷) خلاف شرع مضامین اور ملحدین کے عقائد باطلہ اوّل تو شائع نہ کئے جائیں، اور اگر کسی ضرورت سے اشاعت کی نوبت آئے تو جس پرچہ میں شائع ہوں، اُسی پرچہ میں ان کی تردید اور شافی جواب بھی ضرور شائع کر دیئے جائیں، آئندہ پرچہ پر اس کو حوالہ نہ کیا جائے؛ کیونکہ بہت سے آدمی وہ ہوتے ہیں جن کی نظر سے آئندہ پرچے نہیں گذرتے۔ خدانخواستہ اگر وہ اس سے کسی شبہ میں گرفتار ہو گئے تو اس کا سبب شائع کرنے والا ہوگا۔

(۸) اگر مسلمانوں پر کافروں کے ظلم کی خبر شائع کرنا ہو تو جب تک اس ظلم کی نسبت کافروں کی طرف حجّتِ شرعیہ سے ثابت نہ ہو، اس طرح شائع کیا جائے کہ فلاں مقام کے مسلمانوں پر مظالم ہو رہے ہیں، مسلمان ان مظالم کا انسداد کریں، اور جائز طریق پر اُن کی جانی و مالی امداد کریں۔

(۹) اخبار کا ایڈیٹر ہمیشہ ایسا شخص بنے جو تمام علوم اسلامیہ پر عبور رکھتا ہو، یا کم از کم علماء سے رجوع کرنے کا پابند ہو، اور مذہب سے ہمدردی رکھنے والا ہو، ورنہ ظاہر ہے کہ اخبار اشاعت بے دینی و بے قیدی کا ایک کامیاب آلہ ہے۔

---

(۱) اعلم أن المزاح المنهي عنه هو الذي فيه إفراط ويداوم عليه، فإنه يورث الضحک وقسوة القلب، ويشغل عن ذكر الله والفكر في مهمّات الدين ويؤول في كثير من الأوقات إلى الإيذاء ويورث الأحقاد ويسقط المهابة والوقار، فأما ما سلم من هذه الأمور فهو المباح الذي كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعله على الندرة لمصلحة تطييب نفس المخاطب ومؤانسته وهو سنة مستحبة فاعلم هذا، فإنه مما يعظم الاحتياج إليه. (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب المزاح، الفصل الأول، مكتبه إمداديه ملتان ۹/ ۱۷۱)

(۱۰) کسی ایسی کتاب کا جو دین کو مضر ہو، یا ایسی دوا کا جو شرعاً حرام ہو، یا کسی ایسے معاملہ کا جو شرعاً فاسد ہو اشتہار نہ دیا جاوے(۱) اور نہ اخبار میں تصویر بنائی جائے (۲)۔

یہ مختصر گذارش ہے جو محض دل سوزی اور ہمدردی پر مبنی ہے، اگرچہ زمانہ کی مسموم ہوا میں کارگر ہونے کی توقع نہیں؛ لیکن بایں امید کہ شاید خدا تعالےٰ کسی نیک بندہ کو عمل اور اصلاح کی توفیق عطا فرماویں، یہ سب عرض کردیا گیا۔ وللہ الحمد۔

فکرِ خامس: آدمی دنیا میں ذخیرۂ آخرت جمع کرنے کے لئے آیا ہے، پس اصل کام اُس کا شغلِ دینی ہے؛ لیکن بضرورت اسی شغل دینی کی اعانت وتقویت کے لئے دنیوی مشاغل کی بھی اجازت دی گئی ہے، بشرط اعتدال واباحت (۳) پس اسی قاعدہ کو پیش نظر رکھ کر جو چیز اس دائرہ سے باہر ہو اُس سے مجتنب رہے، اور اسی قاعدہ کی معرفت کے لئے کتب ورسائل دینیہ کا پڑھنا سننا اور علماء کی صحبت لازم سمجھے۔ **وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ، تمت الضميمة.**

۴ر شعبان ۱۳۴۹ھ (النور صفر ۵۰ھ ص ۳)

---

(۱) **وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ.** [سورة المائدة، رقم الآية: ۲]

(۲) **عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابا يوم القيامة المصورون.** (بخاري شريف، باب عذاب المصورين يوم القيامة، النسخة الهندية ۲/ ۸۸۰، رقم: ۵۷۱۷، ف: ۵۹۵۰)

مسلم شريف، باب لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا صورة، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۱، بيت الأفكار رقم: ۲۱۰۹۔

عن ابن عباس رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من صور صورة في الدنيا كلف أن ينفخ فيها الروح يوم القيامة، وليس بنافخ. (بخاري شريف، باب من صور صورة كلف يوم القيامة، أن ينفخ فيها الروح وليس بنافخ، النسخة الهندية ۲/ ۸۸۱، رقم: ۵۷۳۰، ف: ۵۹۶۳)

(۳) **عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ألا إن الدنيا ملعونة ملعون ما فيها إلا ذكر الله وما والاه وعالم أو متعلم.** (ترمذي شريف، كتاب الزهد، باب منه، النسخة الهندية ۲/ ۵۸، دارالسلام رقم: ۲۳۲۲) ←

جب روپیہ بدون نالش کے وصول ہو جائے تو زرِ خرچہ مقدمہ کی واپسی لازم ہے

سوال (۲۵۱۲): قدیم ۴/۱۶۵- چندروز ہوئے کہ ہندو کاریگر کو ہمارے منیجر نے ۲۰۰ روپے کچھ سامان بنانے کے لئے پیشگی دس روز کے وعدہ پر دیئے تھے، مگر کاریگر نے اپنی بددیانتی سے روپیہ دوسرے کاموں میں صرف کرڈالے، اور دو ماہ کے بعد بھی ہمارا مال بنا کر نہ دیا، اُسے نوٹس دیا گیا کہ ہمارا روپیہ مع خرچہ کے واپس کردو، ورنہ نالش کر دی جاوے گی، چنانچہ منیجر نے اس سے اپنے طور سے سمجھا بجھا کر علاوہ اصل دوسو روپے کے بارہ روپے خرچہ کے بھی وصول کر لئے، اور اس میں سے چھ روپے اپنی محنت کاٹ کر باقی چھ روپے ہمیں دیئے کہ یہ تمہارا حصّہ ہے؛ لیکن میں نے اُسے سُود سمجھ کر لینے سے انکار کیا، تو اُس نے کہا اچھا یہ رقم غریبوں کو تقسیم کر دینا؛ لیکن میں نے اُسے بطور امانت کے رکھ دیا ہے، اس کے متعلق جو حکم شرع ہو اس سے آگاہ فرمایا جاوے؟

الجواب: نالش وغیرہ میں اگر کچھ صرفہ ہوا ہو حسب فتویٰ بعض علماء اس کو تو آپ رکھ سکتے ہیں (۱)

← **وإذا عرفت حقيقة الدنيا فدنياک ما لک فيه لذة في العاجل وهي مذمومة فليست وسائل العبادات من الدنيا كأكل الخبز مثلا للتقوي عليها وإليه الإشارة بقوله: الدنيا مزرعة الآخرة، وبقوله صلى الله عليه وسلم: الدنيا ملعونة وملعون ما فيها إلا ما كان لله منها، وقال ابن عباس رضي الله عنه: إن الله تعالىٰ جعل الدنيا ثلاثة أجزاء، جزء للمؤمن، وجزء للمنافق، وجزء للكافر، فالمؤمن يتزود، والمنافق يتزين، والكافر يتمتع.** (مرقاة المفاتيح، كتاب الرقاق، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ۹/ ۳۶۲-۳۶۳)

(۱) **وكذا يضمن لو سعى بغير حق عند محمدؒ زجرا له أي للساعي وبه يفتى.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الغصب، مطلب في ضمان الساعي، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۳۰۹، كراچی ۶/ ۲۱۳)

وكذا ضمن الساعي لو سعى بغير حق عند محمدؒ زجرا له وبه يفتى لكثرة السعاة في زماننا. (مجمع الأنهر، كتاب الغصب، فصل ثالث، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۹۹)

وكذا يضمن لو سعى بغير حق عند محمدؒ زجرا للساعي وبه يفتى، و يعزر ولو مات الساعي فللمسعى به أن يأخذ قدر الخسران من تركته وهو الصحيح. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۳۰۵) ←

اور اس سے جو زائد ہوا صل مالکِ رقم کو واپس کر دینا ضروری ہے (۱) اگر صریحًا واپسی خلافِ مصلحت ہو تو اور کسی ذریعہ سے اور کسی عنوان سے واپس کر دینا چاہئے (۲)۔

قرب ۱۳۳۸ھ (حوادث خامسہ ص ۳۳)

← سکب الأنهر علی هامش مجمع الأنهر، کتاب الغصب، دارالکتب العلمیة بیروت ٤/ ٩٨۔

(۱) **ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه، ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالک، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلک الأموال على الفقراء.** (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، قدیم ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلامية بیروت ١/ ٣٥٩، تحت رقم الحدیث: ٥٩)

ويردونها على أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع، مکتبه زکریا دیوبند ٩/ ٥٥٣، کراچی ٦/ ٣٨٥)

تبیین الحقائق، کتاب الکراهیة، فصل في البیع، مکتبه زکریا دیوبند ٧/ ٦٠، إمدادیه ملتان ٦/ ٢٧۔

(۲) **ويبرأ بردها ولو بغير علم المالک. في البزازية: غصب دراهم إنسان من كيسه، ثم ردها فيه بلا علمه برئ، وكذا لو سلمه إليه بجهة أخرى كهبة أو إيداع أو شراء، وكذا لو أطعمه فأكله خلافا للشافعي. زيلعي** (الدرالمختار مع الشامي، کتاب الغصب، مطلب في رد المغصوب، وفیما لو أبی المالك قبوله، مکتبه زکریا دیوبند ٩/ ٢٦٦-٢٦٧، کراچی ٦/ ١٨٢)

ولو أطعم الغاصب المغصوب مالكه برئ، وإن لم يعلمه، أي وإن لم يعلم الغاصب المالک أنه طعامه؛ لأنه عين ماله، وصل إليه فلا يضمنه ثانيا، وكذا فيما إذا لبس الثوب المغصوب مالكه خلافا للشافعي. (مجمع الأنهر، کتاب الغصب، دارالکتب العلمیة بیروت ٤/ ١٠٠)

تبیین الحقائق، کتاب الغصب، مکتبه زکریا دیوبند ٦/ ٣١٦، إمدادیه ملتان ٥/ ٢٢٢۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

زیر پائی (زنانی جوتی) کا حکم

سوال (۲۵۱۳): قدیم ۴/۱۶۵- زیر پائی کا حکم مردوں کے لئے کیا ہے، اور عورتوں کے لئے کیا ہے، مجھے شبہ تشبہ بالفسّاق کا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: زیر پائی سے قلب میں وجداناً تو انکار معلوم ہوتا ہے، باقی وجہ پورے طور سے ذہن میں حاضر نہیں(۱)۔ ۹ ۱۳۳۹ھ (حوادث ص ۳۷)

یزید کی طاعت سے خروج کے عدم جواز پر شبہ کا جواب

سوال (۲۵۱۴): قدیم ۴/۱۶۵- ایک امر میں مجھے اندیشہ ہے، حل کر دیجئے، وہ یہ ہے کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ گو فاسق وظالم ہو اُس سے بغاوت وخروج عن الاطاعت نہیں روا ہے، یزید اگرچہ فاسق ہو لیکن امور شرعیہ میں زیر اطاعت اس کے رہنا چاہئے تھا یا نہیں؟ پھر اتنے بڑے امام کیونکر خلاف شرع بغاوت کر سکتے ہیں، ورنہ بغاوت کا دھبّہ لگے گا؟

الجواب: اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے، کہ فاسق امام ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اسی

---

(۱) زیر پائی چونکہ ایک قسم کی زنانی جوتی ہے؛ لہٰذا اس کا استعمال عورتوں کے لئے جائز ہے؛ البتہ مردوں کے لئے تشبہ بالنساء کی وجہ سے اس کا استعمال ناجائز ہے۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال. (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب المتشبهين بالنساء والمتشبهات بالرجال، النسخة الهندية ۲/ ۸۷۴، رقم: ۵٦۵۷، ف: ۵۸۸۵)

ترمذي شريف، كتاب الأدب، باب ماجاء في المتشبهات بالرجال من النساء، النسخة الهندية ۲/ ۱۰٦، دارالسلام رقم: ۲۷۸٤۔

أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في لبس النساء، النسخة الهندية ۲/ ۵٦٦، دارالسلام رقم: ٤۰۹۷۔

ابن ماجه شريف، كتاب النكاح، باب في المخنثين، النسخة الهندية ص: ۱۳۷، دارالسلام رقم: ۱۹۰٤۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

طرح یہ کہ فسق طاری سے منعزل ہوجاتا ہے یانہیں؟ ونیز یہ کہ مدار امامت کا اتفاق ہے اہل حل وعقد کا، اور اہل حل وعقد ہونا امر اجتہادی ہے، پس ان سب امور میں حضرت امام ہمام کے اجتہاد میں اس کی امامت صحیح نہ تھی (۱)۔ لہٰذا خروج کا شبہ اُن پر نہیں ہوسکتا۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

۲۳/ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد ثالث ص ۱۴۵)

---

(۱) شرط الإمام بعد الإسلام خمسة: الذكورة، والورع، والعلم، والكفاءة، ونسب قريش: أي كونه من أولاد النضر بن كنانة خلافا لكثير من المعتزلة، ولا يشترط كونه هاشميا ولا معصوما خلافا للروافض، وعند الحنفية ليست العدالة شرطا للصحة، فيصح تقليد الفاسق مع الكراهة، وإذا قلد عدلا ثم جار وفسق لا ينعزل، ويستحق العزل إن لم يستلزم فتنة، ويجب أن يدعى له ولا يجب الخروج عليه، كذا عن أبي حنيفة وكلمتهم قاطبة في توجيهه أن الصحابة صلوا خلف بعض بني أمية وقبلوا الولاية عنهم، ولا يخفى أن أولئک كانوا ملوكا والمتغلب تصح منه هذه الأمور للضرورة، وليس من شرط صحة الصلاة خلاف الإمام عدالته، وصار كما لو يوجد قريشي عدل أو وجد ولم يقدر على توليته لغلبة الجورة الخ. (المسايرة في علم الكلام والعقائد التوحيدية المنجية في الآخرة للعلامة ابن الهمام، شروط الإمامة، المطبعة المحمودية التجارية بمصر ص: ۱۶۹-۱۷۰)

ويكره تقليد الفاسق: أشار إلى أنه لا تشترط عدالته وعدها في المسايرة من الشروط وعبر عنها تبعا للإمام الغزالي بالورع ...... وعند الحنفية: ليست العدالة شرطا للصحة، فيصح تقليد الفاسق الإمامة مع الكراهة، وإذا قلد عدلا ثم جار وفسق لا ينعزل، ولكن يستحق العزل إن لم يستلزم فتنة، ويجب أن يدعى له ولا يجب الخروج عليه، كذا عن أبي حنيفة وكلمتهم قاطبة في توجيهه هو أن الصحابة صلوا خلف بعض بني أمية، وقبلوا الولاية عنهم، وفي هذا نظر: إذ لا يخفى أن أولئک كانوا ملوكا تغلبوا، والمتغلب تصح منه هذه الأمور للضرورة، وليس من شرط صحة الصلاة خلف إمام عدالته، وصار الحال عند التغلب كما لم يوجب أو وجد ولم يقدر على توليته لغلبة الجورة. كلام المسايرة للمحقق ابن الهمام. (شامي كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب شروط الإمام الكبرى، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۸۲-۲۸۳، كراچى ۱/ ۵۴۹)

الموسوعة الفقهية الكويتية ۶/ ۲۱۹-۲۲۰۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کی توبہ

سوال (۲۵۱۵): قدیم ۴/۱۶۶- ایک مقام پر ایک گستاخ کافر نے حضور اقدس ﷺ کی جناب میں گستاخانہ حالات شائع کئے تھے۔ مسلمانوں کے مواخذہ پر اُس نے علماء کی ایک باقاعدہ جمعیت سے معافی چاہی اور آئندہ احتیاط رکھنے کا، اور فی الحال اپنی اس غلطی و درخواست معافی کا اخباروں میں اعلان کر دینے کا وعدہ کیا، اس میں اکثر مسلمانوں کی رائے اس کو منظور کر لینے کی ہوگئی، اور بعض نے اختلاف کیا اور حکومت موجودہ میں استغاثہ دائر کرنے کی رائے دی، اور استغاثہ کے ناکام ہونے کے احتمال پر بھی استغاثہ ہی کو ترجیح دی، اور دلیل یہ بیان کی کہ یہ حق اللہ کا ہے، اس کی معافی کا حق صرف سلطانِ اسلام کو ہے، اس کے متعلق سوال آیا تھا، جس کا جواب حسب ذیل لکھا گیا؟

الجواب: معافی کی جو حقیقت صاحب شبہ نے سمجھی ہے اُس معنی کر یعنی بعد معافی کے ناگواری نہ رہنا، یہ معافی مذکور فی السوال صورۃً معافی ہے، اسی لئے بعض حضرات کو شبہ ہوگیا کہ حق اللہ کے معاف کرنے کا کسی کو حق نہیں، مگر واقع میں معافی نہیں؛ بلکہ صلح ہے اور صلح سے کوئی امر مانع نہیں (۱) اور صلح جیسے بلاشرط ہوسکتی ہے، اسی طرح شرط پر بھی ہوسکتی ہے، جیسے یہاں یہ شرط مقرر کی جاتی ہے کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرے؛ البتہ صلح میں شرعاً یہ قید ہے کہ مسلمانوں کے حق میں وہ مصلحت ہو، اور یہاں مصلحت ہونا ظاہر ہے

---

(۱) **عن ابن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما.** (ترمذي شريف، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام رقم: ۱۳۵۲)

أبوداؤد شريف، كتاب الأقضية، باب في الصلح، النسخة الهندية ۲/ ۵۰۶، دارالسلام رقم: ۳۵۹۴۔

ابن ماجه شريف، الأحكام، باب الصلح، النسخة الهندية ص: ۱۷۰، دارالسلام رقم: ۲۳۵۳۔

قوله: الصلح جائز بين المسلمين: خصهم لا لإخراج غيرهم بل لدخولهم في ذلك دخولا أولياء اهتماما بشأنهم الخ. (تحفة الأحوذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۴۸۷)

کہ فی الحال اسلام کا اعزاز اور کفر کا اذلال ہے اور فی المآل ایک منکر قبیح کفری کا انسداد ہے، خود معاہد میں بھی اور امید ہے کہ دوسرے متجرّئین میں بھی، کہ اس منکر کا نتیجہ دیکھ کر بعضے عبرت پکڑیں گے اور بعضے مسلمانوں کی رواداری سے متاثر ہوں گے، اور یہ توقعات حکومت سے استغاثہ میں مظنون بھی نہیں؛ بلکہ مشکوک ہیں، چنانچہ فضائے موجود اس کی شاہد ہے، پھر اگر خدانہ کردہ استغاثہ میں کامیابی نہ ہوئی تو اس پر جو مفاسد یقیناً مرتب ہوں گے، اُن کے انسداد پر مسلمانوں کو کوئی کافی قدرت نہیں، ہمیشہ کے لئے ایسے لوگوں کی جرأت بڑھ جاوے گی؛ بلکہ ترقی کر کے کہا جاتا ہے کہ اگر کامیابی بھی ہوگئی تو ظاہر ہے کہ سزائے موت کا تو احتمال بھی نہیں، صرف قید یا جُرمانہ ہوسکتا ہے، سو بہت سے مفسد ایسے ہیں کہ قید وجُرمانہ کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔ ان کو ایک نظیر ہاتھ آجاوے گی اور گو اس صلح کے بعد بھی ایسے واقعات محتمل ہیں مگر مفاسد کی قلت وضعف ومشکوکیت اور زیادت وشدت ومظنونیت کا تفاوت ضرور قابل نظر وقابل عمل ہے، رہا یہ شبہ کہ معافی کا حق صرف سلطان اسلام کو ہے عامۂ مسلمین کو نہیں۔ سو شبہ میں جو دلیل بیان کی گئی ہے کہ یہ حق اللہ ہے، اس کا مقتضا تو یہ ہے کہ سلطان کو بھی یہ حق نہیں؛ کیونکہ سلطان حقوق اللہ کو معاف نہیں کرسکتا، باقی اگر اس دلیل سے قطع نظر کر کے اور اس معافی کو صلح قرار دے کر یا معافی کی تفسیر عدم انتقام فی البیان قرار دے کر یہ حکم کیا جاوے تو اول تو اس حکم کے لئے ایسی دلیل کی حاجت ہے جو سلطان کے ساتھ خاص ہو، سلطان اور عامۂ مسلمین میں مشترک نہ ہو۔ دوسرے خود شریعت نے بہت سے احکام میں ضرورت کے وقت عامۂ مسلمین کو قائم مقام سلطان کے ٹھہرایا ہے، جیسے نصب امام وخطیب جمعہ (۱)

---

(۱) معراج الدراية عن المبسوط: البلاد التي في أيدي الكفار بلاد الإسلام لا بلاد الحرب؛ لأنهم لم يظهروا فيها حكم الكفر بل القضاة والولاة مسلمون يطيعونهم عن ضرورة أو بدونها، وكل مصر فيه وال من جهتهم يجوز له إقامة الجمع والأعياد والحد وتقليد القضاة لاستيلاء المسلم عليهم فلو الولاة كفارا يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين، ويجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب في جواز استنابة الخطيب، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱۴، كراچی ۲/ ۱۴۴)

وفي مفتاح السعادة عن مجمع الفتاوى: غلب على المسلمين ولاة الكفار يجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين، ويجب ←

ونصب متوّلی وقف (۱) اور یہاں اس معاملہ کا احکام مذکورہ سے زیادہ مہتم بالشان اور ضرورت بھی ہونا ظاہر ہے۔ **لفقدان السلطان المسلم.** واللہ اعلم۔

۲۶ ر جمادی الاخریٰ ۱۳۵۰ھ (النور ص ۱۰ ر ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ)

جس تسبیح میں چھوٹا سا فوٹو لگا ہوتا ہے اس کا استعمال

سوال (۲۵۱۶): قدیم ۴/ ۱۶۷- جن تسبیحوں میں بیت اللہ کی تصویر ہوتی ہے، ان میں کچھ آدمیوں کی جماعت طواف کرتی ہوئی نظر آتی ہے، آدمیوں کی شبیہ اس میں ہوتی ہے، تو کیا ایسی صورت میں اس تسبیح کا ہاتھ میں رکھنا جائز ہے؟

← **عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما.** (حاشية الطحطاوي على المراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دارالكتاب ديوبند ص: ۵۰۷)

النهرالفائق، كتاب القضاء، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۶۰۴۔

هندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر: في صلاة الجمعة، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۱۴۶، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۲۰۷۔

(۱) **في مجموع النوازل: سئل شيخ الإسلام عن أهل مسجد اتفقوا على نصب رجل متوليا لمصالح مسجدهم فتولى ذلك باتفاقهم هل يصير متوليا مطلق التصرف في مال المسجد على حسب ما لو قلده القاضي؟ قال: نعم، قال: ومشايخنا المتقدمون رحمهم الله تعالىٰ يجيبون عن هذه المسألة ويقولون: نعم، والأفضل أن يكون ذلك بأمر القاضي، ثم اتفق مشايخنا المتأخرون رحمهم الله تعالىٰ وأستاذنا أن الأفضل أن ينصبوه متوليا ولا يعلموا به القاضي في زماننا لما عرف من طمع القضاة في أموال الوقف.** (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون: في المساجد، المجلس العلمي ۹/ ۱۳۹، رقم: ۱۱۳۹۲)

شامي، كتاب الوقف، مطلب: الأفضل في زماننا نصب المتولي بلا إعلام القاضي، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۶۳۴، كراچی ۴/ ۴۲۲۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون الخ، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۱۸۰، رقم: ۱۱۵۷۱۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في الدرالمختار: لا يكره –إلىٰ قوله– أو كانت صغيرة لا تتبين تفاصيل أعضاء ها للناظر قائماً، وهي على الأرض ذكره الحلبي الخ. وفي ردالمحتار في آخر هذالبحث:

تنبيه: هذا كلّه في اقتناء الصورة، وأما فعل التصوير فهو غير جائز مطلقا؛ لأنه مضاهاة لخلق اللّٰه تعالىٰ كما مرّ. ج ا، ص ٦٧٧، ٦٧٨، ٦٧٩ (١)۔

اس روایت سے دو امر معلوم ہوئے: *ایک یہ کہ ایسی عکسی تصویر بنانا حرام ہے*(۲)۔

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، قبيل مطلب الكلام على اتخاذ المسبحة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٤١٧–٤٢٠، كراچی ١/ ٦٤٨–٦٥٠۔

(۲) **عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابا عند الله يوم القيامة المصورون.** (بخاري شريف، باب عذاب المصورين يوم القيامة، النسخة الهندية ۲/ ۸۸۰، رقم: ۵۷۱۷، ف: ۵۹۵۰)

مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۱، بيت الأفكار رقم: ۲۱۰۹۔

قال ابن عباس رضي الله عنه: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من صور صورة في الدنيا كلف أن ينفخ فيها الروح يوم القيامة، وليس بنافخ. (مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان الخ، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۱، بيت الأفكار رقم: ۲۱۱۰)

قال أصحابنا وغيرهم من العلماء: تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم، وهو من الكبائر؛ لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور في الأحاديث، وسواء صنعه بما يمتهن أو بغيره فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لحق الله تعالىٰ، وسواء كان في ثوب أو بساط أو درهم أو دينار أو فلس أو إناء أو حائط أو غيرها.

(شرح النووي على المسلم، النسخة الهندية ۲/ ۱۹۹) ←

دوسرے یہ کہ ایسی عکسی تصویر کا پاس رکھنا گناہ نہیں۔ **لأنها داخلة في الصغيرة يقيناً، وإن كانت ترىٰ كبيرة لآلة خاصة هي المرآة المكبرة (ا)۔**

۲۰ رشوال ۱۳۳۵ھ (حوادث خامسہ ص ۱۰)

← **قال أصحابنا وغيرهم من العلماء: تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم، وهو من الكبائر؛ لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور في الأحاديث، سواء صنعه في ثوب أو بساط أو درهم أو دينار أو غير ذلک.** (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، باب التصاوير، الفصل الأول، مكتبه إمداديه ملتان ۸/ ۳۲۶)

شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٤۱٦، كراچی ۱/ ٦٤۷۔

(ا) **قوله (إلا أن تكون صغيرة) لأن الصغار جدا لا تعبد فليس لها حكم الوثن، فلا تكره في البيت، والكراهة إنما كانت باعتبار شبه العبادة كذا قالوا: وقد عرفت ما فيه، والمراد بالصغيرة التي لا تبدو للناظر على بعد، والكبيرة التي تبدو للناظر على بعد الخ.** (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۰، كوئٹه ۲/ ۲۸)

إلا أن تكون صغيرة لا تبدو للناظرين على بعد؛ لأنها لا تعبد عادة في هذه الحالة، والكراهة باعتبارها، وفي كراهية الخلاصة صلى ومعه دراهم فيها تماثيل ملک لا بأس به لصغرها. (النهرالفائق، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۸٤)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

المقالةُ المَمالكةُ في تصوّر الحَلِيلة الهَالكة

مردہ بیوی کے تصوّر کے احکام

سوال (۲۵۱۷): قدیم ۴/ ۱۶۷- گذشتہ شب بیدار ہونے پر احتلام کی حالت نظر آئی گھڑی دیکھی تو رات نصف کے قریب باقی تھی، اس لئے سُستی سے پھر لیٹ گیا، غنودگی آمیز بیداری میں زوجۂ متوفاۃ کا استحضار ہوا جس میں قصد واختیار شامل تھا، اس کی شکل کے استحضار سے استلذاذ کی نوبت آتی رہی، غسل کے لئے جب اُٹھا تو معاً خیال آیا کہ موت کی وجہ سے نکاح فسخ ہو چکا، اب وہ اس دنیا کے اعتبار سے اجنبیہ ہوچکی؛ لہٰذا اس کا استحضار اجنبیہ کا استحضار اور اس سے استلذاذ اجنبیہ سے استلذاذ ہوا، جو معصیت کبیرہ ہے، طبیعت سخت پریشان ہوئی، غسل کے بعد توبہ واستغفار کیا، تھوڑے عرصہ بعد پھر خیال آیا کہ اس کی شکل متحضرہ تو حالتِ حیات کی تھی جو زمانہ حلّت کا تھا؛ لہٰذا اس استحضار واستلذاذ میں کیا معصیت ہوئی؟ اس کے بعد سے طبیعت میں تشویش وتردد ہے، اسی طرح اس سے قبل کئی مرتبہ ایسی نوبت آچکی ہے، کہ کبھی کسی مناسبت سے اس متوفاۃ کا ذکر آگیا تو اس کے اعضائے مرئیہ کا مطالعہ نفس میں شروع ہوگیا، جس میں اختیار وقصد کی آمیزش ضرور ہوتی رہی ہے، مگر کبھی تنبّہ نہیں ہوا، اب ناگاہ تنبّہ ہوا تو فکر ہوا؛ اس لئے مؤدبانہ عرض ہے کہ صحیح بات پر متنبّہ فرمادیا جاوے، نیز جو امر قابل تدارک ہے اس کا تدارک بھی ارشاد فرمادیا جاوے؟

الجواب: حالتِ نکاح کی حیثیت سے قبل نکاح یا بعد زوال نکاح عورت کے تصوّر سے تلذّذ کی کئی صورتیں ہیں، بعض کا حکم ظاہر ہے بعض کا قابل نظر ہے۔

(۱) ایک صورت یہ ہے کہ ایک عورت سے نکاح نہیں ہوا، مگر یہ فرض کرے کہ اگر اس سے نکاح ہوجاوے تو اس طرح سے متعہ حاصل کروں، خواہ اس سے نکاح کا ارادہ ہو یا ارادہ بھی نہ ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ یہ تلذذ حرام ہے؛ اس لئے کہ اُس تلذذ کا محل کبھی حلال نہیں ہوا جس میں تمتع بالحلال کا شبہ ہوسکے، اور فیض سے حلّت نہیں ہوتی۔ بعض لوگوں کو ایسا دھوکہ ہوگیا جو مجھ سے بیان لیا گیا، اور میرے جواب سے بفضلہٖ تعالیٰ رفع ہوگیا، جواب کا حاصل یہ تھا کہ بتصریح حدیث تمنی واشتہاء بالقلب زنا ہے (۱)

---

(۱) أخرج المسلم عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم ←

گو درجات میں کچھ تفاوت ہو، مگر نفس معصیت میں اشتراک ہے، اور اگر کوئی یہ فرض کرلے کہ اس عورت سے نکاح ہوجاوے تو اس طرح اس سے ہمبستر ہوں اور ہمبستری کرے، تو کیا یہ فعل حلال ہوگا؟ اسی طرح وہ بھی حلال نہیں (۱)۔

← قال: كتب على ابن آدم نصيبه من الزنا مدرك ذلك لا محالة، فالعينان زناهما النظر، والأذنان زناهما الاستماع، واللسان زناه الكلام، واليد زناها البطش، والرجل زناها الخطا، والقلب يهوي ويتمنى ويصدق ذلك الفرج أو يكذبه.

وأخرج أيضا عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن الله كتب على ابن آدم حظه من الزنا أدرك ذلك لا محالة، فزنا العينين: النظر، وزنا اللسان: النطق، والنفس تمنى وتشتهي، والفرج يصدق ذلك أو يكذبه. (مسلم شريف، كتاب القدر، باب قدر على ابن آدم حظه من الزنا وغيره، النسخة الهندية ٢/ ٣٣٦، بيت الأفكار رقم: ٢٦٥٧)

(۱) ومعنى الحديث أن ابن آدم قدر عليه نصيب من الزنا فمنهم من يكون زناه حقيقيا بإدخال الفرج في الفرج الحرام، ومنهم من يكون زناه مجازا بالنظر الحرام أو الاستماع إلى الزنا، وما يتعلق بتحصيله أو بالمس باليد بأن يمس أجنبية بيده أو يقبلها أو بالمشي بالرجل إلى الزنا أو النظر أو اللمس أو الحديث الحرام مع أجنبية ونحو ذلك أو بالفكر بالقلب، فكل هذه أنواع من الزنا المجازي والفرج يصدق ذلك أو يكذبه معناه أنه قد يحقق الزنا بالفرج وقد لا يحققه بأن لا يولج الفرج في الفرج، وإن قارب ذلك. (شرح النووي على المسلم، كتاب القدر، النسخة الهندية ٢/ ٣٣٦)

(قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله كتب على ابن آدم حظه من الزنا) والمراد من الحظ مقدمات الزنا من التمني والتخطي والتكلم لأجله، والنظر واللمس، والتخلي، وقيل: أثبت فيه سببه وهو الشهوة والميل إلى النساء، وخلق فيه العينين والأذنين، والقلب، والفرج، وهي التي تجد لذة الزنا، أو المعنى قدر في الأزل أن يجري عليه الزنا في الجملة (أدرك ذلك لا محالة فزنا العين النظر، وزنا اللسان المنطق، والنفس تمنى وتشتهي) لعله عدل عن سنن السابق لإفادة التجدد أي زنا النفس تمنيها واشتهاء ها وقوع الزنا الحقيقي، والتمني أعم من الاشتهاء؛ لأنه قد يكون في الممتنعات دونه، وفيه دلالة على أن التمني إذا استقر في الباطن وأصر صاحبه عليه ولم يدفعه يسمى زنا فيكون معصية، ←

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ ایک عورت سے نکاح ہو چکا تھا، مگر طلاق وغیرہ کے سبب اس کا نکاح زائل ہوگیا، اور وہ زندہ ہے، خواہ کسی سے نکاح کرلیا یا نکاح نہ کیا ہو، اور اس کے تصوّر سے تلذّذ حاصل کیا کہ جب یہ نکاح میں تھی اس سے اس طرح تمتع کیا کرتا تھا، یہ تلذّذ بھی حرام ہے، گو پہلی صورت سے اس میں یہ فرق ہے کہ یہ محل کسی وقت حلال بھی رہ چکا ہے، اور اس لئے یہ تصوّر محض تصور ہی نہیں؛ بلکہ اس کا وقوع بھی ہو چکا ہے؛ لیکن اول تو کسی دلیل سے اس فرق کا حکم میں کوئی دخل نہیں۔ دوسرے یہاں ایک دوسری علّت بھی ہے یعنی خوف فتنہ، کہ یہ تصوّر مفضی ہوسکتا ہے اس کی تحصیل میں سعی کی طرف، اور پھر غلبۂ نفس کے وقت تحصیل میں حلال وحرام کی قید نہیں رہتی (۱)۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ یہی دوسری صورت والی عورت کسی سے نکاح کر کے مرگئی، خواہ اس کے نکاح میں مَری، خواہ اس کے طلاق یا وفات کے بعد مَری، اس کے تصوّر مذکور سے بھی تلذّذ حرام ہے؛ کیونکہ دوسرے سے نکاح کرنے کی وجہ سے اس سے بالکل ایسے ہی بے علاقہ ہوگئی، جیسے اس تصوّر کرنے والے کے ساتھ نکاح کرنے کے قبل تھی، یعنی اس کا کسی ماضی وقت میں محلِّ حِلّت ہونا معتبر نہیں رہا، اور اس لئے یہ صورت مثل صورت اول کے ہوگئی، بس اس کا حکم بھی وہی ہوگا، جو صورت اوّل میں مذکور ہوا، ان تین کا حکم تو ظاہر ہے، جیسا ادلّہ سے معلوم ہوا۔

← **ویترتب علیه عقوبة ولو لم یعمل فتأمل.** (**والفرج یصدق ذلک ویکذبه**). (مرقاة المفاتیح، کتاب الإیمان، باب الإیمان بالقدر، الفصل الأول، مکتبه إمدادیه ملتان ۱/ ۱۵۷-۱۵۸)

(۱) وإذا ثبت وجوب الاستبراء وحرم الوطء حرم دواعیه أیضا من المس، والقبلة، والنظر إلی الفرج بشهوة، وقال الفقیه أبو اللیث في شرح الجامع الصغیر: روي عن أبي مطیع: أنه کان لا یری بالقبلة والملامسة بأسا، وذلک لأن القربان إنما لا یجوز؛ لأنه یؤدي إلی اختلاط الأنساب، ولیس في القبلة والملامسة هذا المعنی، قلنا: قیاسا علی الطهارة، وکما في غیر الملک؛ لأنها تفضي إلیه وسبب الحرام حرام. (البنایة، کتاب الکراهیة، فصل في الاستبراء وغیره، مکتبه أشرفیه دیوبند ۱۲/ ۱۷۳)

والأصل فیه أن سبب الحرام حرام. (تبیین الحقائق، کتاب الکراهیة، فصل في الاستبراء وغیره، مکتبه زکریا دیوبند ۷/ ۵۳، إمدادیه ملتان ٦/ ۲٤)

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ وہ عورت اس شخص کے نکاح میں مرگئی، اور اسی کے متعلق سوال کیا گیا ہے، چونکہ اس کی حالت ذوجہتین اور بین بین ہیں، اسی لئے اس کا حکم محل نظر ہے، اگر اس پر نظر کی جاتی ہے کہ موت زوجہ سے نکاح باقی نہیں رہا، اور وہ اجنبیہ ہوگئی تو اس کا تصوّر مثل تصوّر اس عورت کے ہے جس سے نکاح ہی نہ ہوا تھا، جو صورتِ اوّل ہے، یا ہونے کے بعد منکوحہ کی حیات ہی میں زائل ہوگیا تھا، جیسا صورتِ ثانیہ وثالثہ میں ہے، اس کا مقتضا یہ ہے کہ تصوّر مذکور جائز نہ ہو، چنانچہ فقہاء نے حکم حرمۃ المس والغسل میں اس کا اعتبار کیا ہے۔ **كما في الدر المختار: ويمنع زوجها من غسلها ومسها (۱)**۔ اور اگر اس پر نظر کی جاتی ہے کہ کل احکام میں مثل اجنبیہ کے قرار نہیں دی گئی، چنانچہ خود فقہاء نے حکم مذکور کے بعد ہی **لا من النظر إليها على الأصح (۲)** بڑھایا ہے۔ اور اجنبیہ محضہ کے لئے یہ نظر بھی جائز نہیں رکھی گئی، نیز احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا اُن کی وفات کے بعد غایت محبت کے ساتھ ذکر فرمانا (۳)۔

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۹۰، كراچى ۲/ ۱۹۸۔

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۹۰، كراچى ۲/ ۱۹۸۔

(۳) **عن عائشة رضي الله عنها قالت: ما غرت على نساء النبي صلى الله عليه وسلم إلا على خديجة، وإني لم أدركها، قالت وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا ذبح الشاة فيقول: أرسلوا بها إلى أصدقاء خديجة، قالت: فأغضبته يوما فقلت خديجة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إني قدر رزقت حبها.** (مسلم شريف، كتاب فضائل الصحابة، باب فضل خديجة أم المؤمنين رضي الله تعالىٰ عنها، النسخة الهندية ۲/ ۲۸۴، بيت الأفكار رقم: ۲۴۳۵)

عن عائشة رضي الله عنها قالت: ما غرت على امرأة لرسول الله صلى الله عليه وسلم كما غرت على خديجة لكثرة ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم إياها وثنائه عليها، وقد أوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يبشرها ببيت لها في الجنة من قصب. (بخاري شريف، كتاب النكاح، باب غيرة النساء ووجدهن، النسخة الهندية ۲/ ۷۸۷، رقم: ۵۰۳۳، ف: ۵۲۲۹)

اورحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضوراقدس ﷺ کی تقبیل (۱) و**فعلته أنا ورسول الله صلى الله عليه وسلم** (۲) کا ذکر فرمانا جو کہ اجنبیہ واجنبی کے لئے جائز نہیں رکھا گیا، تو یہ صاف دلیل اس کی معلوم ہوتی ہے کہ یہ چوتھی صورت مثل صورت ثلاثہ سابقہ کے نہیں، اور خصوصیت کا دعویٰ محتاج دلیل مستقل ہے، اور حضرت عائشہؓ کے فعل کا منشاء تو**لا تنكحوا أزواجهن من بعده أبدا** (۳) کو احتمال کے درجہ میں کہہ بھی سکتے ہیں: لیکن حضوراقدس ﷺ کے فعل میں تو یہ بھی احتمال نہیں، کیا کسی فقیہ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ کو کسی بی بی کی وفات کے بعد اُن بی بی کی بہن سے نکاح جائز نہیں، تو یہاں تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حکماً بھی منکوحہ نہیں کہہ سکتے، تو اُن کا ذکر یقیناً غیر منکوحہ کا ذکر ہے، پھر اس کا جائز ہونا دلیل ہے کہ چوتھی صورت میں متوفی بی بی کو کل احکام میں مثل اجنبیہ محضہ کے قرار نہ دیں گے، اور جزئیہ فقہیہ مذکورہ متعلقہ نظر میں اختلاف جیسا علی الاصح سے معلوم ہوتا ہے، عجب نہیں اسی تردّد کی وجہ سے ہو۔ اور علامہ شامیؒ نے جو اس جواز کی دلیل بیان کی و**لعل وجهه أن النظر أخف من المس فجاز لشبهة الاختلاف** (۴) اور غالباً قائلین بالجواز کی نظر عدم احتمال فتنہ عادۃً پر گئی ہو، پھر اُس کے بعد واللہ اعلم کہنا یہ سب ناشی اسی تردّد سے

---

(۱) عن عائشة رضي الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقبلها وهو صائم، ويمص لسانها. (أبوداؤد شريف، كتاب الصوم، باب الصائم يبلغ الريق، النسخة الهندية ۱/ ۳۲٤، دارالسلام رقم: ۲۳۸٦)

بخاري شريف، كتاب الصوم، باب القبلة للصائم، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۸، رقم: ۱۸۸۸، ف: ۱۹۲۸۔

(۲) عن عائشة رضي الله عنها قالت: إذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل فعلته أنا ورسول الله صلى الله عليه وسلم فاغتسلنا. (ترمذي شريف، كتاب الطهارة، باب ماجاء إذا التقى الختانان وجب الغسل، النسخة الهندية ۱/ ۳۰، دارالسلام رقم: ۱۰۸)

ابن ماجه شريف، أبواب التيمم، باب ماجاء في وجوب الغسل إذا التقى الختانان، النسخة الهندية ص: ٤۵، دارالسلام رقم: ٦۰۸۔

(۳) سورة الأحزاب، رقم الآية: ۵۳۔

(۴) شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۹۰، كراچی ۲/ ۱۹۸۔

ہو، یہ تو تردد کی تقریر تھی، مگر میرے ذوق میں جواز کو ترجیح معلوم ہوتی ہے؛ کیونکہ تامل وتتبع سے معلوم ہوتا ہے، کہ علّت تحریم تصوّر کی **علیٰ سبیل مانعة الخلو**. دو امر ہیں، ایک تمتع غیر محل حلّت سے دوسرا خوف فتنہ۔ چوتھی صورت میں علّتِ اولی تو یقیناً منتفی ہے، اور علّتِ ثانیہ بھی اس تفصیل سے منتفی ہے، کہ متصور میں تو یقیناً اور غیر متصور میں افضاء کے ظناً؛ لیکن اگر اس پر افضاء محتمل ہو تو پھر حکم حرمت کا کیا جاوے گا۔ **لأن الحکم تابع للعلة** (۱)۔ باقی میرا ذوق قابل اعتماد نہیں، دوسرے علماء سے تحقیق کر لیا جاوے۔ واللہ اعلم۔ ۸/ رمضان ۱۳۵۵ھ (النور۔ ذیقعدہ ۵۶ھ ص ۹)

بعض شرکاء چندہ کا بذریعہ قرعہ اپنے حق سے زائد لینا

سوال (۲۵۱۸): قدیم ۴/ ۱۷۰- مہاراجہ دھول پور نے جس کا تذکرہ آپ نے غالباً سُنا بھی ہوگا ایک کمیٹی بغرض قرعہ اندازی ونیز تکمیل ضروریات خیرات فنڈ ترتیب دی ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ اہل ہند سے پانچ لاکھ روپے اس طریقہ سے جمع کیا جائے کہ ڈھائی لاکھ ٹکٹ چھپوا کر مبلغ فی ٹکٹ کے حساب سے فروخت کئے جائیں، اور پانچ لاکھ روپے جمع ہو جائیں، پھر ڈھائی لاکھ اس میں سے نکال کر کسی کار خیر جیسے مدرسہ وشفاخانہ وغیرہ میں لگائے جائیں، اور ڈھائی لاکھ پر چندہ دہندگان کے نام لکھ کر قرعہ ڈالا جائے جس کا نام سب سے پہلے نکلے گا، اُسے ایک لاکھ روپیہ اسی فراہم شدہ رقم میں سے دیا جائے گا جسے انہوں نے انعام کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، اور پھر درجہ بدرجہ قرعہ ڈال کر اسی طرح نام نکلنے پر وہ رقم چندہ دہندگان پر تقسیم کر دی جائے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا اس چندہ میں کوئی شخص اپنے اغراض پر نظر کر کے یا ذاتی اغراض سے قطع نظر بغرض رفاہِ عام محض خیرات میں حِصّہ لینے کے لئے ایسا کرے تو کیا گنہگار ہوگا؟

---

(۱) **الحکم یدور مع العلة لا مع الحکم**. (النهرالفائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبه زکریا دیوبند ۱/ ۲۳۲)

إن الحکم یدور مع العلة وجودا وعدما. (شامي، کتاب النکاح، فصل في المحرمات، مکتبه زکریا دیوبند ٤/ ۱۱۷، کراچی ۳/ ۳۹)

القاعدة المقررة أن الحکم یدور مع العلة وجودا وعدما. (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۹/ ۳۸٦)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: یہ تو صاف قمار ہے، جس کی حرمت منصوص قطعی ہے(۱)۔

۱۵/ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (حوادث ا ص ۱۵۶)

غیر جنس میں سے اپنا حق کسی حیلہ سے حاصل کرنا

یہ عنوان جلد سوم کتاب الدعویٰ، صفحہ ۳۵۰ پر گذر چکا ہے(۲)۔

گارڈ کی اجازت سے ریل کا بلا کرایہ سفر

یہ عنوان جلد سوم کتاب الغصب، صفحہ ۳۷۲ پر گذر چکا ہے(۳)۔

---

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِيْ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ. [سورة المائدة، رقم الآية: ۹۰-۹۱]

إن القمار من القمر الذي يزداد تارة وينقص أخرى وسمى القمار قمارا؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه وهو حرام بالنص. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۷۷، كراچی ۶/ ۴۰۳)

إن القمار من القمر الذي يزداد تارة وينقص أخرى وسمي القمار قمارا؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، فيجوز الازدياد والانتقاص في كل واحد منهما فصار قمارا، وهو حرام بالنص. (تبيين الحقائق، كتاب الخنثى، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۴۶۶، إمداديه ملتان ۶/ ۲۲۷)

المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل السابع في المسابقة، المجلس العلمي ۸/ ۱۴، رقم: ۹۴۸۶۔

(۲) دیکھئے سوال نمبر: ۲۰۲۸ کا جواب۔

(۳) دیکھئے سوال نمبر: ۲۰۷۲ کا جواب۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بڑے تالاب یا حظیرہ کا پانی روکنا جس میں مملوک وغیر مملوک مچھلیاں ہوں

یہ عنوان جلد سوم، کتاب الشرب صفحہ ۳۵۷ پر گذر چکا ہے(۱)۔

کسی خاص بستی کے تالاب سے دوسرے لوگوں کا مچھلیاں پکڑنا

سوال (۲۵۱۹): قدیم ۴/۱۷۱- جھیل یعنی بڑا تالاب جو صحرائی زمین میں ہوتا ہے اور اس کے مالک کسی خاص بستی کے لوگ ہوتے ہیں، اس کے اندر ایّامِ برسات میں جو مچھلیاں داخل ہوتی ہیں، جب خشکی کے ایّام میں اُس کے چاروں طرف کی زمین سوکھ جاوے اور اُس جھیل سے دوسری جھیل تک جو نہر گئی اُس کو بغرض حفاظت مچھلیوں کے اہل بستی بند کردیں اُس وقت اُس جھیل سے اُن بستی والوں کے سِوا اور لوگوں کو بھی مچھلیاں پکڑنے کا حق ہے یا نہیں؟ اور اُن بستی والوں کا دوسروں کو روکنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: سب پکڑ سکتے ہیں کسی کو روکنے کا حق نہیں (۲)۔ فقط ۸ محرم ۱۳۲۶ھ

---

(۱) دیکھئے سوال نمبر: ۲۱۶۸ کا جواب۔

(۲) بڑے تالاب اور جھیل چونکہ کسی کی ملک میں نہیں ہوتے ہیں، نیز اس میں مچھلیاں خود پیدا ہوجاتی ہیں کوئی ان کا بیج ڈال کران کی تربیت اور پرورش نہیں کرتا ہے؛ لہٰذا سب کو اس طرح کے بڑے تالاب اور جھیل سے مچھلی پکڑنے کا حق ہے، کسی کے لئے کسی کو پکڑنے سے روکنا جائز نہیں ہے۔

والأنهار العظام كالفرات ودجلة وسيحون وجيجون والنيل غير مملوكة لأحد؛ لأن قهر الماء يمنع قهر غيره فلا يكون محرزا، والملك بالإحراز ولكل أحد من الناس فيها حق الشفة، والوضوء، ونصب الرحى، وكرى نهر إلى أرضه إن لم يضر بالعامة؛ لأن الانتفاع بالمباح إنما يجوز إذا لم يضر بأحد كالانتفاع بالهواء والشمس والقمر. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب إحياء الموات، فصل في الشرب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٣٥-٢٣٦)

والثاني ماء الأودية العظام كجيحون وسيحون ودجلة والفرات للناس فيه حق الشفة على الإطلاق، وحق سقى الأراضي بأن أحيا واحد أرضا ميتة وكرى منه نهرا ليسقيها إن كان لا يضر بالعامة، ولا يكون النهر في ملك أحد له ذلك؛ لأنها مباحة ←

زانی کے واسطے دعا کا حکم

سوال (۲۵۲۰): قدیم ۴/ ۱۷۱- اگر کوئی شخص زانی ہو اور اُس پر مقدمہ زنا کا چلے اس کے واسطے دعاء کرنا کیسا ہے؟

الجواب: اگر اُس نے دُعاء کرنے والے کے سامنے توبہ کرلی ہے تو دعاء مانگنا جائز ہے (۱) ورنہ نہیں (۲)۔ ۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ ص ۸۵)

← **في الأصل إذ قهر الماء يدفع قهر غيره.** (هداية، كتاب إحياء الموات، فصل في مسائل الشرب، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٨٤)

والأنهار العظام كدجلة والفرات غير مملوك ولكل أن يسقي أرضه، ويتوضأ به ويشربه، وينصب الرحى عليه، ويكرى نهرا منها إلى أرضه إن لم يضر بالعامة، أما الدليل على كونها غير مملوكة، فلأن هذه الأنهار ليس لأحد فيها يد على الخصوص؛ لأن قهر الماء يمنع قهر غيره فلا يكون محرزا، والملك بالإحراز، وإذا لم يكن مملوكا لأحد كان لكل أحد أن ينتفع به الخ. (تبيين الحقائق، كتاب إحياء الموات، مسائل الشرب، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٨٦، إمداديه ملتان ٦/ ٣٩)

(۱) عن أبي عبيدة بن عبدالله عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (ابن ماجة شريف، أبواب الزهد، باب ذكر التوبة، النسخة الهندية ص: ٣١٣، دارالسلام رقم: ٤٢٥٠)

(۲) قال الله تعالىٰ: وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ. [سورة النور، رقم الآية: ٢]

وقال تعالىٰ: وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ. [سورة هود، رقم الآية: ١١٣]

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [سورة المائدة، رقم الآية: ٢]

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہندوستان سے ہجرت کا حکم

سوال (۲۵۲۱): قدیم ۱۷۱/۴- معروض یہ ہے کہ یہاں سندھ میں علمائے کرام کانفرنس خلافت کمیٹی میں جانا فرض کہتے ہیں، اور قطعِ تعلقات نصاریٰ سے اور ہجرت فرض کہتے ہیں، اور بعض علماء کہ اہل کانفرنس نہیں ہیں، یعنی جاتے نہیں فقط گوشہ نشین ہیں، کہتے ہیں کہ ہجرت مستحب ہے فرض نہیں ہے، مگر قطعِ تعلقات از جہت عدم امکان مشابہ جہاد کے غیر ممکن ہے فرض نہیں ہے۔ اب آپ حضرات کو منصف وحَکَم مانتے ہیں، جو حکم ارشاد ہوگا تنازع فیما بین مرفوع ہو جائے گا، مہربانی فرما کر یہ تکلیف معاف فرما کر بجلدی جواب سے ممنون فرمانا، اگر چہ آدمیانِ عوام می گفتند کہ حضرت صاحب مولانا تھانوی جواب نہ دیں گے، ولے احقر نے تو بنظر اخوتِ اسلامی یہ تکلیف آپ کو دی ہے؟

الجواب: (۱) السَّلام علیکم! أنا قائل في جميع هذه الأمور بعدم الوجوب لعدم الشرائط المذكورة في الكتب الشرعية في هذاالحين، كما كان الحال في السابق ولم يقع بينهما فارق (۲) لكن مع هذا لا أرى قولي هذا خاتمة التحقيقات.

شوال ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۵۶)

---

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ جواب:** السلام علیکم! میں ان تمام امور میں عدم وجوب کا قائل ہوں، اس وقت کتب شرعیہ میں مذکورہ شرائط کے مفقود ہونے کی وجہ سے، جیسا کہ یہی حال پہلے بھی تھا اور ان دونوں کے درمیان کوئی وجہ فرق نہیں ہے؛ لیکن اس کے باوجود میں اپنے اس قول کو حرف آخر نہیں سمجھتا ہوں۔

(۲) إن الآية تدل على أن من لم يتمكن من إقامة دينه في بلده كما يجب وعلم أنه يتمكن من إقامته في غيره حقت عليه المهاجرة، وفي الحديث من فر مدينة من أرض إلى أرض، وإن كان شبرا من الأرض استوجبت له الجنة وكان رفيق أبيه إبراهيم ونبيه محمد صلوات الله عليهم أجمعين، وذلک يدل على أن الآية باقية غير منسوخة فيتناقضان إلا أن يقال إن في بدء الإسلام كانت الهجرة البتة واجبة، سواء قدر على إقامة دينه أو لا، ولا شک في نسخه، وفي هذا الزمان إن لم يتمكن من إقامة دينه بسبب أيدي الظلمة أو الكفرة يفرض عليه الهجرة وهو الحق. (التفسيرات الأحمدية، سورة النساء، آیت: ۹۷، مکتبہ رحیمیہ دیوبند ص: ۲۰۱-۲۰۲) ←

بچّہ کے مرنے کے بعد اس کی آون نال کاٹنا

سوال (۲۵۲۲): قدیم ۴/۱۷۲- فرزند پیدا ہو کے ناف بُریدہ کے پیشتر مر جائے تب مرنے کے بعد اُس مردہ کی ناف بُریدہ یعنی قطع کرنا جائز ہے یا نہ؟

الجواب: اب قطع کرنا فضول ہے، قطع اس لئے کی جاتی ہے کہ ایک زائد چیز ہے، اس کے اتصال سے حی کو ایذا ہوگی، جس طرح ناخن وغیرہ کاٹے جاتے ہیں، بعد موت کوئی ضرورت باقی نہیں؛ بلکہ بمقتضائے قواعد مکروہ وممنوع ہوگا (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۲ ص ۱۵۹)

← تفسير المدارك على هامش تفسير الخازن للعلامة النسفي، دارالمعرفة بيروت ١/ ٣٩٤۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ اپنے فتاوی عزیزی میں ہجرت کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں جس کا خلاصۂ ترجمہ درج ذیل ہے:

اس دارالحرب سے مراد جس سے ہجرت فرض ہے وہ دارالحرب ہے کہ حربی لوگ وہاں کے باشندوں کو اپنے دین کے اظہار اور نماز، روزہ، جمعہ اور جماعت اور اذان وختنہ سے منع کرتے ہوں۔ اور اگر ایسی حالت نہ ہو؛ بلکہ مسلمان بے کھٹکے اپنے دین کا اظہار کرتے ہوں اور جمعہ وجماعت قائم کرتے ہوں اپنے دین کے احکام بلا تکلف بیان کرتے ہوں، پس اس دارالحرب سے ہجرت فرض نہیں اور وجوب کی تقدیر پر (جہاں سے ہجرت فرض ہے) فی الفور ہجرت فرض نہیں؛ بلکہ کوئی ٹھکانہ اور جائے پناہ میسر آنے کے وقت فرض ہے، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں تیرہ سال قیام فرمایا باوجود یہ کہ کفار دعوت دین وتوحید کے اظہار سے روکتے تھے، اور ایمان لانے والوں کو مارتے پیٹتے اور گالی گلوچ کرتے تھے، اور مسجد حرام میں نماز ادا کرنے سے روکتے تھے، پس جب تیرہ سال بعد حق تعالیٰ شانہ نے انصار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معین ومددگار بنا دیا اور مدینہ طیبہ میں محل ومسکن میسر آگیا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی۔ (فتاوی عزیز تحت مسئلہ گاؤ سید احمد کبیر وگوسفند شیخ سدو، مکتبہ رحیمیہ دیوبند ۱/ ۵۸)

(۱) **عن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كسر عظم الميت ككسره حيا.** (أبوداؤد شريف، كتاب الجنائز، باب في الحفار يجد العظم هل ينتكب ذلك المكان، النسخة الهندية ٢/ ٤٥٨، دارالسلام رقم: ٣٢٠٧) ←

مہمانداری کے واجب ہونے اور نہ ہونے کی تحقیق

سوال (۲۵۲۳): قدیم ۴/۱۷۲- کیا مہمان کی مہمانی حق واجب ہے یا نہیں جیسا فلیکرم کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے؟

الجواب: فائدة حديثية فقهية بحق الضيف وجوبًا وندبًا: في المرقاة الجلد الرابع، ص ۳۹۱: قال بعد كلام طويل مانصه قالوا: ويشعر بأن الثلثة ليست من الصدقة فيحتمل أنها واجبة لٰكنها نسخت بوجوب الزكوٰة أو جعلت كالواجب للعناية وأرادوا بما بعدها التبرع المباح، ثم قال: وعامة الفقهاء على أنها من مكارم الأخلاق وحجتهم قوله صلى الله عليه وسلم: جائزته يوم وليلة، والجائزة: العطية والمنحة والصلة، فذٰلك لا يكون إلا مع الاختيار، وقوله: فليكرم يدل علىٰ هذا أيضا إذ ليس يستعمل مثله في الواجب وتأوّلوا الأحاديث بأنها كانت في أول الإسلام إذ كانت المواساة واجبة، واختلف أنها على الحاضر والبادي أم على البادي، فذهب الشافعيؒ ومن تبعه إلىٰ أنها عليهما، وقال مالك ومن وافقه إنما ذٰلك على أهل البوادي؛ لأن المسافر يجد في الحضر المنازل وما يشترى في الاسوان اھ. قلت: وإن رأيت الوجوب من قوله عليه السلام من كان يؤمن بالله

← **عن أم سلمة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كسر عظم الميت ككسر عظم الحي في الإثم.** (ابن ماجة شريف، أبواب الجنائز، باب في النهي عن كسر عظام الميت، النسخة الهندية ص: ۱۱۶، دارالسلام رقم: ۱۶۱۷)

(عن عائشة رضي الله عنها: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كسر عظم الميت ككسره حيا) يعني في الإثم كما في رواية، قال الطيبي: إشارة إلى أنه لا يهان ميتا كما لا يهان حيا، قال ابن الملك: وإلى أن الميت يتألم. (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ٤/ ٧٩)

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، صلاة الجنازة، فصل في بيان كيفية الغسل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۵، کراچی ۱/ ۳۰۰۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

واليوم الآخر الوارد في إكرام الضيف فقد ورد مثل هٰذا اللفظ في ماليس بواجب بالإجماع كما ذكر في المرقاة (آخر الصفحة المذكورة) برواية الطبراني عن أبي أمامة من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يلبس خفيه حتى ينفضهما. اھ(۱)۔

(۱) مرقاة المفاتيح، كتاب الأطعمة، باب الضيافة، الفصل الأول، مكتبه إمداديه ملتان ۸/ ۲۰۱-۲۰۲۔

هذه الأحاديث متظاهرة على الأمر بالضيافة والاهتمام بها وعظيم موقعها، وقد أجمع المسلمون على الضيافة، وأنها من متأكدات الإسلام، ثم قال الشافعي ومالک، وأبوحنيفة، والجمهور: هي سنة ليست بواجبة، وقال الليث وأحمد: هي واجبة يوما وليلة على أهل البادية، وأهل القرى دون أهل المدن، وتأول الجمهور هذه الأحاديث وأشباهها على الاستحباب ومكارم الأخلاق، وتأكد حق الضيف كحديث غسل الجمعة واجب على كل محتلم أي متأكد الاستحباب، وتأولها الخطابي وغيره على المضطر. والله تعالىٰ اعلم.
(شرح النووي على المسلم، كتاب اللقطة، باب الضيافة ونحوها، النسخة الهندية ۲/ ۸۰)

تعتبر الضيافة من مكارم الأخلاق، وسنة الخليل عليه الصلاة والسلام والأنبياء بعده وقد رغب فيها الإسلام وعدها من أمارات صدق الإيمان، فقد ورد عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه، وعنه صلى الله عليه وسلم: لا خير فيمن لا يضيف، وقال عليه السلام: الضيافة ثلاثة أيام، وجائزته يوم وليلة، ولا يحل لمسلم أن يقيم عند أخيه حتى يؤثمه، قالوا: يا رسول الله! وكيف يؤثمه؟ قال: يقيم عنده لا شيء له يقريه به: وهي حق من حقوق المسلم على أخيه المسلم، وقد ذهب الحنفية والمالكية والشافعية إلى أن الضيافة سنة ومدتها ثلاثة أيام وهو رواية عن أحمد، والرواية الأخرى عن أحمد، وهي المذهب أنها واجبة ومدتها يوم وليلة، والكمال ثلاثة أيام، وبهذا يقول الليث بن سعد ويرى المالكية وجوب الضيافة في حالة المجتاز الذي ليس عنده ما يبلغه، ويخاف الهلاک، والضيافة على أهل القرى والحضر إلا ما جاء عن الإمام مالک، وأحمد في رواية أنه ليس على أهل الحضر ضيافة، وقال سحنون: الضيافة على أهل القرى، وأما أهل الحضر فإن المسافر إذا قدم الحضر وجد نزلا وهو الفندق، فيتأكد الندب إليها ولا يتعين على أهل الحضر تعينها على أهل القرى، أحدها: أن ذلک يتكرر على أهل ←

عبارتِ بالا سے یہ امور مستفاد ہوئے:

(۱) جمہور کا مذہب یہی ہے کہ مہمانی واجب نہیں، محض مکارمِ اخلاق سے ہے۔

(۲) لفظ جائزہ دلیل ہے عدم وجوب کی کہ اس کے معنی عطیہ اور صلہ کے ہیں۔

(۳) رہا لفظ لیکرم ہیئت سے زیادہ دلالت مادہ کی معتبر ہے، وہ عدم وجوب پر دال ہے۔

(۴) اولاً واجب تھا پھر منسوخ ہوگیا۔

(۵) رہا فرق ثلاثہ وغیر ثلاثہ میں عدم وجوب کی صورت میں، یہ ہے کہ ثلاثہ کے بعد وہ ضیافت ہی سے خارج ہے۔

(۶) اس مرتبہ میں مان کر بھی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اہل بوادی کے ساتھ خاص ہے جہاں مسافر کوئی انتظام نہ کرسکے۔

(۷) اگر یؤمن باللہ الخ سے وجوب کا شبہ ہو تو ایسے الفاظ لبس خف کے باب میں بھی آئے ہیں؛ حالانکہ یقیناً وہاں وجوب منتفی ہے۔

(۸) یہ حکم قطع نظر عوارض سے ہے، چنانچہ عوارض کا ذکر نہ کرنا اس کی دلیل ہے، باقی عوارض کے اعتبار سے اس کا ترک منافی مکارم اخلاق کے بھی نہیں۔

۱۰/ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۸)

ظالم گرفتار مقدمہ کی امداد کا حکم

سوال (۲۵۲۴): قدیم ۴/۱۷۳- چور چوری کے لئے مکان میں گھسا اور ایک آدمی کو زخمی کیا؛ لیکن بغیر مال لئے چلا آیا، اب وہ شخص شبہ میں گرفتار ہے تو آیا اُس کے چھوڑانے کے لئے کوشش کرنا اور تفتیش کنندہ کو کچھ دے دلا کر راضی کر دینا کیسا ہے؟ اگر یہ خیال کیا جائے کہ اُس نے مال تو لیا

← **الحضر فلو التزم أهل الحضر الضيافة لما خلوا منها، وأهل القرى يندر ذلك عندهم فلا تلحقهم مشقة، ثانيها: أن المسافر يجد في الحضر المسكن والطعام، فلا تلحقه المشقة لعدم الضيافة.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۳۱۶-۳۱۷)

تحفة الأحوذي، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في الضيافة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۶/ ۸۷۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نہیں؛ اس لئے شرعی قاعدہ سے اس پر صرف تعزیر ہے، اور اس کی ذلّت اور خرچ مال تعزیر کے لئے کافی ہے تو گنجائش معلوم ہوتی ہے؛ لیکن اُس نے ایک آدمی کو زخمی کیا ہے، اور شرعی قاعدہ سے اگر زخم ایسا ہے جس کا قصاص لیا جا سکتا ہے تو قصاص لیا جاوے، دِیَت یا حکومتِ عدل ہے، اور یہ قانون انگریزی کے بالکل مغائر ہے، وہاں صرف جُرمانہ ہوگا، یا جیل، جس سے زخمی شدہ کو کچھ نہیں مل سکتا، ہاں وہ توبہ کرتا ہے اور اقرار کرتا ہے کہ آئندہ کبھی ایسا نہ ہوگا، اس کا جواب ارشاد ہو، سمجھ میں نہیں آتا؟

الجواب: میرے نزدیک اس کا جواب ظاہر ہے کہ یہ زخم ہر حال میں حق العبد ہے، اور وہ اپنے حق کا مطالبہ کرتا ہے، گو اس کو اصل حق نہ ملے، مگر وہ شفائے غیظ پر جو کہ اصل حق اور قانون حال میں امر مشترک ہے قناعت کرتا ہے، پس اصل حق کا نہ ملنا اس وقت منسوب حکّام کی طرف ہے، اور تفتیش کنندہ کو دے دلا کر راضی کر دینا یہ حیلولت ہے درمیان صاحب حق اور اس کے شفاء غیظ کے جس کو وہ بمجبوری بدل سمجھ رہا ہے اصل حق کا، پس یہ صریح نصرت ہے، ظالم کی، اور حدیث میں **کُلّیًا وجزئیًا لقوله عليه السّلام من حال الخ** اس پر وعید آئی ہے؛ اس لئے یہ نصرت حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ (امداد ج ۲ ص ۱۵۸)

---

(۱) **عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قتل في عميا أو رميا تكون بينهم بحجر أو سوط أو بعصا فعقله عقل خطأ، ومن قتل عمدا فقود يده فمن حال بينه وبينه فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين لا يقبل منه صرف ولا عدل.** (نسائي شريف، كتاب القسامة، باب من قتل بحجر أو سوط، النسخة الهندية ۲/ ۲۱۳، دارالسلام رقم: ۴۷۹۳)

عن ابن عباس رفعه إلى النبي صلى الله عليه وسلم قال: من قتل في عمية أو عصبية بحجر أو سوط أو عصا فعليه عقل الخطأ، ومن قتل عمدا فهو قود، ومن حال بينه وبينه فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل منه صرف ولا عدل. (ابن ماجه شريف، كتاب الديات، باب من حال بين ولي المقتول وبين القود أو الدية، النسخة الهندية ص: ۱۸۹، دارالسلام رقم: ۲۶۳۵)

أبوداؤد شريف، كتاب الديات، باب فيمن قتل في عميا بين قوم، النسخة الهندية ۲/ ۶۳۱، دارالسلام رقم: ۴۵۹۱۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مدارات فساق کا حکم

سوال (۲۵۲۵): قدیم ۴/۳/۱۷۳- اکثر مرتبہ مجھ کو یہ خلجان ہوجایا کرتا ہے کہ فاسق مثلاً بے نمازی داڑھی مُنڈانے والوں کی علمائے کرام بھی تعظیم اور ازحد مدح کیا کرتے ہیں، حالانکہ یہ مضمون بھی ظاہر ہے کہ فاسق کی جب مدح کی جاتی ہے تو عرشِ عظیم تھرّا اُٹھتا ہے اور وہ عابد معتوب ومعذب ہوا جس نے فاسق کے فسق وفجور پر بیزاری نہیں ظاہر کی تھی، کچھ توجیہیں دل میں گڑھ لیا کرتا ہوں، مگر واقعی توجیہ سمجھ میں نہیں آتی؟

الجواب: فاسق کے ساتھ اصل وہی معاملہ ہے جو آپ نے نقل فرمایا ہے(۱) لیکن عارض سے احکام بدل جایا کرتے ہیں، اور عارض دو ہیں ایک جلب مصلحتِ دینیہ، دوسری دفع مضرت دنیویہ، مثلاً اس کی تالیف سے اس کی اصلاح متوقع ہو یا اور کسی دینی امر کی تقویت ہو اور مثلاً اُس کے شر وعداوت سے بچنا ہو، اس صورت میں اس کی مدارات واکرام جائز ہوگا (۲) لیکن قلب سے اُس کے فسق پر انکار پھر بھی واجب ہے، تو حدیث تعذیبِ عابد ہر حال میں معمول بہ رہے گی (۳) البتہ بقاعدۂ الضروري يتقدر

---

(۱) أخرج البيهقي عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله عز وجل يغضب إذا مدح الفاسق في الأرض.

وأخرج أيضا عن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا مدح الفاسق غضب الرب واهتز له العرش. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في حفظ اللسان، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٣٠، رقم: ٤٨٨٥-٤٨٨٦)

(۲) الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة، وإساغة اللقمة بالخمر، والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه، وكذا إتلاف المال، وأخذ مال الممتنع من أداء الدين بغير إذنه، ودفع الصائل ولو أدى إلى قتله. (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة، الضرر يزال قديم ص: ١٤٠، جديد زكريا ديوبند ١/ ٢٥١-٢٥٢)

قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٨٩۔

(۳) عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أوحى الله إلى ملك من الملائكة أن أقلب مدينة كذا وكذا على أهلها،قال: إن فيها عبدك فلانا ←

بقدر الضرورۃ (۱)۔ ان عوارض سے بھی تجاوز عن الضرورۃ جائز نہ ہوگا۔

۱۴؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۳۳)

سود کے حساب کی تعلیم کا حکم

سوال (۲۵۲۶): قدیم ۴/۴/۱۷۴- خاکسار ایک مدرس ہے جس کی تفویض ریاضی کی تعلیم ہے، سرکارِ نظام کا ملازم ہے، خاکسار کو ریاضی میں سُود کے حسابات بھی طالب علم کو بتلانے پڑتے ہیں، پہلے کمترین سود کے حسابات بھی طلباء کو سکھلاتا تھا؛ لیکن جب سے اسلامی احکام پر حتی الامکان عمل کرنے کی کوشش شروع کی ہے، دل نے کہا کہ سُود کے حسابات بھی نہیں سکھلانا چاہئے، اس کے متعلق یہاں ہر چند علماء سے دریافت بھی کیا گیا لیکن اُن میں اختلاف رہا، اور کوئی تشفی بخش جواب نہیں مِلا؛ چونکہ حضرت سے عقیدت ہے، اور حضرت کے جواب سے تشفّی ہو جائے گی؛ اس لئے عرض خدمت یہ ہے کہ میرا سُود کے حسابات نہ سکھلانا حکم رسول کے موافق ہے یا نہیں؟ تاکہ میں اس پر استقلال سے جما رہوں؟

الجواب: اگر نوکری کا بقا اس پر موقوف نہ ہو تو نہ سکھلایئے (۲) ورنہ سِکھلا کر یہ روزمرّہ کہہ دیا کیجئے کہ اس حِساب سے سُود میں کام لینا جائز نہیں، ہاں اگر کوئی قرض ادا کرتے وقت جس جگہ کہ اس کی شرط یا عرف نہ ہو، خوشی سے کہے کہ میں تمہارے احسان کے عوض احسان کرنا چاہتا ہوں، کہ فیصدی اس قدر کے حساب سے تم کو ہدیہ دوں، اس کو اس سے کام لینا جائز ہے۔ ۱۰؍ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۵۱)

← **لم يعصك طرفة عين، قال: أقبلها عليه وعليهم، فإن وجهه لم يتمعر لي ساعة قط.** (المعجم الأوسط للطبراني، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ٣٧٦، رقم: ٧٦٦١)

(۱) **الضرورات تقدر بقدرها.** (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديو بند ص: ٨٩)

ما أبيح للضرورة يتقدر بقدرها. (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، قديم ص: ١٤٠، جديد زكريا ديوبند ١/ ٢٥٢)

(۲) اس لئے کہ سود اور ربا کی دور دور تک اعانت پر وعید آئی ہے۔

عن جابر رضي الله عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله، وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربوا، النسخة الهندية ٢/ ٢٧، بيت الأفكار رقم: ١٥٩٨) ←

ہجوئے کفّار کا جواز

سوال (۲۵۲۷): قدیم ۴/۴/۱۷۱- ایک انگریزی خواں نوجوان نے سوال کیا ہے کہ حدیث میں یہ جو ذکر آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسّانؓ سے کفار کی ہجو کہلائی، یہ کسی کی ہجو کہلانا اخلاق پیغمبری سے بہت فروتر معلوم ہوتا ہے۔ میں جواب یہ لکھنے والا ہوں کہ ہجو علی الاطلاق معیوب ومذموم نہیں۔ اگر کسی غرضِ صحیح کے لئے ہوتو دفاع کے لئے جب قتال تک جائز بلکہ بعض صورتوں میں واجب وفرض ہے، تو ہجوتو اس سے بہت ہلکی چیز ہے، خصوصاً جب کہ ہجو کا مقصد اپنے ذاتی دشمنوں سے نہیں؛ بلکہ دشمنانِ دین سے انتقام لینا ہو، اور تجربہ سے اس حربہ کا مؤثر وکارگر ہونا ثابت ہو چکا ہو، اس جواب میں اگر اضافہ (زیادت) کی ضرورت ہوتو اس سے ایماء فرمایا جاوے؟

الزيادة في الجواب: قولہ ثابت ہو چکا ہو: چنانچہ اس حکمت کی طرف خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ قریب بصراحت فرمایا ہے۔

حيث قال: اهجوا قريشا، فإنه أشد عليها من رشق النبل، وقال ﷺ: إن روح القدس يؤيدک ما نافحت عن اللّٰه ورسوله، وقال ﷺ: هجاهم حسّان فشفىٰ واشتفى (مسلم فضائل حسان (۱)۔ وقال النووي: فيه جواز الانتصار من الكفار، وقال وفيه جواز هجو الكفار مالم يكن أمان، وأما أمره ﷺ بهجائهم -إلى قوله- فالمقصود منه النكاية في الكفار، وقد أمره اللّٰه تعالىٰ بالجهاد في الكفار والإغلاظ عليهم، وكان هذا الهجو أشد عليهم من رشق النبل فكان مندوباً لذلک مع مافيه من كف أذاهم، وبيان نقصهم والانتصار بهجائهم المسلمين، قال العلماء: وينبغي أن لا يبدأ المشركون بالسب والهجاء مخافة من سبهم الإسلام وأهله قال اللّٰه تعالىٰ: ولا تسبّو الذين يدعون

← ترمذي شريف، أبواب البيوع، باب ماجاء في آكل الربا، النسخة الهندية ١/ ٢٢٩، دارالسلام رقم: ١٢٠٦۔

(۱) مسلم شريف، كتاب الفضائل فضائل حسان بن ثابت رضي اللّٰه عنه، النسخة الهندية ٢/ ٣٠٠، بيت الأفكار رقم: ٢٤٩٠۔

من دون اللّٰه فيسبوا الله عدوًا بغير علم، ولتنزيه ألسنة المسلمين عن الفحش إلا أن تدعو إلى ذٰلک ضرورة لابتدائهم به فكيف أذاهم ونحوه كما فعل النبي ﷺ. اه (۱)۔

اس عبارت میں اس حکمت کی شرح اور آداب وشرائط بھی جمع کر دیئے گئے، اور ایک حکمت زائد بھی بتلائی۔ في قوله: مع مافيه من كف أذاهم، وفي قوله: فكيف أذاهم. یعنی کفار کی جرأت اور زیادتی کا روکنا بھی مقصود تھا؛ کیونکہ جب وہ دیکھیں گے کہ ہم کہیں گے تو اس سے زیادہ سنیں گے تو پھر ان کی ہمّت ٹوٹ جائے گی، تو اس میں مسلمانوں کی حفاظت ہے، اور اہل حق کی حفاظت شر وایذا سے یہ اعظم اخلاق مطلوبہ سے ہے، اور یہ سب حکمتیں فلسفیانہ ہیں، اور ایک حکمت صوفیانہ بھی نہایت لطیف ہے۔ وہ یہ کہ خود بدلہ نہ لینے سے اُن پر غضب خداوندی شدید ہوتا، اور انتقام لینے سے اُس میں تخفیف ہو جاتی ہے، تو

---

(۱) شرح النووي على المسلم، كتاب الفضائل، فضائل حسان بن ثابت رضي الله عنه، النسخة الهندية ۲/ ۳۰۰۔

قال النووي: وأما أمره صلى الله عليه وسلم بهجائهم وطلبه ذلک من أصحابه واحدا بعد واحد ولم يرض بقول الأول والثاني حتى أمر حسان، فالمقصود منه النكاية في الكفار، وقد أمره اللّٰه تعالىٰ بالجهاد في الكفار والإغلاظ عليهم، وكان هذا الهجو أشد عليهم من رشق النبل فكان مندوباً لذلک مع ما فيه من كف أذاهم، وبيان نقصهم والانتصار بهجائهم المسلمين، قال العلماء: وينبغي أن لا يبدأ المشركون بالسب والهجاء مخافة من سبهم الإسلام وأهله قال اللّٰه تعالىٰ: ولا تسبّو الذين يدعون من دون اللّٰه فيسبوا الله عدوًا بغير علم، ولتنزيه ألسنة المسلمين عن الفحش إلا أن تدعو إلى ذٰلک ضرورة لابتدائهم به فكيف أذاهم ونحوه كما فعل النبي صلى الله عليه وسلم، وكان الشعر في ذلک الزمان من أقوى وسائل الدعاية والإعلام، فاستعملها رسول الله صلى الله عليه وسلم للانتصار للإسلام، فيؤخذ منه أن تستخدم مثل هذه الوسائل المباحة لنشر دعوة المسلمين وللرد على الكفار المعاندين للإسلام وأهله بما فيه نكاية لهم ومدافعة لشرهم. (تكملة فتح الملهم، كتاب فضائل الصحابة، فضائل حسان بن ثابتؓ، مكتبه أشرفيه ديوبند ۵/ ۲۴۸)

مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب البيان والشعر، الفصل الأول، مكتبه إمداديه ملتان ۹/ ۱۲۵۔

اس میں عین اُن کی خیر خواہی ہے، دلیل اس شدّت وخِفت کی ایک حدیث ہے، کہ حضرت عائشہؓ کی کسی نے چوری کی، انہوں نے بددعاء کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بددعا کرنے سے اُس کی عقوبت میں تخفیف ہوجاوے گی (۱)۔ اور آپ کی اسی حکمت کی نظیر دوسری حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات میں گھر والوں نے آپ کے مُنھ مبارک میں دوا ڈالی، اور منع کرنے پر بھی ایسا کیا، آپ نے اپنے سامنے سب کے مُنھ میں دوا ڈالنے کا حکم دیا۔ رواه البخاري في باب مرض النبي صلى الله عليه وسلم ووفاته (۲)۔ وہاں محققین نے یہی حکمت بیان فرمائی ہے کہ اگر آپ انتقام نہ لیتے تو اُن پر کوئی وبال نازل ہوتا، آپ نے اُن کو بچادیا (۳) غرض یہ ہے کہ آپ کا اصلی مزاج تو یہ تھا کہ حدیثوں میں وارد ہے، کہ آپ سے کفّار کے لئے بددعا کرنے کی درخواست کی گئی، آپ نے انکار فرمادیا (۴) اور اصلی مزاج کے خلاف جہاں ہوگا کسی قوی عارض کی وجہ سے ہوگا۔ فقط

۲۲ / رجب ۱۳۵۱ھ (النور، ربیع الاول ۵۲ھ ص ۷)

---

(۱) **عن عائشة رضي الله عنها قالت: سرقت ملحفة لها فجعلت تدعو على من سرقها فجعل النبي صلى الله عليه وسلم يقول: لا تسبخي عنه، قال أبوداؤد: لا تسبخي أي لا تخففي عنه.** (أبوداؤد شريف، باب تفريع أبواب الوتر، باب الدعاء، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۰، دارالسلام رقم: ۱۴۹۷)

(۲) **وقالت عائشة رضي الله عنها لددناه في مرضه فجعل يشير إلينا أن لا تلدوني فقلنا كراهية المريض للدواء، فلما أفاق قال: ألم أنهكم أن تلدوني؟ قلنا: كراهية المريض للدواء، فقال: لا يبقى أحد في البيت إلا لُدَّ وأنا أنظر إلا العباس، فإنه لم يشهدكم.** (بخاري شريف، كتاب المغازي، باب مرض النبي صلى الله عليه وسلم ووفاته، النسخة الهندية ۲/ ۶۴۱، رقم: ۴۲۷۴، ف: ۴۴۵۸)

(۳) **وإنما فعل بهم ذلک عقوبة لهم لتركهم امتثال نهيه عن ذلک، أما من باشره فظاهر، وأما من لم يباشره فلكونهم تركوا نهيهم عما نهاهم هو عنه، ويستفاد منه أن التأويل البعيد لا يعذر به صاحبه، وفيه نظر أيضا؛ لأن الذي وقع في معارضة النهي، قال ابن العربي: أراد أن لا يأتوا يوم القيامة، وعليهم حقه فيقعوا في خطب عظيم الخ.** (فتح الباري، كتاب المغازي، باب مرض النبي صلى الله عليه وسلم، مكتبه أشرفيه ديوبند ۸/ ۱۸۶)

(۴) **عن عروة أن عائشة رضي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم حدثته** ←

بابو وغیرہ کو رشوت دینا

سوال (۲۵۲۸): قدیم ۴/۱۷۶- مال روانہ کرنے کے وقت پارسل بابو یا مال بابو کچھ بلٹی کی بنوائی لیتے ہیں، ایسے ہی مال چھوڑنے کے وقت بھی کچھ لیتے ہیں، اگر اُن کو نہ دیا جائے تو طرح طرح کی پریشانی میں مبتلا ہونا پڑتا ہے، مثلاً پارسل کا کٹ جانا، بلٹی کا بہت دیر میں دینا بلٹی کا روک لینا، پارسل کا نہ چھوڑنا، اور اگر مقدمہ بازی کی جاوے تو کے دفعہ ہوسکتی ہے، اور پھر تمام لوگ دیتے ہیں، ان سب کے مقابلہ میں اگر ایک نہ دے تو وہ کچھ نہیں کرسکتا، اور نہ ثبوت اس کا بہم پہنچا سکتا ہے تو آیا یہ اُجرت دینا رشوت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو کیوں اس لئے کہ اُن کی تنخواہ سرکاری طور پر مقرر ہے، پھر اُجرت کیسی، اور اگر ہے تو پھر اس سے خلاصی کی کیا صورت ہے؟

الجواب: یہ رشوت ہے؛ لیکن یہ دینا دفع ظلم کے لئے ہے، اور دفع ظلم کے لئے رشوت دینا جائز ہے (۱)۔ ۹ر شوال ۱۳۳۲ھ (حوادث اول ص ۱۵۴)

← **أنها قالت للنبي صلى الله عليه وسلم هل أتى عليك يوم كان أشد من يوم أحد قال: لقد لقيت من قومك ما لقيت منهم يوم العقبة إذ عرضت نفسي على ابن عبد ياليل بن عبد كلال فلم يجبني إلى ما أردت فانطلقت وأنا مهموم على وجهي فلم أستفق إلا وأنا بقرن الثعالب فرفعت رأسي، فإذا أنا بسحابة قد أظلتني فنظرت، فإذا فيها جبرئيل فناداني فقال: إن الله قد سمع قول قومك لك وما ردوا عليك وقد بعث إليك ملك الجبال لتأمره بما شئت فيهم فناداني ملك الجبال فسلم علي ثم قال: يا محمد فقال ذلك فيما شئت إن شئت أن أطبق عليهم الأخشبين، فقال النبي صلى الله عليه وسلم بل أرجو أن يخرج الله من أصلابهم من يعبد الله وحده لا يشرك به شيئا.** (بخاري شريف، كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة، النسخة الهندية ۱/ ۴۵۸، رقم: ۳۱۲۶، ف: ۳۲۳۰)

مسلم شريف، كتاب الجهاد والسير، باب ما لقي النبي صلى الله عليه وسلم من أذى المشركين والمنافقين، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۹، بيت الأفكار رقم: ۱۷۹۵۔

(۱) **عن وهب بن منبه قال: فليست الرشوة التي يأثم فيها صاحبها بأن يرشو فيدفع عن ماله ودمه، إنما الرشوة التي تأثم فيها أن ترشو لتعطي ما ليس لك.** ←

. . . .

← (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب آداب القاضي، باب من أعطاها ليدفع بها عن نفسه أو ماله ظلما أو يأخذ بها حقا، دارالفكر بيروت ١٥/ ١٤٥، رقم: ٢١٠٦٩)

لا بأس بالرشوة إذا خاف على دينه (درمختار) وفي الشامية: دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولاستخراج حق له ليس برشوة يعني في حق الدافع. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٦٠٧، كراچی ٦/ ٤٢٣)

ومنها إذا دفع الرشوة خوفا على نفسه أو ماله فهو حرام على الآخذ غير حرام على الدافع. (البحرالرائق، كتاب القضاء، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٤١، كوئٹه ٦/ ٢٦٢)

أما إذا أعطى ليتوصل به إلى حق أو ليدفع به عن نفسه ظلما فلا بأس به. (مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء، باب رزق الولاة وهداياهم، مكتبه إمداديه ملتان ٧/ ٢٤٨)

إذا دفع الرشوة لدفع الجور عن نفسه أو أحد من أهل بيته لم يأثم. (هندية، كتاب الهبة، الباب الحادي عشر: فى المتفرقات، قديم زكريا ديوبند ٤/ ٤٠٣، جديد زكريا ٤/ ٤٣١)

الموسوعة الفقهية الكويتية ٤/ ٤٠٣۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲/ باب: نکاح اور منگنی وغیرہ

بیوہ عورتوں کو نکاح سے روکنا

سوال (۲۵۲۹): قدیم ۴/۱۷۶- بیوہ عورتوں کو نکاح ثانی سے روکنا شرع شریف میں حلال ہے یا حرام، یا مکروہ؟ مع دلیل شرع کے بیان فرمایئے۔ بینوا توجروا۔ فقط

الجواب: قال اللّٰه تعالیٰ: فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن إذا تراضوا بينهم بالمعروف ذلك يوعظ به من كان منكم يؤمن باللّٰه واليوم الآخر ذٰلكم أزكیٰ لكم وأطهر. الآية (۱)۔ وقال اللّٰه تعالیٰ: وانكحوا الأيامىٰ منكم. الآية (۲)۔ وقال رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم: يا علي! لا تؤخر ثلاثاً، وعد منها: الأيم إذا وجدت لها كفؤا (الحديث (۳)۔ اور اگر اس کو عار وعیب وننگ سمجھتا ہے تو خوفِ کفر ہے۔

لقوله تعالیٰ: فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجاً مما قضيت ويسلموا تسليما. الآية (۴)۔ ولقوله صلى الله عليه وسلم: لا يؤمن أحدكم حتى يكون هواه تبعا لما جئت به. (الحديث (۵)۔

۲۱/ شعبان ۱۳۳۰ھ (امداد، ج۲ ص۱۲۶)

---

(۱) سورة البقرة، رقم الآية: ۲۳۲۔

(۲) سورة النور، رقم الآية: ۳۲۔

(۳) **عن علي بن أبي طالب أن النبي صلى الله عليه وسلم قال له: يا علي! ثلاث لا تؤخرها: الصلاة إذا آنت، والجنازة إذا حضرت، والأيم إذا وجدت لها كفئا.** (ترمذي شريف، أبواب مواقيت الصلاة، باب ماجاء في الوقت الأول من الفضل، النسخة الهندية ۱/ ۴۲، دارالسلام رقم: ۱۷۱)

ابن ماجه شريف، أبواب الجنائز، باب ما جاء في الجنازة لا تؤخر إذا حضرت، النسخة الهندية ص: ۱۰۷، دارالسلام رقم: ۱۴۸۶۔

(۴) سورة النساء، رقم الآية: ۶۵۔

(۵) مشكوة شريف، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۳۰۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بیوہ عورت کوکسی دواوغیرہ سے باکرہ بنانا دھوکہ دینے کے لئے

سوال (۲۵۳۰): قدیم ۴/ ۱۷۷- (۱) بعض زنانِ بیوہ را باکرہ ساختہ ازقسم دواوغیرہ یا فریب کردہ بشوہر مید ہند تمام عمر شوہر آں طعن وملامت آں می کنند ازیں وجہ زن وشوہر ناخوش وناراض باہم دیگر عداوت دارند حکم شرع دریں باب چیست؟

الجواب: (۲) **عن أبي هريرةؓ أن رسول اللّٰه ﷺ قال: من غشّ فليس مني. رواه مسلم مشكوٰة، باب المنهى عنها من البيوع** (۳)۔

ازیں حدیث صریح معلوم می شود حرمت ایں فعل مسئول عنہ بمثابۂ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعلش را خارج از جماعتِ خود فرمودند۔ (تتمہ اولیٰ ص ۳۱۸)

---

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ سوال**: بعض لوگ بیوہ عورتوں کو دواوغیرہ کے ذریعہ باکرہ بنا کر یا دھوکہ دے کر شوہر کے حوالے کردیتے ہیں، پھر شوہر ساری زندگی بیوی کو لعن وطعن اور ملامت کرتے رہتے ہیں اور اسی وجہ سے میاں بیوی آپس میں ناخوش رہتے ہیں اور ان کی آپس میں نہیں بنتی ہے، تو اس سلسلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۲) **خلاصۂ ترجمۂ جواب**: اس حدیث سے صراحۃً یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسئولہ فعل کی حرمت اتنی شدید ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کے مرتکب کو اپنی جماعت سے خارج قرار دیا ہے۔

(۳) مشكوة شريف، كتاب البيوع، باب المنهي عنها من البيوع، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۲۴۸۔

مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ۱/ ۷۰، بيت الأفكار، رقم: ۱۰۱۔

عن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ مرّ على صبرة من طعام، فأدخل يده فيها، فنالت أصابعه بللا، فقال: يا صاحب الطعام! ما هذا؟ قال: أصابته السماء يا رسول الله! قال: أفلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس؟ ثم قال: من غش فليس منا. (ترمذي شريف، كتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع، النسخة الهندية ۱/ ۲۴۵، دارالسلام، رقم: ۱۳۱۵)

أبوداؤد شريف، كتاب البيوع، باب في النهي عن الغش، النسخة الهندية ۲/ ۴۸۹، دارالسلام، رقم: ۳۴۵۲۔

ابن ماجه شريف، أبواب التجارات، باب النهي عن الغش، النسخة الهندية ص: ۱۶۰، دارالسلام رقم: ۲۲۲۴-۲۲۲۵۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۳/باب: عورتوں پر پردے اور نظر ولمس وغیرہ کے اَحکام

عورتوں کے پردہ کا حکم

سوال (۲۵۳۱): قدیم ۴/۱۷۷- پردہ کی نسبت کیا حکم ہے، آیا پردہ فرض ہے یا واجب ہے یا کیا؟

الجواب: پردہ کے دو معنی ہیں: ایک ستر دوسرے حجاب۔ ستر تو فرض ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ مرد کو مرد کا سارا بدن دیکھنا جائز ہے، مگر ناف سے زانو تک جائز نہیں۔ اور عورت کو عورت کا بھی اتنا ہی بدن دیکھنا جائز ہے۔ اور اپنی مملوکہ (*) حلال شرعی اور اپنی زوجہ کا سارا بدن دیکھنا جائز ہے، اور اپنے محارم کا مُنھ اور سر اور سینہ اور پنڈلیاں اور دونوں بازو دیکھنا بشرط امن شہوت جائز ہے۔ اور اُن کی پشت اور شکم دیکھنا جائز نہیں، اور غیر مملوکہ کا بھی اتنا ہی بدن دیکھنا جائز ہے، اور اجنبی آزاد عورت کا کچھ دیکھنا جائز نہیں، مگر ہتھیلیاں دیکھنا بشرط امن شہوت جائز ہے، اور اگر شہوت کا خوف ہو تو بغیر حاجت ضروری شرعی کے دیکھنا جائز نہیں، ہاں اگر حاجت ہو جیسے حاکم حکم کرتے وقت اور گواہ کو شہادت کے وقت تو چہرہ دیکھنا جائز ہے، اور طبیب کو مرض کا موضع دیکھنا جائز ہے، اگرچہ لوگوں کو خوف شہوت کا ہو، باقی حتی الوسع شہوت کو دل سے دور کرے، چنانچہ یہ روایت قدوری کی شاہد اس مضمون کی ہے:

ولا يجوز أن ينظر الرجل من الأجنبية إلا وجهها وكفيها، فإن كان لا يأمن من الشهوة لم ينظر إلى وجهها إلا لحاجة، ويجوز للقاضي إذا أراد أن يحكم عليها وللشاهد إذا أراد الشهادة عليها أن ينظر إلى وجهها وإن خاف أن يشتهي، ويجوز للطبيب أن ينظر إلى موضع المرض منها، وينظر الرجل من الرجل في جميع بدنه إلا مابين سُرّته إلى ركبته، ويجوز للمرأة أن تنظر من الرجل إلى ما ينظر إليه الرجل، وتنظر المرأة من المرأة إلى ما يجوزللرجل أن ينظر إليه من الرجل، وينظر الرجل من أمته التي تحل له وطيها وزوجته إلى فرجها، وسائر جسدها، وينظر الرجل من ذوات محارمه

(*) یعنی جس سے صحبت حلال ہو۔ ۱۲ منہ

إلی الوجه والرأس، والصدر، والساقین، والعضدین، ولا ینظر إلی ظهرها وبطنها، وینظر الرجل من مملوکة غیره إلیٰ ما یجوز له أن ینظر إلیه من ذوات محارمه (۱)۔

پس ستر اس تفصیل سے فرض ہے۔

دوسرا حجاب ہے جو آج کل شرفاء میں معمول ہے، کہ عورت مرد اجنبی کو بالکل بدن نہیں دکھاتی، اور غالباً غرض سائل کی اسی کا پوچھنا ہے، پس یہ جناب رسالت مآب ﷺ کی ازواج مطہرات پر تو فرض تھا۔

لقوله تعالیٰ: وقرن في بیوتکن (۲)۔ ولقوله تعالیٰ: وإذا سألتموهن متاعاً فسئلوهن من وراء حجاب (۳)۔

اور مومنینِ اُمّت کی عورتوں پر فرض نہیں، چنانچہ روایت بالا سے معلوم ہو چکا کہ اجنبی عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھنا بشرط امن شہوت جائز ہے؛ البتہ یہ حجاب سنت اور واجب استحسانی ہے اور بہ نظر (*) مصلحت ورفع شر وفتنہ ضروری ہے۔

لقوله تعالیٰ: یٰایها النبی قل لأزواجک وبناتک ونساء المؤمنین یدنین علیهن من جلابیبهن ذٰلک أدنیٰ أن یعرفن فلا یؤذین. الآیة (۴)۔

تفسیر حسینی میں ہے: ''گویند درشان زانیان ست کہ شبہا برسر راہ ہانشستندے ودست تعدّی بدامنِ کنیزان رسانیدے۔ وسعدیؒ می فرماید کہ دراں وقت حرائر را علامت آں بود کہ سر پوشیدہ در راہ افتندے

(*) حاصل اس کا وجوب لغیرہ ہے۔۱۲ منہ

(۱) المختصر القدوري، کتاب الحظر والإباحة، قبیل کتاب الوصایا، مکتبه إمدادیه ملتان ص: ۲۸۰-۲۸۱۔

هدایة، کتاب الکراهیة، فصل في الوطء والنظر والمس، مکتبه أشرفیه دیوبند ۴/ ۴۵۸ تا ۴۶۲۔

ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر، کتاب الکراهیة، فصل في النظر ونحوه، دارالکتب العلمیة بیروت ۴/ ۱۹۹-۲۰۰۔

(۲) سورة الأحزاب، رقم الآیة: ۳۳۔

(۳) سورة الأحزاب، رقم الآیة: ۵۳۔

(۴) سورة الأحزاب، رقم الآیة: ۵۹۔

وجواری سر برہنہ بودندے چوں آں بدکاراں از سر پوشیدگان تحاشی می نمودندلا جرم آیت آمد اے پیغمبر بگومر زنان خودراودختران خودراوزنان مومنان راکہ بوقت بیروں رفتن از خانہ نزدیک گردانندوفرد گذارند بر روئہائے وبدنہائے خویش چادرہائے خودرایعنی وجوہِ ابدان پوشند ایں پوشیدن سرورو ئے وبدن نزدیک تراست بآنکہ ایشاں رابشناسند بصلاح وعفت یا متمیز شوند بآزادی پس ایذاء کردہ نشوند یعنی آن زانیان تعرض نہ کنند ایشاں را۔ انتہٰی (۱)۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم فتنہ کے سبب سے ہوا۔

وفي الدرالمختار، صفحه ۲۷۲ من الجلد الأول: وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا لأنه عورة بل لخوف الفتنة كمسه، وإن أمن الشهوة؛ لأنه أغلظ، ولذا ثبت به حرمة المصاهرة كما ياتي في الحظر. انتهى (۲)۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ **قل للمؤمنٰت يغضضن من أبصارهن. الأية (۳)**۔ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مترجم گوید کہ حاصل ایں آیت آنست کہ مواضع زینت دوقسم است، آنچہ درستر آں حرج است، وآں وجہ وکفین بود، وآنچہ درستر آں حرج نیست مانند سروگردن وعضدوذراع وساق، پس ستر وجہ وکفین از اجنبیان

---

(۱) مواهب عليه المعروف بتفسير حسيني، قديم ۲/ ۱۳۷، سورة الأحزاب، آيت: ۵۹۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۷۹، كراچی ۱/ ۴۰۶۔

وفي المنتقى: تمنع الشابة عن كشف وجهها لئلا يؤدي إلى الفتنة، وفي زماننا المنع واجب بل فرض لغلبة الفساد. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۲۲)

قال مشايخنا: تمنع المرأة الشابة من كشف وجهها بين الرجال في زماننا للفتنة. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۷۰، كوئٹه ۱/ ۲۷۰)

قال الحنفية: تمنع المرأة الشابة من كشف وجهها بين الرجال في زماننا، لا لأنه عورة، بل لخوف الفتنة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۱/ ۱۳۴)

(۳) سورة النور، رقم الآية: ۳۱۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

فرض نیست بلکہ سنت است وستر غیر آں از اجنبیان فرض است نہ از محارم۔ واللہ اعلم۔ فتح الرحمٰن (۱)۔ اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ **فاسئلو هن من وراء حجاب. الآية** (۲)۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اور اس آیت میں حکم ہوا پردہ کا، کہ مرد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے سامنے نہ جائیں، سب مسلمانوں کی عورتوں پر یہ حکم واجب نہیں، اگر عورت سامنے ہو کسی مرد کے سب بدن کپڑوں میں ڈھکا ہو تو گناہ نہیں، اور اگر نہ سامنے ہو تو بہتر ہے۔ موضح القرآن (۳)۔

پس خلاصۂ جواب یہ ہوا کہ ستر فرض ہے اور حجاب بنظر مصلحت واجب ہے۔ **واللہ أعلم و علمہ أتم و أحکم.** ۲۸/ شعبان یوم الاربعاء ۱۳۰۰ھ (امداد، ج س ۲، ص ۱۱۹)

سوال بریں فتویٰ

آپ کی تحریر سے ثابت ہوا کہ پردہ جائز ہے، اگر نہ کرے تو گناہ نہیں، اور مصلحۃً واجب کسے کہتے ہیں؟ اس کا مفصل حال لکھو۔

الجواب : میری تحریر سے جائز ہونا پردہ کا ثابت نہیں ہوتا، خود یہ عبارت اس میں موجود ہے (پس ستر وجہ وکفین از اجنبیان فرض نیست، بلکہ سنت ست) پس جائز ہونا کہیں ثابت نہیں ہوتا، اور یہ جو لکھا ہے کہ اگر کوئی نہ کرے تو گناہ نہیں، یہ بھی ثابت نہیں ہوتا؛ کیونکہ یہ عبارت اس میں موجود ہے (اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم فتنہ کے سبب سے ہوا) تو جو حکم کسی علّت سے ہوتا ہے جب وہ علّت پائی جائے گی حکم بھی ضرور پایا جائے گا (۴) پس جب پردہ کا حکم بہ علّت خوف فتنہ ہوا تو جہاں خوف اندیشۂ فتنہ ہوگا جیسے جوان عورت میں

---

(۱) فتح الرحمن بترجمة القرآن للشاه ولي الله المحدث الدهلوي، سورة النور، آيت: ۳۱، ص: ۳۵۳۔

(۲) سورة الأحزاب، رقم الآية: ۵۳۔

(۳) تفسير موضح القرآن، سورة الأحزاب، آيت: ۵۳، مطبوعه أحمدي دهلي ۵/ ۱۲۲۔

(۴) **الحكم يدور مع العلة وجودًا وعدمًا.** (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۱۱۷، كراچی ۳/ ۳۹)

الحكم يدور مع العلة لا مع الحكم. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۳۲) ←

اس پر یہ حکم بھی ضرور واجب ہوگا، اگر نہ کرے گی تارک واجب اور گنہگار ہوگی (۱) البتہ جہاں احتمال فتنہ کا نہ ہو جیسے ساٹھ ستّر برس کی بُڑھیا تو اس پر یہ حکم بھی واجب نہیں، اور اگر وہ پردہ نہ کرے تو گنہگار نہ ہوگی، ہاں تارک سنت ہے اور واجب **مصلحۃً** کے یہ معنی نہیں کہ لوگوں نے مصلحت دیکھ کر واجب کر دیا؛ بلکہ یہ معنی ہیں کہ شریعت نے اس کا وجوب ایک **مصلحت** پر مبنی رکھا ہے، جب وہ **مصلحت** ہوگی وجوب بھی رہے گا، جب وہ مصلحت نہ ہوگی وجوب بھی نہ رہے گا، جیسا پردے میں **مصلحت** رفع شر وفتنہ ہے۔ **وجوده بوجودها وعدمه بعدمها.** بخلاف دیگر واجبات مطلقہ کے کہ اُن میں حکم قائم مقام عِلّت کے ہو جایا کرتا ہے۔ **كما لا يخفىٰ على من له أدنى مسكة في الفقة هذا ما عندي.** واللہ اعلم

۵؍رمضان چہار شنبہ ۱۳۰۰ھ (امداد ج ۲ ص ۱۲۰)

ایضاً

سوال (۲۵۳۲): قدیم ۴/۱۸۰- آزاد اور مومنہ عورت کا پردہ اجنبیوں اور نامحرموں کے سامنے آنے میں ازروئے فقہ وحدیث کیا ہے؟ برقعہ اوڑھنا واجب ہے یا چہرہ اور ہاتھ کھول کے باہر نکلنا جائز ہے؟ اور اگر جائز ہے تو اُس شخص کی نسبت کیا حکم ہے جو عورتوں کو گھر میں بیٹھ رہنے پر مجبور کرے، چار دیواری سے نکلنے نہ دے یا بغیر برقعہ کے آنے جانے سے روکے؟

← **القاعدة المقرّرة أن الحكم يدور مع العلة وجودًا وعدمًا.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۹/ ۳۸۶)

(۱) **وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال، لا لأنه عورة، بل لخوف الفتنة، كمسه وإن أمن الشهوة؛ لأنه أغلظ، ولذا ثبت به حرمة المصاهرة كما يأتي في الحظر.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۷۹، كراچی ۱/ ۴۰۶)

تمنع الشابة عن كشف وجهها لئلا يؤدي إلى الفتنة، وفي زماننا المنع واجب بل فرض لغلبة الفساد. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۲۲)

قال مشايخنا: تمنع المرأة الشابة من كشف وجهها بين الرجال في زماننا للفتنة. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۷۰، كوئٹه ۱/ ۲۷۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: وقرن في بیوتکن. پارہ: ومن یقنت شروع (۱)۔ وقال اللّٰہ: یایھا النبی قل لازواجک وبناتک ونساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن. أیضا پارہ: ومن یقنت قریب ربع (۲)۔ وقال اللّٰہ تعالیٰ: وإذا سالتموھن متاعاً فاسئلوھن من وراء حجاب. أیضا پارہ: ومن یقنت رکوع۳(۳)۔وقال اللّٰہ تعالیٰ: والقواعد من النساء اللاتی لا یرجون نکاحًا فلیس علیھن جناح أن یّضعن ثیابھن غیر متبرجات بزینة وان یستعففن خیر لھن. پارہ: قد أفلح بعد ثلث أربع (۴)۔

وقال رسول اللّٰہ ﷺ: المرأة عورة فإذا خرجت استشرفھا الشیطٰن. رواہ الترمذي (۵)۔ وعن أم سلمة أنھا کانت عند رسول اللّٰہ ﷺ ومیمونة إذ أقبل ابن أم مکتوم فدخل علیہ، فقال رسول اللّٰہ ﷺ: احتجبا منہ، فقلت: یا رسول اللّٰہ ﷺ! ألیس ھو أعمٰی لا یبصرنا؟ فقال ﷺ: أفعمیا، وإن أنتما (۶)۔

---

(۱) سورة الأحزاب، رقم الآیة: ۳۳۔

(۲) سورة الأحزاب، رقم الآیة: ۵۹۔

(۳) سورة الأحزاب، رقم الآیة: ۵۳۔

(۴) سورة النور، رقم الآیة: ۶۰۔

(۵) ترمذي شریف، کتاب الرضاع، باب ماجاء في کراھیة الدخول علی المغیبات، النسخة الھندیة ۱/ ۲۲، دارالسلام رقم: ۱۱۷۳۔

(۶) **عن أم سلمة أنھا کانت عند رسول الله صلی الله علیه وسلم ومیمونة قالت: فبینا نحن عندہ أقبل ابن أم مکتوم، فدخل علیه وذلک بعد ما أمرنا بالحجاب، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: احتجبا منه، فقلت: یا رسول الله! ألیس ھو أعمی لا یبصرنا، ولا یعرفنا؟ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: أفعمیا وإن أنتما ألستما تبصرانه.** (ترمذي شریف، کتاب الأدب، باب ماجاء في احتجاب النساء من الرجال، النسخة الھندیة ۲/ ۱۰۶، دارالسلام رقم: ۲۷۷۸)

أبوداؤد شریف، کتاب اللباس، باب في قوله عز وجل (وقل للمؤمنات یغضضن من أبصارھن) النسخة الھندیة ۲/ ۵۶۸، دارالسلام رقم: ۴۱۱۲۔

وفي الدرالمختار: تمنع الشابة وجوبا من كشف الوجه بين رجال، لا لأنه عورة، بل لخوف الفتنة. اه (۱) (اس کا صفحہ اس وقت یاد نہیں، مگر عبارت دیکھی ہوئی یاد ہے)

ان احادیث وآیات وروایاتِ فقہیہ کا ترجمہ کسی ذی علم سے دریافت کر کے غور درکار ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے لئے حکم اصلی احتجاب واستتار بجمیع اعضائہا وارکانہا ثابت ہے؛ البتہ جہاں ضرورت شدیدہ ہو یا بسبب کبرسن کے مطلق احتمال فتنہ واشتہاء کا باقی نہیں، وہاں وجہ وکفین کا کشف جائز ہے (۲) اور یہی مطلب ہے اُن کے ستر نہ ہونے کا، اس سے جواب سوال کا واضح ہوگیا کہ مشتہات عورت کا اجنبی کے روبرو آنا از روئے قرآن وحدیث وفقہ ناجائز ہے، اور ضرورت میں بُرقعہ اوڑھ کر نکلے؛ البتہ جہاں ضیق ہو یا معمّر زیادہ ہو وہاں جائز ہے، پس جو عورتوں کو گھروں میں بیٹھے رہنے پر مجبور کرے اور چار دیواری سے نکلنے نہ دے اور بغیر برقعہ کہیں آنے جانے سے روکے وہ بالکل قرآن وحدیث وفقہ پر عامل ہے اور اس شخص کو مفاسد سے روکنے کا اجر عظیم ملے گا،

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۷۹، كراچی ۱/ ۴۰۶۔

وفي الدرالمنتقى: تمنع الشابة عن كشف وجهها لئلا يؤدي إلى الفتنة، وفي زماننا المنع واجب بل فرض لغلبة الفساد. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۲۲)

قال مشايخنا: تمنع المرأة الشابة من كشف وجهها بين الرجال في زماننا للفتنة. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۷۰، كوئٹه ۱/ ۲۷۰)

(۲) **ولا يجوز أن ينظر الرجل من الأجنبية إلا وجهها وكفيها، فإن كان لا يأمن من الشهوة لم ينظر إلى وجهها إلا لحاجة.** (مختصر القدوري، كتاب الحظر والإباحة، قبيل كتاب الوصايا، مكتبه إمداديه ديوبند ص: ۲۸۰-۲۸۱)

ونصوا على أنه لا يجوز أن ينظر الرجل إلى الأجنبية إلا وجهها وكفيها، فإن كان لا يأمن من الشهوة لا ينظر إلى وجهها إلا لحاجة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۹/ ۵۳)

هداية، كتاب الكراهية، فصل في الوطء والنظر والمس، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۴۵۸۔

اور مغلاق الشر و مفتاح الخیر کا مصداق ہوگا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۶؍رمضان ۱۳۱۹ھ (امداد ج ۲ ص ۱۴۸)

پردہ کے سلسلہ میں تفصیل اور اس شخص کی امامت کا حکم جس کی عورت بے پردہ ہو

یہ مسئلہ، امداد، ج ۲ ص ۱۵۴ سے جلد اول صفحہ ۲۲۲ پر لکھا گیا ہے؛ لہٰذا وہاں ملاحظہ فرمائیں (۲)۔

---

(۱) **عن سهل بن سعد رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن هذا الخير خزائن، ولتلك الخزائن مفاتيح، فطوبى لعبد جعله الله مفتاحا للخير مغلاقا للشر، وويل لعبد جعله الله مفتاحا للشر مغلاقا للخير.** (ابن ماجه شريف، المقدمة، باب من كان مفتاحا للخير، النسخة الهندية ص: ۲۱، دارالسلام رقم: ۲۳۸)

(۲) دیکھئے سوال نمبر: ۲۷۹ کا جواب۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

إلقاء السكينة في تحقيق إبداء الزينة

عورتوں کے پردہ کا حکم

سوال (۲۵۳۳): قدیم ۴/۱۸۱- بعض لوگوں نے آیت نور: لا یبدین زینتهن إلاما ظهر منها (۱) میں ما ظهر منها کی تفسیر جو وجہ اور کفین کے ساتھ منقول ہے اس سے عدم وجوب استتار وجہ وکفین پر استدلال کیا ہے، آیا یہ استدلال صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: اوّل: ماظهر منها کی یہ تفسیر متعین نہیں، یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر ثیاب وجلباب کے ساتھ منقول ہے۔ والقولان مع أقوال أخر منقولان في الدر المنثور (۲)۔

جب یہ تفسیر محتمل ہوئی تو محتمل سے استدلال صحیح نہیں؛ کیونکہ قول اخیر پر آیت میں وجہ وکفین کے استثناء کی کوئی دلیل ہی نہیں۔ اور بعد تسلیم بھی یہ استدلال باطل ہے، اور منشاء اس کا جہل ہے پانچ امر سے، خود

---

(۱) سورة النور، رقم الآية: ۳۱۔

(۲) أخرج عبدالرزاق، والفريابي وسعيد بن منصور ...... عن ابن مسعود رضي الله عنه في قوله (ولا يبدين زينتهن) قال: الزينة: السوار، والدملج، والقرط، والقلادة (الا ما ظهر منها) قال: الثياب والجلباب.

وأخرج ابن المنذر عن أنس في قوله (ولايبدين زينتهن الا ما ظهر منها) قال: الكحل، والخاتم.

وأخرج البيهقي عن ابن عباس رضي الله عنه (ولايبدين زينتهن الا ما ظهر منها) قال: الكحل، والخاتم، والقرط، والقلادة.

وأخرج عبدالرزاق وعبد بن حميد عن ابن عباس في قوله (إلا ما ظهر منها) قال: هو خضاب الكف، والخاتم.

وأخرج ابن أبي شيبة وعبد بن حميد وابن أبي حاتم عن ابن عباس رضى الله عنه في قوله (إلا ما ظهر منها) قال: وجهها وكفاها والخاتم. (الدرالمنثور، سورة النور، آيت: ۳۱، دارالكتب العلمية بيروت ۵/ ۷۴-۷۵)

جملہ ظهر منها کے معنی سے بھی ۲و۳ اور لا يبدين کے سباق بالموحده وسیاق بالتحتانيه سے بھی ۴و۵ اور اس آیت سے مقدم فی النزول بعض آیات سے بھی اور دوسری مؤخر في التلاوة غير معلوم التقدم والتأخر في النزول آیت سے بھی، چنانچہ سب کے متعلق عرض کرتا ہوں:

امر اوّل: ماظهر منها فرمانا اور ما اظهرن نہ فرمانا (باوجودیکہ اور سب صیغ مذکورہ فی الآیہ میں فاعل نساء کو قرار دیا گیا ہے، جیسے يغضضن، يحفظن، لا يبدين، يضربن، بخمرهن، لا يضربن بأرجلهن دال ہے اس پر کہ یہ ظہور من غیر اظہار ہے (*)۔

امر ثانی: يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن.

امر ثالث: لا يضربن بأرجلهن

امر رابع: سورۂ احزاب کی (جو کہ سورۂ نور سے نزول میں مقدم ہے كذا في الاتقان (۱)) آیتیں:

قوله تعالیٰ: وقرن فی بیوتکن (۲)۔

(*) توجيه الدلالة أن الظهور له درجتان أحدهما ما بدون الإظهار حقيقة كالاضطراري، أو حكما كالظهور الضروري المشابه بالاضطراري كما سيأتي، والأخرى ما بالإظهار والمراد ههنا الأولى لكونها أدنى لا يحتاج إلى الدليل، ولا دليل على الزائد، ولكونه مقتضى المقام من المنع عن الإظهار. ۱۲ منه

---

(۱) وقال ابن الضريس في فضائل القرآن: حدثنا محمد بن عبدالله بن أبي جعفر الرازي أنبأنا عمرو بن هارون حدثنا عثمان بن عطاء الخراساني عن أبيه عن ابن عباس رضي الله عنه قال: كانت إذا أنزلت فاتحة الكتاب بمكة كتبت بمكة، ثم يزيد الله فيها ماشاء، وكان أول ما أنزل من القرآن: اقرأ باسم ربک، ثم نٓ، ثم يا أيها المزمل ...... فهذا ما أنزل الله بمكة، ثم أنزل بالمدينة سورة البقرة، ثم الأنفال، ثم آل عمران، ثم الأحزاب، ثم الممتحنة، ثم النساء، ثم إذا زلزلت، ثم الحديد، ثم القتال، ثم الرعد، ثم الرحمن، ثم الإنسان، ثم الطلاق، ثم لم يكن، ثم الحشر، ثم إذا جاء نصر الله ثم النور، ثم الحج الخ. (الإتقان في علوم القرآن للإمام السيوطي، النوع الأول في معرفة المكي والمدني، الهيئة المصرية العامة للكتاب ۱/ ۴۲-۴۳)

(۲) سورة الأحزاب، رقم الآية: ۳۳۔

وقوله تعالیٰ: وإذا سألتموهن متاعاً (۱)۔ وقوله تعالیٰ: يدنين عليهن من جلابيبهن (۲)۔

امر خامس: آية والقواعد من النساء اللاتي لا يرجون نكاحًا (۳)۔

اور چونکہ ان امورخمسہ میں کوئی تعارض نہیں. کما سیتضح. اوراسی لئے کسی نے ان میں مؤخر کو مقدم کا ناسخ نہیں کہا؛ اس لئے یہ پانچوں واجب الاخذ ہوں گے، پس مجموعہ امورخمسہ پر نظر کرکے تقریر مقام کی یہ ہوگی کہ آیت: وقرن في بيوتكن. اور آیت: واذاسألتموهن سے عورتوں پر استتار اشخاص کا واجب کیا گیا ہے اور اصل حکم اور عزیمت یہی ہے؛ لیکن کبھی خروج عن البیت کی بھی حاجت واقع ہوتی ہے، ایسی حالت میں يدنين عليهنَّ من جلا بيبهن سے اظہار اشخاص میں رخصت دی گئی اور استتار ابدان کو واجب فرمایا گیا، پھر کبھی گھر سے باہر بعض کو جن کے پاس خادم نہ ہوں بعضے ایسے کاموں کی ضرورت واقع ہوجاتی ہے جو ہاتھ سے کئے جاتے ہیں، اوراس لئے ہاتھ کا استتار موجب حرج ہوتا ہے اور کام کرنے کے وقت اس کام کے دیکھنے کی بھی حاجت ہوتی ہے، اور گھونگٹ سے مُنھ چھپانے میں وہ گھونگٹ ابصار میں حائل ہوجاتا ہے، اوراس لئے چہرہ کا استتار بھی موجب حرج ہوتا ہے، ایسی حالت میں إلا ما ظهر منها سے بنابر تفسیر مشہور صرف اظہار وجہ وکفین کی رخصت دی گئی ہے۔ اور بقیہ بدن کے استتار کو واجب فرمایا گیا، اور چونکہ یہ ضرورت بوجہ خدمت مولیٰ کے اماء میں زیادہ وسیع تھی، اس کی رخصت میں زائد توسیع کی گئی۔ كما هو مبسوط في كتب الفقه (۴)۔

---

(۱) سورة الأحزاب، رقم الآية: ۵۳۔

(۲) سورة الأحزاب، رقم الآية: ۵۹۔

(۳) سورة النور، رقم الآية: ۶۰۔

(۴) ولا يجوز أن ينظر الرجل إلى الأجنبية إلا إلى وجهها وكفيها؛ لقوله تعالى (ولا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها) قال علي رضي الله عنه وابن عباس رضي الله عنه: ما ظهر منها: الكحل والخاتم، والمراد موضعهما وهو الوجه والكف كما أن المراد بالزينة المذكورة مواضعها، ولأن في إبداء الوجه والكف ضرورة لحاجتها إلى المعاملة مع الرجال أخذا وإعطاء وغير ذلك، وهذا تنصيص على أنه لا يباح النظر إلى قدمها، وعن أبي حنيفةؒ أنه يباح؛ لأن فيه بعض الضرورة، وعن أبي يوسفؒ أنه يباح النظر إلى ذراعيها أيضا؛ لأنه قد يبدو منها عادة.

(هداية، كتاب الكراهية، فصل في الوطء والنظر والمس، مكتبه اشرفيه ديوبند ۴/ ۴۵۸) ←

پس جواز اظہار وجہ وکفین صرف حالت حرج فی الاستتار کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور بعض نے قدمین کو بھی کفین کے ساتھ ملحق کیا ہے۔ اور بعض نے لبس خفین کے مانع مشی نہ ہونے کو دونوں میں فارق بتلایا ہے، اوراس تقیید بحالۃ الحرج پر دلائل مستقلہ کے علاوہ خود صیغہ ظَہَر میں بھی دلالت ہے، جس کی توجیہ یہ ہے کہ عورت اپنے کسی عضو کو جو کہ تفسیر ہے زینت کی (خواہ بالمطابقت گو مجازاً بھی ہو خواہ بالالتزام المعتبر عند أهل العربيه اس طرح کی جب زینت کا جو کہ مبائن ملابس ہے اظہار جائز نہیں، تو مواضع (*) زینت کا جو کہ جزو ہے، اظہار کیسے جائز ہوگا) ہرگز ظاہر نہ کرے (وهذا مدلول قوله تعالىٰ ولا يبدين زينتهن) لیکن اگر ایسی حالت ہو کہ اس میں وجہ وکفین کا استتار ایسا دشوار ہو کہ اگر یہ استتار کا قصد بھی کرتی ہے تب بھی وہ اضطراراً بلاقصد اظہار خود بخود ظاہر ہو جاتے ہوں؛ کیونکہ اس ضروری کام کے ساتھ استتار جمع

(*) یہ اس پر مبنی ہے کہ زینتهن سے مراد عام ہو، ہر زینت کو مثل لباس مزین ونعل مزین وزیور وعطر وغیرہا کہ ان سب کا اظہار "لا يبدين" سے حرام ہے تو اعضاء کا جس میں وجہ وکفین کا بھی اظہار ہے، کیسے جائز ہوگا؟ ۱۲ منہ

← إذا كانت المرأة أجنبية حرة فلا يجوز النظر إليها بشهوة مطلقا أو مع خوف الفتنة بلا خلاف بين الفقهاء، وذهب الحنفية إلى أنه لا يجوز نظر الأجنبي إلى سائر بدن الأجنبية الحرة إلا الوجه والكفين لقوله تبارك وتعالى (قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم) إلا أن النظر إلى مواضع الزينة الظاهرة، وهي الوجه والكفان خص فيه بقوله تعالى (ولا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها) والمراد من الزينة مواضعها ومواضع الزينة الظاهرة الوجه والكفان، فالكحل زينة الوجه، والخاتم زينة الكف، ولأنها تحتاج إلى البيع والشراء والأخذ والإعطاء، ولا يمكنها ذلك عادة إلا بكشف الوجه والكفين، فيحل لها الكشف، وهذا قول أبي حنيفةؒ، وروي الحسن عن أبي حنيفةؒ أنه يحل النظر إلى القدمين.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٦/ ٢٦٨-٢٦٩)

هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن: فيما يحل للرجل النظر إليه وما لا يحل له، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٢٩، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٨١۔

نہیں ہوتا، ایسی حالت میں بمعیار الضروري يتقدر بقدر الضرورة (۱)۔ اس عارض کے سبب اسی قدر ان کے کشف کی اجازت ہے۔ پس یہ حکم عارض کے سبب ہے۔ اور اصلی حکم وہی استتار ہے، پس استتار کے یہ معنی ہیں، نہ یہ کہ اصلی حکم بالقصد وجہ و کفین کا کشف ہو، اور استتار کسی عارض سے ہو، اور اس کا احتمال کیسے ہوسکتا ہے جب کہ مقام اپنے سیاق وسباق سے انسداد فتنہ کو مقصود بتلا رہا ہے، چنانچہ یغضضن اور یحفظن اور لا یضربن بأرجلهن سب اس انسداد کی مقصودیت میں نص ہیں، اور احادیث نے تو فتنہ کے اسباب بعیدہ تک کا انسداد کیا ہے (۲) تو ایسی حالت میں وجہ وکفین اور خصوص وجہ کا (جوکہ مبنٰی ہے تمام فتن کا اور اس کا انکار نہ صرف بصیرت بلکہ بصارت کے فقدان کا بھی اقرار ہے) قصداً انکشاف آیت کا مدلول کس طرح ہوسکتا ہے؟ ورنہ اجزاء آیت میں تعارض ہو جاویگا، جوکہ ادنٰی عاقل کے کلام میں بھی ممتنع ہے، تو حکیم علی الاطلاق کے کلام میں کیسے جائز ہوگا، اور یہ مسئلہ خود مستقل ہے کہ وجوب استتار وجہ وکفین اور وجوب استتار بقیہ بدن یہ دونوں وجوب ایک نوع سے ہیں یا دونوع سے، مثل فرض علمی وعملی کے جس کا مشہور عنوان یہ ہے کہ ان میں کون عضو عورت فی نفسہ ہے کون نہیں، سو یہاں اس سے بحث نہیں جو امر یہاں مقصود ہے یعنی مطلق وجوب استتار، اس میں یہ سب برابر ہیں، جیسے عورت غلیظہ وعورت غیر غلیظہ نفس وجوب ستر میں برابر ہیں، مگر غلظ وعدم غِلظ میں متفاوت ہیں، اور چونکہ عادۃً ہاتھ سے کام کرنے میں اگر خاص طور پر خیال نہ رکھا جاوے، سر اور گلا کھل جاتا ہے؛ اس لئے ولیضربن بخمرهن سے اس کا انتظام فرمادیا، پھر یہ حکم اصلی وجوب استتار وجہ وکفین بنا بر اطلاق الفاظ آیت عام تھا، شواب وعجائز کے لئے آیت

---

(۱) **الضرورات تتقدر بقدرها.** (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۸۹)

شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۳۰، رقم المادة: ۲۲۔

(۲) **عن عبدالله عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشيطان.** (ترمذي شريف، كتاب الرضاع، باب ماجاء في كراهية الدخول على المغيبات، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۲، دارالسلام، رقم: ۱۱۷۳)

عن أم سلمة أنها كانت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم وميمونة قالت: فبينا نحن عنده أقبل ابن أم مكتوم، فدخل عليه وذلك بعد ما أمرنا بالحجاب، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: احتجبا منه، فقلت: يا رسول الله! أليس هو أعمى لا يبصرنا، ولا يعرفنا؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أفعميا وإن أنتما ألستما تبصرانه. (ترمذي شريف، كتاب الأدب، باب ماجاء في احتجاب النساء من الرجال، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۶، دارالسلام رقم: ۲۷۷۸)

والقواعد من النساء الخ (۱) نے اس وجوب سے عجائز کو مخصوص و مستثنی کردیا، گو استحباب اُن کے لئے بھی ثابت ہے۔ لقوله تعالیٰ: وأن يستعففن خير لهن (۲)۔ باقی وجہ و کفین کے علاوہ بقیہ بدن کا وجوب استتار اب بھی عام ہے، چنانچہ سر وغیرہ کھولنا عجائز کے لئے بھی حرام ہے اور آیت: والقواعد الخ کو مخصص کہنے کا مبنیٰ وہ اصولی قاعدہ ہے کہ جب خصوص کی دلیل کلام مستقل موصول ہو تو وہ دلیل عام کے لئے مخصص ہو جاتی ہے، اور غیر معلوم التراخی حکم موصول میں ہے۔

پس بعد تخصیص حاصل حکم کا یہ ہوا کہ شواب کے لئے تو استتار وجہ و کفین بجز موقع حرج کے بحالہ واجب رہا، اور عجائز کے لئے صرف مستحب، ورنہ اگر شواب کے لئے وجہ و کفین کا کشف جائز ہوتا تو پھر آیت میں والقواعد کی تخصیص بے کار تھی، اس تقریر سے استدلال کا سقوط واضح ہو گیا۔ اور یہ سب احکام اجانب کے اعتبار سے تھے۔ اور محارم وامثالهم کا حکم دوسرے جملہ لا يبدين زينتهن الا لبعولتهن الخ میں مذکور ہوا ہے، جس کی تقریر بیان القرآن میں ہے۔ اس تقریر کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ نہ کسی محق پر کوئی اشکال واعضال رہا نہ کسی مبطل کے لئے مجال مقال احتمال رہا۔ فقط

تنبیہ: اور یہ سب تفصیل جواز یا عدم جواز انکشاف للأجانب یا للأقارب عورت کے فعل میں ہے، باقی مرد کا جو فعل ہے نظر کرنا اُس کا جدا حکم ہے، یعنی جواز انکشاف جواز نظر کو مستلزم نہیں (۳) پس جس

---

(۱) سورة النور، رقم الآية: ٦٠۔

(۲) سورة النور، رقم الآية: ٦٠۔

(۳) (إلا وجهها وكفيها وقدميها) أما الوجه فلا خلاف فيه، ومنع الشابة من كشفه لخوف الفتنة ولا تلازم بين سلب العورة عنه حل النظر إليه، ألا ترى أنه يحرم النظر إلى وجه الأمرد إذا شك ولا عورة. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ١٨٣)

ولا تلازم بين كونه ليس بعورة، وجواز النظر إليه؛ لأن حل النظر منوط بعدم خشية الشهوة مع انتفاء العورة، ولذا حرم النظر إلى وجهها ووجه الأمرد إذا شك في الشهوة ولا عورة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، فصل في متعلقات الشروط وفروعها، دار الكتاب ديوبند ص: ٢٤١)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

صورت میں عورت کو کسی عضو کا کھولنا جائز ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مرد کو اُس کا دیکھنا بھی جائز ہو؛ بلکہ وہ محلّ محرم میں یا احتمالِ شہوت میں بحالہ غضِ بصر کا مامور رہے گا، چنانچہ خود آیت میں اس عدم استلزام کی دلیل موجود ہے، یعنی مرد کا بدن بجز ما بین السُرّۃ والرکبۃ جائز الانکشاف ہے، مگر عورت کو پھر بھی حکم ہے یغضضن من أبصارھن. خوب سمجھ لو۔ فقط ثانی ربیع الاول ۴۷ھ

تقریر قولہ تعالیٰ: ”لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ“ از مولوی حبیب احمد صاحب

قال اللّٰہ تعالیٰ: قل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ط ولیضربن بخمرھن علیٰ جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او آبائھن او آباء بعولتھن او ابنائھن او ابناء بعولتھن او اخوانھن او بنی اخوانھن او بنی اخواتھن او نساء ھن او ما ملکت ایمانھن اوالتابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال او الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن وتوبوا الی اللّٰہ جمیعا ایھا المؤمنون لعلکم تفلحون (۱)۔

(یہ ایک آیت ہے جس میں حق تعالےٰ عورتوں کو ارتکاب زنا سے روکتے اور ان کو ان باتوں کی تعلیم فرماتے ہیں جن سے وہ زنا سے محفوظ رہ سکتی ہیں؛ لیکن اس کے ساتھ ہی حق تعالیٰ ان احکام میں اس کی بھی رعایت رکھتے ہیں کہ عورتوں کو تنگی نہ لاحق ہو، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے رسول آپ مسلمان عورتوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی آنکھیں کسی قدر بند رکھیں (اور اپنی نظروں کو آزاد نہ کریں؛ کیونکہ نظر کی آزادی ابتدائی مرحلہ ہے زنا کا؛ کیونکہ اس سے ایک شخص کے محاسن کا ادراک ہوتا ہے اور ادراک سے استحسان پیدا ہوتا ہے، اور استحسان سے رغبت اور رغبت سے کوشش اور کوشش سے زنا) اور (اس طرح) اپنی شرمگاہوں کو (زنا سے) محفوظ رکھیں (اور اگر وہ ایسا نہ کریں گی تو زنا میں مبتلا ہو جانے کا بہت قوی خطرہ ہے) اور (دوسری بات جس سے وہ زنا سے محفوظ رہ سکتی ہیں یہ ہے کہ) وہ اپنی آرائش (کپڑوں زیور وغیرہ) کو نہ کھولیں (بلکہ اسے بطور خود چھپاتی رہیں، تاکہ وہ غیر مردوں کی اتفاقیہ نظر سے بھی محفوظ رہیں، اور کوئی اُسے چھپ کر شرارت سے دیکھنا چاہے تو اُسے بھی کامیابی نہ ہو، اور جب کہ نفسِ آرائش کے متعلق یہ حکم ہے تو اعضاء جسم

---

(۱) سورۃ النور، رقم الآیۃ: ۳۱۔

بالا ولیٰ قابل اخفاء ہوں گے) بجز اس (آرائش) کے جو (عادۃً) ظاہر ہو (اور اس کے چھپانے میں تنگی ہو، کیونکہ گو اس کے کشف فی نفسہٖ میں بھی خطرہ ہے، مگر چونکہ خطرہ بعید اور ضرورت شدید ہے؛ لہٰذا وہ بضرورت مستثنیٰ ہے، جیسے (*) کپڑے یا وہ آرائش جس کا تعلق وجہ وکفین سے ہے جیسے انگوٹھی، آرسی، چھلّے، مہندی، مسّی، سُرمہ، پان، ٹیکہ، افشاں وغیرہ۔ اور جب کہ یہ مستثنیٰ ہیں، تو تبعاً (**) والتزاماً اس کے مواقع یعنی وجہ وکفین بھی مستثنیٰ ہوں گے؛ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وجہ وکفین اور اُن کے متعلق آرائش کو لوگوں کے سامنے کھولیں؛ بلکہ مطلب صرف اس قدر ہے کہ فی نفسہ ان کو کپڑوں میں چھپانے کی ضرورت نہیں، اسی طرح جس آرائش اور اس کے مواقع کو چھپانے کی ہدایت ہے اُس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ دوسرے لوگوں سے چھپائیں، یعنی اس جملہ میں اس سے بحث نہیں؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ فی نفسہٖ قابلِ ستر ہیں؛ کیونکہ یہاں صرف فی نفسہٖ قابل کشف اور مستحق ستر اشیاء کا بیان کرنا مقصود ہے۔ اور اس سے کوئی بحث نہیں کہ کس سے چھپائیں اور کس کے سامنے ظاہر کریں؛ کیونکہ اس کی تفصیل آئندہ آنے والی ہے) اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں (تاکہ گلا بھی ڈھکا رہے اور گریبان سے سینہ بھی نظر نہ آوے، اور پستانوں کا اُبھار بھی چُھپ جائے، یہ وہ تدابیر ہیں جن پر عورتوں کو ذاتی طور پر عمل پیرا ہونا چاہئے، تاکہ وہ زنا کے خطرہ سے محفوظ رہیں) اور (تیسری بات جس کی زنا سے حفاظت کے لئے بہت سخت ضرورت ہے یہ ہے کہ) وہ اپنی آرائش کو (***) (خواہ وہ لباس ہو (****) یا زیور یا مسّی سرمہ

(*) اس تفسیر پر تمام اقوال سلف جو ما ظہر کی تفسیر میں واقع ہیں جمع ہو گئے اور معلوم ہو گیا کہ ان کی تفاسیر بطور تمثیل کے ہیں نہ بطور حصر کے۔ ۱۲

(**) اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ جن لوگوں نے ماظھر منھا کی تفسیر وجہ وکفین سے کی ہے انہوں نے وجہ وکفین کو اس کا مدلول التزامی قرار دیا ہے نہ کہ مدلول مطابقی۔ ۱۲

(***) النهي عن إبداء الزينة مع كونها غير عورة فقهية يدل على أن مبنى هذا النهي ليس كون الشيء عورة أو غير عورة بل مبناه هو الفتنة وهو يدل على أن الوجه ليس مستثنى. ١٢

(****) دل على التعميم إطلاق اللفظ؛ لأن لفظ الزينة يعم كل ما يتزين واللباس أيضا منه كما قال تعالىٰ: خذوا زينتكم: والبرقع أيضا من اللباس، فلا يؤذن بالخروج في البرقع بلا ضرورة. ١٢.

وغیرہ) کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں، بجز اپنے شوہروں کے یا اپنے باپ دادوں کے یا اپنے شوہروں کے باپ دادوں کے یا اپنے پسری اولاد (بیٹوں، پوتوں، نواسوں) کے یا اپنے شوہروں کی پسری اولاد (بیٹوں، پوتوں، نواسوں) کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھائیوں کی پسری اولاد کے یا اپنے بیٹوں کی پسری اولاد (بیٹوں، پوتوں، نواسوں (*)) کے (یا اُن کے مثل دوسرے محارم کے) یا اپنی (ہم مذہب مسلمان) عورتوں کے یا اپنے (مؤنث) مملوکوں کے یا اُن متعلقین (**) (نوکروں چاکروں) کے جو کہ مردوں میں سے (بوجہ کمال سادگی (***) اور بھولے پن کے) عورتوں کی حاجت نہ رکھتے ہوں یا اُن (نامحرم) لڑکوں کے جو کہ (بوجہ نابالغ اور غیر مراہق ہونے کے) عورتوں کے مخفیات پر مطلع نہ ہوئے ہوں (کیونکہ شوہروں سے اخفاء کی تو کوئی وجہ نہیں، رہے محارم سو اُن سے فتنہ کا اندیشہ قریب قریب نہ ہونے کے ہے، اور کثرتِ اختلاط اور ضرورت کی وجہ سے اُن سے احتیاط دشوار ہے؛ لیکن اگر کسی جگہ اس کا خطرہ قریب ہو تو اس سے بھی پردہ کرایا جاویگا۔ **لعدم منشأ الاستثناء.** رہی مسلمان عورتیں سو اُن سے بھی خطرہ نہیں اور ضرورت ہے، اسی طرح کا فرلونڈیوں میں ضرورت ہے اور خطرہ بعید ہے، رہے تابعین **غیر أولی الاربة.** اور نابالغ یا غیر مراہق لڑکے کے سو ان میں ضروت ہے اور خطرہ نہیں، اس وجہ سے اُن لوگوں کو مستثنی کیا گیا۔ یہ تو حکم تھا نفسِ زینت کا۔

اب رہے مواقع زینت یعنی اعضاء سو اُن کی تفصیل یہ ہے کہ جو مواقع ایسے ہیں جن کی زینت کا اظہار مستلزم ہے خود ان کے اظہار کو جیسے وجہ کفین سو ان کا حکم تو التزاماً معلوم ہو گیا کہ جہاں ابداء زینت جائز ہے، وہاں کشف وجہ و کفین بھی جائز ہے، اور جہاں نہیں وہاں یہ بھی نہیں۔ اب رہے وہ اعضاء جن کی زینت کا اظہار مستلزم ان کے اظہار کو نہیں جیسے اعضاء مستورہ تحت الثیاب، سو اُن میں یہ تفصیل ہے کہ

(*) هذا بطريق عموم المجاز. ١٢

(**) اعتبار الأمرين في الاستثناء أعني التبعية وكونه من غير أولى الإربة يدل على أن مبني الاستثناء مجموع الأمرين الضرورة التي تدل عليه التبعية وعدم الفتنة الذي يدل عليه كونه من غير أولى الإربة، وهما متحققان في جميع من استثناهم الله. ١٢

(***) ورد في تفسيره عن السلف الابلة والأحمق والمغفل لا مخبوط الحواس. ١٢

اشخاص مستثنیٰ (یعنی محارم) سے جن اعضاء کے ستر میں حرج ہے، جیسے سر، گردن، سینہ، بازو، پنڈلیاں، کلائیاں وہ بوجہ علّت مشترکہ ملحق بالزینۃ ہیں، اور جو ایسے نہیں ہیں وہ اپنے حکم اصلی یعنی وجوب تستر پر باقی ہیں جیسے ران، پیٹ وغیرہ باستثناء شوہر کے کہ اس کے لئے کوئی چیز قابل تستر نہیں) اور (چوتھی بات جو زنا سے حفاظت میں معین ہوگی، یہ ہے کہ) وہ اپنے پاؤں کو زمین پر نہ ماریں، تاکہ ان کی وہ آرائش معلوم ہوسکے جس کو وہ چُھپائے ہوئے ہیں (کیونکہ عورت کے زیور کی آواز سُن کر مَردوں کو فطری طور پر اُن کی طرف میلان ہوتا ہے، جس سے اول ان کے خیال پر اثر پڑتا ہے اور خیال سے فعل پر اور جبکہ ان کو اپنے زیوروں کی آواز کے چھپانے کی ضرورت ہے تو ان کو اس کی اجازت بالا ولیٰ نہ ہوگی، کہ وہ خود بلاضرورت غیر مردوں سے بات کریں، کیونکہ ان کی آواز زیور کی آواز سے زیادہ فتنہ ہے اور ضرورت کے موقع پر بھی اس کی احتیاط کی جاوے گی کہ فتنہ نہ ہو۔ **کما قال تعالیٰ: فلا تخضعن بالقول. الخ** (۱) اور (اصل تدبیر جو مانع عن الزنا ہے وہ یہ ہے کہ) اے مومنو! تم سب اللہ کی طرف رجوع ہو (کیونکہ ان تدابیر پر بھی اُسی وقت عمل ہوسکتا ہے جب کہ رجوع الی اللہ ہو، ورنہ یہ سب باتیں ایک قصہ ہونگی جو صرف سننے کے درجہ میں رہیں گی، اور اُن پر عمل نہ ہوسکے گا۔ امید ہے کہ ان تدابیر پر عمل کرکے) تم کامیاب ہوگے (اور ان کے ترک یا ردّ سے خائب وخاسر نہ رہوگے)

فوائد متعلقہ آیتِ مطلوبہ

(۱) اس آیت میں جس قدر احکام مذکور ہیں وہ سب زنا کی انسدادی تدابیر میں معین ہونے کی حیثیت سے مذکور ہیں۔

(۲) چونکہ وہ تمام باتیں جن سے اس جگہ روکا گیا ہے سب ایک ہی مرتبہ میں مفضی الی الزنا نہیں ہیں؛ بلکہ اس کا احتمال بعض میں قریب ہے اور بعض میں بعید اور بعض میں ابعد؛ اس لئے نہی کے مراتب میں بھی تفاوت لازم ہے۔ پس غیر محارم کی عدم موجودگی میں عورت کا ماسوائے زینت ظاہرہ کو کھولنا خلاف احتیاط ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ ہوگا۔ اور غیر محارم کی موجودگی میں زینت کا کھولنا بوجہ احتمال فتنہ کے قریب ہونے کے حرام ہوگا؛ اس لئے **لا یبدین زینتھن إلا ماظھر منھا** میں نہی مطلق طلب کف

---

(۱) سورۃ الأحزاب، رقم الآیۃ: ۳۲۔

کے لئے ہوگی۔ اور **لایبدین زینتهن إلا لبعولتهن** (۱) میں تحریم کے لئے۔

(۳) لا يبدين زينتهن إلا ماظهر منها میں ابداء سے کشف وستر فی نفسہ مراد ہے، نہ کہ کشف للغیر وستر عن الغیر؛ کیونکہ آیت میں غیر سے اصلاً تعرض نہیں، اور نہ تقدیر محذوف کی ضرورت ہے اور نہ نفسِ حذف بالتعیین محذوف پر کوئی قرینہ ہے، اس کے ساتھ ہی اس میں **مفاسد عدیدہ** (*) ہیں، اور غرض مسوق لہ الکلام بقدر امکان تدبیر حفاظت از زنا ہے؛ لیکن تبعاً اس سے عورت وغیر عورت کی تفصیل بھی معلوم ہوجاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کا چہرہ اور پہنچوں تک ہاتھ ستر نہیں ہیں؛ کیونکہ ان سے بوجہ تعذر کے ستر فی نفسہ ساقط ہے، اور باقی جسم ستر ہے؛ کیونکہ ان کا ستر فی نفسہ بحالہ باقی ہے، پس فقہاء کا استدلال اس سے تفصیل عورت وغیر عورت پر **باشارة النص** ہے نہ **بعبارة النص** (۲)۔

(*) قد بينا بعضها فيما سيأتي وتركنا بعضها خوفا من الإطناب. ١٢

---

(۱) سورة النور، رقم الآية: ٣١۔

(۲) **ولا يجوز أن ينظر الرجل إلى الأجنبية إلا إلى وجهها وكفيها؛ لقوله تعالى (ولا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها) قال علي رضي الله عنه وابن عباس رضي الله عنه: ما ظهر منها: الكحل والخاتم، والمراد موضعهما وهو الوجه والكف كما أن المراد بالزينة المذكورة مواضعها، ولأن في إبداء الوجه والكف ضرورة لحاجتها إلى المعاملة مع الرجال أخذًا وإعطاء وغير ذلك.** (هداية، كتاب الكراهية، فصل في الوطء والنظر والمس، مكتبه اشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٨)

وذهب الحنفية إلى أنه لا يجوز نظر الأجنبي إلى سائر بدن الأجنبية الحرة إلا الوجه والكفين لقوله تبارك وتعالى (قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم) إلا أن النظر إلى مواضع الزينة الظاهرة، وهي الوجه والكفان خص فيه بقوله تعالى (ولا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها) والمراد من الزينة مواضعها ومواضع الزينة الظاهرة الوجه والكفان، فالكحل زينة الوجه، والخاتم زينة الكف، ولأنها تحتاج إلى البيع والشراء والأخذ والإعطاء، ولا يمكنها ذلك عادة إلا بكشف الوجه والكفين، فيحل لها الكشف، وهذا قول أبي حنيفةؒ.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٦/ ٢٦٨)

هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن: فيما يحل للرجل النظر إليه وما لا يحل له، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٢٩، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٨١۔

لیکن دوسرے دلائل سے لونڈیاں اس سے مستثنیٰ ہیں (*) اور ان میں ستر وغیر ستر کی تفصیل دوسری ہے۔

(۴) **إلا ما ظهر منها** سے جو لوگ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جوان عورتوں کے لئے عام طور پر چہرہ کھولے پھرنا جائز ہے، یہ اُن کی غلطی ہے؛ کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ **اِلاّ ما ظهر منها** میں صرف عورتوں کو فی نفسہ چہرہ اور ہاتھ کھولے رہنے کی اجازت ہے، تاکہ دوسرے اعضاء کی طرح اُن کے چھپانے کے اہتمام سے ان کو زحمت اور تکلیف نہ ہو، اور اس میں دوسروں کے سامنے ان کے کھولنے کے جواز وعدم جواز سے تعرض نہیں ہے۔ پھر نہی ابداء زینت وضرب ارجل سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے جملہ اعضاء ومتعلقات فی نفسہ قابل ستر ہیں؛ کیونکہ ان میں مرد کی توجہ کو اپنی طرف پھیر لینے کا قدرتی اثر ہے، اور وجہ وکفین سے اسقاط ستر فی نفسہ بوجہ ضرورت کے ہے، اسی طرح بعض اعضاء مستورہ فی نفسہا **کالرأس والعضد** (**) **وغیرها** واعضاء غیر مستورہ فی نفسہا **کالوجه والکفین** کے محارم کے سامنے ابداء کی اجازت بھی مبنی برضرورت ہے؛ لہٰذا وجہ وکفین وغیرہ میں ستر اصلی ہے اور کشف للعارض، اور چونکہ جوان عورتوں کے کشف وجہ للا جانب میں کوئی ایسی ضرورت نہیں ہے جس کو شریعت ضرورت تسلیم کرتی ہو؛ کیونکہ آج کل کی تہذیب وترقی وتمدن شرعی ضرورتیں نہیں، اور احتمالِ فتنہ بہت قریب ہے۔ اس لئے ان کو کشف وجہ للا جانب کی شرعاً اجازت نہیں ہوسکتی، بالخصوص ایسی حالت میں جب کہ حق تعالیٰ فتنہ کی وجہ سے عورتوں کو اپنے زیوروں کی آواز سُنانے کی بھی ممانعت کرتے اور باوجود مردوں کے چہرہ وغیرہ کے عورت نہ ہونے کے عورتوں کو غض بصر کا حکم دیتے ہوں۔ پس جب کہ وہ عورتوں کو مَردوں کے دیکھنے سے منع کرتے ہیں جن کا اکثر حصۂ جسم عورت نہیں اور جو عورت ہے وہ مستور ہے نیز وہ ان کو اپنے زیور کی آواز مَردوں کو سُنانے سے بھی روکتے ہیں، نیز وہ مَردوں کو غضوا من ابصارہم کا حکم دیتے ہیں، حالانکہ ان کی نظریں اپنے اعضاء پر پڑسکتی ہیں جن کے کشف کے جواز پر زور دیا جاتا ہے، تو کوئی عاقل اس کو تسلیم نہیں کرسکتا، کہ وہ خاص اس اہتمام کی حالت میں عورتوں کو بذریعہ **إلاّ ما ظهر منها** اس کی اجازت دیں، کہ وہ اپنے چہروں کو مردوں کے سامنے کھول کر زنا کا پھاٹک کھول دیں، پس اس سے بھی معلوم ہوا کہ **اِلاّ ما ظهر**

(*) مگر فقہاء نے انہیں مستثنیٰ نہیں کیا؛ بلکہ ان کے اعضاء کو بھی جو علاوہ وجہ وکفین کے ستر نہیں ہیں، ماظہر عادۃ میں داخل کیا ہے۔ ۱۲

(**) یعنی مثل سر وبازو کے۔ ۱۲

سے یہ سمجھنا کہ اس جگہ حق تعالیٰ نے عورتوں کو مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت دی ہے ہرگز قابل قبول نہیں، نیز حق تعالیٰ نے **لا یبدین زینتھن** میں کشفِ زینتِ مستورہ کی ممانعت فرمائی ہے، پس اگر اس سے کشف للغیر کی ممانعت مقصود ہو تو پھر اس کی کوئی وجہ ہونی چاہئے کہ حق تعالیٰ نے سر اور بازو وغیرہ کو اجانب کے سامنے کھولنے کی کیوں ممانعت کی ہے، اس کا جواب اگر یوں دیا جائے کہ وہ عورت ہیں، تو اس پر سوال یہ ہے کہ آخر ان کو عورت قرار دینے کی کیا وجہ ہے؟ سو اس کا جواب ہر صاحب فہم یہی دے گا کہ اس کی وجہ وہی احتمالِ فتنہ ہے، پس اب قابل غور بات یہ ہے کہ کیا بازو وغیرہ کھولنے میں چہرہ کھولنے سے زیادہ فتنہ تھا، سو اس کا جواب یہی ہے کہ نہیں۔ پس ایسی حالت میں کون عاقل تسلیم کرے گا، کہ جس میں احتمال فتنہ کا کم تھا، حق تعالیٰ اس کو تو چھپانے کا حکم دیں اور جس میں احتمال فتنہ زیادہ تھا اس کو کھولنے کی اجازت دیں، جب کہ کوئی عاقل اس کو تسلیم نہیں کر سکتا تو ثابت ہوا کہ یہاں ابداء سے مراد کشف للغیر نہیں ہے؛ بلکہ کشف فی نفسہ ہے اور چہرہ کھولنے کی اجازت دوسروں کے سامنے نہیں؛ بلکہ اس میں صرف کشف فی نفسہ کی اجازت ہے، پھر اگر جواز کشف کا منشاء صرف عورت نہ ہونا ہے تو خود اظہار زینت کی ممانعت کیوں ہے؟ کیونکہ نفسِ زینت عورت اصطلاحیہ نہیں ہے، حالانکہ اس کے کشف کی ممانعت منصوص ہے؛ کیونکہ لفظ زینت اپنے حقیقی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اور مواضع زینت مراد لینا بلا ضرورت اور بلا قرینہ ہے۔

(۵) **لا یبدین زینتھن إلا ما ظھر منھا** میں اصالۃً منہی عنہ ابداء زینت ہے، اور زینت مستورہ کے مواضع کا حکم بہ طریق (التزام) اولویت ثابت ہے۔ اور زینت ظاہرہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس زینت کا کشف مستلزم کشف محل ہو تو وہ محل التزاماً مستثنیٰ ہوگا، جیسا کہ وجہ وکفین، اور جس کا ابداء مستلزم ابداء محل نہیں وہاں محل مستثنیٰ نہ ہوگا، جیسے ثیاب وغیرہ۔

(۶) **لا یبدین زینتھن الا لبعولتھن** میں بھی چونکہ زینت سے مراد معنی حقیقی ہیں؛ اس لئے اضافہ بھی زینت سے متعلق ہوگی، اور زینت چونکہ مطلق ہے اس لئے غیر مستثنیٰ اشخاص کے لئے ہر زینت کا ابداء ناجائز ہوگا، خواہ وہ چہرہ اور کفین سے متعلق ہو یا جسم کے کسی اور حصہ سے اور مستثنیٰ اشخاص کے لئے ہر زینت کا ابداء جائز ہوگا۔ اب رہا موضع زینت سو اس میں یہ تفصیل ہے کہ چونکہ غیر مستثنیٰ اشخاص کے لئے ہر زینت کا کشف ناجائز ہے؛ اس لئے ان کے مواضع کا کشف بالاولیٰ ناجائز ہوگا۔ اور چونکہ مستثنیٰ اشخاص کے لئے ہر زینت کا ابداء جائز ہے؛ اس لئے اس کا جواز بدلالت مطابقی منطوق کلام سے ثابت ہوگا۔

اب رہے مواضع سو اس میں یہ تفصیل ہے کہ جو مواضع ابداء میں زینت سے منفک نہیں ہو سکتے اُن کا ابداء تو

نص سے بدلالت التزامی ثابت ہوگا' اور جو مواضع ایسے نہیں ہیں اُن سے نص ساکت ہوگی اور اس لئے ان کا حکم دوسرے دلائل سے معلوم کیا جاوے گا، سو چونکہ وہ دو قسم کے ہیں، بعض تو ایسے ہیں جن کے اخفاء میں مستثنٰی اشخاص سے تعذر ہے، اور بعضے ایسے نہیں ہیں، سو جن کے اخفاء میں تعذر ہے اُن کو فقہاء نے بعلّت مشترکہ ملحق بالزینہ قرار دیا ہے، اور جو ایسے نہیں ہیں وہ اپنی حالت پر مستور ہیں، باستثناء شوہر کے کہ اس سے کوئی چیز مستور نہیں ہے، پس اس سے ثابت ہوا کہ بحکم **لا یبدین زینتھن** غیر مستثنٰی اشخاص سے چہرہ اور کفین کا چھُپانا ضروری ہے، اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ **الا ماظھر منھا** میں عورتوں کو کشف وجہ للغیر کی اجازت نہیں ہے ورنہ دونوں حکموں میں تعارض ہو جاوے گا، اور اس تعارض کے دفع کے لئے **الا ماظھر** کو حکم **لا یبدین زینتھن اِلاّ لبعولتھن** میں مقدر ماننا بلا ضرورت اور بلا قرینہ ہے۔

(۷) فقہاء تصریح کرتے ہیں کہ بہت بوڑھی عورتوں کے لئے نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنا جائز ہے (۱) سو اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ انہوں نے ان کو **لا یبدین زینتھن** سے اس بناء پر خارج سمجھا ہے کہ یہاں مقصود بالخطاب وہ عورتیں ہیں جو اہل شہوت و محلّ شہوت ہیں، **کما یدل علیه قوله تعالیٰ: قُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ الخ** یا اُنہوں نے ان کو لونڈیوں کی طرح دوسرے دلائل سے خارج کر دیا ہے، چنانچہ ایک دلیل یہ ہے کہ عورت کا تمام بدن فی نفسہ بوجہ احتمال فتنہ کے ولو کان بعیداً قابل ستر فی نفسہ و عن الغیر تھا، مگر شریعت نے بوجہ حرج کے چہرہ اور ہاتھوں سے ستر فی نفسہ کو تمام عورتوں کے حق میں ساقط کر دیا، لیکن جوان عورتوں کے حق میں ستر عن الغیر بوجہ فتنہ کے بحالہ باقی رہا، اور بوڑھیوں سے بوجہ احتمال فتنہ کے نہایت کمزور ہونے اور فی الجملہ ضرورت کے کشف عن الغیر بھی ساقط ہو گیا اور باقی جسم بوجہ

---

(۱) قال ابن قدامة: لا بأس بالنظر إلى ما يظهر غالبا من العجوز لقوله عز وجل: (وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ اللّٰاتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِیْنَةٍ وَاَنْ یَسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَهُنَّ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ) والقواعد هن العجائز اللواتي قعدن عن التصرف بسبب كبر السن، وقعدن عن الولد والمحيض، وذهبت شهوتهن فلا يشتهين ولا يشتهين، فأبيح لهن وضع الجلباب والخمار لانصراف الأنفس عنهن، وعدم التفات الرجال إليهن، فأبيح لهن ما لم يبح لغيرهن فجاز النظر إليهن، ومصافحتهن لانعدام خوف الفتنة، ويشترط في ذلک أن لا يكون متبرجات بزينة أي مظهرات ولا متعرضات بالزينة لينظر إليهن. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٠/ ٣٤٧)

غیر ساقط الستر ہونے کے بحالہ واجب الستر رہا، اور دوسری دلیل: **وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الّٰتِیْ لاَ یَرْجُوْنَ نِکَاحًا (۱)**۔ ہوسکتی ہے۔

اس تقریر سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جواز کشفِ وجہ للعجائز میں چہرے کے عورت نہ ہونے کو دخل ضرور ہے، مگر وہ مستقل علّت نہیں، تا کہ اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہو کہ جوان عورت کا چہرہ بھی ستر نہیں؛ لہٰذا اس کا کشف للغیر فی نفسہ جائز ہے، مگر بعارض فتنہ ممنوع ہے؛ کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ چہرہ اور کفین کا عورت نہ ہونا بایں معنی ہے کہ ان سے بوجہ تعذر کے کشف فی نفسہٖ ساقط ہے، نہ بایں معنی کہ ان کا غیر محرموں کے سامنے کھولنا جائز ہے؛ کیونکہ ستر عن الغیر ان میں بحالہ باقی ہے، اور بوڑھیوں میں اس کا جواز کشف للعارض ہے۔ **لکون الستر أصلاً في النساء.**

(۸) فقہاء کہتے ہیں کہ مرد کو غیر محرم عورتوں کے چہرہ اور ہاتھوں کا دیکھنا جائز ہے، بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو **(۲)** اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ عورتوں کو غیر مردوں کے سامنے چہرہ کھولنا جائز ہے، مگر یہ نہایت سخت غلطی ہے؛ کیونکہ اوّل تو اس زمانہ میں شرطِ جواز کا تحقق ہی نادر ہے، پھر کشف وجہ للغیر اور رؤیت الیٰ وجہ المرأۃ، یہ دو جداگانہ فعل ہیں۔ اول فعل عورت کا ہے اور دوسرا مرد کا۔ اب اگر فرض کیا جاوے کہ مرد کو اپنے نفس پر اطمینان ہے اور اس وجہ سے اُسے گنجائش ہے کہ وہ عورت کے چہرہ کو دیکھے، تو عورت کو اس کے سامنے چہرہ کھولنے کی کیسے اجازت ہوسکتی ہے؛ کیونکہ اسے کیا علم ہے کہ میرے چہرہ کھولنے پر مرد کے دل ودماغ پر کیا اثر ہوگا۔ اور جب کہ اُسے اجازت نہیں ہوسکتی تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا صریح غلط ہے۔

---

(۱) سورة النور، رقم الآية: ٦٠۔

(۲) ولا يجوز أن ينظر الرجل من الأجنبية إلا وجهها وكفيها، فإن كان لا يأمن من الشهوة لاينظر إلى وجهها إلا لحاجة. (مختصر القدوري، كتاب الحظر والإباحة، قبيل كتاب الوصايا، مكتبه إمداديه ديوبند ص: ٢٨٠)

هداية، كتاب الكراهية، فصل في الوطء والنظر والمس، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤ / ٤٥٨۔

أما النظر إلى الأجنبيات فنقول: يجوز النظر إلى مواضع الزينة الظاهرة منهن، وذلك الوجه والكف في ظاهر الرواية، كذا في الذخيرة، وإن غلب على ظنه أنه يشتهي فهو حرام، كذا في الينابيع الخ. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن: فيما يحل للرجل النظر إليه وما لا يحل له، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٢٩، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٨١)

(۹) قال ابن جرير: حدثني علي قال: ثنا عبدالله، قال: ثنى معاوية عن علي عن ابن عباسؓ قوله: وَلَايُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَاظَهَرَ مِنْهَا. قال: والزينة الظاهرة الوجه، وكحل العين، وخضاب الكف، والخاتم، فهذا تظهر في بيتها لمن دخل من الناس عليها (۱)۔

اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں: ایک یہ کہ زینت سے مراد موضع زینت نہیں ہے؛ بلکہ ماتزین بہ النساء ہے، اور دخول وجہ ماظہر میں لزوماً ہے۔ دوسرے یہ کہ فی بیتہا کی قید سے معلوم ہوتا ہے، کہ ابداء سے مراد ابداء فی نفسہ ہے، نہ کہ کشف للغیر ہے، اور مطلب یہ ہے کہ وہ گھروں میں لباس اس طرح پہنیں کہ منھ وکف اوران کے متعلق زینت کھلی رہے، اور جب یہ صورت (*) ہے تو جن لوگوں کے لئے گھر میں آنے جانے کی اجازت ہے، اُن کے لئے اُن کے ظاہر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۱۰) ابن جریر نے ما ظهر منها کی تفسیر میں اقوال مختلفہ بیان کر کے کہا کہ أولى الأقوال في ذلك بالصواب قول من قال عنى بذلك الوجه والكفان يدخل فى ذٰلك إذا كان كذلك الكحل، والخاتم، والسواد، والخضاب، وإنما قلنا ذٰلك أولى الأقوال في ذٰلك بالتاويل لإجماع الجميع على أن على كل مصل أن يسترعورته في صلوٰته، وأن للمرأة أن تكشف وجهها وكفيها في صلوٰتها، وأن عليها أن تسترما عدا ذلك من بدنها، إلا ماروى عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه أباح لها أن تبديه من ذراعها إلى قدر النصف، فإذا كان ذلك من جميعهم إجماعاً كان معلوما بذٰلك أن لها أن تبدى من بدنها مالم يكن عورة كما ذلك للرجال؛ لأن مالم يكن عورة فغير حرام إظهاره، وإذا كان لها إظهار ذلك كان معلوما أنه مما استثناه الله تعالىٰ ذكره بقوله: إلاما ظهر منها؛ لأن كل ذلك ظاهر منها (۲)۔

(*) اندفع بهذا ما يتوهم من قوله: فهذا تظهر في بيتها لمن دخل من الناس عليها أن المراد من الإبداء هنا الكشف للغير. ۱۲

---

(۱) جامع البيان في تأويل القرآن المعروف بتفسير طبري، سورة النور، آيت: ۳۱، مكتبه مؤسسة الرسالة ۱۹/ ۱۵۷۔

(۲) تفسير طبري، سورة النور، آيت: ۳۱، مؤسسة الرسالة ۱۹/ ۱۵۸-۱۵۹۔

لیکن اس میں یہ کلام ہے کہ یہ مسلّم ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ عورت اپنا چہرہ اور کف نماز میں کھول سکتی ہے (۱) مگراس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ چہرہ اور کف کا فی نفسہ ستر ضروری نہیں ہے، اور وہ بایں معنی غیر عورت ہیں، اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُن کا اجانب کے سامنے اظہار بھی جائز ہے، اور مردوں پر اُن کا قیاس، قیاس مع الفارق ہے؛ کیونکہ مردوں کے جن اعضاء سے ستر فی نفسہ ساقط ہے اُن سے ستر عن الغیر بھی ساقط ہے، بوجہ ضرورت کے؛ کیونکہ اُن کے لئے اُن اعضاء کے ستر عن الغیر میں وہی حرج اور تنگی ہے، جو عورتوں کے لئے ستر وجہ وکفین فی نفسہ میں برخلاف عورتوں کے کہ وہ گھروں کی بیٹھنے والیاں اور پردہ نشین ہیں، اُن کے لئے **ستر عن الغیر** میں کوئی حرج نہیں ہے؛ اس لئے اُن کے حق میں ستر عن الغیر بحالہ باقی ہوگا، علاوہ ازیں عورتوں میں تستر اصل ہے اور تکشف للعارض اور مردوں میں بالعکس۔

قال النيسابوري في أثناء كلامه: بدن المرأة في نفسه عورة بدليل أنه لايصح صلوتها مكشوفة البدن، وبدن الرجل بخلافه. ص۷ ج ا . هامش ابن جرير (۲)۔ وفي الكشاف أيضا ما يدل عليه حيث قال: فإن قلت لم سومح مطلقاً في الزينة الظاهرة، قلت: لأن سترها فيه حرج الخ (۳)۔ وهذا يرشدک إلى أن الستر في المرأة هو الأصل، والكشف للعارض فقياس أحدهما على الآخر قياس مع الفارق.

---

(۱) **وجميع بدن الحرة عورة إلا وجهها و كفيها وقدميها في رواية.** (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، الصلاة، باب شروط الصلاة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۲۲)

والرابع: ستر عورته ...... وهي للحرة جميع بدنها حتى شعرها النازل في الأصح خلا الوجه والكفين الخ. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۷۷-۷۸، كراچى ۱/ ۴۰۵)

النهرالفائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۱۸۲-۱۸۳۔

(۲) غرائب القرآن ورغائب الفرقان للنيسابوري، سورة النور، آيت: ۳۱، دارالكتب اللعمية بيروت ۵/ ۱۸۰۔

(۳) الكشاف عن حقائق التنزيل للعلامة الزمخشري، سورة النور، آيت: ۳۱، مطبوعة الليسي كلكته ۲/ ۹۴۸، ۳/ ۲۱۱، دارالحديث قاهرة۔

اوراس بناء پر مالم یکن عورۃ فغیر حرام اظہارہ بایں معنی مسلم ہے کہ اس کا اظہار فی نفسہ حرام نہیں ہے، اور بایں معنی مسلم نہیں کہ اس کا اظہار غیر محرم کے لئے جائز ہے، پس اس استدلال سے یہ تو ثابت ہوسکتا ہے کہ چہرہ اور کف عورت نہیں، بایں معنی کہ وہ اعضاء مکشوفہ فی نفسہ اور ساقط الستر ہیں؛ لیکن نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ماظھر منھا سے مراد ہیں اور نہ یہ کہ اُن کا کشف للغیر جائز ہے، پھر ترجیح کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب کہ تعارض ہو اور ہم بتلا چکے ہیں کہ اقوالِ مختلفہ اس کی تفسیر میں بطور تمثیل کے واقع ہیں نہ کہ بطور حصر کے، اور دخول وجہ وکفین ما ظھر میں بدلالت التزامی ہے نہ کہ بدلالت مطابقی، پس نہ ان میں تعارض ہے اور نہ ترجیح کی ضرورت، گو یہ بات بہت ظاہر ہے، مگر ہم مزید قطع حجت کے لئے کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کبھی زینت ظاہرہ کی تفسیر مطلق ثیاب سے کرتے ہیں اور کبھی اس کی تفسیر میں صرف رداء بیان کرتے ہیں اور ثیاب کے زینت میں داخل ہونے پر خذوا زینتکم عند کل مسجد سے استدلال کرتے ہیں، اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کبھی اس کی تفسیر میں صرف الکحل والخاتم کہتے ہیں اور کبھی الکحل والخدان. اور کبھی الخاتم والمسکۃ اور کبھی الوجہ وکحل العین وخضاب الکف والخاتم (۱)۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفاسیر بطور تمثیل

---

(۱) عن أبي الأحوص عن عبدالله أنه قال: (ولا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها) قال: هي الثياب.

وعن عبدالرحمن بن زيد عن ابن مسعود (إلا ما ظهر منها) قال: هو الرداء.

وعن أبي الأحوص عن عبدالله (إلا ما ظهر منها) قال: الثياب، قال: أبوإسحاق: ألا ترى أنه قال: (خذوا زينتكم عند كل مسجد).

وعن سعيد بن جبير عن ابن عباس (ولا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها) قال: الكحل، والخاتم.

وعن الضحاک عن ابن عباس قال: الظاهر منها الكحل والخدان.

وعن معاوية عن علي عن ابن عباس قوله: (ولا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها) قال: الزينة الظاهرة، الوجه وكحل العين، وخضاب الكف، والخاتم، فهذه تظهر في بيتها لمن دخل من الناس عليها.

وعن ابن جريج قال: قال ابن عباس رضي الله عنه قوله: (إلا ما ظهر منها) قال: الخاتم والمسكة. (جامع البيان في تأويل القرآن المعروف بتفسير طبري، سورة النور، آیت: ۳۱، مؤسسة الرسالة ۱۹/ ۱۵۶-۱۵۷)

کے ہیں نہ کہ بطور حصر کے۔ میں نے ابن جریر کے کلام کو نقل کر کے اس پر اس لئے کلام کیا ہے کہ اس سے معلوم ہو جائے کہ مشہور تفاسیر کا مبنی کیا ہے اور اس کی کیا حقیقت ہے۔

(۱۱) وقال ابن النير في حاشية الكشاف: قوله تعالىٰ: ولا يضربن بأرجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن محقق أن إبداء الزينة بعينه مقصود بالنهي؛ لأنه قد نهى عما هو ذريعة إليه خاصة إذ الضرب بالأرجل لم يعلل النهى عنه أحد لعلم أن المرأة ذات زينة وإن لم تظهر (أي الزينة) فضلاً عن مواضعها. اھ(۱)۔

اور یہ صاف دلیل ہے اس بات کہ **لا يبدين زينتهن** میں تفصیل عورت وغیر عورت مقصود نہیں ہے؛ بلکہ اصل مقصود سد ذرائع زنا ہے، اور زینت سے اس کے حقیقی معنی مراد ہیں، نہ کہ اس کے مواضع۔

(۱۲) وقال في الكشاف: فإن قلت لم لم يذكر الله الأعمام والأخوال، قلت: سئل الشعبي عن ذلك، فقال: لئلا يصفها العم عند ابنه والخال كذلك ومعناه أن سائر القرابات يشترك الأب والابن في المحرمية إلا العم والخال وأبناء هما، فإذا راٰها الأب فربما وصفها لابنه، وليس بمحرم فيداني تصوره لها بالوصف نظره إليها، وهٰذا أيضاً من الدلالات البليغة على وجوب الاحتياط عليهن في التستر (۲)۔

اب مقام غور ہے کہ جو خدا پردہ کے باب میں اس قدر دور کی احتیاط سے کام لے وہ عین اس احتیاط کے موقع پر عورتوں کو کیسے اجازت دے گا کہ وہ عام طور پر نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولیں، یہ بھی دلیل ہے اس بات کی کہ **لا يبدين زينتهن الا ما ظهر منها** میں ابداء سے کشف للغیر مراد نہیں؛ بلکہ کشف فی نفسہ مراد ہے۔ اس تفصیل کے پڑھنے کے بعد ہر ذی فہم اور منصف مزاج شخص کو اچھی طرح معلوم ہو جاوے گا کہ قرآن صرف اسی ایک آیت میں عورتوں کے لئے جس قدر شدید پردہ کا اہتمام کرتا ہے پردۂ مروّجہ میں اس درجہ کا اہتمام نہیں ہے؛ کیونکہ اوّل وہ عورتوں اور مردوں کو غض بصر کا حکم دیتا ہے، پھر عورتوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ بطور خود بھی اخفاء زینت واعضاء کا اہتمام رکھیں، اور اسی زینت اور عضو کو کھولے رہیں جس کی شدید

---

(۱) لم أظفر بهذا الكتاب.

(۲) الكشاف عن حقائق التنزيل للعلامة الزمخشري، سورة النور، آيت: ۳۱، مطبوعة الليسي كلكته ۲/ ۹۴۹، ۳/ ۲۱۳، دار الحديث قاهرة۔

ضرورت ہے، پھر لایبدین زینتھن الا لبعولتھن الخ حکم دیتا ہے کہ وہ نامحرموں کو اپنا چہرہ وغیرہ تو درکنار، اپنا پلّہ تک نہ دکھائیں؛ کیونکہ لباس بھی زینت میں داخل ہے، پھر اس پر بھی بس نہیں کرتا اور لایضربن بأرجلھن میں حکم دیتا ہے کہ پلّہ تو درکنار وہ نامحرموں کو اپنے زیوروں کی جھنکار بھی نہ سنائیں، پس اگر مسلمان اس قدر اہتمام پر بھی پردہ کی مخالفت پر اَڑے رہیں، اور مسلمانوں کو اپنے غلط اجتہادوں سے گمراہ کرتے رہیں تو انہیں اختیار ہے۔ وسیعلم الذین ظلموا أي منقلب ینقلبون (۱)۔

اند کے از غمِ دل گفتم وبس ترسیدم ☆ کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

والسّلام (تتمہ خامسہ ص ۶۳۸)

ایضاً

سوال (۲۵۳۴): قدیم ۴/۱۹۴- جناب والا سے یہ دریافت کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں کہ اسلام میں پردہ کس حد تک جائز ہے؟ اور کس حد تک اسلام اناث کو آزادی کی اجازت دیتا ہے؟ پردہ کے حدود شرعی کیا ہیں؟ سورۂ النور میں جو اللہ جل جلالہٗ نے فرمایا ہے کہ عورتیں اپنی زینت کے مقامات ظاہر نہ ہونے دیں، مگر جو اس میں سے چارو ناچار کھلا رہتا ہے، ولا یبدین زینتھن الا ماظھر منھا زینت کے مقامات سے کیا مراد ہے؟ آیا چہرہ بھی مقامِ زینت میں شامل ہے، یا اس کے علاوہ ہے؟ آیا عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی جلسہ میں ملبوس ہو کر اور چہرہ بے نقاب کر کے وعظ کر سکے یا مجلس میں بیٹھ کر سُن سکے؟ اور دینی موضوع پر تقریر کر سکے؟ یا جہاد میں شمشیر ہاتھ میں لے کر دشمن دینِ الٰہی سے اللہ کے نام پر لڑ سکے؟ یا کسی سوشل جلسے میں یا پارٹی میں شرکت کر سکے، اگر یہ جائز ہے تو پردہ کِن کِن قیود کے ساتھ جائز ہے؟ اگر ناجائز ہے تو قرآن میں اس کی کیا سند ہے؟

الجواب: نقلی وعقلی مسلّمہ مسئلہ ہے کہ احکام بعضے اصلی ہوتے ہیں بعضے عارضی، مثلاً اسلحہ وگولی وبارود کی تجارت اصل وضع کے اعتبار سے مثل دیگر تجارت کے بلا کسی قید کے جائز ہونا چاہئے اور یہ حکم اصلی ہے؛ لیکن اس کے نتائج مضرہ پر نظر کر کے اس میں لائسنس کی قید قانوناً لگا دی گئی، یا فواکہ کی تجارت، اس کی اصل کا مقتضی یہ ہے کہ ہر حال میں اور ہر وقت میں جائز ہو، مگر وَبا کے زمانہ میں طبّی اصول پر اس تجارت کو

---

(۱) سورة الشعراء، رقم الآية: ۲۲۷۔

ممنوع کر دیا جاتا ہے، اور ایسے عوارض اگر ممتد ہوں تو حکم بھی ممتد ہوتا ہے، اگر محدود ہوں تو حکم بھی محدود ہوتا ہے، مثلاً اسلحہ کی آزاد تجارت میں ہمیشہ مضرت کا اندیشہ تھا، وہاں ممانعت دوامی ہوگئی، فواکہ کی مضرت موسم کے ختم سے ختم ہو جاتی ہے، وہاں ممانعت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح پردہ کے دو (۲) درجے ہیں: ایک اصلی جو اِن آیات میں مذکور ہے۔۔۔۔ **وقرن في بيوتكن** (۱)۔ اور **واذا سألتموهن متاعاً فاسئلوهن من وراء حجاب** (۲)۔ جس کی حکمت بھی ساتھ ساتھ مذکور ہے، اوّل آیت کے سباق (بالموحدہ) میں **فلا تخضعن بالقول فيطمع الذى فى قلبه مرض** (۳)۔ اور دوسری آیت کے سیاق (بالتحتانیہ) میں **ذٰلكم اطهر لقلوبكم وقلوبهن** (۴)۔ اور جب حضرات ازواج مطہرات میں باوجود بُعد مفاسد کے ان حکمتوں کا اعتبار کیا گیا، تو دوسری بیبیوں میں تو بوجہ قرب مفاسد یہ حکمتیں زیادہ مؤثر ہوں گی (۵)۔

اور دوسرا درجہ عارضی کہ ضرورت کے موقع پر اس میں تخفیف فرمادی گئی، اور یہ درجہ ان آیات میں مذکور ہے۔ **يدنين عليهن من جلابيبهن** (۶) یعنی وقت الخروج۔ اور **الا ماظهر منها** (۷) اور گو اس کی

---

(۱) سورة الأحزاب، رقم الآية: ۳۳۔

(۲) سورة الأحزاب، رقم الآية: ۵۳۔

(۳) سورة الأحزاب، رقم الآية: ۳۲۔

(۴) سورة الأحزاب، رقم الآية: ۵۳۔

(۵) **قال القرطبي عند تفسير قوله تعالى: (وقرن فى بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى) معنى هذه الآية الأمر بلزوم البيت، وإن كان الخطاب لنساء النبي صلى الله عليه وسلم فقد دخل فيه غيرهن بالمعنى، هذا لو لم يرد دليل يخص جميع النساء، فكيف والشريعة طافحة بلزوم النساء بيوتهن والانكفاف عن الخروج منها إلا لضرورة، فقد أخرج البزار من حديث الأحوص عن عبدالله بن مسعودؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشيطان، وأقرب ما تكون بروحة ربها، وهي في قعر بيتها الخ.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۹/ ۱۰۷-۱۰۸)

(۶) سورة الأحزاب، رقم الآية: ۵۹۔

(۷) سورة النور، رقم الآية: ۳۱۔

تفسیر میں اقوال متعدد ہیں؛ لیکن ان کا احکام پر کوئی اثر نہیں (۱) لہٰذا ایسا اختلاف مضر نہیں۔ اب آگے مسئلہ تحقق ضرورت کا باقی رہ گیا، سو وہ امر اجتہادی ہے، اور جس طرح قانون کے اجتہادی اجزاء میں ہر شخص کا اجتہاد معتبر نہیں۔ اسی طرح یہاں بھی صرف ماہرینِ شریعت کا اجتہاد معتبر ہوگا؛ کیونکہ ان کا اجتہاد مستند الی النصوص ہوگا، اور نصوص پر نظر میں اُن کا کوئی مشارک نہیں، رائے محض نہ ہوگی کہ اس کا حاصل ہوائے محض ہوگا، اور اسی کلّیہ سے جزئیاتِ مذکورہ فی السوال کا فیصلہ ہو جاویگا، اور اس فیصلہ کے وقت اس پر بھی نظر واجب ہوگی، جو میں نے اوپر عرض کیا ہے کہ جب حضرات ازواج مطہرات میں الٹے قولہ زیادہ مؤثر ہوں گی، اور اگر کوئی شخص باوجود ادلّہ صحیحہ کے ثبوت قطعی ودلالت واضحہ کے حکم عارضی مذکور کو اصلی قرار دے تب بھی ہمارا مدّعا ثابت ہے، اس طرح سے کہ اس صورت میں بھی یہ مدعی حکمِ اصلی سے انکار تو نہیں کرسکتا۔ **لکونه منصوصاً غاية ما في الباب** اس کو عارضی مانے گا، اور عارضی کا حکم اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ ایسے عوارض اگر ممتد ہوں تو حکم بھی ممتد ہوگا، اور یہاں ان عوارض ومفاسد کا امتداد واشتداد بلاکسی کلام کے

---

(۱) أخرج عبدالرزاق، والفريابي وسعيد بن منصور عن ابن مسعود رضي الله عنه في قوله (ولا يبدين زينتهن) قال: الزينة: السوار، والدملج، والقرط، والقلادة (الا ما ظهر منها) قال: الثياب والجلباب.

وأخرج ابن المنذر عن أنس في قوله (ولايبدين زينتهن الا ما ظهر منها) قال: الكحل، والخاتم.

وأخرج البيهقي عن ابن عباس رضي الله عنه (ولايبدين زينتهن الا ما ظهر منها) قال: الكحل، والخاتم، والقرط، والقلادة.

وأخرج عبدالرزاق وعبد بن حميد عن ابن عباس في قوله (إلا ما ظهر منها) قال: هو خضاب الكف، والخاتم.

وأخرج ابن أبي شيبة وعبد بن حميد وابن أبي حاتم عن ابن عباس رضى الله عنه في قوله (إلا ما ظهر منها) قال: وجهها وكفاها والخاتم. (الدرالمنثور، سورة النور، آيت: ۳۱، دارالكتب العلمية بيروت ۵/ ۷۴-۷۵)

جامع البيان في تأويل القرآن المعروف بتفسير طبري، سورة النور، آيت: ۳۱، مكتبه مؤسسة الرسالة ۱۹/ ۱۵۶-۱۵۷۔

ظاہر ومشاہد ہے، پس حکم بھی ممتد ہوگا، پس مدعا ہر حال میں محفوظ ہے، خواہ اس کو اصلی کہیے یا عارضی، اور یہی محمل ہے اس قاعدۂ شرعیہ کا کہ زمانہ کے بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں، سو یہ ہر جگہ نہیں؛ بلکہ جس محل میں خود شریعت نے اس کا اعتبار کیا ہے (۱) اور اسی بناء پر فقہاء نے اخت رضاعیہ صہر یہ شابہ کو فساد زمانہ کی وجہ سے مثل غیر محارم کے قرار دیا ہے (۲) اور اسی بناء پر حضرات صحابہؓ نے عورتوں کو مسجد میں حاضر ہونے سے منع فرمادیا، جس کی حکمت حضرت عائشہؓ نے اس طرح ارشاد فرمائی:

---

(۱) وقيل: لا بأس بالغلق في غير أوان الصلاة صيانة لمتاع المسجد، وهذا هو الصحيح؛ لأن الحكم قد يختلف باختلاف الزمان، كما قلنا في منع جماعة النساء في زماننا لفساد أحوال الناس الخ. (تبيين الحقائق، الصلاة، قبيل باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٤١٩، إمداديه ملتان ١/ ١٦٨)

قال رحمه الله (وتعشير المصحف ونقطه) لأن القراءة والآي توقيفية ليس للرأي فيها مدخل فبالتعشير حفظ الآي، وبالنقط حفظ الإعراب فكانا حسنين، ولأن العجمي الذي يحفظ القرآن لا يقدر على القراءة إلا بالنقط فكان حسنا، وما روي عن ابن مسعود أنه قال: جردوا القرآن فذلك في زمانهم؛ لأنهم كانوا ينقلونه عن النبي صلى الله عليه وسلم كما أنزل وكانت القراءة سهلة عليهم، وكانوا يرون النقط مخلا بحفظ الإعراب والتعشير بحفظ الآي، ولا كذلك العجمي في زماننا فيستحسن لعجز العجمي عن التعلم إلا به، وعلى هذا لا بأس بكتابة أسامي السور وعد الآي، فهو وإن كان محدثا، فمستحسن، وكم من شيء يختلف باختلاف الزمان والمكان. (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٦٦، إمداديه ملتان ٦/ ٣٠)

(۲) المحرم عندنا من حرم نكاحه على التأبيد بنسب أو مصاهرة أو رضاع ولو بوطء حرام ...... وأحكامه تحريم النكاح، وجواز النظر والخلوة والمسافرة إلا المحرم من الرضاع، فإن الخلوة بها مكروهة، وكذا بالصهرة الشابة. (الأشباه والنظائر، الفن الثالث: الجمع والفرق أحكام المحارم، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ١٠٠)

ولعل وجهه أنها إذا كانت شابة يخشى عليها الفتنة من الخلوة معهم، فإنهم وإن كانوا محارم لها لكن قد يمنع المحرم كما قالوا بكراهية الخلوة بالصهرة الشابة تأمل. (منحة الخالق على البحرالرائق، قبيل باب ثبوت النسب، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢٦١-٢٦٢)

لو رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني اسرائيل. رواه الشيخان وغيرهما (۱)۔

خصوص جب تغیر طبائع کے ساتھ اس زمانہ میں حدود وتعزیرات کی اقامت اور اس زمانہ میں ان کی اماتت کے تفاوت پر بھی نظر کی جاوے، اور اس زمانہ کے مدعیانِ اجتہاد تو بلا کسی قید کے اس کلیہ سے جا بجا کام لیتے ہیں حتی کہ سود کو زمانہ کی ضرورت سے حلال کہتے ہیں، سواُن پر تو یہ قاعدہ علی الاطلاق حجت ہوگا، اوراُن پر لازم ہوگا کہ ہم سے زیادہ حجاب متعارف کے قائل ہوں۔ اب آخر میں ایک خیرخواہانہ عرض ہے کہ اس زمانہ میں عام عادت ہوگئی ہے کہ ہر حکم کی دلیل قرآن مجید سے مانگی جاتی ہے، اور حدیث کا قریب قریب انکار ہی ہے، چنانچہ سوال ہذا میں بھی قرآن سے سند مانگی گئی ہے، سو اس عادت اور خیال کی کوئی صحیح بناء نہیں، اور حیرت ہے کہ یہ حضرات تاریخ کو حجّت مانتے ہیں، حالانکہ اتصال سند وصحت سند وتوثیق رجال میں تاریخ کو حدیث سے کوئی نسبت ہی نہیں، پس اس مادّہ میں بھی اگر احادیث کو دیکھا جائے تو کسی قسم کا شبہ ہی باقی نہیں رہ سکتا۔ ۱۱ر ج ۱۳۵۶ھ (النور جمادی الثانی ۵۷ھ ص ۱۱)

فاسق عورتوں کو گھروں میں آنے سے روکنا

سوال (۲۵۳۵): قدیم ۴/ ۱۹۶- میں نے جب سے یہ حدیث مشکوٰۃ کی سُنی ہے تب سے بدکار عورتوں کا گھر میں آنا جانا بند کردیا ہے۔

عن أم سلمة رضي لله عنها أن النبى صلى الله عليه وسلم كان عندها، وفي البيت مخنث، فقال لعبد الله بن أبي أمية أخي أم سلمة يا عبدالله! إن فتح الله لكم غدا الطائف فإني أدلك على ابنة غيلان، فإنها تقبل بأربع وتدبر بثمان، فقال النبي

---

(۱) بخاري شريف، كتاب الأذان، باب انتظار الناس قيام الإمام العالم، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۰، رقم: ۸۶۱، ف: ۹۶۹۔

مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد إذا لم يترتب عليه فتنة وأنها لا تخرج مطيبة، النسخة الهندية ۱/ ۱۸۳، بيت الأفكار رقم: ۴۴۵۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

صلی الله علیه وسلم: لا یدخلن هؤلاء علیکم. متفق علیه (۱)۔اب عرض یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ مطلب نکل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب : ممانعت اس قسم کی عورتوں کے آنے کی اس آیت سے نکلتی ہے۔ لا یبدین زینتهن الا لبعولتهن -إلی قوله تعالی- او نسائهن. الآیة (۲) شاہ ولی اللہ صاحب تفسیر کرتے ہیں: ’’با زنان خویش یعنی غیر اہل قیادہ‘‘ اور دوسری جگہ لکھا ہے غیر قوادہ، وقواد بالفتح وتشدید واؤ ودال مہملہ دلال وبمعنی مرد بے غیرت وقلتبان از لطائف وغیرہ۱۲(۳)۔

اور شاہ عبد القادر صاحبؒ نے فرمایا اور اپنی عورتیں جو نیک چال کی ہوں اُن سے بھی اتنا ضرور ہے اور بدراہ عورتوں سے کنارہ پکڑنا۔ واللہ اعلم۔ (امداد، ج ۲ ص ۱۲۴)

عورتوں کو بازار میں جانا

سوال (۲۵۳۶): قدیم ۴/۱۹۶- مسلمان عورتوں کو بازار میں جانا شرع شریف میں حلال ہے یا حرام یا مکروہ؟ مع دلیل شرع کے بیان فرمائیے۔ بینوا توجروا۔ فقط

الجواب: فلقوله تعالیٰ: ولاتبرجن تبرج الجاهلیة الأولیٰ. الآیة (۴)۔ ولقوله تعالیٰ: غیر متبرجات بزینة. الآیة (۵)۔

---

(۱) بخاري شریف، کتاب النکاح، باب ما ینهی من دخول المتشبهین بالنساء علی المرأة، النسخة الهندیة ۲/ ۷۸۷، رقم: ۵۰۳۹، ف: ۵۲۳۵۔

مسلم شریف، کتاب السلام، باب منع المخنث من الدخول علی النساء الأجانب، النسخة الهندیة ۲/ ۲۱۸، بیت الأفکار رقم: ۲۱۸۰۔

مشکوة شریف کتاب النکاح، باب النظر إلی المخطوبة وبیان العورات، الفصل الثالث، مکتبه أشرفیه دیوبند ۲/ ۲۷۰۔

(۲) سورة النور، رقم الآیة: ۳۱۔

(۳) فتح الرحمن بترجمة القرآن للشاه ولي الله المحدث الدهلوي، سورة النور، آیت: ۳۱، ص: ۳۵۳۔

(۴) سورة الأحزاب، رقم الآیة: ۳۳۔

(۵) سورة النور، رقم الآیة: ۶۰۔

ولقوله تعالیٰ: ولایبدین زینتهن. الآية (۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ زینت کے ساتھ عورت کو بازار میں یا مجمع میں نکلنا یا کسی نامحرم کے سامنے آنا قطعاً حرام ہے؛ البتہ اگر کوئی ضروری حاجت ہو اور ہیئت رثہ اور ثیاب بذلہ یعنی میلے کچیلے کپڑوں میں پردہ کر کے نکلے تو جائز ہے۔ **لقوله تعالیٰ: يدنين عليهن من جلا بيبهن (۲)۔ ولقوله تعالیٰ: إلاماظهر منها (۳)۔ وفي الدرالمختار: وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لالأنه عورة بل لخوف الفتنة (۴)۔ والله اعلم.**

۲۱ر شعبان روز چہار شنبہ ۱۳۳۰ھ (امداد ج ۲ ص ۱۲۶)

برقع سے ڈولی کا سفر بہتر ہے

سوال (۲۵۳۷): قدیم ۴/ ۱۹۷- عورتوں کو دن میں برقعہ سے دور راہ لے جانا، اور ڈولی پالکی میں کہاروں سے لے جانا، از روئے پردہ وحیا کونسا اچھا ہے؟

الجواب: ظاہر ہے کہ بلا ضرورت امر اوّل کا انجام مفاسد کا ترتب ہے، اور امر ثانی ہر حال میں راجح ہے، حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا سفر ہودج میں ہوتا تھا (۵) کپڑا لپیٹ کر اونٹ پر سوار نہ ہوتی تھیں۔ (النور، شعبان ۱۳۵۱ھ ص ۸)

---

(۱) سورة النور، رقم الآية: ۳۱۔

(۲) سورة الأحزاب، رقم الآية: ۵۹۔

(۳) سورة النور، رقم الآية: ۳۱۔

(۴) **وفي المنتقى: تمنع الشابة عن كشف وجهها لئلا يؤدي إلى الفتنة، وفي زماننا المنع واجب بل فرض لغلبة الفساد.** (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۲۲)

قال مشايخنا: تمنع المرأة الشابة من كشف وجهها بين الرجال في زماننا للفتنة. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۷۰، كوئٹه ۱/ ۲۷۰)

قال الحنفية: تمنع المرأة الشابة من كشف وجهها بين الرجال في زماننا، لا لأنه عورة، بل لخوف الفتنة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۱/ ۱۳۴)

(۵) **أخرج البخاري عن الزهري عن عروة عن عائشةؓ حديثا طويلا -وفيه-** ←

عورتوں کو اجنبی مردوں کے سامنے چہرہ کھولنا یا آواز سنانا وغیرہ

سوال (۲۵۳۸): قدیم ۴/ ۱۹۷- پردہ عورت کا کس کس شے سے ہے، یعنی آواز سنانا، اور آواز دار زیور پہننا کیسا ہے؟ اور باہر مکان سے عورت کو کسی سے ملنے کو کس کس کے ساتھ جانا چاہئے؟ اور نابالغ لڑکوں اغیار سے پردہ کس عمر کے لڑکے سے چاہئے؟

الجواب: عورت حرّہ کو تمام اعضاء کا پردہ فرض ہے بجز چہرہ اور کفین اور قدمین کے اور آواز میں اختلاف ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ وہ عورۃ نہیں ہے، مگر جوان عورت کو بے ضرورت اعضائے غیر مستورہ کا اجنبی کو دکھانا اور بدون حاجت اُس سے کلام کرنا منع ہے، نہ اس وجہ سے کہ ستر ہے بلکہ بخوف فتنہ۔

وللحرّة جميع بدنها خلا الوجه والكفين، والقدمين على المعتمد، وصوتها على الراجح، وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين رجال لا لأنه عورة، بل لخوف

← **أن عائشةؓ قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أراد أن يخرج سفرا أقرع بين أزواجه فأيتهن خرج سهمها خرج بها معه، قالت عائشة: فأقرع رسول الله صلى الله عليه وسلم بيننا في غزوة غزاها، فخرج فيها سهمي فخرجت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد ما أنزل الحجاب فكنت أحمل في هودجي وأنزل فيه فسِرنا حتى إذا فرغ رسول الله صلى الله عليه وسلم من غزوته تلك وقفل ودنونا من المدينة آذن ليلة بالرحيل، فقمت حين آذنوا بالرحيل فمشيت حتى جاوزت الجيش فلما قضيت شأني أقبلت إلى رحلي فلمست صدري، فإذا عقد لي من جزع أظفار قد انقطع فرجعت فالتمست عقدي فحبسني ابتغاء ه فأقبل الذين يرحلون لي فاحتملوا هودجي فرحلوه على بعيري الذي كنت أركب عليه وهم يحسبون أني فيه، وكان النساء إذ ذاك خفافا لم يثقلن ولم يغشهن اللحم وإنما يأكلن العلقة من الطعام فلم يستنكر القوم حين رفعوه ثقل الهودج فاحملوه، وكنت جارية حديثة السن فبعثوا الجمل وساروا الحديث.** (بخاري شريف، كتاب الشهادات، باب تعديل النساء يعضهن بعضا، النسخة الهندية ١/ ٣٦٣، رقم: ٢٥٨٧، ف: ٢٦٦١)

مسلم شريف، كتاب التوبة، باب في حديث الإفك وقبول توبة القاذف، النسخة الهندية ٢/ ٣٦٤، بيت الأفكار رقم: ٢٧٧٠۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الفتنة. درمختار. وفي ردالمحتار: فإذا نجيز الكلام مع النساء للأجانب ومحاورتهن عند الحاجة إلىٰ ذلک ولا نجيز لهن رفع أصواتهن، ولا تمطيطها، ولا تليينها وتقطيعها لما في ذلک من استمالة الرجال إليهن وتحريک الشهوات منهم. اه (۱)۔

اور باجہ دار زیور پہننا منع ہے۔

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۷۷ تا ۷۹، كراچی ۱/ ۴۰۵-۴۰۶۔

(جميع بدن الحرة عورة إلا وجهها وكفيها وقدميها) فظهر الكف عورة على المذهب قاله في البحر وقدميها (في رواية) وهي المعتمد من المذهب قاله في الأشباه، وكذا صوتها وليس بعورة على الأشبه، وإنما يؤدي إلى الفتنة، ولذا تمنع من كشف وجهها بين الرجال للفتنة، ولا يجوز النظر إليها بشهوة كوجه الأمرد، وأما بدونها فيحل. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۲۱-۱۲۲)

وبدن الحرة عورة إلا وجهها وكفيها وقدميها (كنز) وفي البحر: واعلم أنه لا ملازمة بين كونه ليس بعورة وجواز النظر إليه، فحل النظر منوط بعدم خشية الشهوة مع انتفاء العورة، ولذا حرم النظر إلى وجهها ووجه الأمرد إذا شک في الشهوة، ولا عورة كذا فى شرح المنية، قال مشايخنا: تمنع المرأة الشابة من كشف وجهها بين الرجال في زماننا للفتنة ...... وصرح في النوازل: بأن نغمة المرأة عورة وبنى عليه أن تعلمها القرآن من المرأة أحب إلي من تعلمها من الأعمي، ولذا قال صلى الله عليه وسلم: التسبيح للرجال والتصفيق للنساء، فلا يجوز أن يسمعها الرجل، ومشى عليه المصنف في الكافي، فقال: ولا تلبي جهرا؛ لأن صوتها عورة، ومشى عليه صاحب المحيط في باب الأذان، وفي فتح القدير: وعلى هذا لو قيل إذا جهرت بالقرآن في الصلاة فسدت كان متجها الخ، وفي شرح المنية: الأشبه أن صوتها ليس بعورة، وإنما يؤدي إلى الفتنة كما علل به صاحب الهداية وغيره في مسألة التلبية، ولعلهن إنما منعن من رفع الصوت بالتسبيح في الصلاة؛ لهذا المعنى ولا يلزم من حرمة صوتها بحضرة الأجانب أن يكون عورة كما قدمناه. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۷۰-۴۷۱، كوئٹه ۱/ ۲۶۹-۲۷۰)

عن ابن الزبير أن مولاة لهم ذهبت بابنة الزبير إلى عمر بن الخطاب وفي رجلها أجراس، فقطعها عمر، ثم قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: مع كل جرس شيطان. رواه أبوداؤد (۱)۔ وعن بنانة مولاة عبدالرحمٰن بن حسان الإنصاري كانت عند عائشة إذ دخل عليها بجارية وعليها جلاجل يصوتن، فقالت: لاتدخلنها علي إلا أن تقطعوا جلاجلها، وقالت: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا تدخل الملائكة بيتا فيه جرس. رواه أبوداؤد (۲)۔

البتہ جس میں خود باجہ نہ ہو، اگرچہ لگ کر بجتا ہو، اس کا پہننا جائز ہے، مگر اس طرح چلنا کہ اجنبی اس کی آواز سُنے، ممنوع ہے۔

قال الله تعالیٰ: ولايضربن بأرجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن (۳)۔ والله أعلم.

عورت کو وقت ضرورت کے مُنہ ڈھانک کر خواہ تنہا یا کسی محرم یا ثقہ عورت کے ساتھ واسطے ملنے محارم اور دیگر حوائج ضروریہ کے گھر سے نکلنا جائز ہے، مگر سفر کرنا بدون محرم کے جائز نہیں۔

أما تغطية الوجه فلقوله تعالیٰ: يدنين عليهن من جلابيبهن (۴).

قال ابن عباسؓ وأبوعبيدةؓ: أمرت نساء المؤمنين أن يغطين رؤوسهن ووجوههن بالجلابيب إلا عينا واحدًا ليعلم أنها حرائر. تفسير مظهري (۵)۔

والتقييد بالضرورة فلقوله عليه السلام المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها

---

(۱) أبوداؤد شريف، كتاب الخاتم، باب ماجاء في الجلاجل، النسخة الهندية ۲/ ۵۸۱، دارالسلام رقم: ۴۲۳۰۔

(۲) أبوداؤد شريف، كتاب الخاتم، باب ماجاء في الجلاجل، النسخة الهندية ۲/ ۵۸۱، دارالسلام رقم: ۴۲۳۱۔

(۳) سورة النور، رقم الآية: ۳۱۔

(۴) سورة الأحزاب، رقم الآية: ۵۹۔

(۵) تفسير مظهري، سورة الأحزاب، آيت: ۵۹، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۳۸۴۔

الشیطان. رواه الترمذي (۱)۔ أما التقیید بالمحرم أو المرأة فلقوله علیه السَّلام: لا یخلون رجل بامرأة إلا کان ثالثهما الشیطان. رواه الترمذي (۲)۔ أما منع السفر بلا محرم فلقوله علیه السلام: لا تسافرن المرأة إلا ومعها محرم (۳) أو کما قال واللّٰه أعلم

نابالغ لڑکے تین قسم کے ہیں، ایک تو بالکل نادان جن کو بالکل کسی چیز کی تمیز نہیں، ان کے رُوبرو تو برہنہ ہونا بھی جائز ہے، وہ مثل جمادات کے ہیں۔ دوسرا ذرا ہوشیار کہ تمیز تو رکھتا ہے، مگر حدِّ شہوت کو نہیں پہنچا، اُس کے رُوبرو ناف سے زانو تک کھولنا جائز نہیں باقی جائز ہے۔ تیسرا وہ جو قریب بلوغ کے پہنچ گیا ہو، اس کا حکم مثل بالغین کے ہے، تمام ستر ڈھانکنا اس سے فرض ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: أو الطفل الذین لم یظهروا علی عورات النساء. الآیة (۴)۔ فإن الطفل إن کان ممیزًا لکنه لم یبلغ حد الشهوة جاز للنساء الانکشاف عنده إلا من السرة إلی الرکبة، ولا یجوز لها بحضرته کشف ما تحت السرة، وإن کان طفلا غیر ممیز بالکلیة فهو کالجمادات والبهائم، لابأس لو کشفت عنده ماتحت الإزار أیضاً وإن کان مراهقاً یشتهي فحکمه حکم الرجال؛ لأنه استعد للظهور علی عوراتهن. تفسیر مظهري (۵)۔ واللّٰه أعلم. (امداد، ج۲ص ۱۳۲)

---

(۱) ترمذي شریف، کتاب الرضاع، باب ماجاء في کراهیة الدخول علی المغیبات، النسخة الهندیة ۱/ ۲۲۲، دارالسلام رقم: ۱۱۷۳۔

(۲) ترمذي شریف، کتاب الرضاع، باب ماجاء في کراهیة الدخول علی المغیبات، النسخة الهندیة ۱/ ۲۲۱، دارالسلام رقم: ۱۱۷۱۔

(۳) بخاري شریف، کتاب الجهاد والسیر، باب من اکتتب في جیش فخرجت امرأته حاجة أو کان له عذر هل یؤذن له، النسخة الهندیة ۱/ ۴۲۱، رقم: ۲۹۱۴، ف: ۳۰۰۶۔

(۴) سورة النور، رقم الآیة: ۳۱۔

(۵) تفسیر مظهري، سورة النور، آیت: ۳۱، مکتبه زکریا دیوبند ۶/ ۳۸۳۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جوسات مقام پرعورت کوزیور پہننا مشہور ہے

سوال (۲۵۳۹): قدیم ۴/۱۹۸- جوسات مقام پرعورت کوزیور پہننا مشہور ہے تو وہ مقام کون کون ہیں؟

الجواب : یہ وہ مواضع ہیں جن کواللہ تعالیٰ نے آیت: ولا یبدین زینتھن (۱)۔ میں مواضع زینت فرمایا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس آیت کی تفسیر ان مواضع کے ساتھ کی ہے: سر، گردن، عضد، ذراع، ساق کہ مواضع تاج وگردن بند وباز وبند واستوانہ وخلخال کے ہیں (۲)۔ پس ان میں سے اگر اعضائے مزوّجہ کوایک ایک شمار کیا جائے تو پانچ جگہ، اور اگر دو۲ دو۲ گنے جائیں تو آٹھ جگہ ہوتی ہیں؛ البتہ اگر تقدیر اوّل پر سینہ اور ہر دو گوش کہ موضع قلادہ اور قرط ہے لیا جائے تو سات پورے ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

عورتوں کواخبار وغیرہ میں اپنانام ظاہر کرنا

سوال (۲۵۴۰): قدیم ۴/۱۹۹- آج کل روشن خیال اور آزاد لوگوں میں یہ امر طے شدہ مان لیا گیا ہے کہ پردہ نشین مستورات کا نام مردوں کی طرح خط پر یا اخبارات وغیرہ میں ظاہر ضرور کردینا چاہئے، چنانچہ ہندوستان سے بہت سے زنانہ اخبارات بھی شائع ہوتے ہیں، اور یہ اخبارات ہمارے گھروں میں بھی مستورات کے واسطے آتے ہیں، اُن کے پتے وغیرہ پر عورتوں کے نام لکھے جاتے ہیں، غرض جس طرح عام مرد اپنا نام اخبارات وغیرہ میں ظاہر کرتے ہیں، عورتیں بھی ظاہر کرتی ہیں، تو عرض ہے کہ اس میں شرعی قباحت تو کوئی نہیں ہے، پہلے اکثر لوگ اس کو ذرا ناپسند کرتے تھے، مگر عرصہ ہوا کہ مولوی

---

(۱) سورۃ النور، رقم الآیۃ: ۳۱۔

(۲) حاصل ایں آیت آنست کہ مواضع زینت دو قسم است، آنچہ در ستر آں حرج است، وآں وجہ وکفین بود، وآنچہ در ستر آں حرج نیست مانند سر وگردن وعضد وذراع وساق، پس ستر وجہ وکفین از اجنبیان فرض نیست بلکہ سنت است وستر غیر آں از اجنبیان فرض است نہ از محارم۔۱۲ (فتح الرحمن بترجمۃ القرآن للشاہ ولی اللہ المحدث الدھلوي، سورۃ النور، آیت: ۳۱، ص: ۳۵۳)

ابوالکلام آزاد ایڈیٹر الہلال کلکتہ نے اس مضمون پر ایک پرزور بحث لکھی تھی، اور شرعی طور پر بتلایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور ایسا ہونا ضرور چاہئے، مسلمات کو اپنا نام ظاہر کرنے سے شارع نے کہیں نہیں روکا ہے، اس مضمون کے بعد بہت سے لوگ اس کو پسند کرنے لگے۔ حضور تحریر فرماویں کہ یہ طریقہ کیسا ہے؟ نیز زنانہ اخبارات میں عورتوں کا اپنا مضمون اپنے نام سے شائع کرانا کیسا ہے؟

الجواب : قطع نظر عوارض سے تو یہی حکم جواز کا صحیح ہے؛ لیکن عوارض سے بعض امور جائزہ کا ناجائز ہو جانا فقہ میں مشہور و معروف ہے، اور یہاں ایسے عوارض کا وجود یقینی ہے، اس لئے ضرور اس کو ناجائز کہا جاوے گا (۱)۔ ۱۵ر محرم ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۶۱)

مزدوری پیشہ عورت کو سَر اور کہنیوں تک ہاتھ کھولنا

سوال (۲۵۴۱): قدیم ۴/۱۹۹- جو عورتیں کھانا پکاتی ہیں وہ اکثر گھر میں بے احتیاطی سے رہتی ہیں، سر کھلا رکھتی ہیں اور بعض اوقات آٹا گوندھنے میں کہنیاں کھلی رہتی ہیں، تو اُن کے بارے میں ستر کا کیا حکم ہے؟ آیا بوجہ ضرورت کے یہ اُمور اُن کے لئے درست ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اور مالک مکان کو کس طور سے احتیاط کرنی چاہئے؟

الجواب: سر کھولنے کی تو کوئی ضرورت نہیں؛ البتہ ذراعین میں امام ابو یوسفؒ اجازت دیتے ہیں۔ کما في كتاب الكراهية من الهداية (۲)۔

---

(۱) والتحرز عن مواضع التهمة واجب قال صلى الله عليه وسلم: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يقفن مواقف التهم، وقال علي رضي الله عنه: إياك وما يقع عند الناس إنكاره، وفي رواية ما يسبق إلى القلوب إنكاره، وإن كان عندك اعتذاره فليس كل سامع نكرا يطيق أن يوسعه عذرا. (المبسوط للسرخسي، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۵۸)

(۲) وعن أبي يوسفؒ أنه يباح النظر إلى ذراعيها أيضا؛ لأنه قد يبدو منها عادة. (هداية، كتاب الكراهية، فصل في الوطئ والنظر والمس، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۴۵۸)

وذكر في جامع البرامكة عن أبي يوسفؒ أنه يباح النظر إلى ذراعيها أيضا؛ لأنها في الخبز وغسل الثياب تبتلي بإبداء ذراعيها أيضا. (المبسوط للسرخسي، كتاب الاستحسان، دارالكتب العلمية بيروت ۱۰/ ۱۵۳) ←

اور مواضع غیر مباحہ کو اگر عورت نہ ڈھانکے تو مرد کو غض بصر واجب ہے (۱) اور نظر فجاءۃ معصیت نہیں (۲)۔

یکم جمادی الاخری ۱۳۲۱ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۵۳)

دندان ساز کا عورت کو مس کرنا

یہ مسئلہ جلد سوم کتاب الاجارہ میں صفحہ ۳۳۹ پر گذر چکا ہے (۳)۔

خوشدامن کا اپنے داماد سے پردہ

سوال (۲۵۴۲): قدیم ۴/۲۰۰- خوشدامن سے پردہ واجب ہے یا نہیں؟

← **وفي جامع البرامكة عن أبي يوسف أنه يجوز النظر إلى ذراعيها أيضا؛ لأنها تصيير مبتلىً بإبداء ذراعيها عند الغسل والطبخ.** (المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل التاسع فيما يحل للرجل إليه النظر والمس، المجلس العلمي ٨/ ٣٠، رقم: ٩٥١٧)

(۱) **قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ.** [سورة النور، رقم الآية: ٣٠]

(۲) **عن بريدةؓ رفعه قال: يا علي! لا تتبع النظرة النظرة، فإن لك الأولى وليست لك الآخرة.** (ترمذي شريف، كتاب الأدب، باب ماجاء في نظرة المفاجأة، النسخة الهندية ٢/ ١٠٦، دارالسلام رقم: ٢٧٧٧)

أبوداؤد شريف، كتاب النكاح، باب ما يؤمر به من غض البصر، النسخة الهندية ١/ ٢٩٢، دارالسلام رقم: ٢١٤٩۔

عن جرير بن عبدالله قال: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن نظر الفجاءة، فأمرني أن أصرف بصري. (مسلم شريف، كتاب الآداب، باب نظر الفجاءة، النسخة الهندية ٢/ ٢١٢، بيت الأفكار رقم: ٢١٥٩)

عن أبي أمامة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما من مسلم ينظر إلى محاسن امرأة أول مرة ثم يغض بصره إلا أحدث الله له عبادة يجد حلاوتها. (مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٢٦٤، رقم: ٢٢٦٣٤)

(۳) دیکھئے سوال نمبر: ۱۹۵۱ کا جواب۔

الجواب: فی نفسہ نہیں (۱) لیکن للعارض شابّہ سے لکھا ہے (۲)۔

۱۲/ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۹۹)

---

(۱) اس لئے کہ خوشدامن اور ساس محرمات میں داخل ہے اور محارم سے پردہ نہیں ہے:

(حرمت عليكم أمهاتكم) إلى قوله (وأمهات نسائكم) سورة النساء، رقم الآية: ۲۳ .

والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التأبيد بقرابة أو رضاع أو صهرية كما في التحفة. (شامي، كتاب الحج، مطلب في قولهم: يقدم حق العبد على حق الشرع، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ٤٦٤، كراچی ۲/ ٤٦٤)

البحرالرائق، كتاب الحج، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٥٥١، كوئٹه ۲/ ۳۱٥۔

ولا بأس بالخلوة معها لقوله عليه الصلاة والسلام: لا يخلون رجل بامرأة ليس منها سبيل، فإن ثالثهما الشيطان: والمراد إذا لم تكن محرما؛ لأن المحرم بسبيل منها إلا إذا خاف على نفسه أو عليها الشهوة، فحينئذ لا يمسها، ولا ينظر إليها ولا يخلو بها الخ.

(البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في النظر واللمس، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۳٥٦، كوئٹه ۸/ ۱۹٤)

(عن عقبة بن عامر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إياكم والدخول على النساء) أي غير المحرمات على طريق التخلية أو على وجه الكشف. (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة، وبيان العورات، الفصل الأول، مكتبه إمداديه ملتان ٦/ ۱۹٦)

لما أمر تبارك وتعالى النساء بالحجاب من الأجانب بين أن هؤلاء الأقارب لا يجب الاحتجاب منهم كما استثناهم في سورة النور الخ. (تفسير ابن كثير، سورة الأحزاب، آيت: ٥٥، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ۲۰۸)

(۲) والخلوة بالمحرم مباحة إلا الأخت رضاعا والصهرة الشابة (درمختار) وفي الشامية: قال في القنية: ماتت عن زوج وأم فلهما أن يسكنا في دار واحدة إذا لم يخافا الفتنة، وإن كانت الصهرة شابة فللجيران أن يمنعوها منه إذا خافوا عليهما الفتنة اه.

(الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر الإباحة، فصل في النظر والمس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٥۲۹-٥۳۰، كراچی ٦/ ۳٦۹)

ومفاده أن الخلوة كالنظر لكن في الأشباه الخلوة بالأجنبية حرام إلا الملازمة إلى مديونه هربت أو عجوزا شوها أو بحائل وبالمحرم مباحة إلا الأخت رضاعا والصهر الشابة.

(سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، الكراهية، فصل في النظر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۲۰۳)

عورت کی قرأت اجنبی مردوں کو بلاضرورت سننا

سوال (۲۵۴۳): قدیم ۴/۲۰۰- میں نے اپنے گھر میں عرصہ سے تجوید بقدر احتیاج سکھائی ہے اللہ کا شکر ہے کہ باقاعدہ پڑھنے لگی ہیں، جن لوگوں کو اس امر کی اطلاع ہے وہ کبھی آ کر یوں کہتے ہیں کہ ہم سننا چاہتے ہیں، اور ہیں معتمد لوگ، تو پردہ میں سے سنوا دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگرچہ ایسا کبھی کیا نہیں، بعد علم جیسا ہوگا ویسا کروں گا؟

الجواب: ہرگز نہیں۔ لأنه إسماع صوت المرأة بلاضرورة شرعية (۱)۔

۱۲/شعبان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۶۴)

---

(۱) قال العلامة الجصاص تحت قوله تعالى: (ولا يضربن بأرجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن) وفيه دلالة على أن المرأة منهية عن رفع صوتها بالكلام بحيث يسمع ذلك الأجانب إذ كان صوتها أقرب إلى الفتنة من صوت خلخالها، ولذلك كره أصحابنا أذان النساء؛ لأنه يحتاج فيه إلى رفع الصوت، والمرأة منهية عن ذلك. (أحكام القرآن للجصاص زكريا ۳/ ۴۱۲)

فظهر الكف عورة على المذهب والقدمين على المعتمد وصوتها على الراجح (درمختار) وفي الشامية: قوله (على الراجح) عبارة البحر عن الحلية أنه الأشبه. وفي النهر: وهو الذي ينبغي اعتماده، ومقابله ما في النوازل: بأن نغمة المرأة عورة، وتعلمها القرآن من المرأة أحب. قال عليه الصلاة والسلام: التسبيح للرجال والتصفيق للنساء، فلا يحسن أن يسمعها الرجل، وفي الكافي: ولا تلبي جهرا؛ لأن صوتها عورة، ومشى عليه في المحيط في باب الأذان. بحر: قال في فتح: وعلى هذا لو قيل إذا جهرت بالقراء ة في الصلاة فسدت كان متجها الخ. ولهذا منعها عليه الصلاة والسلام من التسبيح بالصوت لإعلام الإمام بسهوه إلى التصفيق اه، وأقره البرهان الحلبي في شرح المنية الكبير، وكذا في الإمداد، ثم نقل عن خط العلامة المقدسي: ذكر الإمام أبوالعباس القرطبي في كتابه في السماع: ولا يظن من لا عنده أنا إذا قلنا صوت المرأة عورة أنا نريد بذلك كلامها؛ لأن ليس ذلك بصحيح، فإذا نجيز الكلام مع النساء للأجانب ومحاورتهن عند الحاجة إلى ذلك. ولا نجيز لهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها ولا تليينها وتقطيعها لما في ذلك من استمالة ←

کنواری لڑکیوں کو عورتوں سے پردہ کرانا خلاف حدیث نہیں

سوال (۲۵۴۴): قدیم ۴/۲۰۰- میں نے لڑکی کو لڑکے کی والدہ اور پھوپھی اور بہن کو اس لئے دکھایا کہ احادیث شریفہ کی رُو سے خود لڑکے کو دیکھنا درست ہے، تو اُس کے اقربائے نسواں کو دکھانا بھی حسب حدیث عمل ہوگا، اگرچہ بعض جگہ لڑکی کو دکھانے کی رسم عرفاً گو معیوب سمجھی جاتی ہے، مگر جو عرف کہ خلاف حدیث ہو وہ قابل عمل نہیں، پس میرا یہ عمل وخیال وتوجیہ درست ہے کہ نہیں؟ اور اگر درست نہ ہو تو بصراحت آگاہ فرمایا جاوے، تاکہ عرف خلاف حدیث قابل عمل ہونے کی حقیقت از طفیل رہنمائی حضور موضوح ہو؟

الجواب: یہ عرف اُس حدیث کے خلاف نہیں ہے؛ کیونکہ حدیث سے رویت ثابت ہے، نہ کہ ارائت، یعنی حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ لڑکی والے اس خاطب کو خود لڑکی دکھلا دیں؛ بلکہ خاطب کو اجازت ہے کہ اگر تمہارا موقع لگ جاوے تو تم دیکھ لو (۱) پس اسی طرح جو عورت خاطب کے قائم مقام ہے اُس کا دیکھ لینا تو اس حدیث میں حکماً داخل ہوسکتا ہے، باقی یہ ہرگز حدیث کا مدلول نہیں کہ لڑکی والے اہل خاطب کو دکھلایا کریں، حدیث اس سے محض ساکت ہے، اگر تجربہ سے نسوان خاطب کو دکھلانا خلاف مصلحت ثابت ہو، اُن سے پردہ کرانے کا عرف ہرگز خلافِ حدیث نہیں، جیسا عورتوں کو دکھلا دینا بھی خلاف حدیث نہیں، شرعاً دونوں شقوں کا اختیار ہے۔ ۳/جمادی الثانیہ ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۳۹)

← **الرجال إليهن، وتحريك الشهوات منهم، ومن هذا لم يجز أن تؤذن المرأة اه، قلت: ويشير إلى هذا تعبير النوازل بالنغمة.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٧٨-٧٩، كراچی ١/ ٤٠٦)

وأما أذان المرأة فإنها منهية عن رفع صوتها؛ لأنها تؤدي إلى الفتنة. (البحرالرائق، الصلاة، باب الأذان، زكريا ديوبند ١/ ٤٥٨، كوئٹه ١/ ٢٦٣)

(١) عن جابر بن عبدالله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا خطب أحدكم المرأة فإن استطاع أن ينظر إلى ما يدعوه إلى نكاحها، فليفعل قال: فخطبت جارية فكنت أتخبأ لها حتى رأيت منها ما دعاني إلى نكاحها، وتزويجها فتزوجتها. (أبوداؤد شريف، كتاب النكاح، باب الرجل ينظر إلى المرأة وهو يريد تزويجها، النسخة الهندية ١/ ٢٨٤، دارالسلام رقم: ٢٠٨٢) ←

بوڑھی عورت کے لئے سفر بلامحرم کے جواز کی دلیل

سوال (۲۵۴۵): قدیم ۴/۲۰۱- سفر مرأۃ کے لئے محرم کا شرط ہونا فقہاء کہتے ہیں، شابّہ وعجوزہ کی تعمیم بھی کتب فقہ میں مصّرح ہے، فتحپور میں شاہ لطف رسول صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ جناب نے فرمایا ہے کہ عجوز کے لئے ضرورت نہیں ہے، اس کو سنداً مکرر مراجعت کتب فقہ کی گئی۔ شامیؔ، فتحؔ، بحرؔ، عالمگیری سب میں عجوز کی تصریح ہے، اگر جزئی نظر اقدس سے گذری ہو اطلاع سے عزت افزائی فرمائی جائے؟

الجواب: في الدرالمختار: أما العجوز التي لا تشتهي فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا أمن، ومتٰى جاز المس جاز سفره بها، ويخلو إذا أمن عليه وعليها، وإلا لا اھ. وتكلم فيه صاحب رد المحتار بشيء. ج۵ص۳۶۲(۱)۔

میں نے شاید درمختار کے اسی جزئیہ پر کہا ہوگا گو اچھی طرح یاد نہیں، بہرحال گنجائش ضرور ہے۔

۱۲/صفر ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۶)

← قال العبد الضعيف: وحجة الجمهور قول جابر رضي الله عنه (فخطبت جارية فكنت أتخبأ) والرواي أعرف بمعنى ما رواه، فدل على أنه لا يجوز له أن يطلب من أوليائها أن يحضروها بين يديه لما في ذلک من الاستخفاف بهم، ولا يجوز ارتكاب مثل ذلک لأمر مباح، ولا أن ينظر إليها بحيث تطلع على رؤيته لها من غير إذنها؛ لأن المرأة تستحي من ذلک، ويثقل نظر الأجنبي إليها على قلبها لما جبلها الله على الغيرة، وقد يفضي ذلک إلى مفاسد عظيمة كما لا يخفى، وإنما يجوز له أن يتخبأ لها وينظر إليها خفية. (إعلاء السنن، كتاب الحظر والإباحة، باب جواز النظر إلى المخطوبة، دارالكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۴۱۵-۴۱۶، کراچی ۱۷/ ۳۸۴)

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۲۹، کراچی ۶/ ۳۶۸۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴/ باب: زنا اور اُس کے متعلّقات

زانیہ عورت کو بلا معاوضہ زنا کوئی ہدیہ دینا

سوال (۲۵۴۶): قدیم ۴/ ۲۰۱ - ایک عورت ایک مرد سے زنا کراتی تھی؛ لیکن اب وہ مرد فوت ہوگیا ہے، اور عورت کے نام ۳۰ ماہوار کر گیا ہے۔ اب اس عورت کے گھر کا کھانا وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟ اور سوائے اس کے اس کا اور کوئی روزگار نہیں ہے، کوئی آمدنی نہیں ہے؟

الجواب: چونکہ یہ زنا کی اجرت نہیں صرف ابتدائی احسان ہے، گو سبب اس کا ناجائز اُلفت ہو؛ لیکن عوض تو فعلِ حرام کا نہیں ہے، اور سبب کا قیاس عوض پر نہیں ہوسکتا؛ اس لئے یہ روپیہ حرام نہیں (۱) اگر اور کوئی سبب حرمت کا نہ ہو۔ ۸/ شعبان ۱۳۳۱ھ (حوادث اوّل ص ۱۱۰)

---

(۱) **مستفاد: وفي المنتقى: إبراهيم عن محمد فى امرأة نائحة أو صاحب طبل أو مزمار اكتسب مالا قال: إن كان على شرط رده على أصحابهم إن عرفهم، يريد بقوله: على شرط إن شرطوا لها في أوله بإزاء النياحة أو بإزاء الغناء، وهذا لأنه إذا كان الأخذ على شرط كان المال بمقابلة المعصية فكان الأخذ معصية، والسبيل في المعاصي ردها وذلک هنا برد المأخوذ إن تمكن من رده بأن عرف صاحبه، والتصدق منه إن لم يعرف ليصل نفع ماله إن كان لا يصل إليه عين ماله، أما إذا لم يكن الأخذ على شرط فلم يكن الأخذ معصية، فالدفع حصل عن المالک برضاه فيكون له، ويكون حلالا.** (المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل الرابع عشر: في الكسب، المجلس العلمي ۸/ ٦٣، رقم: ۹۵۹۲)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع عشر: في الكسب، مكتبه زكريا ديوبند ۱۸/ ۱۵۷، رقم: ۲۸۳٤۳۔

هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر: في الكسب وهو أنواع، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳٤۹، جديد زكريا ديوبند ۵/ ٤۰۳-٤۰٤۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کسی آلہ کے ذریعہ اخراج منی

سوال (۲۵۴۷): قدیم ۴/ ۲۰۱- (۱) بعض زنان باہم دیگر خواہ بکدام آلہ ربڑ یا روپیہ یا کدام چیز دیگر یا بغیر آلہ صحبت می کنند شہوتِ خود را زائل کردہ ہمیں نوع عادت کردہ راضی میمانند اگر کسے گوید کہ ایں فعلِ بد را ترک کن وتوبہ کن، میگویند کہ توبہ ایں چنیں فاعلہ ہرگز قبول نمی شود، از دیدارِ خدا محروم است، دریں باب حکمِ شرع چیست؟

الجواب: (۲) حرمت ایں فعل ظاہر و درسوال ہم مصرّح ومسلم است (۳) اما زعم ایں فاعلہ

---

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ سوال**: بعض عورتیں آلۂ ربڑ یا روپیہ یا کسی دوسری چیز کے ذریعہ یا بغیر کسی آلہ کے ہی آپس میں صحبت کر لیتی ہیں اور اپنی شہوت کی تسکین کر لیتی ہیں اور اس قسم کی عادت کو برضا ورغبت اپنائے رہتی ہیں، اگر کوئی کہتا ہے کہ اس فعل قبیح سے پرہیز کرو اور توبہ کرو، تو وہ کہتی ہیں کہ اس طرح کے کام کرنے والی عورت کی توبہ قبول نہیں ہوتی، وہ خدائے پاک کے دیدار سے بھی محروم رہے گی، تو اس سلسلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۲) **خلاصۂ ترجمۂ جواب**: اس فعل کی حرمت تو ظاہر ہے؛ بلکہ سوال میں بھی اس کی حرمت کی صراحت موجود ہے؛ لیکن یہ گمان کرنا کہ اس کی توبہ مقبول نہیں یہ بالکل غلط بات ہے، دلیل وہ آیت ہے جو بارھویں سوال کے جواب میں آچکی ہے۔

(۳) **وفي السراج، إن أراد بذلك تسكين الشهوة المفرطة الشاغلة للقلب وكان عزبا لا زوجة له ولا أمة أو كان إلا أنه لا يقدر على الوصول إليها لعذر قال أبو الليث: أرجو أن لا وبال عليه، وأما إذا فعله لاستجلاب الشهوة فهو آثم الخ. بقى هنا شيء وهو أن علة الإثم هل هي كون ذلك استمتاعا بالجزء كما يفيده الحديث وتقييدهم كونه بالكف، ويلحق به ما لو أدخل ذكره بين فخذيه مثلا حتى أمنى، ام هي سفح الماء وتهييج الشهوة في غير محلها بغير عذر كما يفيده قوله: وأما إذا فعله لاستجلاب الشهوة الخ لم أر من صرح بشيء من ذلك، والظاهر الأخير الخ.** (شامي، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۷۱، كراچى ۲/ ۳۹۹)

کہ توبہ اش مقبول نیست باطل محض است بدلیل قولہ تعالیٰ کہ در جواب سوال دوازدہم مذکور گشت (۱)۔ (تتمہ اولیٰ ص ۳۱۸)

دیوثی کی حرمت اوراس کے مرتکب کے فاسق ہونے کا بیان

سوال (۲۵۴۸): قدیم ۲۰۲/۴- (۲) زید زنان ومادران وخواہران وذوی الارحام خود را در بنگلہائے خود آراستہ وپیراستہ صرف برائے نام چیل بند بدروازہ گذاشتہ ہزارہا مخلوقات را دعوت تماشہ دہد شب وروز لکھا آدمی اقسام وانواع فحش وبے حیائی ومردمان بدمعاش ازاں شارِع عام مرور کنند وآں زنہا بایشاں کلام وسلام کنند وانعام واحسان کنند بلکہ سبب اقسام وانواع زِنا وشراب نوشی ذات زید شود دریں باب حکم شرع چیست؟

الجواب: (۳) عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال: ثلثة قد حرم الله عليهم الجنة: مد من الخمر، والعاق، والديوث الذي يقر في أهله الخبث. رواه أحمد والنسائي، مشكوة (باب بيان الخمر) (۴)۔

زید دیوث است ودرحق دیوث انچہ درحدیث مذکوروارداست ظاہراست۔

کتبہ: اشرف علی التھانوی الادہمی الحنفی الچشتی عفی عنہ (تتمہ اولیٰ ص ۳۱۹)

---

(۱) قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ. [سورة الزمر، رقم الآية: ۵۳]

(۲) **خلاصۂ ترجمۂ سوال**: زید اپنی بیویوں، ماؤں، بہنوں اور رشتہ داروں کو میک اپ کروا کے اپنے بنگلے کے دروازہ پر چھوڑ کر ہزاروں لوگوں کو تماشہ کی دعوت دیتا ہے، ہر دن لاکھوں آدمی ان کے ساتھ فحاشی وعریانیت کی باتیں کرتے ہیں، بدمعاش لوگ اس مین روڈ سے گذرتے ہیں تو یہ عورتیں ان سے سلام وکلام کرتی ہیں اور انعام واحسان کا معاملہ کرتی ہیں، زید ان تمام قسموں کی بے حیائی مثلاً زنا اور شراب نوشی وغیرہ کا ذریعہ اور واسطہ بنتا ہے، تو زید کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۳) **خلاصۂ ترجمۂ جواب**: زید دیوث ہے اور دیوث کے بارے میں مذکورہ حدیث شریف میں جو وعید آئی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

(۴) مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۶۹، رقم: ۵۳۷۲۔ ←

اجنبی عورت سے بدن دبوانا

سوال (۲۵۴۹): قدیم ۴/۲۰۲- احقر جب نارنول جناب سے رخصت ہوکر پہنچا تو عشاء کے وقت ایک مخلص نے مجھ سے کہا کہ عورت سے خاوند بدن دبوا سکتا ہے یا نہیں؟ میں نے کہا جائز ہے، اس پر انہوں نے اصلاح الرسوم ص۲۷ سطر۷ مطبوعہ دیوبند دکھائی جس میں عبارت ذیل درج ہے: ''مرد کو عورت سے بدن دبوانا جائز نہیں'' میں نے اُن سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ غالبًا کاتب سے سہو ہوا ہے کہ کتاب میں لفظ اجنبی چھوٹ گیا، اور اصل مسئلہ یوں ہے (مرد کو اجنبی عورت سے بدن دبوانا جائز نہیں) یہ مسئلہ خاوند بیوی کے متعلق نہیں، اگر ہوگا تو کسی قید کے ساتھ مقید ہوگا، اس پر اُن صاحب کو گونہ تسلّی تو ہوئی؛ لیکن کتاب میں تحریر ہونے کی بناء پر اطمینان کلّی نہیں ہوا؛ لہٰذا عرض ہے کہ مسئلہ ہذا کو جس طرح پر ہے توضیح کر کے تحریر فرمادیں۔

الجواب: (بحاصلہ) عبارت تو قدیم نسخہ میں بھی یہی ہے؛ اس لئے ظاہراً سہو کاتب نہیں ہے، مجھ ہی سے ضروری قید کی فروگذاشت ہوگئی ہے، آپ نے جو بتلایا ہے صحیح ہے، چونکہ اس مسئلہ کے سیاق وسباق میں اجنبی ہی کے احکام ہیں، غالبًا یہ قرینہ سبب ہوا اس قید کے رہ جانے کا (۱)۔ فقط (ترجیح خامس ص ۱۲۷)

← مشكوة شريف، كتاب الحدود، باب بيان الخمر ووعيد شاربها، الفصل الثالث، مكتبه أشرفيه ديوبند ٢ / ٣١٨۔

عن سالم بن عبدالله عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ثلاثة لا ينظر الله عز وجل إليهم يوم القيامة: العاق لوالديه، والمرأة المترجلة، والديوث، وثلاثة لا يدخلون الجنة: العاق لوالديه، والمدمن على الخمر، والمنان بما أعطى. (نسائي شريف، كتاب الزكوة، المنان بما أعطى، النسخة الهندية ١/ ٢٧٥، دارالسلام رقم: ٢٥٦٣)

عن عمار بن ياسرؓ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ثلاثة لا يدخلون الجنة أبدا: الديوث من الرجال، والرجلة من النساء، ومدمن الخمر، فقالوا: يا رسول الله! أما مدمن الخمر فقط عرفناه فما الديوث من الرجال؟ قال: الذي لا يبالي من دخل على أهله. الحديث (شعب الإيمان للبيهقي، باب في الغيرة والمذاء، دارالكتب العلمية بيروت ٧/ ٤١٢، رقم: ١٠٨٠٠)

(١) مستفاد: ويكره له أن يستأجر امرأة حرة أو أمة يستخدمها ويخلوبها لقوله ←

....

← **صلی اللہ علیہ وسلم: لا یخلون رجل بأمراۃ لیس منھا بسبیل، فإن ثالثھما الشیطان، ولأنہ لا یأمن من الفتنۃ علی نفسہ أو علیھا إذا خلابھا.** (المبسوط للسرخسي، کتاب الإجارات، باب إجارۃ الرقیق في الخدمۃ وغیرھا، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۶/ ۵۲)

قال علماء نا رحمھم اللّٰہ: یکرہ للرجل أن یستاجر حرۃ أو أمۃ یستخدمھا ویخلوھا بھا؛ لأن الخلوۃ بالأجنبیۃ منھي عنھا کذا في الظھیریۃ. (ھندیۃ، کتاب الإجارۃ، الباب الحادي عشر: في الاستئجار للخدمۃ، قدیم زکریا دیوبند ۴/ ۴۳۴، جدید زکریا ۴/ ۴۶۸)

قال أبوحنیفۃ: أکرہ أن یستأجر الرجل امرأۃ حرۃ یستخدمھا ویخلو بھا، وکذلک الأمۃ، قال الکاساني: وھو قول أبي یوسف ومحمدؒ، أما الخلوۃ: فلأن الخلوۃ بالمرأۃ الأجنبیۃ معصیۃ، وأما الاستخدام فلأنہ لا یؤمن معہ الاطلاع علیھا والوقوع في المعصیۃ. (الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ ۱۹/ ۳۷)

بدائع الصنائع، کتاب الإجارۃ، باب الاستئجار علی المعاصي، مکتبہ زکریا دیوبند ۴/ ۴۰، کراچی ۴/ ۱۹۸۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵/ باب: احکام متعلقہ علاج ودواوغیرہ

اسقاطِ حمل

سوال (۲۵۵۰): قدیم ۴/ ۲۰۲- نطفہ جب تک علقہ مضغہ رہے اُس وقت تک اس کا اسقاط کسی وجہ سے جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو قتلِ نفس کا گناہ ہوگا یا کچھ کم؟

الجواب: جب تک روح نہ آوے اسقاط حکم قتلِ نفس میں نہیں؛ لیکن بلاضرورت مکروہ ہے، اوربعذر جائز اور بعد نفخ روح حرام وکبیرہ وقتل نفس زکیہ۔

في الدرالمختار: ویکره أن تسعی لإسقاط حملها، وجاز بعذر حیث لا یتصور. فقط (۱)۔ (امداد، ج۲ص۱۴۱)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره، مکتبه زکریا دیوبند ۹/ ۶۱۵، کراچی ۶/ ۴۲۹۔

العلاج لإسقاط الولد إذا استبان خلقه کالشعر والظفر ونحوهما لایجوز، وإن کان غیر مستبین الخلق یجوز ...... امرأة مرضعة ظهربها حبل وانقطع لبنها، وتخاف علی ولدها الهلاک، ولیس لأبي هذا الولد سعة حتی یستأجر الظئر یباح لها أن تعالج في استنزال الدم مادام نطفة أو مضغة أو علقة لم یخلق له عضو وخلقه لا یستبین إلا بعد مائة وعشرین یوما أربعون نطفة وأربعون علقة وأربعون مضغة کذا في خزانة المفتیین، وهکذا في فتاوی قاضي خان. (هندیة، کتاب الکراهیة، الباب الثامن عشر: في التداوي والمعالجات وفیه العزل وإسقاط الولد، قدیم زکریا دیوبند ۵/ ۳۵۶، جدید زکریا دیوبند ۵/ ۴۱۱-۴۱۲)

وذهب الحنفیة إلی إباحة إسقاط العلقة حیث انهم یقولون بإباحة إسقاط الحمل ما لم یتخلق منه شيء ولم یتم التخلق إلا بعد مائة وعشرین یوما، قال ابن عابدین: وإطلاقهم یفید عدم توقف جواز إسقاطها قبل المدة المذکورة علی إذن الزوج، وکان الفقیه علي بن موسی الحنفي یقول: إنه یکره فإن الماء بعد ما وقع في الرحم مآله الحیاة، فیکون له حکم الحیاة کما في بیضة صید الحرم قال ابن وهبان: فإباحة الإسقاط محمولة علی حالة العذر أو أنها لا تأثم إثم القتل. (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۰/ ۲۸۵) ←

ایضاً

سوال (۲۵۵۱): قدیم ۴/ ۲۰۳ - میں جن صاحب کے یہاں معالج ہوں وہ لاولد ہیں، جب پہلی بیوی سے کچھ اولاد نہ ہوئی تو باصرار والدین دوسری شادی کی؛ لیکن طبیعت اُس سے مانوس نہیں، اب اس دوسری بیوی کو دو ماہ کا حمل ہے، اُن صاحب کی فرمائش ہے کہ ایسی کوئی ترکیب ہو کہ اس کا حمل گرجائے، اگر ہو تو اولاد پہلی سے ہو، بندہ نے اب تک کچھ جواب اُن کو نہیں دیا۔ حضور ارشاد فرمائیں کہ دو ماہ کا حمل گرانا جائز ہے یا نہیں؟ یا آئندہ کے لئے کوئی ایسی تدبیر کردینا کہ مانع حمل ہو جائز ہے یا نہیں؟ یہ بھی ارشاد ہو کہ بعض عورتیں جسم کی کمزور ہوتی ہیں اور بچے بہت جلد جلد ہوتے ہیں، اس سے اُن کی بھی تندرستی خراب ہو جاتی ہے، اور بچے بھی دودھ خراب ہونے سے دائم المرض ہو جاتے ہیں، اس صورت میں دوائے مانع حمل کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدرالمختار: ويكره أن تسعیٰ لإسقاط حملها وجاز لعذر حيث لا يتصور في ردالمحتار قوله: ويكره الخ: أي مطلقًا قبل التصور وبعده على ما اختاره في الخانية كما قدمناه قبيل الاستبراء، وقال: إلا أنها لا تأثم إثم القتل قوله: وجاز لعذر كالمرضعة إذا ظهر بها الحبل وانقطع لبنها، وليس لأب الصبي مايستأجر به الظئر ويخاف هلاک الولد قالوا يباح لها أن تعالج في استنزال الدم ما دام الحمل مضغة أو علقة ولم يخلق له عضو، وقدروا تلک المدة بمائة وعشرين يوما، وجاز لأنه ليس بآدمي وفيه صيانة الآدمي خانية قوله حيث لا يتصور قيد لقوله، وجاز لعذر والتصور كما في القنية أن يظهر له شعر أو إصبع أو رجل أونحو ذلک. اه (۱)۔

← المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل التاسع عشر: في التداوي والمعالجات، المجلس العلمي ۸/ ۸۳-۸۴، رقم: ۹۶۴۴-۹۶۴۵۔

خانية على هامش الهندية، كتاب الحظر والإباحة، فصل في الختان، قديم زكريا ديوبند ۳/ ۴۱۰، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۲۹۶-۲۹۷۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۶۱۵، كراچی ۶/ ۴۲۹۔

روایاتِ مرقومہ سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اگر تحقیق فن سے حمل میں جان پڑ نا محتمل ہو تب تو مطلقاً حمل گرانا حرام اور موجب قتلِ نفس زکیہ ہے، اور اگر جان نہیں پڑی سو اگر کوئی عذر صحیح ہوتا تو اسقاط جائز تھا؛ لیکن چونکہ کوئی عذر نہیں ہے اور یہ امر کہ نفس نہیں گوارا کرتا کہ پہلی کے اولاد نہ ہو اور دوسری کے ہو جائے، یہ شرعاً عذر مقبول نہیں؛ لہٰذا یہ فعل ناجائز ہوگا، گو قتل کا سا گناہ نہیں، مگر خود یہ فعل بھی معصیت ہے(۱)۔

---

(۱) وإذا أسقطت الولد بالعلاج قالوا: إن لم يستبن شيء من خلقه لا تأثم، قال رضي الله عنه: ولا أقول به، فإن المحرم إذا كسر بيض الصيد يكون ضامنا؛ لأنه أصل الصيد فلما كان مؤاخذا بالجزاء ثمة فلا أقل من أن يلحقها إثم ههنا إذا أسقطت بغير عذر إلا أنها لا تأثم إثم القتل، وإن أسقطت بعد ما استبان خلقه وجبت الغرة المرضعة إذا ظهر بها الحبل وانقطع لبنها وليس لأبي الصغير ما يستأجر به الظئر، ويخاف هلاك الولد، قالوا: يباح لها أن تعالج في استنزال الدم ما دام الحمل نطفة أو علقة أو مضغة لم يخلق له عضو، وقدروا تلك المدة بمائة وعشرين يوما، وإنما أباحوا لها إفساد الحمل باستنزال الدم؛ لأنه ليس بآدمي فيباح لصيانة الآدمي. (خانية على هامش الهندية، كتاب الحظر والإباحة، فصل في الختان، قديم زكريا ديوبند ۳/ ۴۱۰، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۲۹۶-۲۹۷)

وفي فتاوى أهل سمرقند: إذا أرادت إسقاط الولد فلها ذلك إذا لم يستبن شيء من خلقه؛ لأن ما لا يستبين شيء من خلقه لا يكون ولدا، وكان الفقيه علي ابن موسى القمي يكره لها ذلك، وكان يقول: مآل الماء بعد ما وصل إلى الرحم الحياة، فإنه لا يحتاج إلى صنع أحد بعد ذلك لينفخ فيه الروح، وإذا كان مآل الحياة يعطي حكم الحياة للحال كما في بيضة صيد الحرم ...... وفي نكاح فتاوى أهل سمرقند: امرأة مرضعة ظهر بها حبل وانقطع لبنها، ويخاف على ولدها الهلاك، وليس لأب هذا الولد سعة حتى يستاجر الظئر هل يباح لها أن تعالج في إسقاط الولد؟ قالوا: يباح ما دام نطفة أو علقة أو مضغة لم يخلق له عضو؛ لأنه ليس بآدمي، وذكر في الواقعات: أن خلقه لا يستبين إلا في مائة وعشرين يوما.
(المحيط البرهاني، الكراهية، قبيل الفصل العشرون، المجلس العلمي ۸/ ۸۳-۸۴، رقم: ۹۶۴۴-۹۶۴۵)

هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر: في التداوي والمعالجات، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۵۶، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۴۱۱-۴۱۲۔

اور آئندہ کے لئے حمل قرار نہ پانے کی تدبیر کرنا بھی بلا عذر مذموم ہے، مگر وہ ملامت میں کم ہے۔ خلاصہ یہ کہ سب میں اشد حملِ حَی کا اسقاط اور اس سے کم حمل غیرحی کا اسقاط اور اس سے کم مانع حمل کا استعمال؛ البتہ عذر مقبول سے دو امر آخر کے جائز ہیں، اور امر اوّل ہر حال میں حرام، اور مسئلہ ثانیہ میں چونکہ عذر صحیح ہے؛ اس لئے دوا مانع حمل کھانا جائز ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲/شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۵۶)

ایضاً

سوال (۲۵۵۲): قدیم ۴/۲۰۴- ایک عورت کے شکم میں بچّہ زندہ ہے اور وہ عورت سخت بیمار ہے، ظاہراً بدون اسقاط فائدہ ہونا معلوم نہیں ہوتا، پس اس حالت میں اسقاط حمل درست ہے یا نہیں؟

الجواب: درست نہیں۔ **في الدر المختار قبيل كتاب إحياء الأموات بأسطر: ويكره أن تسعىٰ لإسقاط حملها، وجاز بعذر حيث لا يتصور** (۲)۔

۶/رجب ۱۳۲۲ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۶۲)

---

(۱) **عن ابن محيريز أنه قال: دخلت المسجد فرأيت أبا سعيد الخدريؓ فجلست إليه فسألته عن العزل، قال أبو سعيد الخدري: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة بني المصطلق فأصبنا سبيا من سبي العرب فاشتهينا النساء فاشتدت علينا العزبة وأحببنا العزل، فأردنا أن نعزل، وقلنا: نعزل ورسول الله صلى الله عليه وسلم بين أظهرنا قبل أن نسأله، فسألناه عن ذلک، فقال ما عليكم ألا تفعلوا ما من نسمة كائنة إلى يوم القيامة إلا وهي كائنة.** (بخاري شريف، كتاب المغازي، باب غزوة بني المصطلق من خزاعة، النسخة الهندية ۲/ ۵۹۳، رقم: ۳۹۸۹، ف: ۴۱۳۸)

أبوداؤد شريف، كتاب النكاح، باب ماجاء في العزل، النسخة الهندية ۱/ ۲۹۵، دارالسلام رقم: ۲۱۷۲۔

يجوز لها سد فم رحمها كما تفعله النساء الخ. (شامي، كتاب النكاح، باب نكاح الرقيق، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۳۳۶، كراچی ۳/ ۱۷۶)

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۶۱۵، كراچی ۶/ ۴۲۹۔ ←

ایضاً

سوال (۲۵۵۳): قدیم ۴/ ۲۰۴- عورت کوحمل گروادینا درست ہے یا حرام؟ جب تک جان نہ پڑے، دوسرے جوعورت بہت جلدی حاملہ ہوجاتی ہے، مثلاً ابھی بچّہ ۹ ماہ کا ہی ہے اور ایام آ گئے اور وہ اُسی وقت میں حاملہ ہوجاتی ہے۔ تیسرے وہ عورت جو کہ بہت سے بچّے جَن چکی ہے، اور وہ بہت لاغر ہوگئ ہے اس حالت میں لاغری کے سبب بچّہ جننے کے بعد دودھ نہیں ہوتا اور بچہ کو بکری وغیرہ کا دودھ موافق نہیں آتا ہے۔ آخرایسی حالت میں بچہ مرجاتا ہے۔ ایسی صورت میں ان عورتوں کو ایسی دوا کھانا جس سے حاملہ نہ ہوں درست ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدر المختار: ويكره أن تسعى لإسقاط حملها وجاز لعذر حيث لا يتصور إن اسقطت ميتا ففي السقط غرة لوالده من عاقل الأم تحضر، وفي ردالمحتار قوله: ويكره أي مطلقا التصور وبعده –إلى قوله–إلا أنها لا تأثم إثم القتل، قوله: لعذر كالمرضعة إذا ظهر به الحبل وانقطع لبنها وليس لأبي الصبي ما يستأجر به

← العلاج لإسقاط الولد إذا استبان خلقه كالشعر والظفر ونحوها لا يجوز.
(هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر: في التداوي المعالجات الخ، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٥٦، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤١١)

وإذا أسقطت الولد بالعلاج قالوا: إن لم يستبن شيء من خلقه لا تأثم، قال رضي الله عنه: ولا أقول به، فإن المحرم إذا كسر بيض الصيد يكون ضامنا؛ لأنه أصل الصيد فلما كان مؤاخذا بالجزاء ثمة فلا أقل من أن يلحقها إثم ههنا إذا أسقطت بغير عذر إلا أنها لا تأثم إثم القتل، وإن أسقطت بعد ما استبان خلقه وجبت الغرة. (خانية على هامش الهندية، كتاب الحظر والإباحة، فصل في الختان، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٤١٠، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٩٦-٢٩٧)

لو أرادت إلقاء الماء بعد وصوله إلى الرحم قالوا: إن مضت مدة ينفخ فيه الروح لا يباح لها وقبله اختلف المشايخ فيه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل باب الاستبراء وغيره، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٣٧، كراچى ٦/ ٣٧٤)

الظئر ويخاف هلاک الولد، قالوا: يباح أن تعالج في استنزال الدم مادام الحمل مضغة أو علقة ولم يخلق له عضو، وقدروا تلک المدة بمائة وعشرين يوماً، قوله: لا يتصور أن يظهر له شعر أو إصبع أو رجل أونحو ذلک قوله: اسقطت أي بعلاج أو شرب دواء تتعمد به الإسقاط، أما إذا القته حيا ثم مات فعلى عاقلتها الدية -إلى قوله- وعليها الكفارة. جلد ۵، قبيل كتاب إحياء الموات (۱)۔

اس عبارت سے چند امور مستفاد ہوئے:

(۱) بلا عذر اسقاطِ حمل ناجائز ہے۔

(۲) عذرو ضرورت سے جب تک حمل میں جان نہ پڑی ہو جائز ہے۔

(۳) اگر بعد جان پڑنے کے اسقاط کیا تو اگر مردہ ہی گر گیا تو ایک غرہ یعنی پانچ سو درہم ضمان لازم ہے، اور وہ باپ کو ملے گا، اور اگر زندہ پیدا ہو کر مر گیا تو پوری دِیَت یعنی خون بہا اور کفارۂ قتل واجب ہے۔ ان نمبروں سے سب سوالوں کا جواب معلوم ہو گیا (۲)۔

چنانچہ سوال اوّل کا جواب یہ ہے کہ بلا عذر ناجائز ہے اور بعذر جائز ہے۔ اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر اس عورت کو یا بچّہ کو اس حمل سے کچھ نقصان ہو جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جائز ہے۔ لأنه إذا جاز الدفع للعذر فالمنع بالأولىٰ؛ لأن المنع أسهل من الدفع.

۲۴/ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۸۹)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۶۱۵، كراچى ۶/ ۴۲۹۔

(۲) وإذا أسقطت الولد بالعلاج قالوا: إن لم يستبن شيء من خلقه لا تأثم، قال رضي الله عنه: ولا أقول به، فإن المحرم إذا كسر بيض الصيد يكون ضامنا؛ لأنه أصل الصيد فلما كان مؤاخذا بالجزاء ثمة فلا أقل من أن يلحقها إثم ههنا إذا أسقطت بغير عذر إلا أنها لا تأثم إثم القتل، وإن أسقطت بعد ما استبان خلقه وجبت الغرة. المرضعة إذا ظهر بها الحبل وانقطع لبنها وليس لأبي الصغير ما يستأجر به الظئر، ويخاف هلاک الولد، قالوا: يباح لها أن تعالج في استنزال الدم ما دام الحمل نطفة أو علقة أو مضغة لم يخلق له عضو، وقدروا تلک المدة بمائة وعشرين يوما، وإنما أباحوا لها إفساد الحمل باستنزال الدم؛ لأنه ←

کافر کے لئے حرام دوا تجویز کرنا

سوال (۲۵۵۴): قدیم ۴/۲۰۵- جو چیز ہندو کے یہاں درست ہے اور ہمارے مذہب میں حرام اگر دواءً یا غذاءً اُن کو بتلا دیا جائے تو اس میں معصیت ہوگی یا نہیں؟

الجواب: فقہاء نے تصریح کی ہے کہ نجس چیز کتے کے رُوبرو کھانے کے لئے ڈالنا جائز نہیں (۱)

← **ليس بآدمي فيباح لصيانة الآدمي.** (خانية على هامش الهندية، كتاب الحظر والإباحة، فصل في الختان، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٤١٠، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٩٦-٢٩٧)

العلاج لإسقاط الولد إذا استبان خلقه كالشعر والظفر ونحوهما لايجوز، وإن كان غير مستبين الخلق يجوز ...... امرأة مرضعة ظهربها حبل وانقطع لبنها، وتخاف على ولدها الهلاك، وليس لأب هذا الولد سعة حتى يستأجر الظئر يباح لها أن تعالج في استنزال الدم مادام نطفة أو مضغة أو علقة لم يخلق له عضو وخلقه لا يستبين إلا بعد مائة وعشرين يوما أربعون نطفة وأربعون علقة وأربعون مضغة كذا في خزانة المفتيين، وهكذا في فتاوى قاضي خان. (هندية، كتاب الكراهية، قبيل الباب الثامن عشر: في التداوي والمعالجات وفيه العزل وإسقاط الولد، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٥٦، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤١٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٠/ ٢٨٥)

المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل التاسع عشر: في التداوي والمعالجات، المجلس العلمي ٨/ ٨٣-٨٤، رقم: ٩٦٤٤-٩٦٤٥-

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل التاسع عشر: في التداوي والمعالجات، مكتبه زكريا ديوبند ١٨/ ٢٠٣-٢٠٤، رقم: ٢٨٥١٤-٢٨٥١٥-

(۱) **وإذا تنجس الخبز أو الطعام لا يجوز أن يطعم الصغير أو المعتوه أو الحيوان المأكول اللحم، وقال أصحابنا: لا يجوز الانتفاع بالميتة على أي وجه ولا يطعمها الكلاب والجوارح كذا في القنية.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: في الهدايا والضيافات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٢، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٩٨)

قوله: (ولا يسقيها الدواب) كان أبوالحسن الكرخي يحكي عن أصحابنا أنه لا يحل للإنسان النظر إلى الخمر على وجه التلهي ولا أن يبل بها الطين، ولا أن يسقيها للحيوان، وكذا الميتة لا يجوز أن يطعمها كلابه؛ لأن في ذلك انتفاعا، والله تعالى، حرم ذلك ←

اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز اپنے لئے محرم الاستعمال ہو وہی استعمال دوسرے کو بتلانا بھی جائز نہیں، بالخصوص اس قول پر کہ بعض فقہاء قائل ہوئے ہیں کہ کفار فروع میں نواہی کے مکلّف ہیں، اوامر کے نہیں (۱)۔

۱۶/شعبان ۱۳۲۲ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۶۳)

حرام دوا کا استعمال

سوال (۲۵۵۵): قدیم ۴/۲۰۵- گِل ارمنی، گل مختوم، افیون، دوا میں شرباً وضماداً اور

← **تحريما مطلقا بأعيانها.** (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الأشربة، قبيل فصل في طبخ العصير، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۱۰۸، إمداديه ملتان ۶/ ۴۹)

قال الجصاص: قال أصحابنا: لا يجوز الانتفاع بالميتة على وجه ولا يطعمها الكلاب والجوارح؛ لأن ذلك ضرب من الانتفاع بها، وقد حرم الله الميتة تحريما مطلقا معلقا بعينها الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۹/ ۳۹۲)

(۱) الجمهور على جواز خطاب الكفار بالفروع عقلا، أما خطاب الكفار بالفروع شرعا ففيه كما قال الزركشي مذاهب القول الأول: أن الكفار مخاطبون بفروع الشريعة مطلقا في الأوامر والنواهي بشرط تقديم الإيمان بالمرسل كما يخاطب المحدث بالصلاة بشرط تقديم الوضوء ...... وقد ذهب إلى هذا القول الشافعية والحنابلة في الصحيح وهو مقتضى قول مالك، وأكثر أصحابه وهو قول المشايخ العراقيين من الحنفية، القول الثاني: إن الكفار غير مخاطبين بالفروع وهو قول الفقهاء البخاريين من الحنفية، وبهذا قال عبدالجبار من المعتزلة والشيخ أبوحامد الإسفراييني من الشافعية ...... القول الثالث: إن الكفار مخاطبون بالنواهي دون الأوامر؛ لأن الانتهاء ممكن فى حالة الكفر، ولا يشترط فيه التقرب فجاز التكليف بها دون الأوامر، فإن شرط الأوامر العزيمة، فعل التعريف مع الجهل بالمقرب إليه محال، فامتنع التكليف بها، وقد حكى النووي في التحقيق أوجها، وقال الزركشي: ذهب بعض أصحابنا إلى أنه لا خلاف في تكليف الكفار بالنواهي، وإنما الخلاف في تكليفهم بالأوامر، ونقل ذلك القول صاحب اللباب من الحنفية عن أبي حنيفة وعامة أصحابه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۵/ ۱۹-۲۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

شیرزنان طلاءً اطبّاء استعمال کراتے ہیں، آیا وہ عنداللہ ماخوذ ہوں گے، اور مریض ہندو ہو یا مسلمان دونوں کا حکم یکساں ہے یا فرق؟

الجواب: متقدمین دوائے محرم کو ضرورت میں بھی جائز نہیں کہتے، اور متاخرین ضرورت میں اجازت دیتے ہیں، اور شیرزنان دواء محرم ہے اس لئے مختلف فیہ ہوگا، احوط قول متقدمین ہے اور عامل بقول متاخرین پر بھی دارو گیر نہیں (۱) باقی جوادویہ فی نفسہ مباح ہیں اور نہی بعض آثار وعوارض کی بنا پر ہے، اگر وہ عوارض نہ ہو مثلاً مٹی میں ضرر اور افیون میں سکر تو حرام نہیں ہیں (۲) اور ہندو مسلمان کا ان سب میں ایک حکم ہے، جیسا کہ سوال سابق کے جواب میں مذکور ہوا۔ (امداد، جلد۲ص ۱۶۳)

---

(۱) **اختلف في التداوي بالمحرم وظاهر المذهب المنع كما في رضاع البحر لكن نقل المصنف ثمة وهنا عن الحاوي: وقيل: يرخص إذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء آخر كما رخص الخمر للعطشان وعليه الفتوى.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب المياه، فصل في البئر، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٣٦٥-٣٦٦، كراچی ١/ ٢١٠)

ويكره ألبان الأتن للمريض وغيره، وكذا لحومها، وكذا التداوي بكل حرام لقوله عليه السلام: إن الله لم يجعل شفاء كم فيما حرم عليكم، وإن أدخل مرارة في إصبعه للتداوي، قال الفقيه أبوجعفر: روي عن أبي حنيفة أنه كره ذلک، وعن أبي يوسفؒ أنه كان لا يكره وهو على الاختلاف في شرب بول ما يؤكل لحمه للتداوي وبقول أبي يوسفؒ أخذ الفقيه أبو الليث. (خانية على هامش الهندية، كتاب الحظر والإباحة، وما يكره أكله الخ، قديم زكريا ٣/ ٤٠٤، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٣٩١)

يجوز للعليل شرب الدم والبول، وأكل الميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن شفاءه فيه ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر: في التداوي والمعالجات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٥٥، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤١٠)

البحرالرائق، كتاب الطهارة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٢٠٤-٢٠٥، كوئٹه ١/ ١١٥-١١٦۔

(۲) **والحاصل: أنه لا يلزم من حرمة الكثير المسكر حرمة قليله ولا نجاسته مطلقا إلا في المائعات لمعنى خاص بها، أما الجامدات فلا يحرم منها إلا الكثير المسكر.** (شامي، كتاب الأشربة، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ٣٧، كراچی ٦/ ٤٥٥) ←

مصنوعی دانت بنانا

سوال (۲۵۵۶): قدیم ۴/ ۲۰۵- دندان کا بنوانا شرعاً درست ہے یا نہیں، اگر درست ہے تو ضرورت اور زینت دونوں کے واسطے یا صرف ضرورت کے واسطے؟

الجواب: في الدرالمختار: ولا يشدّ سنه المتحرك بذهب بل بفضة وجوزهما محمدؒ ويتخذ أنفا منه؛ لأن الفضة تنتنه. وفي ردالمحتار: قال الكرخي: إذا سقطت ثنية رجل فإن أبا حنفيةؒ يكره أن يعيدها ويشدها بفضة أو ذهب، ويقول: هي كسن ميتة ولكن يأخذ سن شاة ذكية يشد مكانها، وخالفه أبو يوسفؒ -إلى قوله- وقال أبويوسفؒ سألت أبا حنفيةؒ عن ذلك في مجلس آخر فلم ير بإعادتها بأسا (۱)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ دانت بنوانا شرعاً درست ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ضرورت اور زینت دونوں کے لئے درست ہے؛ کیونکہ ناک بنوانا ظاہر ہے کہ زینت ہی کے لئے ہوگا اور وہ بھی جائز رکھا گیا ہے (۲) البتہ اگر زینت کو آلہ فجور بنایا جائے تو اس عارض کی وجہ سے بیشک گناہ ہے۔ (امداد، ج ۲ ص ۱۶۸)

← **أقول: هذا غير ظاهر؛ لأن ما يخل العقل لا يجوز أيضا بلا شبهة فكيف يقال: إنه مباح بل الصواب أن مراد صاحب الهداية وغيره إباحة قليله للتداوي ونحوه ومن صرح بحرمته أراد به القدر المسكر منه، يدل عليه ما في غاية البيان عن شرح شيخ الإسلام أكل قليل السقمونيا والبنج مباح للتداوى، وما زاد على ذلك إذا كان يقتل أو يذهب العقل حرام الخ. فهذا صريح فيما قلناه مؤيد لما سبق بحثناه من تخصيص ما مر من أن ما أسكر كثيره حرم قليله بالمائعات، وهكذا يقول في غيره من الأشياء الجامدة المضرة في العقل أو غيره يحرم تناول القدر المضر منها دون القليل النافع؛ لأن حرمتها ليست لعينها بل لضررها.** (شامي، كتاب الأشربة، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ٤٠، كراچى ٦/ ٤٥٧)

الموسوعة الفقهية الكويتية ١١/ ٣٥۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٢٠-٥٢٣، كراچى ٦/ ٣٦١-٣٦٢۔

(۲) **عن عرفة بن أسعد قطع أنفه يوم الكلاب فاتخذ أنفا من ورق فأنتن عليه** ←

بچّہ نکالنے کے لئے حاملہ کا پیٹ چاک کرنا

سوال (۲۵۵۷): قدیم ۴/ ۲۰۶ - میت عورت حاملہ کی بابت کیا حکم ہے، خواہ پورے دن ہوں یا کم وبیش؟ بعضے لوگ پیٹ چاک کر کے نکال دینے کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیامت تک

← **فأمره النبي صلى الله عليه وسلم فاتخذ أنفا من ذهب.** (أبوداؤد شريف، كتاب الخاتم، باب ماجاء في ربط الأسنان بالذهب، النسخة الهندية ۲/ ۵۸۱، دارالسلام رقم: ۴۲۳۲)

عن عرفة ابن أسعد قال: أصيب أنفي يوم الكلاب في الجاهلية، فاتخذت أنفا من ورق فأنتن علي فأمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أتخذ أنفا من ذهب. (ترمذي شريف، أبواب اللباس، باب ماجاء في شد الأسنان بالذهب، النسخة الهندية ۱/ ۳۰۶، دارالسلام رقم: ۱۷۷۰)

نسائي شريف، كتاب الزينة، من أصيب أنفه هل يتخذ أنفا من ذهب، النسخة الهندية ۲/ ۲۴۲، دارالسلام رقم: ۵۱۶۱۔

ما روي بشر عن أبي يوسفؒ في الأمالي أنه إذا سقط ثنية رجل فإن أباحنيفة يكره أن يعيدها ويشدها بذهب أو فضة، وكان يقول: هي كسن ميتة يشدها مكانها، ولكن يتخذ سن شاة ذكية ويشدها مكانها، وقال أبويوسفؒ: لا بأس بأن يشدها سنة مكانه، قال بشر: قال أبويوسفؒ: سألت أباحنيفة عن ذلك فجلس في مجلس آخر فلم ير بإعادتها بأسا. (المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل الحادي عشر: في استعمال ذهب والفضة، المجلس العلمي ۸/ ۵۲، رقم: ۹۵۶۶)

قال محمدؒ فى الجامع الصغير: ولا يشد الأسنان بالذهب ويشدها بالفضة يريد به إذا تحركت الأسنان وخيف سقوطها، فأراد صاحبها أن يشدها يشدها بالفضة، ولا يشدها بالذهب، وهذا قول أبي حنيفة، وقال محمدؒ: يشدها بالذهب أيضا ...... وقال أبويوسفؒ: لا بأس بأن يعيد سن نفسه وأن يشدها، وإن كان سن غيره يكره ذلك، كذا في السراج الوهاج، قال بشر: قال أبويوسفؒ: في مجلس آخر: سألت أبا حنيفة عن ذلك فلم ير بإعادتها بأسا كذا في الذخيرة. (هندية، كتاب الكراهية، قبيل الباب الحادي عشر: في الكراهة في الأكل وما يتصل به، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۳۶، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۸۹)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حمل میں کبھی پھرے گی، مجھے ایسے سوال سے شرم اس وقت آتی ہے؛ لیکن جہلاء کی تشفی اپنی اور زیادتی اطمینان ہوجائے، یا فی الحقیقت میں اس مسئلہ سے لاعلم ہوں تو آ گاہی ہوجائے؟

الجواب: في الدرالمختار: حامل ماتت وولدها حي يضطرب شق بطنها ويخرج ولدها. اھ(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ پیٹ چاک کر کے نکال لینا اُس وقت ہے جب بچہ زندہ حرکت کرتا ہوا معلوم ہو، ورنہ اگر بچہ بھی مرگیا تو پیٹ چاک کرنا جائز نہیں۔ ۵؍۱۳۲۵ھ (امداد ج ۲ص ۱۸۰)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱۴۵، كراچی ۲/ ۲۳۸۔

وإن اضطرب الولد في بطن امرأة حامل قد ماتت يشق بطنها من الجانب الأيسر. (خانية على هامش الهندية، كتاب الحظر والإباحة، فصل في الختان، قديم زكريا ديوبند ۳/ ۴۴۱، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۲۹۷)

امرأة حامل ماتت فاضطرب الولد في بطنها، فإن كان أكبر رأيه أنه حي يشق بطنها؛ لأن ذلك تسبب في إحياء نفس محترمة بترك تعظيم الميت فالإحياء أولى ويشق بطنها من الجانب الأيسر. (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۳۷۶، كوئٹه ۸/ ۲۰۵)

في فتاوى أبي الليثؒ في امرأته حامل ماتت وعلم أن ما في بطنها حي فإنه يشق بطنها من ا لشق الأيسر، وكذلك إذا كان أكبر رأيهم أنه حي يشق بطنها كذا في المحيط، وحكي أنه فعل ذلك بإذن أبي حنيفة فعاش الولد كذا في السراجية. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الحادي والعشرون: فيما يسع من جراحات بني آدم والحيوانات، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۶۰، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۴۱۶)

ذهب جمهور الفقهاء إلى أن الحامل إذا ماتت وفي بطنها جنين حي يشق بطنها ويخرج ولدها؛ لأنه استبقاء حي بإتلاف جزء من ميت. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۶/ ۱۲۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

افیون کا استعمال بوقت اضطرار

سوال (۲۵۵۸): قدیم ۴/۲۰۶- افیون خوار ہر چند خوف خدا سے کوشش ترک کرنے کی چاہتا ہو، مگر خوف ہلاکت اور سخت علالت سے جو اس کو تجربہ سے حاصل ہوا ہو مجبور ہو تو اب استعمال افیون دواءً ہے یا نہیں؟ اور ابن حجرؒ کا جواز افیون خوری ایسی حالت میں ہے یا اور میں اور رملی کا قول: **وقواعدنا لا تخالفه، كذا في حاشية الشامي على الدر المختار** سے کیا مطلب ہے؟

الجواب: ابن حجر کا قول صحیح ہے، مگر اس میں تصریح ہے کہ اجازت اس وقت ہے، جب بالیقین مرجانے کا خوف ہو، اور اس میں یہ بھی ہے کہ اندک اندک اس کو کم کرنا شروع کرے، اور یہ بھی ہے کہ کم کرنے کی کوشش نہ کی تو یہ شخص آثم فاسق ہے (۱) پس سوال میں نہایت اختصار کیا گیا ہے، جو مخلّ مقصود ہے۔ اور رملی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ ابن حجر گو شافعی ہیں، مگر اُن کا یہ قول قواعد حنفیہ کے خلاف نہیں ہے؛ اس لئے قابل اتباع ہے۔ ۱۶/ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد ج۲ص۱۸۲)

دوا میں افیون

سوال (۲۵۵۹): قدیم ۴/۲۰۶- ضرورت مرض کے لئے جب اور ادویہ اثر نہ کریں

---

(۱) **سئل ابن حجر المكي عمن ابتلي بأكل نحو الأفيون وصار إن لم يأكل منه هلك، فأجاب: إن علم ذلك قطعا حل له بل وجب لاضطراره إلى إبقاء روحه كالميتة للمضطر، ويجب عليه التدريج في تنقيصه شيئا فشيئا حتى يزول تولع المعدة به من غير أن تشعر، فإن ترك ذلك فهو آثم فاسق اه ملخصا. قال الرملي: وقواعدنا لا تخالفه.** (شامي، كتاب الأشربة، قبيل كتاب الصيد، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ٤٥، كراچى ٦/ ٤٦١)

قال ابن عابدين: سئل ابن حجر المكي عمن ابتلي بأكل نحو الأفيون وصار إن لم يأكل منه هلك، فأجاب: إن علم ذلك قطعا حل له بل وجب لاضطراره إلى إبقاء روحه كالميتة للمضطر، ويجب عليه التدريج في تنقيصه شيئا فشيئا حتى يزول تولع المعدة به من غير أن تشعر، فإن ترك ذلك فهو آثم فاسق، ثم نقل ابن عابدين عن الخير الرملي قوله: وقواعدنا لا تخالفه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٦/ ٣٠٦)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تفتیر اور تخدیر یا سُمّیت سے کم افیون کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ ایسا ہی بھنگ کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اور جائفل کا کیا حکم ہے؟ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ عزیزیہ میں افیون کی علتِ حُرمت کو وجوہ ثلاثہ معروضہ بالا میں منحصر فرما کر ان آثار سے کم استعمال کرنے کو حرام نہیں تحریر فرمایا، حضور شرفِ جواز سے جلد معزز فرماویں؟

الجواب: جو مقدار یا جو ترکیب فتور اور خدر اور ضرر سمّیت سے خالی ہو اس طریق سے تینوں اشیاء مسئول عنہا کا استعمال جائز ہے(۱) جیسا سوال میں حضرت محدّث دہلویؒ سے نقل کیا ہے۔

۱۲/ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۲۸)

---

(۱) أقول: هذا غير ظاهر؛ لأن ما يخل العقل لا يجوز أيضا بلا شبهة فكيف يقال: إنه مباح بل الصواب أن مراد صاحب الهداية وغيره إباحة قليله للتداوي ونحوه ومن صرح بحرمته أراد به القدر المسكر منه، يدل عليه ما في غاية البيان عن شرح شيخ الإسلام أكل قليل السقمونيا والبنج مباح للتداوى، وما زاد على ذلك إذا كان يقتل أو يذهب العقل حرام الخ. فهذا صريح فيما قلناه مؤيد لما سبق بحثناه من تخصيص ما مر من أن ما أسكر كثيره حرم قليله بالمائعات، وهكذا يقول في غيره من الأشياء الجامدة المضرة في العقل أو غيره يحرم تناول القدر المضر منها دون القليل النافع؛ لأن حرمتها ليست لعينها بل لضررها. (شامي، كتاب الأشربة، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ٤٠، كراچى ٦/ ٤٥٧)

وذهب جمهور الفقهاء إلى حرمة تناول المخدرات التي تغشى العقل ولو كانت لا تحدث الشدة المطربة التي لا ينفك عنها المسكر المائع، وكما أن ما أسكر كثيره حرم قليله من المائعات، كذلك يحرم مطلقا ما يخدر من الأشياء الجامدة المضرة بالعقل أو غيره من أعضاء الجسد، وذلك إذا تناول قدرا مضرا منها دون ما يؤخذ منها من أجل المداواة؛ لأن حرمتها ليست لعينها بل لضررها الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ١١/ ٣٤-٣٥)

والحاصل أنه لا يلزم من حرمة الكثير المسكر حرمة قليله ولا نجاسته مطلقا إلا في المائعات لمعنى خاص بها، أما الجامدات فلا يحرم منها إلا الكثير المسكر. (شامي، كتاب الأشربة، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ٣٧، كراچى ٦/ ٤٥٥)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

دوا وغیرہ میں افیون کا استعمال

سوال (۲۵۶۰): قدیم ۴/ ۲۰۷- افیون یا جوز بویا اور جاوتری کہ جو مخدرات ومضرّات میں سے ہیں اگر کسی نسخہ مرکب میں ڈالی جائے اور اُس کا اکلاً استعمال کیا جائے، آیا وہ شرعاً مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ ہر ایک کا اُن میں سے مفردًا استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے؟

الجواب: في رد المحتار: أما الجامدات فلايحرم منها إلا الكثير المسكر ولا يلزم من حرمته نجاسته اه (۱)۔ وفيه وهٰكذا يقال في غيره من الأشياء الجامدة المضرة في العقل وغيره يحرم تناول القدر المضر منها دون القليل النافع. اھ(۲)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر وہ مرکب نسخہ مسکر ومفتر نہ ہوتو کھانا حلال ہے۔ فقط

۱۲/ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ

---

(۱) شامي، كتاب الأشربة، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۳۷، كراچى ٦/ ٤٥٥۔

(۲) شامي، كتاب الأشربة، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ٤٠، كراچى ٦/ ٤٥٧۔

وذهب جمهور الفقهاء إلى حرمة تناول المخدرات التي تغشى العقل ولو كانت لا تحدث الشدة المطربة التي لا ينفك عنها المسكر المائع، وكما أن ما أسكر كثيره حرم قليله من المائعات، كذلک يحرم مطلقا ما يخدر من الأشياء الجامدة المضرة بالعقل أو غيره من أعضاء الجسد، وذلک إذا تناول قدرا مضرا منها دون ما يؤخذ منها من أجل المداواة؛ لأن حرمتها ليست لعينها بل لضررها الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۱/ ۳٤)

وبه علم أن المراد الأشربة المائعة، وأن البنج ونحوه من الجامدات إنما يحرم إذا أراد به السكر وهو الكثير منه دون القليل، المراد به التداوي ونحوه كالتطيب بالعنبر وجوزة الطيب، ونظير ذلک ما كان سميا قتالا كالمحمودة وهي السقمونيا ونحوها من الأدوية السمية، فإن استعمال القليل منها جائز بخلاف القدر المضر، فإنه يحرم. (شامي، كتاب الحدود، باب حد الشرب المحرم، مطلب في البنج والأفيون والحشيشة، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٧٨، كراچى ٤/ ٤٣)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

چیچک سے حفاظت کے لئے ٹیکا لگوانا

سوال (۲۵۶۱): قدیم ۴/ ۲۰۷- ایام گرما میں یا سرما میں اس ملک میں بعض گاؤں وغیرہ میں اکثر لوگ بلائے چیچک میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ملازم انگریزی یہ تدبیر کرتے ہیں کہ جن کے چیچک نہیں نکلی اُن کو جبراً پکڑ کر ہر ایک کی کلائی پر باریک استرے سے دو دو جگہ کاٹ کر کچھ دوائی پیپ سا لگاتے ہیں، ایک دو روز کے بعد بخار ہو کر بعض بعض کو دو چار چیچک بھی نکل آتی ہے، اور بعض کو فقط بخار ہی بخار؛ لیکن بعض بعض مر بھی جاتے ہیں، یہ فعل کرنا اور کرانا کیسا ہے؛ کیونکہ بہت لوگ یوں کہتے ہیں کہ شریعت کے برخلاف اگر ہو تو دلیل مل جانے سے ہم بھی جبراً اُن سے یعنی اُن لوگوں سے بچ رہیں گے، اور شریعت کی پابندی کریں گے، ماہیت دوا کی اسی ملازم سے اگر کوئی پوچھے یہ کہتے ہیں کہ آدمی کا اور بیل کا جب چیچک آبلہ سا ہو کر اُس میں پانی پیدا ہو جاتا ہے، تب اس کو توڑ کر وہی پانی شیشی بھر کر رکھتا ہوں اور وہی دوا آدمی کی کلائی کا ٹیکہ لگا دیتا ہوں، مگر بیل سے جو لاتا ہوں وہ نہیں لگاتا ہوں، آدمی سے جو لاتا ہوں لگاتا ہوں؟

الجواب: جس رطوبت سے وضو ٹوٹ جائے وہ رطوبت ناپاک ہے(۱)۔ اور ناپاک چیز سے دوا کرنا اصل مذہب میں حرام ہے، اور بعض متاخرین نے جائز رکھا ہے؛ اس لئے خوش تدبیری سے بچنا بہتر ہے؛ لیکن شورش مناسب نہیں (۲)۔ واللہ اعلم ۱۳۲۵ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۸۵)

---

(۱) **وينقضه (الوضوء) خروج نجس منه أي من المتوضي.** (النهر الفائق، كتاب الطهارة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۵۰)

وينقض الوضوء نجاسة سائلة من غيرهما أي السبيلين لقوله عليه الصلاة والسلام، الوضوء من كل دم سائل، وقوله (كدم وقيح) إشارة إلى أن ماء الصديد ناقض كماء الثدي والسرة والأذن الخ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في نواقض الوضوء، دارالكتاب ديوبند ص: ۸۷)

(۲) **اختلف في التداوي بالمحرم وظاهر المذهب المنع كما في رضاع البحر لكن نقل المصنف ثمة وهنا عن الحاوي: وقيل يرخص إذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء آخر كما رخص الخمر للعطشان وعليه الفتوى.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب المياه، فصل في البئر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۶۵-۳۶۶، كراچی ۱/ ۲۱۰) ←

ایضاً

سوال (۲۵۶۲): قدیم ۴/ ۲۰۸- ٹیکا لگانے کے متعلق حضور کی کیا تحقیق ہے، شبہ یوں ہو گیا ہے کہ پیپ تو نجس ہوتا ہے، پھر نجس کا استعمال شرع میں جائز نہیں؟

الجواب: بیشک اصل مذہب میں ناجائز ہے؛ لیکن بنا برقول بعض علماء کہ تداوی بالحرام کی اجازت دیتے ہیں، اگر کوئی مبتلا ہو، اس پر دارو گیر نہیں (۱)۔ فقط۔ ۱۸ محرم ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۱)

← **يجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن شفاء ه فيه ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر: في التداوي والمعالجات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٥٥، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤١٠)

ويكره ألبان الأتن للمريض وغيره، وكذا لحومها وكذا التداوي بكل حرام لقوله عليه الصلاة والسلام، إن الله لم يجعل شفاء كم فيما حرم عليكم، وإن أدخل مرارة في اصبعه للتداوي قال الفقيه أبو جعفر: روي عن أبي حنيفة أنه كره ذلك، وعن أبي يوسفؒ أنه كان لا يكره وهو على الاختلاف في شرب بول ما يؤكل لحمه للتداوي وبقول أبي يوسف أخذ الفقيه أبو الليث. (خانية على هامش الهندية، كتاب الحظر والإباحة، وما يكره أكله الخ، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٤٠٤، جديد زكريا ٣/ ٢٩١)

البحرالرائق، كتاب الطهارة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٢٠٤-٢٠٥، كوئٹه ١/ ١١٥-١١٦۔

(١) **اختلف في التداوى بالمحرم وظاهر المذهب المنع كما في رضاع البحر لكن نقل المصنف ثمة وهنا عن الحاوي: وقيل: يرخص إذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء آخر كما رخص الخمر للعطشان وعليه الفتوى.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب المياه، فصل في البئر، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٣٦٥-٣٦٦، كراچی ١/ ٢١٠)

قد وقع الاختلاف بين مشايخنا في التداوي بالمحرم ففي النهاية عن الذخيرة الاستشفاء بالحرام يجوز إذا علم أن فيه شفاء ولم يعلم دواء آخر اه. وفي فتاوى قاضي خان معزيا إلى نصر بن سلام، معنى قوله عليه السلام إن الله لم يجعل شفاء كم فيما حرم عليكم إنما قال ذلك في الأشياء التي لا يكون فيها شفاء، فأما إذا كان فيها شفاء فلا بأس به، ألا ترى أن العطشان يحل له شرب الخمر للضرورة اه. وكذا اختار صاحب الهداية ←

ایضاً

سوال (۲۵۶۳): قدیم ۴/ ۲۰۸- یہاں (ریاست رامپور میں) حکومت کی طرف سے ٹیکہ پر بہت زور دیا جارہا ہے؛ اس لئے عرض ہے کہ اس ٹیکہ لگوانے کے متعلق حضرت والا کا کیا ارشاد ہے؟ اور جب حکومت کی طرف سے زبردستی ہونے لگے تو کیا کرے؟

الجواب: **في الدرالمختار قبيل فصل البير: اختلف في التداوي بالمحرم، وظاهر المذهب المنع كما في رضاع البحر، لكن نقل المصنف ثمة، وهنا عن الحاوي وقيل: يرخص إذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء آخر كما رخص الخمر للعطشان، في ردالمحتار: وقوله وظاهر المذهب المنع محمول على المظنون كما علمته** (۱)۔

← **في التجنيس فقال: إذا سال الدم من أنف إنسان يكتب فاتحة الكتاب بالدم على جبهته وأنفه يجوز ذلك للاستشفاء والمعالجة، ولو كتب بالبول إن علم أن فيه شفاء لا بأس بذلك، لكن لم ينقل وهذا لأن الحرمة ساقطة عند الاستشفاء ألا ترى أن العطشان يجوز له شرب الخمر والجائع يحل له أكل الميتة.** (البحرالرائق، كتاب الطهارة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۰۴-۲۰۵، كوئٹه ۱/ ۱۱۵-۱۱۶)

ويكره ألبان الأتن للمريض وغيره، وكذا لحومها، وكذا التداوي بكل حرام لقوله عليه السلام: إن الله لم يجعل شفاء كم فيما حرم عليكم، وإن أدخل مرارة في إصبعه للتداوي، قال الفقيه أبوجعفر: روي عن أبي حنيفة أنه كره ذلك، وعن أبي يوسفؒ أنه كان لا يكره وهو على الاختلاف في شرب بول ما يؤكل لحمه للتداوي وبقول أبي يوسفؒ أخذ الفقيه أبوالليث. (خانية على هامش الهندية، كتاب الحظر والإباحة، وما يكره أكله الخ، قديم زكريا ۳/ ۴۰۴، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۳۹۱)

هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر: في التداوي والمعالجات، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۵۵، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۴۱۰۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب المياه فصل في البئر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۶۵-۳۶۶، كراچى ۱/ ۲۱۰۔

چونکہ اس تدبیر میں رطوبت غیر طاہرہ کا استعمال کیا جاتا ہے؛ اس لئے اصل مذہب منع ہے، اور ضرورت میں جائز ہے (۱) اس لئے اول حکومت سے درخواست کی جاوے کہ امر ممنوع سے معافی دی جاوے؛ لیکن اگر حکومت توجہ نہ کرے تو پھر حکومت کا حکم بھی ضرورت ہے۔

كما صرحوا به في باب آخر، ويدل على سائره ما ذكر من الروايات (۲)۔

۱۶/ شعبان ۱۳۵۰ھ (النور ربیع الاول ۱۳۵۱ھ ص ۴)

---

(۱) **يجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن شفاءه فيه ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر: في التداوي والمعالجات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٥٥، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤١٠)

ويكره ألبان الأتن للمريض وغيره، وكذا لحومها، وكذا التداوي بكل حرام لقوله عليه السلام: إن الله لم يجعل شفاءكم فيما حرم عليكم، وإن أدخل مرارة في إصبعه للتداوي، قال الفقيه أبوجعفر: روي عن أبي حنيفة أنه كره ذلك، وعن أبي يوسفؒ أنه كان لا يكره وهو على الاختلاف في شرب بول ما يؤكل لحمه للتداوي وبقول أبي يوسفؒ أخذ الفقيه أبوالليث. (خانية على هامش الهندية، كتاب الحظر والإباحة، وما يكره أكله الخ، قديم زكريا ٣/ ٤٠٤، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٣٩١)

قد وقع الاختلاف بين مشايخنا في التداوي بالمحرم ففي النهاية عن الذخيرة الاستشفاء بالحرام يجوز إذا علم أن فيه شفاء ولم يعلم دواء آخر اه. وفي فتاوى قاضي خان معزيا إلى نصر بن سلام، معنى قوله عليه السلام إن الله لم يجعل شفاءكم فيما حرم عليكم إنما قال ذلك في الأشياء التي لا يكون فيها شفاء، فأما إذا كان فيها شفاء فلا بأس به، ألا ترى أن العطشان يحل له شرب الخمر للضرورة اه. وكذا اختار صاحب الهداية في التجنيس فقال: إذا سال الدم من أنف إنسان يكتب فاتحة الكتاب بالدم على جبهته وأنفه يجوز ذلك للاستشفاء والمعالجة، ولو كتب بالبول إن علم أن فيه شفاء لا بأس بذلك، لكن لم ينقل وهذا لأن الحرمة ساقطة عند الاستشفاء ألا ترى أن العطشان يجوز له شرب الخمر والجائع يحل له أكل الميتة. (البحرالرائق، كتاب الطهارة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٢٠٤، ٢٠٥، كوئٹه ١/ ١١٥-١١٦)

(۲) **قال عرباض رضي الله عنه صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم ←**

دوا میں سانپ کا پتہ استعمال کرنا

سوال (۲۵۶۴): قدیم ۴/ ۲۰۸- اژدہا سانپ کا پتہ (زہرہ) ہمارے یہاں بچوں کو دوا میں بکثرت استعمال کراتے ہیں؛ بلکہ ماں بچہ دونوں کو کھلاتے ہیں، کسی طرح جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں شاید کہ کوئی ایسا ہوگا کہ اس کو نہ کھایا ہو۔ فقط؟

الجواب: جائز نہیں (۱)۔ ۸/ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۱)

← ثم أقبل علينا فوعظنا موعظة بليغة ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب، فقال قائل: يا رسول الله! كأن هذه موعظة مودع فما ذا تعهد إلينا؟ فقال: أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة، وإن عبدا حبشيا، فإنه من يعش منكم بعدي فسيرى اختلافا كثيرا، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. (أبوداؤد شريف، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، النسخة الهندية ۲/ ۶۳۵، دارالسلام رقم: ۴۶۰۷)

(وإن كان عبدا حبشيا) فأطيعوه ولا تنظروا إلى نسبه بل اتبعوه على حسبه، ولفظ الأربعين: وإن تأمر عليكم عبدا أي صار أميرا أدنى الخلق فلا تستنكفوا عن طاعته أو ولو استولى عليكم عبد حبشي فأطيعوه مخافة إثارة الفتن فعليكم الصبر والمدارة حتى يأتي أمر الله -إلى قوله- قلت: لكن تصح إمارته مطلقا، وكذا خلافته تسلطا كما هو في زماننا في جميع البلدان، وكأن ذكر الحبشي لكونه الغالب في ذلك الزمن وإلا فغيره كالزنجي أخس منه فكان أنسب بالغاية أو المراد بالحبشي العبد الأسود فيشمل الزنجي والهندي، ثم التركي يعلم بالأولى. (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ۱/ ۲۴۱-۲۴۲)

(۱) اس لئے کہ ناپاک اور نجس چیز سے دوا کرنا اصل مذہب میں ناجائز ہے اور متأخرین فقہاء نے تداوی بالمحرم کی جو اجازت دی ہے وہ اس شرط کے ساتھ دی ہے کہ جب کوئی ماہر ڈاکٹر اس نجس دوا کے فائدہ مند ہونے کو بیان کرے اور کوئی دوسری دوا حلال و پاک اس کے قائم مقام نہ ہوسکے، تو اس نجس دوا کو استعمال کرسکتا ہے اور صورت مسئولہ فی السوال سے معلوم ہوتا ہے کہ چاہے ضرورت ہو یا نہ ہو ہر حال میں پتہ بچوں اور ماں کو کھلاتے ہیں اور یہ پتہ چونکہ ایک نجس و ناپاک چیز ہے؛ کیوں کہ ہر جاندار کے پتہ کا وہی حکم ہے جو اس کے پیشاب کا ہے؛ لہٰذا اس کو بلا ضرورت استعمال کرنا جائز نہیں۔ ←

ٹڈیوں کی بیٹ سرمہ میں ملا کر استعمال کرنے کا حکم

سوال (۲۵۶۵): قدیم ۲۰۸/۴- ٹڈیوں کی بیٹ سرمہ میں اچھی ہے یا نہیں؟

الجواب: نافع ہونا اور نہ ہونا تو کسی طبیب سے پوچھیں، اور اگر جواز وعدم جواز کو پوچھنا ہے تو سرمہ میں ملا کر اس کا استعمال جائز ہے(۱)۔ یکم ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۹۵)

← **مرارة كل حيوان كبوله، فإن كان بوله نجسا مغلظا أو مخففا فهي كذلك خلافا ووفاقا.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، قبيل كتاب الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٥٦٤، كراچی ١/ ٣٤٩)

ذهب الحنفية إلى أن مرارة كل حيوان كبوله، فإن كان بوله نجسا مغلظا أو مخففا فهي كذلك، خلافا ووفاقا. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٦/ ٣٣٠)

اختلف في التداوي بالمحرم وظاهر المذهب المنع كما في رضاع البحر لكن نقل المصنف ثمة وهنا عن الحاوي: وقيل يرخص إذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء آخر كما رخص الخمر للعطشان وعليه الفتوى. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب المياه، فصل في البئر، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٣٦٥-٣٦٦، كراچی ١/ ٢١٠)

يجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن شفاءه فيه ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر: في التداوي والمعالجات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٥٥، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤١٠)

الاستشفاء بالمحرم إنما لا تجوز إذا لم يعلم فيه شفاء، أما إذا علم أن فيه شفاء وليس له دواء آخر غيره يجوز الاستشفاء به. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل التاسع عشر: في التداوي والمعالجات، مكتبه زكريا ديوبند ١٨/ ٢٠٠، رقم: ٢٨٥٠٤)

المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل التاسع عشر، المجلس العلمي ٨/ ٨٢، رقم: ٩٦٣٨۔

البحرالرائق، كتاب الطهارة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٢٠٤-٢٠٥، كوئٹه ١/ ١١٥-١١٦۔

(۱) ٹڈی چونکہ ہر حال میں پاک اور حلال ہے اور اس میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا ہے؛ اس لئے مچھلی کی طرح بغیر ذبح کے حلال ہوتی ہے، اس میں ناپاکی کی اور نجاست کی کوئی چیز نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے سرمہ وغیرہ میں ملا کر استعمال جائز ہوتا ہے، ٹڈی کی حلت کی روایت ملاحظہ فرمائیے: ←

ہومیو پیتھک دوا کا استعمال

سوال (۲۵۶۶): قدیم ۴/ ۲۰۸- چونکہ جدید طریقہ ہومیو پیتھک بہت زیادہ سریع التاثیر ہے اور سہل الاصول ہے؛ لہٰذا اگر کوئی شخص ایسے دیہات میں جہاں ہر وقت کوئی حکیم یا ڈاکٹر میسر نہ ہو سکتا ہو دوسرے طریقہ علاج کو دوسرے مرضیٰ پر برتے تو اس معالج کے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ حالت ضرورت کی ہے، اور ضرورت میں متاخرین نے تداوی بغیر الطیب کی اجازت دی ہے، اگر کوئی اس پر عمل کرے گنجائش ہے(۱)۔

۲۴/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (حوادث اول ص ۲۰)

← **عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أحلت لكم ميتتان ودمان، فأما الميتتان فالحوت والجراد، وأما الدمان فالكبد والطحال.** (ابن ماجه شريف، كتاب الأطعمة، باب الكبد والطحال، النسخة الهندية ص: ۲۳۸، دارالسلام رقم: ۳۳۱٤)

مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۹۷، رقم: ۵۷۲۳۔

يجب أن يعلم بأن الحيوانات على نوعين: منها ما لا دم له نحو الذباب والزنبور، والسمک، والجراد وغير ذلک فلا يحل تناول شيء منها إلا السمک والجراد غير أن الجراد يحل مات بعلة أو بغير علة والسمک إذا مات بغير علة لا يحل، وإذا مات بعلة يحل. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصيد، الفصل الأول الخ، مكتبه زكريا ديوبند ۱۸/ ٤٤٤، رقم: ۲۹۵۳۳)

(۱) اختلف في التداوي بالمحرم وظاهر المذهب المنع كما في رضاع البحر لكن نقل المصنف ثمة وهنا عن الحاوي: وقيل يرخص إذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء آخر كما رخص الخمر للعطشان وعليه الفتوى. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب المياه، فصل في البئر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۶۵-۳۶۶، كراچی ۱/ ۲۱۰)

البحرالرائق، كتاب الطهارة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۰٤-۲۰۵، كوئٹه ۱/ ۱۱۵-۱۱۶۔

هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر: في التداوي والمعالجات، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۵۵، جديد زكريا ديوبند ۵/ ٤۱۰۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

گیس کے چولھے میں اسپرٹ کا استعمال

سوال (۲۵۶۷): قدیم ۲۰۹/۴ - اگر گیس کا چولھا استعمال کیا جاوے تو کوئی حرج تو نہیں ہے، کھانا مٹی کے تیل سے پکتا ہے، انگریزی اسپرٹ جو ایک قسم کی شراب ہے، اس کے گرم کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہے، اس کی بالکل علیحدہ جگہ ہے، کھانا رکھنے سے پہلے اسپرٹ بالکل جل جاتی ہے۔۔۔۔ چولھا میرے پاس ہے، اگر ناجائز ہو تو بالکل ترک کردوں (۱)۔ فقط

اسپرٹ کا استعمال

سوال (۲۵۶۸): قدیم ۲۰۹/۴ - انگریزی دوا جو پینے کی ہوتی ہے اس میں عموماً (اسپرٹ) ملائی جاتی ہے، یہ قسم ہے اعلی درجہ کے شراب کی، یعنی شراب کا ست ہے، تو جب اس امر کا یقین ہو چکا اور مسلم ہے تو انگریزی (ہسپتال) کی دوا پینا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: اسپرٹ اگر عنب وزبیب ورطب وتمر سے حاصل نہ کی گئی ہو تو اس میں گنجائش ہے، بلا اختلاف ورنہ گنجائش نہیں بلا اتفاق (۲)۔ (تتمہ رابعہ ص ۶۲)

---

(۱) اس سوال کا جواب کتاب میں مذکور نہیں ہے۔ رہی مسئلہ کی بات تو گیس کا چولہا استعمال کرنا بلاشبہ جائز ہے، آج پوری دنیا میں پکوان اسی سے تیار ہوتا ہے۔

(۲) أما الخمر فأحكامه عشرة مذكورة في الهداية، منها: أن مستحلها كافر وأنها نجسة غليظة، وأن قليلها وكثيرها حرام، وأن شاربها محدود أسكر أم لا، وسواها أشربة ثلاثة قليها وكثيرها حرام، وفي رواية، نجسة خفيفة، وفي رواية غليظة أحدها الطلاء ...... وثانيها: السكر، والثالث: النقيع، وهذه الثلاثة والخمر تسمى بالأشربة الأربعة، ويكون قليلها وكثيرها حراما، ولا يطلق لفظ الخمر إلا على الأول من الأربعة، وأما ما سواها فيتخذ النبيذ من كل شيء من الحبوب والثمار والألبان، وتسمى هذه الأقسام بالأنبذة وحكمها ماذكروا أن القليل أي القدر غير المسكر منها حلال إذا كان بقصد التقوي على العبادة، وحرام بقصد التلهي، والكثير أي القدر المسكر منها حرام، وهذا مذهب الشيخين للأحناف ...... وأما الشافعي وأحمد ومالك ومحمد بن حسن وجمهور الصحابة، فذهبوا إلى ←

ایضاً

سوال (۲۵۶۹): قدیم ۴/۲۰۹- اسپرٹ اسٹوروغیرہ روشن کرنے کے لئے تاجر اس کی خرید وفروخت کرسکتا ہے؟

الجواب: اسپرٹ کا جواز استعمال مختلف فیہ ہے(۱)۔ ۵/ذی الحجہ ۴۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۶۰۹)

← **أن المسكر المائع من كل شيء يحرم قليله وكثيره أسكر أم لم يسكر.** (العرف الشذي على هامش الترمذي، أبواب الأشربة، النسخة الهندية ۲/ ۷-۸)

وأما غير الأشربة الأربعة فليست نجسة عند الإمام أبي حنيفة، وبهذا تبين حكم الكحول المسكرة التي عمت بها البلوى اليوم، فإنها تستعمل في كثير من الأدوية والعطور والمركبات الأخرى، فإنها إن اتخذت من العنب أو التمر فلا سبيل إلى حلتها وطهارتها، وإن اتخذت من غيرهما فالأمر فيها سهل على مذهب أبي حنيفة، ولا يحرم استعمالها للتداوي أو لأغراض مباحة أخرى ما لم تبلغ حد الإسكار؛ لأنها إنما تستعمل مركبة مع المواد الأخرى ولا يحكم بنجاستها أخذا بقول أبي حنيفة، وإن معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الأدوية والعطور وغيرها لا تتخذ من العنب أو التمر إنما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البترول وغيره، كما ذكرنا في باب بيع الخمر من كتاب البيوع، وحينئذ هناك فسحة في الأخذ بقول أبي حنيفة عند عموم البلوى. (تكمله فتح الملهم، كتاب الأشربة، حكم الكحول المسكرة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۶۰۸)

هندية، كتاب الأشربة، الباب الثاني في المتفرقات، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۴۱۴، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۴۷۱۔

(۱) **أما غير الأشربة الأربعة فليست نجسة عند الإمام أبي حنيفة، وبهذا تبين حكم الكحول المسكرة التي عمت بها البلوى اليوم، فإنها تستعمل في كثير من الأدوية والعطور والمركبات الأخرى، فإنها إن اتخذت من العنب أو التمر فلا سبيل إلى حلتها وطهارتها، وإن اتخذت من غيرهما فالأمر فيها سهل على مذهب أبي حنيفة، ولا يحرم استعمالها للتداوي أو لأغراض مباحة أخرى ما لم تبلغ حد الإسكار؛ لأنها إنما تستعمل مركبة مع المواد الأخرى ولا يحكم بنجاستها أخذا بقول أبي حنيفة، وإن معظم الكحول التي تستعمل** ←

مصنوعی آنکھ بنوانا

سوال (۲۵۷۰): قدیم ۴/ ۲۰۹- زید نے بوجہ شدتِ اضطراب مقلہ عین نکلوایا، اب مصنوعی مقلہ اُس کے مقام پر رکھوانا چاہتا ہے، کیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں، سونے کی ناک بنوالینے کی اجازت جو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دی تھی، مقلہ کو اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے یا نہ، عمرو کہتا ہے کہ ناک کے عوض میں (جس کی اجازت آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی، قوتِ شامہ نہیں ہوتی، اور مقلہ میں قوّت باصرہ ہوتی ہے، پس مقلہ کو اس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ اور مقلہ بنانا تصویر بنانے کے حکم میں ہے، پس ناجائز ہے، کیا عمرو کا قول صحیح تو نہیں ہے؟

← **اليوم في الأدوية والعطور وغيرها لا تتخذ من العنب أو التمر إنما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البترول وغيره، كما ذكرنا في باب بيع الخمر من كتاب البيوع، وحينئذ هناك فسحة في الأخذ بقول أبي حنيفة عند عموم البلوى.** (تكمله فتح الملهم، كتاب الأشربة، حكم الكحول المسكرة، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٦٠٨)

أما الأشربة المتخذة من الشعير أو الذرة أو التفاح أو العسل إذا اشتد وهو مطبوخ أو غير مطبوخ، فإنه يجوز شربه ما دون السكر عند أبي حنيفة، وأبي يوسف وعند محمد حرام شربه قال الفقيه وبه نأخذ. (هندية، كتاب الأشربة، الباب الثاني في المتفرقات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٤١٤، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤٧١)

وأما سواها (الأشربة الأربعة) فيتخذ النبيذ من كل شيء من الحبوب والثمار والألبان وتسمى هذه الأقسام بالأنبذة وحكمها ما ذكروا أن القليل أي القدر غير المسكر منها حلال إذا كان بقصد التقوى على العبادة، وحرم بقصد التلهي والكثير أي القدر المسكر منها حرام، وهذا مذهب الشيخين للأحناف ...... وأما الشافعي وأحمد ومالك ومحمد بن حسن وجمهور الصحابة، فذهبوا إلى أن المسكر المائع من كل شيء يحرم قليه وكثيره أسكر أم لم يسكر. (العرف الشذي على هامش الترمذي، أبواب الأشربة، النسخة الهندية ٢/ ٧-٨)

هداية، كتاب الأشربة، مكتبه أشرفيه د يوبند ٤/ ٤٩٥-٤٩٦۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب : مبیح کا فتویٰ صحیح ہے(۱) اور محرم سے سوال کیا جاوے کہ کیا مقلہ پر حیوان ذی روح صادق آتا ہے، نیز مقلہ میں جو بصارتِ حیوانی ہوتی ہے، آیا صانع مقلہ کی وضع کی ہوئی ہے یا جو بصارت مودعہ حی محی فی الدماغ ہے، یہ مقلہ محض اس کا طریق ومحل ہے، اول باطل ہے، اور ثانی پر آنکھ بنانا یعنی قدح بھی ناجائز ہو گا۔ **واللازم باطل فکذا الملزوم.** واللہ اعلم

نیز جو علّت وعید تصویر کی آئی ہے کہ **فقال: احیوا ما خلقتم** (۲)۔ اس پر نظر کر کے جس عضو میں مصور حیات پیدا کر سکے اُس پر وعید نہ ہونا چاہئے اور انف میں ہونا چاہئے۔

قرب ۷؍۱۳۳۳ھ (حوادث خامسہ ص ۲۱)

بال اُڑانے والا صابون استعمال کرنا

سوال (۲۵۷۱): قدیم ۴/۲۱۰- ایک اس طرح کا صابون نکلا ہے جو بجائے اُسترہ کے استعمال کیا جاتا ہے، اور اس میں ناپاک اجزاء بھی مشترک نہیں ہیں؟

---

(۱) مصنوعی آنکھ اس لئے بنوانا تاکہ دیکھنے والوں کو عیب نظر نہ آئے اور دوسری آنکھ کا توازن قائم ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں؛ بلکہ اگر بیوی کو خوش کرنے کے لئے ایسا کیا جائے تو کارِ ثواب ہے، نیز اس میں کسی کو دھوکہ دینا مقصود نہیں ہے، اگرچہ اس میں روشنی نہیں ہوتی ہے، مگر زینت آجاتی ہے جو شرعاً امر مطلوب ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ. [سورة الأعراف، رقم الآية: ٣٢]

أخرج وكيع في الغرر عن عائشة رضي الله تعالى عنها، أنها سئلت عن مقانع القز، فقالت: ما حرم الله شيئا من الزينة. (الدرالمنثور، سورة الأعراف، آيت: ٣٢، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٥٠)

(۲) **عن نافع عن عمر رضي الله عنهما قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إن أصحاب هذه الصور يعذبون يوم القيامة ويقال لهم: أحيوا ما خلقتم.** (بخاري شريف، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: والله خلقكم وما تعملون إنا كل شيء خلقناه بقدر، النسخة الهندية ٢/ ١١٢٨، رقم: ٧٢٥٧، ف: ٧٥٥٨)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب : تم نے اس سوال میں صابون کا ایجاد ہونا اور اس میں کسی جزو نجس کا شریک نہ ہونا تو لکھا ہے اور کچھ پوچھا نہیں، شاید یہ مقصود ہو کہ اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ مقصود ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ جس جگہ استرہ کا استعمال جائز ہے، وہاں اس کا استعمال بھی جائز ہے(۱)۔

۱۸؍جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۳۷)

عرقیات ڈاکٹری کا استعمال

سوال (۲۵۷۲): قدیم ۴/۲۱۰- ادویات ڈاکٹری کے عرقیات میں جن کو بزبان انگریزی (ٹنگچر) کہتے ہیں، عموماً الکوہل یعنی شراب کا جوہر بروے طب ڈاکٹری بالخاصیت مفید ومقوی مسلم ہونے کی وجہ سے شریک رہتا ہے، ایسی ادویہ کا استعمال شرعاً جائز ہوسکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: اگر اس کا ماخذ اشربۂ اربعہ کے سوا ہو جیسا غالب ہے تو مختلف فیہ ہے، تقوی تحرز ہے اور مبتلا پر بھی زیادہ دار وگیر نہیں ہے(۲)۔ ۱۲؍صفر ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۱۳)

---

(۱) **أخرج ابن ماجة عن أم سلمة رضي الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا اطلى بدأ بعورته فطلاها بالنورة وسائر جسده أهله.**

وأخرج أيضا عن حبيب بن أبي ثابت عن أم سلمة رضي الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم اطلى وولي عانته بيده. (ابن ماجه شريف، كتاب الأدب، باب الطلاء بالنورة، النسخة الهندية ص: ٢٦٦، دارالسلام رقم: ٣٧٥١-٣٧٥٢)

ولو عالج بالنورة في العانة يجوز. (هندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر: في الختان والخصاء الخ، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٥٨، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤١٣)

ولو عالج بالنورة يجوز كذا في الغرائب. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٨٣، كراچى ٦/ ٤٠٦)

وأصل السنة يتأدى بكل مزيل لحصول المقصود وهو النظافة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، قبيل باب أحكام العيدين، دارالكتاب ديوبند ص: ٥٢٧)

(۲) **وأما ما سواها (الأشربة الأربعة) فيتخذ النبيذ من كل شيء من الحبوب والثمار والألبان وتسمى هذه الأقسام بالأنبذة وحكمها ما ذكروا أن القليل أي القدر غير المسكر** ←

جند بیدستر کا حکم

سوال (۲۵۷۳): قدیم ۴/۲۱۰- جند بیدستر پاک ہے یا نہیں؟

الجواب: پاک نہیں۔ (تتمہ اولیٰ ص ۶)

← **منها حلال إذا كان بقصد التقوي على العبادة، وحرم بقصد التلهي والكثير أي القدر المسكر منها حرام، وهذا مذهب الشيخين للأحناف ...... وأما الشافعي وأحمد ومالك ومحمد بن حسن وجمهور الصحابة، فذهبوا إلى أن المسكر المائع من كل شيء يحرم قليله وكثيره أسكر أم لم يسكر.** (العرف الشذي على هامش الترمذي، أبواب الأشربة، النسخة الهندية ۲/ ۷-۸)

أما الأشربة المتخذة من الشعير أو الذرة أو التفاح أو العسل إذا اشتد وهو مطبوخ أو غير مطبوخ، فإنه يجوز شربه ما دون السكر عند أبي حنيفة، وأبي يوسف وعند محمد حرام شربه قال الفقيه وبه نأخذ. (هندية، كتاب الأشربة، الباب الثاني في المتفرقات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٤١٤، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤٧١)

وأما غير الأشربة الأربعة فليست نجسة عند الإمام أبي حنيفة، وبهذا تبين حكم الكحول المسكرة التي عمت بها البلوى اليوم، فإنها تستعمل في كثير من الأدوية والعطور والمركبات الأخرى، فإنها إن اتخذت من العنب أو التمر فلا سبيل إلى حلتها وطهارتها، وإن اتخذت من غيرهما فالأمر فيها سهل على مذهب أبي حنيفة، ولا يحرم استعمالها للتداوي أو لأغراض مباحة أخرى ما لم تبلغ حد الإسكار؛ لأنها إنما تستعمل مركبة مع المواد الأخرى ولا يحكم بنجاستها أخذا بقول أبي حنيفة، وإن معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الأدوية والعطور وغيرها لا تتخذ من العنب أو التمر إنما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البترول وغيره، كما ذكرنا في باب بيع الخمر من كتاب البيوع، وحينئذ هناك فسحة في الأخذ بقول أبي حنيفة عند عموم البلوى. (تكمله فتح الملهم، كتاب الأشربة، حكم الكحول المسكرة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ٦٠٨)

هداية، كتاب الأشربة، مكتبه أشرفيه د يوبند ٤/ ٤٩٥-٤٩٦۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جند بیدستر کا حکم

سوال (۱) (متعلق تتمہ ج ا ص ۶) جند بیدستر پاک نہیں ہے؟ ۱۲۔ بلکہ پاک ست اگرچہ حرام آست۔ حيوان البحر طاهر، وإن لم يؤكل حتى خنزير البحر كذا في القنيه ۱۲ نفع (۲)۔ ومائي المولد ولو كلب الماء وخنزيره ۱۲. درمختار (۳)۔ وحكم مائي المولد كلهم واحد وإن كان يعيش بدون الماء كما في الشامي (۴)۔
جند بیدستر خصیہ حیوان مائی المولد است کہ مثل کلب الماء است۔ ۱۲ مخزن (۵)۔

---

(۱) **خلاصۂ ترجمہ**: جند بیدستر پاک ہے اگرچہ حرام ہے جیسا کہ درج ذیل عبارات سے واضح ہے...... جند بیدستر ایک دریائی جانور کا خصیہ ہے جو جانور دریائی کتے کی شکل کا ہوتا ہے۔ ۱۲ مخزن۔

(۲) نفع المفتي والسائل، ما يتعلق بالتيمم ص: ۱۶۔

(۳) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب المياه، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۳۰، ۳۳۱، كراچی ۱/ ۱۸۴-۱۸۵۔

(۴) **وعرف في الخلاصة المائي بما لو استخرج من الماء يموت لساعته، وإن كان يعيش فهو مائي وبري، فجعل بين المائي والبري قسما آخر وهو ما يكون مائيا وبريا لكن لم يذكر له حكما آخر على حدة، والصحيح أنه ملحق بالمائي لعدم الدموية، شرح المنية.**
(شامي، كتاب الطهارة، باب المياه، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۳۱، كراچی ۱/ ۱۸۵)

(۵) **الجند بادستر حيوان كهيئة الكلب الماء ويسمي القندر وسيأتي في باب القاف، ولا يوجد إلا في بلاد القفجان وما يليها ويسمي السمود أيضا، وهو على هيئة الثعلب أحمر اللون، ليس له يدان، وله رجلان، وذنب طويل ورأس كرأس الإنسان، ووجه مدور وهو يمشي متكفيا على صدره كأنه يمشي على أربع، وله أربع خصيات: اثنتان ظاهرتان، واثنتان باطنان، ومن شأنه أنه إذا رأى الصيادين لأخذ الجند بادستر، وهو الموجود في خصيته البارتين، هرب، فإذا جدوا في طلبه قطعهما بفيه ورمى بهما إليهم؛ إذ لا حاجة لهم إلا بهما، فإذا لم يبصرهما الصيادون وداموا في طلبه استلقى على ظهر حتى يريهم الدم فيعلمون أنه قطعهما فينصرفون عنه، وهو إذا قطع الظاهرتين أبرز الباطنتين عوضا عنهما، وفي باطن الخصية شبه الدم أو العسل كريهة الرائحة سريع التفرك إذا جف.** (حيات الحيوان، باب الجيم، الجند بادستر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۰۸، مكتبه شمس پبلشرز ديوبند ۲/ ۱۱۵)

نوشادر پاک ہے

سوال (۲۵۷۴): قدیم ۴/۲۱۰- نوشادر جو قلعی کے کام میں آتا ہے پاک ہے یا ناپاک؟ اس کا چُورن وغیرہ میں استعمال کیسا ہے؟

الجواب: في ردالمحتار: وأما النوشادر المستجمع من دخان النجاسة فهو طاهر، كما يعلم مما مر، وأوضحه سيدي عبد الغني في رسالة سماها اتحاف من بادر إلى حكم النوشادر. اھ ج ۱، ص ۳۳۵ (۱)۔

اس روایت سے نوشادر کا پاک ہونا اور اس کا استعمال چُورن میں جائز ہونا ثابت ہے۔

۲۷/ شعبان ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۴)

مرض فتق کے علاج کے جواز پر شبہ اور اس کا جواب

سوال (۲۵۷۵): قدیم ۴/۲۱۱- زید ایک پابندِ شرع آدمی ہے اس کے خصیتین بڑھ گئے ہیں اور متعدد مرتبہ تجربہ ہوا ہے کہ ڈاکٹر سے نشتر دلوانے سے اچھا ہو جاتا ہے، مگر چونکہ علاج کرانا خود فی نفسہ ضروری نہیں ہے، اور ستر عورت فرض، علاوہ ازیں ڈاکٹری دوا کی نجاست وغیر نجاست کا علم نہیں ہے، اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ نشتر کے بعد کئی روز تک بے حس وحرکت پڑا رہنا ہوگا، جس سے نماز و جماعت کا ترک ہوگا، تو ایسی حالت میں زید اگر نشتر دلاوے تو شرعاً مواخذہ ہے یا نہیں؟ اور خصیتین کی جسامت تدریجاً ترقی پذیر ہے، زید ایسی حالت میں علاج کراوے یا متوکلاً علی اللہ چھوڑ دیوے؟ اس مسئلہ کی ضرورت پیش آئی ہے۔ فقط

← (قندر) قال القزويني: هو حيوان بري بحري يكون في الأنهار العظام يتخذ في البر إلى جانب البحر بيتا له بابان، ويأكل لحم السمك وخصيته تسمى الجند بادستر. (حياة الحيوان، باب القاف، قندر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۳۵۹، مطبوعه شمس پبلشرز ديوبند ۳/ ۳۱۶)

(۱) شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب: العرقي الذي يستقطر من دردي الخمر نجس حرام بخلاف النوشادر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۵۳۲، كراچى ۱/ ۳۲۵۔

الجواب : مقصود اس تقریر سے اگر یہ ہے کہ خود اس حکم کے ثابت ہونے ہی میں شبہ ہے، اور اس خدشہ کو امارت اس کے عدم ثبوت کی قرار دی ہے، تب تو جواب اس کا کتب فقہ میں مصرح ہونے سے ظاہر ہے (۱) اور اگر باوجود تسلیمِ نقل کے خود اس کے منقول ہونے پر اس کے خلاف دلیل ہونے کا شبہ کرنا ہے، تو یہ سوال مستدل پر ہوسکتا ہے۔ اور مقلد من حیث المقلد مستدل نہیں، پس اس پر یہ سوال کرنا اس کو خلاف منصب پر مجبور کرنا ہے، وہ اگر استدلال کرتا ہے اس میں متبرع ہوتا ہے، اور متبرّع پر ما بہ التبرّع لازم نہیں؛ لیکن باوجود عدم لزوم کے تبرعاً عرض ہے کہ ستر عورت بیشک فرض ہے، مگر جمیع احوال میں نہیں بلکہ اُن میں سے ضرورت کی حالت مستثنیٰ ہے (۲)۔ اور یہ ضرورت شرعیہ نہیں بمعنی التاثیر بترکہ بلکہ طبعی وعادی

---

(۱) **عن أسامة بن شريک قال: قالت الأعراب يا رسول الله! ألا نتداوى، قال: نعم يا عباد الله! تداووا، فإن الله لم يضع داء إلا وضع له شفاء، أو قال: دواء إلا داء واحدا قالوا: يا رسول الله! وما هو قال الهرم.** (ترمذي شريف، كتاب الطب، باب ماجاء في الدواء والحث عليه، النسخة الهندية ۲/ ۲٤، دارالسلام رقم: ۲۰۳۸)

عن أبي الدرداء رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله أنزل الدواء وجعل لكل داء دواء، فتداووا ولا تداووا بحرام. (أبوداؤد شريف، كتاب الطب، باب في الأدوية المكروهة، النسخة الهندية ۲/ ٥٤١، دارالسلام رقم: ۳۸۷٤)

ابن ماجه شريف، كتاب الطب، باب ما أنزل الله داء إلا أنزل له شفاء، النسخة الهندية ص: ۲٤٥، دارالسلام رقم: ۳٤۳٦۔

(۲) **ويحرم النظر إلى العورة إلا عند الضرورة كالطبيب أى له النظر إلى موضع المرض ضرورة فيرخص له إحياء لحقوق الناس ودفعا لحاجتهم الخ.** (مجمع الأنهر مع ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل في النظر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۱۹۹)

وينظر الطبيب إلى موضع مرضها (كنز) وتحته في التبيين: وفي نظر الطبيب إلى موضع المرض ضرورة فيرخص لهم إحياء لحقوق الناس ودفعا لحاجتهم فصار كنظر الختان والخافضة، وكذا ينظر إلى موضع الاحتقان للمرض؛ لأنه مداواة. (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في النظر والمس، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۳۹-٤۰، إمداديه ملتان ٦/ ۱۷)

البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في النظر والمس، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۳٥۲، كوئٹه ۸/ ۱۹۲۔

ہے جس کا شریعتِ مقدسہ نے مکلفین کے ضعف کے سبب اعتبار کیا ہے۔ اور طبعی وعادی ہونا اُس کا بمعنے موقوف علیہ الصحۃ عادۃ غالبہ ہونا ظاہر ہے، پس اس طرح سے ضرورت **من حیث العادۃ** وعدم ضرورت **من حیث الشرع** میں کچھ تنافی نہیں، اور متاخرین نے تداوی بالحرام کو بھی جائز کہہ دیا ہے، اور اس پر عمل کرنے کی بھی گنجائش ہے(۱)۔ البتہ یہ بات کہ اشارہ سے بھی نہ نماز پڑھ سکے گا اس کو اہل فتویٰ سے تحقیق کر لیجئے، قواعد سے تو یہ عذر اس میں بھی موثر ہوگا (۲)۔ فقط

۱۴ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ ص ۷۹)

---

(۱) اختلف في التداوي بالمحرم وظاهر المذهب المنع كما في رضاع البحر لكن نقل المصنف ثمة وهنا عن الحاوي: وقيل يرخص إذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء آخر كما رخص الخمر للعطشان وعليه الفتوى. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب المياه، فصل في البئر، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٣٦٥-٣٦٦، كراچی ١/ ٢١٠)

يجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن شفاءه فيه ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر: في التداوي والمعالجات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٥٥، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤١٠)

البحرالرائق، كتاب الطهارة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٢٠٤-٢٠٥، كوئٹه ١/ ١١٥-١١٦۔

خانية على هامش الهندية، كتاب الحظر والإباحة، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٤٠٤، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٩١۔

(٢) يصلي مؤميا وهو قاعد إن تعذر الركوع والسجود لما قدمناه، ولأن الطاعة بحسب الطاقة. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ١٩٩، كوئٹه ٢/ ١١٣)

فإن عجز عن الركوع والسجود وقدر على القود فإنه يصلي قاعدا بإيماء.

(المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل الحادي والثلاثون: في صلاة المريض، المجلس العلمي ٣/ ٢٦، رقم: ٢٣٣٨)

هندية، الصلاة، الباب الرابع عشر: في صلاة المريض، قديم زكريا ديوبند ١/ ١٣٦، جديد زكريا ديوبند ١/ ١٩٦۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

انگریزی دواؤں کا استعمال

سوال (۲۵۷۶): قدیم ۴/۲۱۱- (۱) چہ می فرمایند علمائے دین متین اندریں مسئلہ کہ استعمال ادویہ انگریزیہ کہ دراں امتزاج خمر وغیرہ اشیاء محرمہ یقیناً است وہم چنیں استعمال معاجین وغیرہ کہ دراں اشیاء محرمہ ممزوج اند بکسے نوع وبکدامی حالت جائزست یانہ؟

الجواب: (۲) اگر امتزاج ایں چنیں اشیاء مشکوک ست اعتبارے ندارد۔

لقوله تعالىٰ: ولا تقف ماليس لک به علم. الآية (۳)- **وقال رسول الله ﷺ: إذا كان أحدكم في الصلوٰة فوجد حركة في دبره أحدث أولم يحدث فأشكل عليه،**

---

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ سوال:** کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ انگریزی دواؤں میں شراب وغیرہ حرام اشیاء کی یقینی طور پر آمیزش ہوتی ہے، اسی طرح وہ معجون وغیرہ جن میں حرام اشیاء کی ملاوٹ ہوتی ہے، ان کا استعمال کسی طرح اور کسی حالت میں جائز ہے یا نہیں؟

(۲) **خلاصۂ ترجمۂ جواب:** اگر اس طرح کی چیزوں کی ملاوٹ مشکوک ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں .... اور اگر مظنون یا متیقن ہے تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ حرام چیزیں ناپاک ہوں گی جیسے شراب، پیشاب وغیرہ یا پاک ہوں گی جیسے عروس اور کیچوے وغیرہ۔ اور ہر ایک قسم کے استعمال کی دو صورتیں ہیں: (۱) داخلی طور پر استعمال کیا جائے جیسے اس دوا کو کھایا جائے یا پیا جائے (۲) خارجی طور پر استعمال کیا جائے جیسے ملع کیا جائے یا دوا کا لیپ کیا جائے، پس اشیاء محرمہ طاہرہ کا استعمال اگر خارج میں ہو تو بالاجماع مطلقا جائز ہے .... اور اگر اشیاء محرمہ طاہرہ کا استعمال داخلی طور پر ہو یا اشیاء محرمہ نجسہ کا استعمال داخلی یا خارجی طور پر ہو تو اضطراری اور مجبوری کی حالت میں بالاتفاق مباح وجائز ہے .... اور حالت اختیاری میں ان سے شفایاب ہونے کے غالب گمان نہ ہونے کی صورت میں ان کا استعمال بالاتفاق حرام ہے .... اور اگر حالت اختیاری میں ان سے شفایاب ہونے کا ظن غالب ہو اور کوئی دوسری دوا بھی دستیاب نہ ہو تو ایسے وقت ان دواؤں کے استعمال میں علماء کا اختلاف ہے، بعض جائز کہتے ہیں ...... اور بعض منع کرتے ہیں ...... اور بعض متاخرین نے جواز کا فتوی دیا ہے ...... پس فتوی کی رو سے انتفاع جائز ہے اور تقوی کی رو سے پرہیز بہتر ہے۔

(۳) سورة الإسراء، رقم الآية: ۳۹۔

فلا ینصرف حتی یسمع صوتا أو یجد ریحًا. رواہ أبوداؤد (۱)۔ وقال الفقهاء: إن الیقین لا یزول بالشک (۲۵)۔ والأصل الحل والطهارة (۳)۔

واگر مظنون یا متیقن ست پس خالی از دوحال نیست یا اشیاء محرمہ نجس اند چوں خمر وبول وغیرہما، یا طاہر چوں عروسک وخراطین ونحوہما واستعمال ہر یکے دونوع ست داخلی چوں اکل وشرب وخارجی چوں طلاء وضماد، پس استعمال اشیاء محرمہ طاہرہ اگر خارجًا باشد بالاجماع مطلقًا جائز ست۔۔۔۔

لقوله تعالیٰ: فتیمموا صعیدًا طیبًا. الآیة (۴)۔ کاباح التلطخ بالتراب الطاهر المحرم.

واگر استعمال ہمیں اشیاء محرمہ طاہرہ داخلاً باشد یا استعمال اشیاء محرمہ نجسہ داخلاً یا خارجًا باشد، پس درحالت اکراہ واضطرار اتفاقاً مباح است۔

لقوله تعالیٰ: وقد فصل لکم ما حرم علیکم الا ما اضطررتم إلیه (۵)۔

ودرحالتِ اختیار وقت عدم غلبۂ ظن بحصولِ شفاء باتفاق حرام۔

لقوله تعالیٰ: قل فیهما إثم کبیر ومنافع للناس وإثمهما أکبر من نفعهما. الآیة (۶)۔

---

(۱) أبوداؤد شریف، کتاب الطهارة، باب إذا شك في الحدث، النسخة الهندیة ۱/ ۲۴، دارالسلام رقم: ۱۷۷۔

(۲) قواعد الفقه، مکتبه أشرفیه دیوبند ص: ۱۴۳۔

الأشباه والنظائر، القاعدة الثالثة، قدیم ص: ۱۰۰، جدید زکریا دیوبند ۱/ ۱۸۳۔

(۳) **إن الأصل في الأشیاء الطهارة، وقد تیقنا بالطهارة وشککنا في الطهارة فلا تثبت النجاسة بالشک.** (المحیط البرهاني، کتاب الکراهیة، الفصل السادس عشر: في أهل الذمة الخ، المجلس العلمي ۸/ ۶۸، رقم: ۹۶۰۱)

إن الأصل في الأشیاء الإباحة ما لم یقم دلیل معتبر علی الحرمة، کما أن الأصل في الأشیاء کلها الطهارة ما لم یقم دلیل معتبر علی النجاسة. (الفقه الإسلامي وأدلته، الندوة الفقهیه الطیبة الثامنة، التوصیات الخاصة، مکتبه هدی انٹرنیشنل دیوبند ۸/ ۸۲۸)

(۴) سورة المائدة، رقم الآیة: ۶۰۔

(۵) سورة الأنعام، رقم الآیة: ۱۱۹۔

(۶) سورة البقرة، رقم الآیة: ۲۱۹۔

ودر حالتِ اختیار ہنگام غلبۂ ظن بحصول شفاء وعدم وجدان دواء دیگر علماء را اختلاف است، بعضے جائز داشتہ اند لإجازة رسول الله ﷺ العرنيين لشرب أبوال الإبل (۱)۔

وبعضے منع فرمودہ لقوله عليه السلام: إن الله لم يجعل شفاء كم في حرام. رواه البخاري (۲)۔ وقالوا: حديث العرنيين منسوخ.

وبعض متاخرین فتویٰ برجواز دادہ اند۔ في الدرالمختار: اختلف في التداوي بالمحرم، وظاهر المذهب المنع كما رضاع البحر، لكن نقل المصنف ثمه وهنا عن الحاوي وقيل: يرخص إذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء آخر كما رخص الخمر للعطشان وعليه الفتوىٰ (۳)۔ پس امتناع تقوی ست وانتفاع فتوی۔ واللہ اعلم

۱۹/ ذیقعدہ ۱۳۰۴ھ (امداد ج ۲ ص ۱۲۸)

ایضاً

سوال (۲۵۷۷): قدیم ۴/ ۲۱۲- آج کل خواص وعوام بلا تکلّف انگریزی ادویہ کو استعمال کرتے ہیں جن کی ساخت میں اکثر روح الخمر اور رکٹی فائی اسپرٹ اور سیری دائن پڑتی ہے، ٹنگچر ایتھر، دائن اکٹرا کٹ اسی کی لاگ سے بنائے جاتے ہیں، مگر کہا جاتا ہے کہ ان کا نشہ کم ہے، سمیت بڑھی ہوئی ہے، زیادہ مقدار میں دیں تو نشہ کریں، مگر زیادہ میں دینے سے آدمی مَر بھی جاتا ہے، مگر سب دوائیں ایسی نہیں کہ زیادہ مقدار میں دینے سے آدمی مرہی جائے۔ اب فرمائیے کہ انگریزی ادویہ کا استعمال جائز ہوا یا ناجائز؟

---

(۱) عن أنس أن ناسا من عرينة قدموا المدينة فاجتووها فبعثهم النبي صلى الله عليه وسلم في إبل الصدقة، وقال: اشربوا من أبوالها وألبانها. (ترمذي شريف، كتاب الأطعمة، باب ماجاء في شرب أبوال الإبل، النسخة الهندية ۲/ ٦، دارالسلام رقم: ١٨٤٥)

(۲) وقال ابن مسعود رضي الله عنه في السكر: إن الله لم يجعل شفاء كم فيما حرم عليكم. (بخاري شريف، كتاب الأشربة، باب شراب الحلواء والعسل، النسخة الهندية ۲/ ٨٤٠)

(۳) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب المياه، فصل في البئر، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٣٦٥-٣٦٦، كراچی ١/ ٢١٠۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: روح الخمر وجو ہر شراب چونکہ یقیناً اجزائے خمر سے ہے، اس کی حرمت سُکر پر موقوف نہیں (۱)۔ **في الدر المختار: وكره شرب دردي الخمر –إلى قوله– ولكن لا يحد شاربه بلا سكر.** اھ(۲)۔ **وقد صرحوا بحرمة تناول الخبز الذي عجن دقيقه بالخمر (۳)۔**

اور جب کہ اُس میں سکر بھی ہوتب تو اس میں شبہ کی کوئی وجہ ہی نہیں سو جواہر متعارفہ فی زماننا میں سکر بھی ہے، اور مقدار قلیل سے بالفعل سکر نہ ہونا منافی وجود سکر نہیں؛ کیونکہ سکر سے مراد عام ہے، بالقوہ ہو یا بالفعل۔

---

(۱) **عن جابر بن عبدالله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ما أسكر كثيره فقليله حرام.** (ترمذي شيف، كتاب الأشربة، باب ماجاء ما أسكر كثيره فقليله حرام، النسخة الهندية ٢/ ٨، دارالسلام رقم: ١٨٦٥)

أبوداؤد شريف، كتاب الأشربة، باب النهي عن المسكر، النسخة الهندية ٢/ ٥١٨، دارالسلام رقم: ٣٦٨١۔

ابن ماجه شريف، كتاب الأشربة، باب ما أسكر كثيره فقليله حرام، النسخة الهندية ص: ٢٤٣، دارالسلام رقم: ٣٣٩٢۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأشربة، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ٣٩، كراچی ٦/ ٤٥٧۔

ويكره شرب دردي الخمر؛ لأن فيه أجزاء الخمر فلا ينتفع بشيء منه. (خانية على هامش الهندية، كتاب الأشربة، فصل في معرفة الأشربة وأحكامها، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٢٢٤، جديد زكريا ديوبند ٣/ ١٥١)

ويكره شرب دردي الخمر والانتفاع به؛ لأن الدردي من كل شيء بمنزلة صافيه، والانتفاع بالخمر حرام، فكذلك بدرديه، وهذا لأن في الدردي أجزاء الخمر. (المبسوط للسرخسي، كتاب الأشربة، دارالكتب العلمية بيروت ٢٤/ ٢٠)

قال: ويكره شرب دردي الخمر والامتشاط به؛ لأن فيه أجزاء الخمر والانتفاع بالمحرم حرام. (هداية، كتاب الأشربة، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٩٩)

(۳) **ويكره أكل خبز عجن عجينه بالخمر لقيام أجزاء الخمر فيه.** (هداية، كتاب الأشربة، قبل كتاب الصيد، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٥٠٠) ←

في الدرالمختار: وحرمها محمد مطلقا، وبه يفتى -إلیٰ قوله- ما أسكر كثيره فقليله حرام. اه (۱)۔

اوراسی طرح سم ہونا بھی منافی سکرنہیں؛ بلکہ اس کا مؤید وموکد ہے؛ کیونکہ منتہیٰ سکرکا اہلاک اورسمیت ہے۔ **كما لايخفى على ماهر الطبعيات.**

اس تحقیق سے ادویۂ مسئولہ کا حکم معلوم ہوگیا، استعمال جائز نہیں؛ لیکن جب کہ بالیقین ان اشیاء سے خالی ہو۔ واللہ اعلم

۲/ ذیقعدہ ۱۳۲۰ھ (امداد، ج۲ص ۱۴۸)

← **الدقيق إذا عجن بخمر وخبز فإنه يكون نجسا ولا يطهر؛ لأن ما في العجين من أجزاء الخمر لم يصر خلا بالخبز فلا يطهر كذا في فتاوى قاضي خان.** (هندية، كتاب الأشربة، الباب الأول الخ، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٤١١، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤٦٩)

خانية على هامش الهندية، كتاب الأشربة، فصل في معرفة الأشربة وأحكامها، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٢٢٥، جديد زكريا ديوبند ٣/ ١٥٢۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأشربة، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ٣٦-٣٧، كراچى ٦/ ٣٢٢۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۶/ باب: بالوں کے حلق وقصر اور خضاب اور ختنہ وغیرہ کے احکام

خضاب

سوال (۲۵۷۸): قدیم ۲۱۳/۴- خضاب لگانا کیسا ہے؟

الجواب: خضاب سرخ بالاتفاق جائز بلکہ مستحب ہے۔ اور سیاہ خضاب جہاد میں ہیبتِ دشمن کے لئے بھی جائز ہے، اور محض زینت کے واسطے مختلف فیہ ہے۔ عامۂ مشائخ کا قول کراہت ہے اور امام ابو یوسفؒ نے جائز رکھا ہے؛ لیکن احتیاج اور راجح نہ کرنا ہے۔

اتفق المشائخ أن الخضاب في حق الرجال بالحمرة سنة، وأنه من سيماء المسلمين وعلاماتهم، وأما الخضاب بالسواد فمن فعل ذلک من الغزاة ليكون أهيب في عين العدو فهو محمود منه اتفق عليه المشايخ، ومن فعل ذٰلک ليزين نفسه للنساء أو ليحبب نفسه إليهن فذٰلک مكروه عليه عامة المشايخ، وبعضهم جوزوا ذلک من غير كراهة، وروي عن أبي يوسفؒ أنه قال: كما يعجبني أن تتزين لي يعجبها أن أتزين لها، كذا في الذخيرة. عالمگیری ج ۴، ص ۱۳۹ (۱)۔ واللہ اعلم فقط۔ (امداد ج ۲، ص ۱۲۴)

---

(۱) هندية، كتاب الكراهية، الباب العشرون في الزينة واتخاذ الخادم للخدمة، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۵۹، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۴۱۴۔

سرخ اور پیلا خضاب لگانا بالاتفاق جائز ہے، اختلاف سیاہ خضاب کے متعلق ہے، جہاد میں سیاہ خضاب لگانا بالاتفاق جائز ہے اور جہاد کے علاوہ دیگر حالات میں عامۃ المشائخ کے نزدیک مکروہ ہے اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بیوی کو خوش کرنے کی خاطر بلا کراہت جائز ہے، حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی قدیم ۲۱۳/۴ تا قدیم ۲۲۰/۴ پر اس موضوع سے متعلق کئی فتوی تحریر فرمایا ہے، بعض میں زینت کے واسطہ مختلف فیہ نقل فرمایا، بعض میں مکروہ تحریمی اور بعض میں حرام کے الفاظ نقل فرمائے ہیں، سب سے پہلا فتوی جو لکھا ہے وہ یہی ہے، آگے چل کر کہیں مکروہ تحریمی اور کہیں حرام کے الفاظ استعمال کئے ہیں، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے بھی فتاوی دار العلوم میں اس موضوع پر چار جوابات دیئے ہیں، فتاوی دار العلوم ۲۴۰/۱۶-۲۴۱ پر میں چار جوابات کے شروع میں تین جوابات جو دیئے ہیں ←

مسائل خضاب

سوال (۲۵۷۹): قدیم ۴/۲۱۴ - ما قولکم رحمکم اللہ اندریں مسائل سیاہ خضاب

← ان کا حاصل بھی یہی ہے کہ سیاہ خضاب اکثر مشائخ کے نزدیک مکروہ ہے اور بعض مشائخ عدم کراہت کے بھی قائل ہیں۔ بہرحال اجتناب بہتر ہے اور مبسوط سرخسی ۱۰/۱۹۹ر میں یہ جزئیہ موجود ہے۔

وأما من اختضب لأجل التزئين للنساء والجواري فقد منع من ذلك بعض العلماء رحمه الله تعالى، والأصح أنه لا بأس به وهو مروي عن أبي يوسفؒ قال: كما يعجبني أن تتزين لي يعجبها أن أتزين لها. (المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ۱۰/ ۱۹۹)

اور چوتھا جواب جو لکھا ہے اسمیں کراہت تحریمی ثابت فرمائی ہے اور مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے کفایت المفتی قدیم ۹/۱۷۱-۱۷۲، جدید زکریا مطول ۱۲/۳۴۲ میں سیاہ خضاب لگانے کو صرف مکروہ لکھا ہے، مکروہ تحریمی کہیں بھی نہیں لکھا ہے، حضرت گنگوہیؒ نے باقیات فتاوی رشیدیہ ۳۷۸ر میں منع لکھا ہے اور فتاوی رشیدیہ قدیم ۵۸۹، جدید زکریا ۵۸۰ر میں اتنا لکھا ہے کہ سوائے سیاہ خضاب کے سب قسم کے خضاب درست ہیں، حضرت گنگوہیؒ نے صاف الفاظ میں مکروہ بھی نہیں لکھا ہے۔

اب ہم کو احادیث شریفہ کے نصوص پر غور کرنا ہے کہ جہاد کے علاوہ یا بیوی کو خوش رکھنے کے مسئلہ کے علاوہ زینت کے لئے سیاہ خضاب لگانا تمام نصوص کے پیش نظر کیا حکم رکھتا ہے، تو اس سلسلہ میں ہم نے احادیث شریفہ کے نصوص کو احاطہ کر کے دیکھا ہے کہ دو قسم کی روایات ہمارے سامنے ہیں، بعض روایات تو وہ ہیں جن سے مطلقاً جواز ثابت ہوتا ہے اور بعض روایات وہ ہیں جن سے عدم جواز ثابت ہوتا ہے؛ اس لئے دونوں قسم کی روایات کو جمع کرنے کے بعد ہم کو غور کرنا ہے کہ سیاہ خضاب لگانا حرام، مکروہ تحریمی اور موجب فسق ہے، جس کی وجہ سے سیاہ خضاب لگانے والے کے پیچھے نماز بھی مکروہ ہو جائے گی یا مکروہ تنزیہی ہے، جس کی وجہ سے سیاہ خضاب لگانے والے پر فسق کا حکم نہیں لگ سکتا اور اس کے پیچھے نماز بلاکراہت درست ہو جائے گی۔

پہلی قسم کی روایات امام طبرانیؒ نے المعجم الکبیر میں حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ اور حضرت جریر بن عبد اللہ بجلیؓ کا عمل نقل فرمایا ہے کہ یہ دونوں حضرات سیاہ خضاب لگایا کرتے تھے، مصنف ابن ابی شیبہ میں ←

عندالشرع اس وجہ سے ممنوع ہے کہ اس میں تبدیل فطرتِ الٰہی واخفائے پیری ہے، مگر جب کہ بال

← صحیح اور عالی سند کے ساتھ روایت نقل کی گئی ہے کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ سیاہ خضاب لگایا کرتے تھے، اوراس کی ترغیب بھی دیا کرتے تھے۔ نیز حضرت حسنؓ وحضرت حسینؓ کا عمل بھی صحیح سند کے ساتھ نقل فرمایا ہے کہ وہ سیاہ خضاب لگایا کرتے تھے اورامام محمد ابن الحنفیہ سے سیاہ خضاب لگانے کے بارے میں سوال کیا گیا، توانہوں نے جواب دیا "**لا أعلم به بأسًا**" (اس میں کوئی حرج نہیں) اوراس موضوع سے متعلق روایات کی تعداد بہت زیادہ ہے؛ اس لئے ساری روایات کونقل نہ کرتے ہوئے چندروایات نقل کردیتے ہیں، جوحسب ذیل ہیں ملاحظہ فرمایئے:

(۱) عن أبي عشانة المعافري قال: رأيت عقبة بن عامرؓ يخضب بالسواد، ويقول نسود أعلاها وتأبي أصولها. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ١٢/ ٥٥٥، رقم: ٢٥٥٦٩)

(٢) عن الحسن أنه كان لا يرى بأسا بالخضاب بالسواد. (مصنف ابن أبي شيبة ١٢/ ٥٥٤، رقم: ٢٥٥٢٣)

(٣) عن قيس مولى خباب قال: دخلت على الحسن والحسين وهما يخضبان بالسواد. (مصنف ابن أبي شيبة ١٢/ ٥٥٤، رقم: ٢٥٥٢٠)

المعجم الكبير ٣/ ٩٩، رقم: ٢٧٨٧- ٢٧٠- ٢٧٩١۔

(٤) عن أبي عون قال: كانوا يسألون محمدا عن الخضاب بالسواد فيقول: لا أعلم به بأسا. (مصنف ابن أبي شيبة ١٢/ ٥٥٤، رقم: ٢٥٥٢٤)

(٥) عن سعيد بن المسيب أن سعد ابن أبي وقاص كان يخضب بالسواد.

(المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١/ ١٣٨، رقم: ٢٩٥)

(٦) عن عامر بن سعد أن سعدا كان يخضب بالسواد. (المعجم الكبير للطبراني ١/ ١٣٨/ ٢٩٦)

مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ١٥٨۔

اس موضوع سے متعلق بہت ساری روایات نقل کی گئی ہیں۔ دوسری قسم کی روایات جن میں سیاہ خضاب کی ممانعت ہے، ان کی بھی تعداد اچھی خاصی ہے، ان میں سے دوروایتیں ایسی ہیں، جن سے بادی النظر میں کراہت تحریمی کا حکم لگانا ممکن ہے۔ ←

قبل از وقتِ سِن شیخوخت زمانہ کہولت وشباب میں سفید ہو جاتے ہیں، جیسا کہ فی زمانہ اکثر نوجوانوں

← (۱) حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت ہے، جن میں حضرت صدیقؓ کے والد حضرت ابوقحافہ کے بال کو خضاب لگا کر تغیر کرنے کا حکم کیا گیا ہے، اوران الفاظ سے حضور ﷺ نے حکم فرمایا:

غيروا هذا بشيء واجتنبوا السواد. (مسلم شريف، باب في صبغ الشعر وتغيير الشيب، النسخة الهندية ۲/ ۱۹۹، بيت الأفكار رقم: ۲۱۰۲)

نسائي شريف، النهى عن الخضاب بالسواد، النسخة الهندية ۲/ ۲۳۶، دارالسلام رقم: ۵۰۷۶۔

دوسری روایت عبداللہ ابن عباسؓ کی ہے، جس میں وعید کے الفاظ بھی موجود ہیں، اس میں الفاظ یہ ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يكون قوم يخضبون في آخر الزمان بالسواد كحواصل الحمام لا يريحون رائحة الجنة. (أبوداؤد شريف، باب ماجاء في خضاب السواد، النسخة الهندية ۲/ ۵۷۸، دارالسلام رقم: ۴۲۱۲)

سنن النسائي، النهي عن الخضاب بالسواد، النسخة الهندية ۲/ ۲۳۶، دارالسلام رقم: ۵۰۷۵۔

اب ان دونوں روایتوں پر غور کرنا ہے، پہلی روایت میں امر کا صیغہ ہے اور امر کا صیغہ وجوب کے لئے ہوتا ہے، اوراس میں حضور ﷺ نے دو جملے امر کے صیغہ کے ساتھ استعمال فرمائے ہیں:

پہلے جملے میں حضرت ابوقحافہؓ کے بالوں کو خضاب لگا کر تغیر کرنے کا حکم فرمایا، دوسرے جملے میں سیاہ خضاب سے اجتناب کا حکم فرمایا۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ اگر سیاہ خضاب سے اجتناب واجب ہے، تو اس کا لگانا حرام یا مکروہ تحریمی ہے، تو پہلا جملہ جس میں سفید بالوں کو خضاب کے ذریعہ تغیر کرنے کا حکم ہے، وہ بھی وجوب پر محمول ہو جائے، تو ایسی صورت میں سفید بال اور سفید ڈاڑھی والوں پر خضاب لگانا واجب ہو جائے گا؛ حالانکہ سفید بال سفید داڑھی والوں پر خضاب لگا کر بال کو تغیر کرنے کے وجوب کا قائل کوئی بھی نہیں ہے؛ اس لئے امر کے دونوں صیغے ترغیب پر محمول ہوں گے، وجوب یا تحریم پر نہیں ہو سکتے۔

دوسری حدیث شریف میں ایسی قوم کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: جن کو جنت کی بو بھی حاصل نہ ہوگی، اس قوم کی حضور ﷺ نے پہچان بیان فرمائی ہیں:

(۱) وہ قوم سیاہ خضاب لگائے گی۔

(۲) اس قوم کی جسمانی کیفیت کبوتروں کے پوٹے کی طرح ہوگی، سیاہ خضاب لگانے کو حضور ﷺ نے اس قوم کی پہچان قرار دی ہے، وعید کی علت قرار نہیں دی ہے، اور جن بزرگوں نے اس کو ←

اور کمسِن لڑکوں کو یہ شکایت پیدا ہے، تو اس صورت میں اُن کو سیاہ خضاب کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کس سِن تک؟

الجواب: قبل از وقت کے دو (۲) درجے ہیں: تھوڑا قبل اور بہت قبل، سائل کی کیا مراد ہے؟ (۱)

(تتمہ ثانیہ ص ۵۲)

← وعید کی علت قرار دی ہے، ان کو اس حدیث شریف پر دوبارہ نظر ثانی کرنی چاہئے، ورنہ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ، حضرت جریر ابن عبداللہ بجلیؓ، حضرت عقبہ ابن عامرؓ اور حضرت حسن وحضرت حسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر العیاذ باللہ مکروہ تحریمی کا ارتکاب اور فسق کا الزام عائد ہوسکتا ہے، جو قطعاً درست نہیں ہے۔

نیز حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت بالاتفاق ظنی الثبوت ہے اور جواز کی روایات کی وجہ سے ان دونوں روایتوں کی دلالت بھی بالاتفاق ظنی ہے اور جو روایتیں ظنی الثبوت اور ظنی الدلالت ہوتی ہیں، ان سے کراہت تحریمی اور حرمت کا ثبوت نہیں ہوتا؛ بلکہ کراہت تنزیہی کا ثبوت ہوتا ہے؛ اس لئے حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے بہت محطاط انداز سے حکم لگایا ہے، اور حضرت تھانویؒ اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے اول الذکر فتاوی کا محمل بھی یہی ہے: اس لئے سیاہ خضاب لگانا مکروہ تنزیہی ہوسکتا ہے، اور اس کی امامت بھی بلاکراہت درست ہوجائے گی۔ نیز حضرت امام نوویؒ نے اس بات پر اجماع نقل فرمایا ہے کہ ان روایات میں صیغۂ امر سے بالاجماع وجوب کا حکم ثابت نہیں ہے، اور صیغۂ نہی سے بالاجماع مکروہ تحریمی یا حرمت کا ثبوت نہیں ہے: لہٰذا صرف مکروہ تنزیہی کا حکم ثابت ہوسکتا ہے اور مکروہ تنزیہی کے ارتکاب سے آدمی فاسق نہیں ہوتا ہے، اور اس کی امامت بلاکراہت درست ہوجاتی ہے، علامہ نوویؒ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

واختلاف السلف في فعل الأمرين بحسب اختلاف أحوالهم في ذلک مع أن الأمر والنهي في ذلک ليس للوجوب بالإجماع؛ ولهذا لم ينكر بعضهم على بعض خلافه في ذلک قال: ولا يجوز أن يقال فيهما ناسخ ومنسوخ. (شرح نووي على المسلم ۲/ ۱۹۹)

فتاوی قاسمیہ ۲۳/۶۰۴ میں مفصل فتوی ہے وہ یہاں نقل فرمادیا ہے۔

(۱) حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق گنجائش ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

اتفق المشايخ أن الخضاب في حق الرجال بالحمرة سنة، وأنه من سيماء المسلمين وعلاماتهم، وأما الخضاب بالسواد فمن فعل ذلک من الغزاة ليكون أهيب في ←

ایضاً

سوال (۲۵۸۰): قدیم ۲۱۴/۴- جن خضابوں میں بھوراپن اور سرخی رہتی ہے، اور چاندی کا رنگ شورہ کے تیزاب سے کاٹ کر بطور عرق تیار ہوتا ہے (بھورے خضاب میں لوہے، تانبے، ماز و کا جزو ہے) اس کا استعمال عند الشرع کیسا ہے؛ کیونکہ بظاہر اس میں اخفائے پیری نہیں؛ اس لئے کہ ان میں سرخی متمائز رہتی ہے، اور سیاہی مغلوب، اور بالفرض اگر چاندی کے رنگ کے خضاب سے سیاہی غالب رہے تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب: جس میں اخفائے پیری کی نفی کی جاتی ہے، پھر اس میں ایسا خضاب کیوں کیا جاتا ہے، جس میں سیاہی ہو یا غالب ہو(۱)؟ (تتمہ ثانیہ ص ۵۲)

ایضاً

سوال (۲۵۸۱): قدیم ۲۱۴/۴- فی زمانہ سرکاری ملازمین جن کے بال سن کہولت یا مرض کی وجہ سے سفید ہو جاتے ہیں، بخوف زوالِ ملازمت سیاہ خضاب استعمال کرتے ہیں، مگر دل میں اس فعل کو مذموم اور ناجائز تصور کرتے ہیں، کیا اُن کے لئے یہ فعل جائز ہے؟

← **عين العدو فهو محمود منه اتفق عليه المشائخ، ومن فعل ذٰلك ليزين نفسه للنساء أو ليحبب نفسه إليهن فذٰلك مكروه، عليه عامة المشائخ، وبعضهم جوزوا ذلك من غير كراهة، وروي عن أبي يوسفؒ أنه قال: كما يعجبني أن تتزين لي يعجبها أن أتزين لها، كذا في الذخيرة.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب العشرون الخ، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٥٩، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤١٤)

شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٦٠٥، كراچی ٦/ ٤٢٢۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل الحادي والعشرون في الزينة، مكتبه زكريا ديوبند ١٨/ ٢١٤، رقم: ٢٨٥٥٥۔

(۱) سیاہ خضاب محض زینت اور اخفائے پیری کے لئے مکروہ اور ممنوع ہے، سوال نمبر: ۲۵۷۸ حاشیہ ملاحظہ فرمایئے۔

الجواب: جو عمر اول منظور رکھی گئی کیا بالوں کی سفیدی سے اُس کا منسوخ ہو جانا بھی کوئی قانون ہے(۱)۔ (تتمہ ثانیہ ۵۲)

ایضاً

سوال (۲۵۸۲): قدیم ۴/۲۱۴- بعض ایسے اشخاص جن کے عقد میں نوعمر اور جوان عورتیں ہیں محض بخیال رغبت زوجہ سیاہ خضاب کرتے ہیں، یہ فعل اُن کے لئے کیسا ہے، اگر ممنوع ہے تو ایسے لوگوں کو رغبت زوجہ کے لئے کونسی تدبیر شرعی کرنی چاہئے؟

الجواب : اگر یہ مصلحت قابل تحصیل ہوتی تو خضابِ اسود کے ممنوع ہونے کے پھر کوئی معنی ہی نہ ہوتے (۲)۔ (تتمہ ثانیہ ص ۵۳)

ایضاً

سوال (۲۵۸۳): قدیم ۴/۲۱۵- آج کل ہندوستان میں سیاہ خضاب بہت زیادہ رائج ہے، اور سیکڑوں آدمی اس میں مبتلا ہیں، تو کیا اُن کے واسطے ایسی سبیل بھی ہوسکتی ہے، کہ خضاب بھی ہو جاوے اور عاصی بھی نہ ہو؟

الجواب: کیا شریعت اس کی بھی ذمہ دار ہے(۳)۔ ۸/ رجب ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۵۳)

---

(۱) سیاہ خضاب استعمال کرنے کے سلسلہ میں مفصل ومدلل بحث سوال نمبر: ۲۵۷۸ کے حاشیہ میں گذر چکی ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن جابر بن عبدالله قال: أتي بأبي قحافة يوم فتح مكة ورأسه ولحيته كالثغامة بياضا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: غيروا هذا بشيء واجتنبوا السواد. (مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب استحباب خضاب الشيب بصفرة أو حمرة وتحريمه بالسواد، النسخة الهندية ٢/ ١٩٩، بيت الأفكار رقم: ٢١٠٢)

أبوداؤد شريف، كتاب الترجل، باب في الخضاب، النسخة الهندية ٢/ ٥٧٨، دارالسلام رقم: ٤٢٠٤۔

(۳) سیاہ خضاب استعمال کرنے کے سلسلہ میں مفصل ومدلل بحث سوال نمبر: ۲۵۷۸ کے حاشیہ میں گذر چکی ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

ایضاً

سوال (۲۵۸۴): قدیم ۴/۲۱۵- حضور والا نے ''اصلاح الرسوم'' میں تحریر فرمایا ہے کہ البتہ اور رنگوں کا خضاب جائز ہے، کہ اس میں اخفائے پیری نہیں، اس کی توضیح کیا ہے؟

الجواب: مثلاً سُرخ اور زرد اور سبز (۱)۔ (تتمہ ثانیہ ص ۵۳)

ایضاً

سوال (۲۵۸۵): قدیم ۴/۲۱۵- بصورت عدم جواز استعمال خضاب سیاہ اُس کا بنانا اور اُس کا بیچنا عندالشرع کیونکر جائز ہے؟ کیا یہ اعانت علی المعصیت نہیں، اس کی تصریح کیا ہے؟ فقط

---

(۱) **أخرج النسائي عن أبي ذرّ رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أحسن ما غيرتم به الشيب الحناء والكتم.**

وأخرج أيضا عن زيد بن أسلم قال: رأيت ابن عمرؓ يصفر لحيته بالخلوق، فقلت: يا أبا عبدالرحمن! إنك تصفر لحيتك بالخلوق، قال: إني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصفر بها لحيته ولم يكن شيء من الصبغ أحب إليه منها، وكان يصبغ بها ثيابه كلها حتى عمامته. (نسائي شريف، كتاب الزينة، الخضاب بالحناء والكتم، النسخة الهندية ۲/ ۲۳۶-۲۳۷، دارالسلام رقم: ۵۰۸۱-۵۰۸۸)

عن ابن عمر رضى الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يلبس النعال السبتية ويصفر لحيته بالورس والزعفران، وكان ابن عمرؓ يفعل ذلك. (أبوداؤد شريف، كتاب الترجل، باب ماجاء في خضاب الصفرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۷۸، دارالسلام رقم: ۴۲۱۰)

يستحب الاختضاب بالحناء والكتم لحديث: ''غيروا الشيب'' فهو أمر وهو للاستحباب، ولقول النبي صلى الله عليه وسلم: إن أحسن ما غيرتم به الشيب الحناء والكتم، فإنه يدل على أن الحناء والكتم من أحسن الصباغات التي يغير بها الشيب، وأن الصبغ غير مقصور عليهما، بل يشاركهما غيرهما من الصباغات في أصل الحسن لما ورد من حديث أنس رضي الله عنه قال: اختضب أبوبكرؓ بالحناء والكتم، واختضب عمرؓ بالحناء بحتا.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ۲/ ۲۷۹-۲۸۰)

الجواب: چونکہ ایک محل اُس کے جواز کا بھی ہے۔ **لیکون أهيب في عين العدو للدين** (۱)۔ اور غیر محل میں استعمال عامل کا فعل اختیاری ہے؛ لہٰذا صانع اور بائع کی طرف اس کی نسبت نہ کی جاوے گی اور اعانت علی المعصیت کے سبب ناجائز نہ کہا جاوے گا (۲) البتہ خلاف اولیٰ ضرور ہے۔

۸/رجب ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۵۳)

---

(۱) **اتفق المشايخ أن الخضاب في حق الرجال بالحمرة سنة، وأنه من سيماء المسلمين وعلاماتهم، وأما الخضاب بالسواد فمن فعل ذلک من الغزاة ليكون أهيب في عين العدو فهو محمود منه اتفق عليه المشاخ، ومن فعل ذٰلک ليزين نفسه للنساء أو ليحبب نفسه إليهن فذٰلک مكروه عليه عامة المشايخ، وبعضهم جوزوا ذلک من غير كراهة، وروي عن أبى يوسفؒ أنه قال: كما يعجبني أن تتزين لي يعجبها أن أتزين لها، كذا في الذخيرة.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب العشرون الخ، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۵۹، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۴۱۴)

قال فى الذخيرة: أما الخضاب بالسواد للغزو ليكون أهيب في عين العدو فهو محمود بالاتفاق، وإن ليزين نفسه للنساء فمكروه وعليه عامة المشائخ، وبعضهم جوزوه بلا كراهة، روي عن أبى يوسفؒ أنه قال: كما يعجبني أن تتزين لي يعجبها أن أتزين لها. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۶۰۵، كراچى ۶/ ۴۲۲)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل الحادي والعشرون: في الزينة، مكتبه زكريا ديوبند ۱۸/ ۲۱۴، رقم: ۲۸۵۵۵۔

وله أن المعصية في شربها وهو فعل فاعل مختار، وليس الشرب من ضرورات الحمل ولا يقصد به الخ. (هداية، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۴۷۳)

إنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۶۲، كراچى ۶/ ۳۹۲)

وإنما المعصية بفعل المستأجر وهو فعل فاعل مختار كشربه الخمر وبيعها. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۹/ ۲۱۳)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حکم خضاب سیاہ

سوال (۲۵۸۶): قدیم ۴/۲۱۵- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ہٰذا کا جواب کہ سیاہ خضاب کرنا ریش کو جائز ہے یا نہیں؟ امام حسین علیہ السّلام وحضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وحضرت علیؓ ودیگر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا سیاہ خضاب کرنا ثابت ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی موطأ میں اسی طرح مروی ہے؟

الجواب: في المؤطا للإمام محمدؒ: أخبرنا مالك أخبرنا يحيى بن سعيد أخبرنا محمد بن إبراهيم عن أبى سلمة بن عبدالرحمٰن أن عبدالرحمٰن بن الأسود بن عبد يغوث كان جليساً لنا، وكان أبيض اللحية والرأس فغدا عليهم ذات يوم، وقد حمرها فقال له القوم: هذا أحسن، فقال: إن أمي عائشة زوج النبي ﷺ أرسلت إليّ البارحة جاريتها نخيلة، فأقسمت على لأصبغن فأخبرتني أن أبا بكرؓ كان يصبغ قال محمد: لا نرى بالخضاب بالوسمة، والحناء، والصفرة بأسًا، وإن تركه أبيض فلا بأس بذلك كل ذٰلك حسن اهـ. في التعليق الممجد على المؤطأ قوله: بالوسمة بفتحتين وبفتح الأول وسكون الثاني وبكسره أيضاً على ما في القاموس والمغرب: هو ورق النيل والخضاب به صرفا لا يكون سوادًا خالصاً، بل مائلاً إلى الخضرة، وكذا إذا خلط بالحناء وخضب به نعم لو خضب الشعر أولا بالحناء صرفا ثم بالوسمة عليه يحصل السواد الخالص فيكون ممنوعاً كما سيأتي ذكره. وفيه أيضاً بعد أسطر على قوله لا نرى –إلى قوله– بأسًا، وأما الخضاب بالسواد الخالص فغير جائز لما أخرجه أبو داؤد والنسائي وابن حبان والحاكم، وقال صحيح الإسناد عن ابن عباس مرفوعاً يكون قوم يخضبون في آخر الزمان بالسواد كحواصل الحمام (دانہ دان وسینہ ہائے کبوتران ۱۲ منہ) لا يريحون رائحة الجنة، وجنح ابن الجوزي في "العلل المتناهية" إلى تضعيفه مستندًا بما روي أن سعدا والحسين بن عليؓ كانا يخضبان بالسواد، وليس بجيد فلعله لم يبلغهما الحديث، والكلام في بعض رواته ليس بحيث يخرجه عن حيز الاحتجاج به، ومن ثم عدّ ابن حجر المكي في الزواجر الخضاب بالسواد من الكبائر، ويؤيده ما

أخرجه الطبراني عن أبي الدرداء مرفوعا من خضب بالسواد سود الله وجهه يوم القيامة، وعند أحمد: وغيروا الشيب ولا تقربوا السواد، وأما ما في سنن ابن ماجة مرفوعان وأن أحسن ما اختضبتم به هذا السواد أرغب لنساء كم وأهيب لكم في صدور أعداء كم، ففي سنده ضعفاء فلا يعارض الروايات الصحيحة، وأخذ منه بعض الفقهاء جوازه في الجهاد. اھ(۱)۔

اس مجموعی عبارت سے امور ذیل مستفاد ہوئے:

(۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مطلق خضاب کرنا، سیاہ کا نام بھی نہیں۔ (کمافی المؤطأ)

(۲) حضرت سعدؓ وامام حسینؓ کا خضاب بالسواد (كما في التعليق مع الجواب عنه) اور حضرت علیؓ یا کسی اور صحابی کا مؤطأ یا تعلیق میں نام بھی نہیں۔

(۳) امام محمدؒ کا خضاب بالوسمہ کو جائز کہنا (كما في المؤطأ) لیکن اس سے خضاب بالسواد کے جواز پر دلالت نہیں ہوسکتی؛ کیونکہ مطلق وسمہ سے سواد کا ہونا لازم نہیں؛ بلکہ اس کی بعض خاص ترکیبوں سے سواد ہوتا ہے (كما في التعليق) سو اس پر کوئی دلیل قائم نہیں۔

(۴) خضاب بالسواد کی حرمت کی حدیثیں ابوداؤد اور نسائی اور ابن حبان اور حاکم اور طبرانی اور احمد سے مع تصحیح الحاکم (كما في التعليق)۔

(۵) ابن الجوزی کا بعض احادیث کو ضعیف کہنا حضرت سعد وحسینؓ کے فعل سے۔

(۶) صاحب تعلیق کا جواب احتمالِ عدمِ بلوغِ حدیث سے۔

(۷) بعض حالات میں جواز سواد کا حدیث ابن ماجہ سے۔

(۸) صاحبِ تعلیق کا جواب اس حدیث کے رواۃ کے ضعف سے۔

(۹) ابن حجر کا خضاب بالسواد کا کبائر سے شمار کرنا۔

(۱۰) بعض فقہاء کا جہاد میں اس کو جائز کہنا۔

مجموعہ امور عشرہ میں غور کرنے سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ قوت وترجیح جانب منع کو ہے، اور قائلین بالجواز

---

(۱) الموطأ للإمام محمد مع التعليق الممجد على هامش الموطأ للعلامة اللكنوي، أبواب السير، باب الخضاب، مكتبه نبراس ديوبند ص: ۳۹۲، اتحاد ديوبند ص: ۸۰۶-۸۰۷۔

کی کوئی دلیل قوی نہیں، ان کے ادلّہ سب مخدوش ہیں، راویۃً بھی اور درایۃً بھی، جن میں سے بعض کا ذکر ہو چکا ہے، بعض کا اب ذکر کیا جاتا ہے۔ في الطرائف والظرائف لهٰذا الاحقر:

فائدة: فقهية في تحقيق خضاب الأسود استدل المجوزون بفعل الحسين بن عليؓ الذي رواه البخاري في مناقب الحسن والحسين عن أنس بن مالك قال أتى عبيدالله بن زياد برأس الحسين عليه السلام، فجعل في طست فجعل ينكت، وقال في حسنه شيئًا، فقال أنس: كان أشبههم برسول الله صلى الله عليه وسلم، وكان الحسين مخضوباً بالوسمة. اه (۱)۔ والجواب عند المانعين بما في الحاشية، وهذه عبارتها ظاهره وإن كان معارضًا لقوله عليه السلام: جنبوه السواد (كما في سنن أبى داؤد، باب الخضاب بلفظ: واجتنبوا السواد في قصة إتيان أبى قحافة يوم فتح مكة) لكن المعنىٰ كان مخضوباً بالوسمة الخالصة، والخضب بها وحدها لا يسود الشعر فاندفع التعارض بينهما؛ لأن المنهي عنه هو السواد البحت أو كون السواد غالبًا علىٰ الحناء لا بالعكس، ومنشأ الشريعة بنهيه أن لا يلتبس الشيب بالشباب، والشيخ بالشاب علا أن الحسين كان غازيا شهيدا، فالخضاب بالسواد جائز في الجهاد. ۱۲ ج ۱ ص ۵۳۰ (۲)۔ ثم أراني حبى المولوى محمد إسحاق الحديث في البخاري هكذا حدثني أنس بن مالك، قال: قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة، فكان أسن أصحابه أبوبكر فغلفها بالحناء والكتم حتىٰ قنأ (يعنى أحمر) لونها. ص ۵۵۸، باب هجرة النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه إلى المدينة. اھ(۳)۔

اس عبارت سے امور ذیل مستفاد ہوئے:

---

(۱) بخاري شريف، كتاب فضائل الصحابة، باب مناقب الحسن والحسين رضي الله عنهما، النسخة الهندية ۱/ ۵۳۰، رقم: ۳۶۱۱، ف: ۳۷۴۸۔

(۲) حاشية بخاري، كتاب فضائل الصحابة، النسخة الهندية ۱/ ۵۳۰۔

(۳) بخاري شريف، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه إلى المدينة، النسخة الهندية ۱/ ۵۵۷، رقم: ۳۷۸۰، ف: ۳۹۲۰۔

(۱۱) بسلسلہ نمبر ہائے سابقہ بخاری میں امام حسینؓ کا مخضوب بالسواد ہونا مصرح نہیں، پس جس روایت میں سواد وارد ہے جیسا نمبر:۲ میں گذرا وہ ماوّل ہے مشابہت سواد سے (**ذكره عن اللمعات في حاشية أبی داؤد باب الخضاب ص ۲۲۶، ج ۲**)

(۱۲) حضرت ابوبکرؓ کا حنا وکتم سے خضاب کرنا اور باوجود اس کے رنگ کا سُرخ آنا جس سے نمبر:۳ کی تائید ہوتی ہے، کہ وسمہ کا استعمال مطلقاً مستلزم سواد نہیں ہے، خلاصہ یہ کہ حرمت کی ادلّہ قوی ہیں، اور جواز کی کوئی دلیل قوی نہیں؛ اس لئے عامۂ علماء کا فتوی اس کی حرمت پر ہے۔

۲۵ر شوال ۱۳۴۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۵۹۷)

حکم خضاب

سوال (۲۵۸۷): قدیم ۴/ ۲۱۸- کیا فرماتے ہیں علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ مردوں کو سر میں اور داڑھی میں سیاہ خضاب لگانا ازروئے شرع شریف جائز ہے یا کہ مکروہ یا حرام؟

الجواب: حرام، کیونکہ اس پر کلیًا وجزئیًا وعید آئی ہے۔

كما روي مسلم عن جابرؓ قال: أتى النبي صلى الله عليه وسلم بأبي قحافة يوم فتح مكة ورأسه ولحيته كالثغامة بياضا، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: غيروا هٰذا بشيء، و اجتنبوا السواد (۱)۔ والأمر للوجوب وترك الواجب يوجب الوعيد. وروى أبو داؤد، والنسائي عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: يكون قوم في آخر الزمان يخضبون بهذا السواد كحواصل الحمام لا يريحون رائحة الجنة (۲)۔ كذا في المشكوٰة، باب الترجل (۳)۔

۱۸ر جمادی الثانی ۴۹ھ (النور، ذیقعدہ ۴۹ھ ص ۵۹)

---

(۱) مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب استحباب خضاب الشيب بصفرة أو حمرة وتحريمه بالسواد، النسخة الهندية ۲/ ۱۹۹، بيت الأفكار رقم: ۲۱۰۲۔

(۲) نسائي شريف، كتاب الزينة من السنن، النهي عن الخضاب بالسواد، النسخة الهندية ۲/ ۲۳۶، دارالسلام رقم: ۵۰۷۸۔

أبوداؤد شريف، قبيل كتاب الخاتم، باب ماجاء في خضاب السواد، النسخة الهندية ۲/ ۵۷۸، دارالسلام رقم: ۴۲۱۲۔

(۳) مشكوة شريف، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الثاني، مكتبه أشرفيه ۲/ ۳۸۲۔ ←

رسالہ ''قول السداد في الخضاب بالسواد''

حکم خضاب

سوال (۲۵۸۸): قدیم ۴/۲۱۸ - ''اصلاح الرسوم'' باب اول فصل پنجم میں سیاہ خضاب کے متعلق جو بلیغ تحقیق ارقام فرمائی گئی ہے اس کے آخر میں یہ جملہ ہے: ''اگر کسی کو زیادہ تحقیق ہو حسبۃً لِلّٰہ وہ اس رسالہ کے حاشیہ میں ثبت فرمادیں'' چنانچہ اس جملہ کے حاشیہ میں لکھا ہے ''زاد المعاد میں تحریر ہے کہ خلفائے راشدین اور اجلّہ صحابہؓ نے خضاب سیاہ کیا ہے' یہی جواز کی دلیل کافی ہے'' (عبدہ) (اصلاح الرسوم مطبوعہ رزاقی کانپور ۱۳۴۸ھ)

← **نوٹ:** حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ کی ذکر کردہ دونوں روایتیں ایسی ہیں جن سے بادی النظر میں کراہت تحریمی کا حکم ثابت ہوتا ہے، جب کہ جواز کی روایات کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے، اس لئے ان دونوں روایتوں میں غور کرنے کی ضرورت ہے، چنانچہ پہلی روایت میں امر کا صیغہ ہے اور امر کا صیغہ وجوب کے لئے ہوتا ہے اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو جملے امر کے صیغہ کے ساتھ ارشاد فرماتے ہیں: (۱) پہلے جملے میں حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کے بالوں کو خضاب لگا کر بدلنے کا حکم فرمایا (۲) دوسرے جملے میں سیاہ خضاب سے اجتناب کا حکم فرمایا۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ اگر سیاہ خضاب سے اجتناب واجب ہے تو اس کا لگانا حرام یا مکروہ تحریمی ہے تو پہلا جملہ جس میں سفید بالوں کو خضاب کے ذریعہ بدلنے کا حکم ہے وہ بھی وجوب پر محمول ہو جائے گا، تو ایسی صورت میں سفید بال اور سفید داڑھی والوں پر خضاب لگانا واجب ہو جائے گا؛ حالانکہ سفید بال اور سفید داڑھی والوں پر خضاب لگا کر بال کو بدلنے کے وجوب کا کوئی بھی قائل نہیں ہے؛ اس لئے امر کے دونوں صیغے ترغیب پر محمول ہوں گے، وجوب یا تحریم پر نہیں ہو سکتے۔

دوسری حدیث شریف میں ایسی قوم کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جن کو جنت کی بو بھی حاصل نہ ہوگی، اس قوم کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہچان بیان فرمائی ہے کہ (۱) وہ قوم سیاہ خضاب لگائے گی (۲) اس قوم کی جسمانی کیفیت کبوتروں کے پوٹے کی طرح ہوگی، خضاب لگانے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قوم کی پہچان قرار دی ہے، وعید کی علت قرار نہیں دی ہے اور جن بزرگوں نے اس کو وعید کی علت قرار دی ہے ان کی بات میری ناقص فہم سے بالاتر ہے، ورنہ حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت جریر بن عبداللہ بجلی، حضرت عقبہ بن عامر اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم اجمعین پر۔ العیاذ باللہ۔ مکروہ تحریمی کا ارتکاب اور فسق کا الزام عائد ہو سکتا ہے، جو قطعاً درست نہیں ہے۔

سوال یہ ہے کہ آیا ''زاد المعاد'' میں یہ روایت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ''اصلاح الرسوم'' کی تحقیق کے مقابلہ میں اُس کا کیا درجہ ہے؟ اور باوجود صحت روایت کے خلفائے راشدین اور اجلّہ صحابہؓ کا سیاہ خضاب استعمال کرنا ترہیب وتخویف اعدائے دین کے لئے تھا یا محض زینت وجوانی کے اظہار کے لئے، یعنی اوقاتِ جہاد کے علاوہ اور اوقات میں استعمال کرنا بھی ثابت ہے یا نہیں؟ نیز سیاہ خضاب اگر شرعاً ناجائز ہے تب بھی اس کی تجارت کیسی ہے؟

الجواب: چونکہ محشی پہچانے نہیں گئے؛ اس لئے زاد المعاد کی طرف مراجعت کی، چنانچہ حاشیہ کی چند کوتاہیاں ثابت ہوئیں۔ زاد المعاد کی ضروری عبارت یہ ہے:

فإن قيل: فقد ثبت في صحيح مسلم النهي عن الخضاب بالسواد فی شأن أبي قحافة لما أتى به ورأسه ولحيته كالثغامة بياضًا، فقال: غيروا هذا الشيب وجنبوه السواد والكتم يسود الشعر، فالجواب من وجهين أحدهما أن النهى عن التسويد البحت، فأما إذا أضيف إلى الحناء شيء آخر كالكتم ونحوه، فلا بأس به، فإن الكتم والحناء يجعل الشعر بين الأحمر والأسود بخلاف الوسمة، فإنها تجعله أسود فاحما، وهذا أصح الجوابين. الجواب الثاني: أن الخضاب بالسوادالمنهي عنه خضاب التدليس كخضاب شعرالجارية والمرأة الكبيرة تغر الزوج والسيد بذلک، وخضاب الشيخ يغر المرأة بذلک، فإنه من الغش والخداع، فأما إذا لم يتضمن تدليسًا ولا خداعًا فقد صح عن الحسن والحسين رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما أنهما كانا يخضبان بالسواد، وذكر ذٰلک ابن جرير عنهما في كتاب ''تهذيب الآثار'' وذكره عن عثمان بن عفان، وعبداللّٰه بن جعفر، وسعد بن أبی وقاص، وعقبة بن عامر، والمغيرة بن شعبة، وجرير بن عبداللّٰه، وعمرو بن العاص رضی اللّٰه عنهم أجمعين. وحكاه عن جماعة من التابعين منهم عمرو بن عثمان، وعلي بن عبداللّٰه بن عباس، وأبو سلمة بن عبدالرحمٰن وعبدالرحمن بن الأسود، وموسیٰ بن طلحة، والزهری، وأيوب واسمٰعيل بن معديكرب رضی اللّٰه عنهم أجمعين. وحكاه ابن الجوزي عن محارب بن دثار، ويزيد وابن جريج، وأبی يوسف وأبي اسحاق وابن أبی ليلی، وزياد بن علاقة، وغيلان بن

جامع ونافع بن جبير، وعمرو بن علي المقدمي، و القاسم بن سلام رضى الله عنهم أجمعين. (جلد ثاني فصل أدوية وأغذية، بيان كتم بحث خضاب أسود (۱)۔

وہ کوتاہیاں حاشیہ کی یہ ہیں:

اوّل: اس عبارت میں خلفائے راشدین میں سے صرف حضرت عثمان کا نام ہے۔

دوم: ہیئت نقل موہم ہے، کہ اس میں اختلاف نہیں، حالانکہ اختلاف مصرح ہے۔

سوم: اس قول کے مرجوح ہونے کو نقل نہیں کیا، حالانکہ مصنفؒ نے اس کی تصریح کی ہے، کہ اس کے مقابل قول کو اصح کہا ہے، پس یہ حاشیہ ایسا ہی دھوکہ کا ہے جیسے سیاہ خضاب۔

یہ تو حاشیہ کے متعلق تھا، اب نفس مسئلہ کے متعلق عرض ہے کہ احادیث نہی قولی ہیں اور روایاتِ اباحت فعلی ہیں، اور قولی راجح ہوتی ہے فعلی پر، پھر احادیث قولیہ مرفوع ہیں اور احادیث فعلیہ موقوف یا اس سے بھی ادنیٰ، پھر احادیث نہی سنداً قوی ہیں اور روایات اباحت قوت میں اُن سے کم، پھر نہی میں لفظ سواد حقیقت کے لئے متعین ہے اور اباحت میں محتمل مجاز کو؛ کیونکہ ادنیٰ سواد کو بھی سواد سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، چنانچہ صحیح بخاری مناقب حسن وحسینؓ کے باب میں: **كان مخضوبًا بالوسمة** (۲) آیا ہے، اور اس کی کوئی دلیل نہیں کہ وسمہ خالصہ تھا اور وسمہ مخلوط بالحناء وغیرہ کے لئے سواد لازم نہیں؛ بلکہ اختلاف ترکیب وتقدیم وتاخیر سے مختلف الوان پیدا ہو سکتے ہیں، پس سواد محض کا دعویٰ بے دلیل ہے، اور اگر کسی نے سواد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اس کا یہی محمل ہوگا، پھر خود بخاری جلد اول **باب هجرة النبي صلى الله عليه**

---

(۱) زاد المعاد فی هدي خير العباد صلى الله عليه وسلم لابن القيم الجوزي، فصل الطب النبوي، فصل أنواع علاجه صلى الله عليه وسلم، القسم الثاني والثالث الخ، فصل في ذكر شيء من الأدوية والأغذية المفردة التي جاءت على لسانه صلى الله عليه وسلم مرتبة على حروف المعجم، بيان كتم، مؤسسة الرسالة بيروت ۴/ ۳۳۷-۳۳۸۔

(۲) **عن أنس بن مالك رضي الله عنه أتي عبيد الله بن زياد برأس الحسين عليه السلام فجعل في طست فجعل ينكت، وقال في حسنه شيئا، فقال أنس: كان أشبههم برسول الله صلى الله عليه وسلم وكان مخضوبا بالوسمة.** (بخاري شريف، كتاب فضائل الصحابة، باب مناقب الحسن والحسين رضي الله عنهما، النسخة الهندية ۱/ ۵۳۰، رقم: ۳۶۱۱، ف: ۳۷۴۸)

وسلم وأصحابه إلى المدينة کی ایک حدیث میں حناء و کتم سے جو اکثر روایات میں وارد ہے سُرخ رنگ پیدا ہونا مصّرح ہے، وہ حدیث یہ ہے:

قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة، فكان أسن أصحابه أبوبكر فغلفها بالحناء والكتم حتى قنأ لونها. (أى أحمرّ (۱)۔

پس اِن وجوہ سے روایاتِ اباحت معارض نہیں ہوسکتیں، احادیث نہی کی، اور بعد تسلیم تعارض محرم کو ترجیح ہوتی ہے مبیح پر، پس قول راجح پر روایۃً ودرایۃً سواد خالص میں بجز مستثنیٰ صورتوں کے اصلاً گنجائش نہیں۔ واللہ اعلم

یہ تو سیاہ خضاب استعمال کرنے کے متعلق تحقیق تھی؛ لیکن تجارت اس کی اس لئے جائز ہے کہ بعض صورتیں نہی سے مستثنیٰ بھی ہیں، مشتری اُن صورتوں میں استعمال کرسکتا ہے (۲) لیکن پھر بھی یہ تجارت خلاف اولیٰ ہے۔ **تمت رساله قول السداد.** (النور، ربیع الاول ۱۳۵۶ھ ص ۱۰)

---

(۱) عن أنس خادم النبي صلى الله عليه وسلم قال: قدم النبي صلى الله عليه وسلم وليس في أصحابه أشمط غير أبي بكر فغلفها بالحناء والكتم، وقال دحيم: حدثنا الوليد حدثنا الأوزاعي، حدثني أبو عبيد عن عقبة بن وساج، حدثني أنس بن مالكؓ قال: قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة فكان أسن أصحابه أبوبكر فغلفها بالحناء والكتم حتى قنأ لونها. (بخاري شريف، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه إلى المدينة، النسخة الهندية ۱/ ۵۵۷، رقم: ۳۷۸۰، ف: ۳۹۲۰)

(۲) اتفق المشايخ أن الخضاب في حق الرجال بالحمرة سنة، وأنه من سيماء المسلمين وعلاماتهم، وأما الخضاب بالسواد فمن فعل ذلك من الغزاة ليكون أهيب في عين العدو فهو محمود منه اتفق عليه المشايخ، ومن فعل ذٰلك ليزين نفسه للنساء أو ليحبب نفسه إليهن فذٰلك مكروه عليه عامة المشايخ، وبعضهم جوزوا ذلك من غير كراهة، وروي عن أبي يوسفؒ أنه قال: كما يعجبني أن تتزين لي يعجبها أن أتزين لها، كذا في الذخيرة. (هندية، كتاب الكراهية، الباب العشرون في الزينة واتخاذ الخادم للخدمة، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۵۹، جديد زكريا ديوبند ۵/ ٤١٤)

قال في الذخيرة: أما الخضاب بالسواد للغزو ليكون أهيب في عين العدو فهو ←

داڑھی اور مونچھوں کے کاٹنے اور منڈوانے کے احکام

سوال (۲۵۸۹): قدیم ۴/۲۲۰- ڈاڑھی کا قصر کس قدر جائز ہے؟

الجواب: مٹھی سے زیادہ ڈاڑھی کتروانا جائز ہے۔ **والقص سنة فيها، وهو أن يقبض الرجل لحيته، فإن زاد منها على قبضته قطعه، كذا ذكر محمدؒ. عالمگیری جلد ۴ ص ۲۳۹ (۱)۔ والله أعلم فقط** (امداد، ج۲ص۱۲۵)

← **محمود بالاتفاق، وإن ليزين نفسه للنساء فمكروه وعليه عامة المشايخ، وبعضهم جوزوه بلا كراهة، روي عن أبی يوسفؒ أنه قال: كما يعجبني أن تتزين لي يعجبها أن أتزين لها.** (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۶۰۵، كراچی ۶/ ۴۲۲)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل الحادي والعشرون: في الزينة، مكتبه زكريا ديوبند ۱۸/ ۲۱۴، رقم: ۲۸۵۵۵۔

پس اگر مشتری اس کو خرید کر مستثنیٰ صورتوں کے علاوہ ناجائز صورتوں میں استعمال کرے گا تو یہ فاعل مختار کا فعل ہوگا، جس کا گناہ خود مشتری کو ہوگا نہ کہ بائع کو اس کے سبب بننے کی وجہ سے۔

وله أن المعصية في شربها وهو فعل فاعل مختار، وليس الشرب من ضرورات الحمل ولا يقصد به الخ. (هداية، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه اشرفيه ديوبند ۴/ ۴۷۳)

وإنما المعصية بفعل المستأجر وهو فعل فاعل مختار كشربه الخمر وبيعها. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۹/ ۲۱۳)

شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۶۲، كراچی ۶/ ۳۹۲۔

(۱) هندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر: في الختان والخصاء الخ، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۵۸، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۴۱۴۔

عن ابن عمر رضى الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: خالفوا المشركين، وفروا اللحى واحفوا الشوارب، وكان ابن عمر إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته فما فضل أخذه. (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، النسخة الهندية ۲/ ۸۷۵، رقم: ۵۶۶۳، ف: ۵۸۹۲) ←

ایضاً

سوال (۲۵۹۰): قدیم ۴/ ۲۲۰- مسلمانوں کوڈاڑھی کتروانا مونڈوانا، اورمونچھیں بڑھانا شرع شریف میں حلال ہے یاحرام یامکروہ؟ مع دلیل شرع کے بیان فرمائیے۔ بینوا توجروا۔ فقط

الجواب: فلما روى عن ابن عمرؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم: خالفوا المشركين وفروا اللحى وأحفوا الشوارب. وفي رواية: انهكوا الشوارب وأعفوا اللحىٰ. متفق عليه (۱)۔

← عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأخذ من لحيته من طولها وعرضها. (ترمذي شريف، أبواب الأدب، باب ماجاء في الأخذ من اللحية، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۵، دارالسلام رقم: ۲۷۶۲)

أخرج ابن أبي شيبة عن أبي زرعة قال: كان أبوهريرة رضي الله عنه يقبض على لحيته ثم يأخذ ما فضل عن القبضة.

وأخرج أيضا عن أشعث عن الحسن قال: كانوا يرخصون فيما زاد على القبضة من اللحية أن يؤخذ منها.

وأخرج أيضا عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه كان يأخذ ما فوق القبضة، وقال وكيع: ما جاز القبضة. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الأدب، ما قالوا في الأخذ من اللحية، مؤسسة علوم القرآن ۱۳/ ۱۱۲-۱۱۳، رقم: ۲۵۹۹۲-۲۵۹۹٤-۲۵۹۹۹)

عن ابن عمر أنه كان يقبض على لحيته، ثم يفض ما تحت القبضة، قال محمدؒ: وبه نأخذ وهو قول أبي حنيفة. (كتاب الآثار ۱/ ۱۹۸)

(۱) بخاري شريف، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، النسخة الهندية ۲/ ۸۷۵، رقم: ۵٦٦۳-۵٦٦٤، ف: ۵۸۹۲-۵۸۹٦۔

مسلم شريف، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۹، بيت الأفكار رقم: ۲۵۹۔

عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أحفوا الشوارب وأعفوا اللحى. (ترمذي شريف، أبواب الأدب، باب ماجاء في إعفاء اللحية، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۵، دارالسلام رقم: ۲۷٦۳۔ ←

البتہ مقدار قبضہ یعنی ایک مٹھی سے اگر ڈاڑھی زائد ہو جائے اس وقت کتروانا درست ہے، چنانچہ عالمگیری میں تصریح کی گئی ہے(۱)۔

۲۱؍ شعبان روز چہار شنبہ ۱۳۰۳ھ (امداد ج۲، ص۱۲۶)

← أبوداؤد شريف، كتاب الطهارة، باب السواك من الفطرة، النسخة الهندية ۱/ ۸، دارالسلام رقم: ۵۳۔

ابن ماجه شريف، كتاب الطهارة، باب الفطرة، النسخة الهندية ۱/ ۲۵، دارالسلام رقم: ۲۹۳۔

(۱) **والقصر سنة فيها، وهو أن يقبض الرجل لحيته، فإن زاد منها على قبضته قطعه، كذا ذكر محمدؒ.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر: في الختان والخصاء الخ، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۵۸، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۴۱۴)

عن ابن عمر رضى الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: خالفوا المشركين، وفروا اللحى واحفوا الشوارب، وكان ابن عمر إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته فما فضل أخذه. (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، النسخة الهندية ۲/ ۸۷۵، رقم: ۵۶۶۳، ف: ۵۸۹۲)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأخذ من لحيته من عرضها وطولها. (ترمذي شريف، أبواب الأدب، باب ماجاء في الأخذ من اللحية، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۵، دارالسلام رقم: ۲۷۶۲)

عن ابن عمر أنه كان يقبض على لحيته، ثم يقص ما تحت القبضة، قال محمدؒ: وبه نأخذ وهو قول أبي حنيفة. (كتاب الآثار ۱/ ۱۹۸)

أخرج ابن أبي شيبة عن أبي زرعة قال: كان أبوهريرة رضي الله عنه يقبض على لحيته ثم يأخذ ما فضل عن القبضة.

وأخرج أيضا عن أشعث عن الحسن قال: كانوا يرخصون فيما زاد على القبضة من اللحية أن يؤخذ منها. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الأدب، ما قالوا في الأخذ من اللحية، مؤسسة علوم القرآن ۱۳/ ۱۱۲، رقم: ۲۵۹۹۲-۲۵۹۹۴)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ایضاً

سوال (۲۵۹۱): قدیم ۲۲۰/۴- کان اور پپڑی کے درمیان جو بال سر سے شروع ہو کر داڑھی میں آتے ہیں، اُس میں سر کی حد کہاں تک ہے اور داڑھی کہاں سے شروع ہوتی ہے؟ تا کہ سر مُنڈاتے ہوئے وہاں تک مُنڈوایا جاوے، آیا کان کی پاپڑی تک یا وسط کان تک یا بالائی حصہ کان تک؟

الجواب: (۱) فی رسالہ ''ہدایت النور'' وصلعہ در حد سر داخل است و فیہا وصلعہ حد آں از جانب یمین و یسار تا استخوان صدغ ست اما صدغتان داخل سر ست کذا فی خزانۃ الروایات وصدغ موضعیست ما بین چشم و گوش بالائے استخوان بلند رخسار کہ قریب گوش باشد و فیہا لحی عبارت است از استخوان بلند میان صدغ و رخسار اھ۔ ان عبارات کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کنپٹی کے نیچے جو ہڈی اُبھری ہوئی ہے یہاں سے داڑھی شروع ہے اور اس سے اوپر سر، پس سر کی حد تک منڈانا درست ہے، اور داڑھی کی حد سے درست نہیں (۲)۔ ۱۶ر شوال ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۹۰)

---

(۱) **خلاصۂ ترجمہ**: رسالہ ہدایت النور میں ہے کہ سر کی کھال بھی سر کی حد میں شمار کی جائے گی، اور اس رسالہ میں یہ بھی ہے کہ سر کی کھال دائیں بائیں دونوں طرف سے کان کی ہڈی تک ہے اور دونوں کنپٹیاں سر میں داخل ہیں، جیسا کہ خزانۃ الروایات میں مذکور ہے اور کنپٹی آنکھ اور کان کے درمیان کی وہ جگہ ہے جو کان کے قریب رخسار کی ابھری ہوئی ہڈی کے اوپر ہے، نیز اسی میں یہ بھی ہے کہ لحی (داڑھی) کنپٹی اور رخسار کے درمیان کی ابھری ہوئی ہڈی کا نام ہے۔

(۲) العذاران كما في لسان العرب: جانبا اللحية، وكان الفقهاء أكثر تحديدا للعذار من أهل اللغة، فقد فسره ابن حجر الهيثمي من الشافعية وابن قدامة والبهوتي من الحنابلة بأنه الشعر النابت على العظم الناتي المحاذي لصماخ الأذن -أي خرقها- يتصل من الأعلى بالصدغ، ومن الأسفل بالعارض، وقال القليوبي: الذي تصرح به عباراتهم أنه إذا جعل خيط مستقيم على أعلى الأذن وأعلى الجبهة فما تحت ذلک الخيط من الملاصق للأذن، المحاذي للعارض هو العذار، وما فوقه هو الصدغ، ويقول ابن عابدين: هو القدر المحاذي للأذن، ويصرح ابن عابدين بأن العذار جزء من اللحية وعليه فتنطبق عليه أحكامها، وقال البهوتي: لا يدخل منتهى العذار -أي أعلاه الذى فوق العظم الناتيء- لأنه ←

ایضاً

سوال (۲۵۹۲): قدیم ۴/۲۲۱- مسلمانوں کوداڑھی مُنڈ وانا اور مونچھوں کا بڑھانا کیسا ہے؟

الجواب: ایک تو داڑھی کا مُنڈ وانا یا کٹانا معصیت ہے ہی (۱) مگر اوپر سے اصرار کرنا اور مانعین

← **شعر متصل بشعر الرأس لم يخرج عن حده أشبه الصدغ، والصدغ من الرأس وليس من الوجه الخ.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٥/ ٢٢٢)

قوله: (جميع اللحية) بكسر اللام وفتحها نهر. وظاهر كلامهم أن المراد بها الشعر النابت على الخدين من عذار وعارض والذقن، وفي شرح الإرشاد: اللحية الشعر النابت بمجتمع الخدين والعارض ما بينهما وبين العذار وهو القدر المحاذي للأذن يتصل من الأعلى بالصدغ، ومن الأسفل بالعارض. بحر. (شامي، كتاب الطهارة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٢١٥، كراچی ١/ ١٠٠)

البحرالرائق، كتاب الطهارة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٣٤، كوئٹه ١/ ١٦۔

(١) عن ابن عمر رضى الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: خالفوا المشركين، وفّروا اللحى وأحفوا الشوارب. (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، النسخة الهندية ٢/ ٨٧٥، رقم: ٥٦٦٣، ف: ٥٨٩٢)

عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أحفوا الشوارب وأعفوا اللحى. (ترمذي شريف، أبواب الأدب، باب ماجاء في إعفاء اللحية، النسخة الهندية ٢/ ١٠٥، دارالسلام رقم: ٢٧٦٣۔

مسلم شريف، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، النسخة الهندية ١/ ١٢٩، بيت الأفكار رقم: ٢٥٩۔

يحرم على الرجل قطع لحيته. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٨٣، كراچی ٦/ ٤٠٧)

وأما الأخذ منها -أي اللحية- وهي دون ذلك -أي دون القبضة- كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد، وأخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الأعاجم. (الدرالمختار مع الشامي، الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب في الأخذ من اللحية، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٣٩٨، كراچی ٢/ ٤١٨)

سے معارضہ کرنا یہ اس سے زیادہ سخت معصیت ہے۔ اور معارضہ میں یہ کہنا کہ قرآن مجید اور احادیث میں اس کی حرمت یا مذمّت کہیں نہیں آئی، یہ تلبیس محض ہے، کئی وجہ سے:

اوّل: تو اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کی تصریح قرآن وحدیث میں نہ ہو وہ اس کے نزدیک حکم شرعی نہیں ہے، سو خود یہی دعویٰ باطل ہے اور مبنی ہے اصول شرعیہ نہ جاننے پر، اپنے مقام پر بدلائل یہ طے ہو چکا ہے کہ اصولِ شرعیہ چار ہیں۔ قرآن وحدیث واجماع وقیاس (۱)۔ ان چاروں میں سے کسی ایک سے بھی جو حکم ثابت ہو وہ شرعی حکم ہے، اس کا رد جائز نہیں ہے۔

دوسری وجہ: یہ کہ خود قرآن وحدیث میں اس کا ذکر بھی ہے، چنانچہ عنقریب واضح ہوتا ہے۔

تیسری وجہ: یہ ہے کہ اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کی نسبت صاف مادّہ حرمت یا جس پر کوئی خاص وعید نہ آئی ہو وہ معصیت نہیں ہوتی، اور اس میں وعید نہیں ہے، تو یہ دونوں مقدمے غلط ہیں، اول مقدمہ اس لئے کہ بہت سے امور محرمہ میں ایسے الفاظ وارد نہیں اور وہ بالاتفاق معصیت ہیں، مثلاً خاص مسجد کے اندر پائخانہ پھرنے پر بالخصوص کہیں کوئی مذمت یا لفظ حرمت نہیں آیا؛ حالانکہ کوئی اس کی حلّت کا قائل نہیں، اور نہ ہوسکتا ہے، اگر کہا جائے کہ ان کی تطییب واحترام کا امر اس حرمت کو مستلزم ہے، تو اسی طرح یہاں بھی اعفاء لحیہ اور احفاء شوارب کا امر اس کے خلاف کی حرمت کو مستلزم ہے، اور راز اس میں یہ ہے کہ اصل امر میں وجوب ہے، اور کسی فعل کا وجوب اس کی ضد کی حرمت کو مستلزم ہوتا ہے، یہ مسئلہ اصولیہ ہے، اور عقل بھی صاف اس کی شہادت دیتی ہے، اور دوسرا مقدمہ اس لئے کہ اس کی مذمت نصوص میں وارد بھی ہے:

---

(۱) **والحاصل أن أدلة الشرع أربعة: الكتاب، والسنة، والإجماع، والقياس، ويسمى الإجماع والقياس فريضة عادلة.** (مرقاة المفاتيح، كتاب العلم، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ۱/ ۲۹۸)

اعلم أن أصول الشرع ثلاثة: الكتاب، والسنة، وإجماع الأمة، والأصل الرابع القياس: أي الأصل الرابع بعد الثلاثة للأحكام الشرعية هو القياس المستنبط من هذه الأصول الثلاثة. (نور الأنوار، بحث أدلة الشرع وأصوله، مكتبه نعمانيه ديوبند ص: ٤-٥)

قال اللّٰہ تعالیٰ: وان یدعون الا شیطانا مریدا لعنه اللّٰه وقال لا تخذن من عبادک نصیبًا مفروضًا ولاضلنهم ولامنينهم ولاٰمرنهم فليبتكن اٰذان الانعام ولاٰمرنهم فليغيرن خلق اللّٰه ومن يتخذا الشيطٰن وليا من دون اللّٰه فقد خسر خسرانا مبينا. يعدهم ويمنيهم وما يعدهم الشيطن الا غرورا أولٰئک مأوٰهم جهنم ولا يجدون عنها محيصًا (۱)۔

وقال رسول اللّٰه ﷺ: لعن اللّٰه النامصات والمتنمصات والواشمات والمستوشمات، والمتفلجات للحسن المغيرات لخلق اللّٰه (۲)۔

حدیث میں جن افعال کو تغیر خلق اللہ موجب لعن فرمایا ہے، داڑھی منڈوانا یا کٹانا بالمشاہدہ اس سے زیادہ تغیّر کا اتباع شیطان ہونا اور اتباع شیطان کا موجب لعنت وموجب خسران وموجب وقوع فی الغرور، موجب جہنم ہونا منصوص ہے۔ اب مذمت شنیعہ شدیدہ میں کیا شک رہا۔ اور یہ قول کہ باطن درست رکھنا چاہئے، ظاہر کی درستی کی چنداں ضرورت نہیں، اس کے جہل ہونے کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اگر کوئی باغی سلطان سے کہے کہ میں دل سے آپ کا مطیع وفرمانبردار ہوں، اور ظاہر کی درستی کی چنداں ضرورت نہیں، یا کوئی شخص کسی مجلس میں بول وبراز میں کپڑوں کو آلودہ کر کے آبیٹھے، اور جب اس کو ملامت کریں، اور غسل اور تبدیل لباس کو ضروری قرار دیں، وہ یہی کہہ دے کہ میرا باطن بالکل پاک وصاف ہے، اور ظاہر کی درستی کی چنداں ضرورت نہیں، تو کیا بادشاہ یا اہل مجلس اس عذر کو قبول فرمالیں گے؟ اگر نہیں قبول کریں گے اور یقیناً نہیں قبول کریں گے تو اہل شرع اس عذر کو کیونکر قبول کرلیں؟

---

(۱) سورة النساء، رقم الآية: ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱۔

(۲) مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة الخ، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۴، بيت الأفكار رقم: ۲۱۲۵۔

بخاري شريف، كتاب اللباس، باب المستوشمة، النسخة الهندية ۲/ ۸۸۰، رقم: ۵۷۱۵، ف: ۵۹۴۸۔

ترمذي شريف، كتاب الأدب، باب ما جاء في الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۶، دارالسلام رقم: ۲۷۸۲۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اورحدیث: **خالفوا المشرکین الخ** (۱) کی نسبت بعض کا یہ کہنا اس زمانہ میں بہت سے مشرک داڑھی رکھاتے ہیں؛ اس لئے ہم ان کی مخالفت کے واسطے داڑھی مُنڈ واتے ہیں ٹھیک نہیں ہے؛ کیونکہ احکامِ شرعیہ کے ساتھ جو کبھی کوئی مصلحت مذکور ہوتی ہے وہ کبھی علّت ہوتی ہے، اور کبھی حکمت ہوتی ہے، علت کے ساتھ تو حکم وجوداً وعدماً دائر ہوتا ہے؛ لیکن حکمت کے ساتھ حکم دائر نہیں ہوتا، یعنی حکمت کے تبدّل سے حکم نہیں بدلتا (۲)۔ اور اس فرق کا سمجھنا یہ راسخین فی العلم کا خاصّہ ہے۔ پس **خالفوا المشرکین** کا مقرون فرمانا بطور حکمت کے ہے، بطور علّت کے نہیں ہے، حرمت کا مَدار تغیر یعنی صورت کا بگاڑنا ہے نہ مخالفت دلیل اس کی یہ ہے کہ بعض احادیث میں جو یہ حکم آیا ہے وہ اس سے مطلق ہے، جیسا کہ **من لم یأخذ من شاربه فلیس منا** (۳)۔ **ولعن النبي** ﷺ **المخنثین من الرجال** (۴) میں، اس کی مثال ایسی

---

(۱) **عن ابن عمر رضی الله عنهما عن النبي صلی الله علیه وسلم قال: خالفوا المشرکین، وفّروا اللحی وأحفوا الشوارب.** (بخاري شریف، کتاب اللباس، باب تقلیم الأظفار، النسخة الهندیة ۲/ ۸۷۵، رقم: ۵۶۶۳، ف: ۵۸۹۲)

(۲) **الحکم یدور مع العلة ولا یدور مع الحکمة.** (تبیین الحقائق، کتاب الکراهیة، فصل في الاستبراء وغیره، مکتبه زکریا دیوبند ۷/ ۴۹، إمدادیه ملتان ٦/ ۲۲)

الحکم یدور مع العلة لا مع الحکم. (النهرالفائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبه زکریا دیوبند ۱/ ۲۳۲)

الحکم یدور مع العلة وجودًا وعدمًا. (شامي، کتاب النکاح، فصل في المحرمات، مکتبه زکریا دیوبند ٤/ ۱۱۷، کراچی ۳/ ۳۹)

القاعدة المقررة أن الحکم یدور مع العلة وجودًا وعدمًا. (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۹/ ۳۸٦)

(۳) **عن زید بن أرقم أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: من لم یأخذ من شاربه فلیس منا.** (ترمذي شریف، کتاب الأدب، باب ما جاء في قص الشارب، النسخة الهندیة ۲/ ۱۰۵، دارالسلام رقم: ۲۷٦۱)

(۴) **عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: لعن النبي صلی الله علیه سولم المخنثین من الرجال والمترجلات من النساء، وقال: أخرجوهم من بیوتکم، قال: فأخرج النبي** ←

ہے کہ کوئی حاکم رعایا سے کہے کہ دیکھو قانون کو مانو فلاں قوم کی طرح شورش مت کرو، تو کیا اگر وہ قوم اتفاق سے شورش چھوڑ دے تو کیا اس حالت میں رعایا کو اس قوم کے ساتھ اس میں بھی مخالفت کرنا چاہئے، اس بناء پر کہ اوّل اُن کی مخالفت کا حکم ہوا تھا۔ ۱۷/شعبان ۱۳۳۰ھ (تتمہ خامسہ ص ۴۳)

ایضاً

سوال (۲۵۹۳): قدیم ۴/۲۲۳- میری ٹھوڑی پر داڑھی تھوڑی سی ہے اور دونوں کلّے صاف ہیں، دونوں کانوں کے سامنے چار چھ بال ہیں، قلم کٹا کر بالوں کو بھی کٹا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: نہیں (۱)۔ (تتمہ خامسہ ص ۲۳۴)

← **صلى الله عليه وسلم فلانا وأخرج عمرؓ فلانا.** (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب إخراج المتشبهين بالنساء من البيوت، النسخة الهندية ٢/ ٨٧٤، رقم: ٥٦٥٧، ف: ٥٨٨٦)

ترمذي شريف، كتاب الأدب، باب ماجاء في المتشبهات بالرجال من النساء، النسخة الهندية ٢/ ١٠٦، دارالسلام رقم: ٢٧٨٥۔

أبوداؤد شريف، كتاب الأدب، باب في الحكم في المخنثين، النسخة الهندية ٢/ ٦٧٤، دارالسلام رقم: ٤٩٣٥۔

(۱) اس لئے نہیں کٹا سکتے کہ وہ بال داڑھی کی جگہ ہے اور وہ داڑھی ہی ہوتی ہے اور داڑھی کا کٹوانا جائز نہیں ہے۔

عن ابن عمر رضى الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: خالفوا المشركين، وفّروا اللحى وأحفوا الشوارب. (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، النسخة الهندية ٢/ ٨٧٥، رقم: ٥٦٦٣، ف: ٥٨٩٢)

مسلم شريف، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، النسخة الهندية ١/ ١٢٩، بيت الأفكار رقم: ٢٥٩۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أحفوا الشوارب وأعفوا اللحى. (ترمذي شريف، أبواب الأدب، باب ماجاء في إعفاء اللحية، النسخة الهندية ٢/ ١٠٥، دارالسلام رقم: ٢٧٦٣۔

أبوداؤد شريف، كتاب الطهارة، باب السواك من الفطرة، النسخة الهندية ١/ ٨، دارالسلام رقم: ٥٣۔ ←

ایضاً

سوال (۲۵۹۴): قدیم ۴/ ۲۲۳- قلم کو بھی کٹانا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: داڑھی نکلنے کی عمر سے پہلے جو کانوں کے سامنے بال ہوتے ہیں وہ سر میں داخل ہیں اُن کا کٹانا مقراض سے جائز ہے، اور جو اس وقت نہیں ہوتے اُن کا کٹانا جائز نہیں (۱)۔

داڑھی مونچھوں اور چوٹی وغیرہ کے احکام

یہ عنوان صفحہ ۱۲۳ پر آچکا ہے (۲)۔

← **یحرم علی الرجل قطع لحیته.** (الدرالمختار مع الشامي، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع، مکتبه زکریا دیوبند ۹/ ۵۸۳، کراچی ٦/ ٤٠٧)

(۱) **وظاهر کلامهم أن المراد بها -اللحیة- الشعر النابت علی الخدین من عذار وعارض والذقن، وفي شرح الإرشاد: اللحیة الشعر النابت بمجتمع الخدین والعارض ما بینهما وبین العذار، وهو القدر المحاذي للأذن یتصل من الأعلی بالصدغ، ومن الأسفل بالعارض. بحر.** (شامي، کتاب الطهارة، مکتبه زکریا دیوبند ۱/ ۲۱۵، کراچی ۱/ ۱۰۰)

البحرالرائق، کتاب الطهارة، مکتبه زکریا دیوبند ۱/ ۳٤، کوئٹه ۱/ ۱٦۔

العذاران کما في لسان العرب: جانبا اللحیة، وکان الفقهاء أکثر تحدیدا للعذار من أهل اللغة، فقد فسره ابن حجر الهیثمي من الشافعیة وابن قدامة والبهوتي من الحنابلة بأنه الشعر النابت علی العظم الناتي المحاذي لصماخ الأذن -أي خرقها- یتصل من الأعلی بالصدغ، ومن الأسفل بالعارض، وقال القلیوبي: الذي تصرح به عباراتهم أنه إذا جعل خیط مستقیم علی أعلی الأذن وأعلی الجبهة فما تحت ذلک الخیط من الملاصق للأذن، المحاذي للعارض هو العذار، وما فوقه هو الصدغ، ویقول ابن عابدین: هو القدر المحاذي للأذن، ویصرح ابن عابدین بأن العذار جزء من اللحیة وعلیه فتنطبق علیه أحکامها، وقال البهوتي: لا یدخل منتهی العذار -أي أعلاه الذي فوق العظم الناتي- لأنه شعر متصل بشعر الرأس لم یخرج عن حده أشبه الصدغ، والصدغ من الرأس ولیس من الوجه الخ.

(الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۵/ ۲۲۲)

(۲) دیکھئے سوال نمبر: ۲۴۱۹ کا جواب۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

داڑھی کا حکم اور مقدار

سوال (۲۵۹۵): قدیم ۴/۲۲۳- داڑھی رکھنی کونسی سنت ہے، اُس کے تارک پر کیا حکم شرعاً جاری ہوگا، وہ جو کہتے ہیں کہ اگر ساری داڑھی صاف کرے کچھ گناہ نہیں، یہ کیا بات ہے، سیاسۃً اس پر کیا حکم دیا جاوے گا؟

الجواب: داڑھی رکھنا واجب اور قبضہ سے زائد کٹانا حرام ہے۔

لقوله عليه السلام: خالفوا المشركين ووفّروا اللّحى. متفق عليه (۱)۔ في الدرالمختار: يحرم على الرجل قطع لحيته (۲)۔

---

(۱) بخاري شريف، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، النسخة الهندية ۲/ ۸۷۵، رقم: ۵٦٦۳، ف: ۵۸۹۲۔

مسلم شريف، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۹، بيت الأفكار رقم: ۲۵۹۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أحفوا الشوارب وأعفوا اللحى. (ترمذي شريف، أبواب الأدب، باب ماجاء في إعفاء اللحية، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۵، دارالسلام رقم: ۲۷٦۳)

أبوداؤد شريف، كتاب الطهارة، باب السواك من الفطرة، النسخة الهندية ۱/ ۸، دارالسلام رقم: ۵۳۔

ابن ماجه شريف، كتاب الطهارة، باب الفطرة، النسخة الهندية ۱/ ۲۵، دارالسلام رقم: ۲۹۳۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۸۳، كراچی ٦/ ٤۰۷۔

الأخذ من اللحية وهو دون ذلك -أي دون القبضة- كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد، وأخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الأعاجم. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، فصل: فيما يكره للصائم وما لا يكره، دارالكتاب ديوبند ص: ٦۸۱)

الدرالمختار مع الشامي، الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب في الأخذ من اللحية، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۹۸، كراچی ۲/ ٤۱۸۔

وفیه: والسنة فيها القبضة. اه (۱)۔

اورکوئی سیاستِ خاص اس کے بارے میں منصوص نہیں دیکھی مگر مقتضٰی قواعد کا یہ ہے کہ تعزیر دیا جائے۔

في الهداية: فيمن وطیء أجنبية فيما دون الفرج يعزر؛ لأنه منكر ليس فيه شيء مقدر (۲)۔ أقول العلة مشتركة فالمعلول مثله. والله اعلم.

سر کا بعض حصّہ منڈانا

سوال (۲۵۹۶): قدیم ۴/۲۲۳- سر میں پٹھے رکھانا یا خط بنوانا شرع شریف میں حلال ہے یا حرام یا مکروہ؟ مع دلیل شرع کے بیان فرمائیے۔

الجواب: فلما روي عن ابن عمرؓ أن النبي ﷺ رأی صبيا قد حلق بعض رأسه وترک بعضه، فنهاهم عن ذٰلک، وقال احلقوا كله أو اتركوا كله. رواه مسلم (۳)۔

(امداد، ج۲ص۱۲۶)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۸۳، کراچی ۶/ ۴۰۷۔

عن ابن عمر رضی الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: خالفوا المشركين، وفروا اللحى وأحفوا الشوارب، وكان ابن عمر إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته فما فضل أخذه. (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، النسخة الهندية ۲/ ۸۷۵، رقم: ۵۶۶۳، ف: ۵۸۹۲)

والسنة قدر القبضة فما زاد قطعه. (البحرالرائق، كتاب الحج، باب الجنايات، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱۹، کوئٹہ ۳/ ۱۱)

(۲) هداية، كتاب الحدود، باب الوطئ الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه۔ (مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۵۱۶۔

قبضہ سے زائد سے مراد قبضہ سے کم کرانا ہے جو ناجائز ہے۔

(۳) مشكوة شريف، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۳۸۰۔ ←

پیشانی اور گُدّی اور سینہ کے بال صاف کرنا

سوال (۲۵۹۷): قدیم ۴/۲۲۳ - ناصیہ کے بال لینا اعنی حجامت بنانا اور گردن مونڈانا، اور سینہ کے بال کترانا یا مونڈانا، علےٰ ہذا ران وہاتھ کے کیسا ہے؟

الجواب: ناصیہ یعنی مقدم رأس کے بال لینا باقی چھوڑ نا قزع میں داخل ہے اور ممنوع (۱)۔ گردن

← **ترجمہ**: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچہ کو دیکھا کہ بعض سر حلق کیا ہوا ہے اور بعض حصہ چھوڑ دیا گیا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے لوگوں کو منع فرمایا اور کہا کہ پورا حلق کردو یا پورا چھوڑ دو (ورنہ قزع میں شمار ہوگا جو ممنوع ہے)

عن ابن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن القزع، قال: قلت لنافع: ما القزع؟ قال: يحلق بعض رأس الصبي ويترك بعض. (مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب كراهة القزع، النسخة الهندية ٢/ ٢٠٣، بيت الأفكار رقم: ٢١٢٠)

عن نافع مولى عبيد الله أنه سمع ابن عمرؓ يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهى عن القزع، قال عبيد الله: قلت: وما القزع؟ فأشار لنا عبيد الله قال: إذا حلق الصبي وترك هاهنا وهاهنا، فأشار لنا عبيد الله إلى ناصيته وجانبي رأسه، قيل لعبيد الله: فالجارية والغلام؟ قال: لا أدري، هكذا قال: الصبي، قال عبيد الله: وعاودته، فقال: أما القصة والقفا للغلام فلا بأس بهما، ولكن القزع أن يترك بناصيته شعر وليس في رأسه غيره، وكذلك شق رأسه هذا وهذا. (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب القزع، النسخة الهندية ٢/ ٨٧٧، رقم: ٥٦٨٧، ف: ٥٩٢٠)

أبوداؤد شريف، كتاب الترجل، باب في الصبي له ذؤابة، النسخة الهندية ٢/ ٥٧٧، دارالسلام رقم: ٤١٩٥۔

نسائي شريف، كتاب الزينة من السنن، الرخصة في حلق الرأس، النسخة الهندية ٢/ ٢٣٤، دارالسلام رقم: ٥٠٥١۔

(۱) **عن نافع مولى عبيد الله أنه سمع ابن عمرؓ يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهى عن القزع، قال عبيد الله: قلت: وما القزع؟ فأشار لنا عبيد الله قال: إذا حلق الصبي وترك هاهنا وهاهنا، فأشار لنا عبيد الله إلى ناصيته وجانبي رأسه، قيل لعبيد الله:** ←

کے بال مونڈنا فقہاء نے مکروہ سمجھا ہے(۱) سینہ اور ران کا مُونڈنا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(امداد ج ۲ ص ۱۴۱)

← **فالجارية والغلام؟ قال: لا أدري، هكذا قال: الصبي، قال عبيد الله: وعاودته، فقال: أما القصة والقفا للغلام فلا بأس بهما، ولكن القزع أن يترك بناصيته شعر وليس في رأسه غيره، وكذلك شق رأسه هذا وهذا.** (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب القزع، النسخة الهندية ٢/ ٨٧٧، رقم: ٥٦٨٧، ف: ٥٩٢٠)

عن ابن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن القزع، قال: قلت لنافع: ما القزع؟ قال: يحلق بعض رأس الصبي ويترك بعض. (مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب كراهة القزع، النسخة الهندية ٢/ ٢٠٣، بيت الأفكار رقم: ٢١٢٠)

أبوداؤد شريف، كتاب الترجل، باب في الذؤابة، النسخة الهندية ٢/ ٥٧٧، دارالسلام رقم: ٤١٩٤۔

(۱) ہندیہ میں قفا کے بال مونڈنے کی کراہت منقول ہے:

وعن أبي حنيفة رحمه الله: يكره أن يحلق قفاه إلا عند الحجامة، كذا في الينابيع. (هندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر: في الختان والخصاء الخ، قديم زكريا ٥/ ٣٥٧، جديد زكريا ٥/ ٤١٣)

حضرت والا تھانویؒ نے غالبًا اسی عبارت میں قفا بمعنی گردن لے کر اس کی کراہت کا حکم لکھا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ گدی ایک مستقل عضو ہے اور گردن ایک مستقل عضو ہے، چنانچہ خود حضرت والا تھانویؒ نے سوال نمبر: ۲۰ کے جواب میں مسح گردن کے بیان میں تحریر کیا ہے ''کہ قفا رأس کا جزو ہے اور رقبہ اس سے خارج ہے''۔ لہٰذا قفا یعنی گدی کا حلق قزع میں داخل ہونے کی وجہ سے مکروہ ہوگا، مگر گردن کا حلق مکروہ ہونے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں ہے، چنانچہ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں ''گردن جدا عضو ہے اور سر جدا، لہٰذا گردن کے بال منڈانا درست ہے، سر کا جوڑ علیحدہ کان کی لو کے پیچھے معلوم ہوتا ہے، اس سے نیچے گردن ہے۔ (فتاوی رشیدیہ جدید زکریا ص: ۵۸۲) اس سے معلوم ہوا کہ عالمگیریہ میں قفا گدی کے معنی میں ہے نہ کہ رقبہ کے معنی میں۔

(۲) البتہ خلاف ادب ہے۔

وفي حلق شعر الصدر والظهر ترك الأدب، كذا في القنية. (هندية، الكراهية، الباب التاسع عشر الخ، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٥٨، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤١٤) ←

سر کے بال کٹوانا

سوال (۲۵۹۸): قدیم ۴/ ۲۲۴- زید کہتا ہے کہ سارے سر میں بال رکھانا سنت ہے، اور بلاحج سر منڈ وانا خلاف سنت ہے، اور خشخشے بال رکھانے والے کو سخت مخالف سنت خیال کر کے قابل ملامت کہتا ہے، عمرو کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سر مُنڈ واتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس فعل سے کبھی منع نہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سر مُنڈانا بھی غیر ایام حج میں سنت ہے، اور خشخشے بال رکھنے کی ممانعت نہیں، وہ اپنی اصل پر رہیں گے، اور اصل اباحت وجواز ہے، خشخشے بال رکھنا قرون ثلاثہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور اُن کو جو زید بدعت کہتا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور ایسے بال رکھانے والا شرعًا قابل ملامت ہے یا نہیں؟

الجواب: سنت مطلقہ وہ ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور عبادت کیا ہے، ورنہ سنن زوائد سے ہوگا، تو بال رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بطور عادت کے ہے، نہ بطور عبادت کے؛ اس لئے اولیٰ ہونے میں تو شبہ نہیں، مگر اس کے خلاف کو خلافِ سنت نہ کہیں گے (۱) اگر چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی

← **وفي اليتيمة: سألت أبا الفضل عن حلق شعر صدره أو ظهره هل له ذلك؟ فقال: هو تارك الأدب.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل العشرون: في الختان والخضاب الخ، مكتبه زكريا ديوبند ١٨/ ٢١١، رقم: ٢٨٥٤١)

ومما ليس بمقصود حلق شعر الصدر أو الساق. (المبسوط للسرخسي، كتاب المناسك، باب الحلق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٧٣)

شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٨٣، كراچی ٦/ ٤٠٧-

(۱) **إن السنة ما واظب عليها النبي صلى الله عليه وسلم أو خلفاء ه من بعده، وهي قسمان: سنة الهدى، وتركها يوجب الإساءة، والكراهة، كالجمعة والأذان، وسنة الزوائد، كسير النبي صلى الله عليه وسلم في لباسه وقيامه وقعوده، ولا يوجب تركها كراهة.** (شامي، كتاب الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٣٣٥، كراچی ٢/ ٣٧٤-٣٧٥) ←

نہ ہوتی چہ جائے کہ وہ حدیث بھی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہ فرمانا یقینی دلیل ہے بال نہ رکھنے کی، جواز بلا کراہت کے اور خلافِ سنت نہ ہونے کے (۱)۔ پس جس حالت میں بالکل منڈا دینا جائز ہے تو قصر کرانے میں کیا حرج ہے۔

لـلإجـمـاع علىٰ تساوي حكم القصر والحلق لشعر الرأس في مثل هذا الحكم وإلى التساوي أشير بقوله تعالىٰ محلقين رؤسكم ومقصرين (۲)۔ واللّٰہ تعالىٰ أعلم

۱۸؍ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ج ۲، ص ۱۵۲)

← فـالسنة عند الحنفية بالمعنى الفقهي نوعان: (أ) سنة الهدى: وهي ما تكون إقامتها تكميلا للدين وتتعلق بتركها كراهة أو إساءة، كصلاة الجماعة، والأذان، والإقامة ونحوها، وذلک لأن النبي صلى الله عليه وسلم واظب عليها على سبيل العبادة، وتسمي أيضا السنة المؤكدة. (ب) سنن الزوائد: وهي التي لا يتعلق بتركها كراهة ولا إساءة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم فعلها على سبيل العادة، فإقامتها حسنة كسير النبي صلى الله عليه وسلم في لباسه وقيامه وقعوده وأكله ونحو ذلک. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۵/ ۲۶۵)

(۱) عن علي رضى الله عنه قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من ترک موضع شعرة من الجنابة لم يغسلها فعل بها كذا وكذا من النار. قال علي رضي الله عنه: فمن ثم عاديت رأسي، فمن ثم عاديت رأسي، فمن ثم عاديت رأسي، وكان يجز شعره رضي الله عنه. (أبوداؤد شريف، كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، النسخة الهندية ۱/ ۳۳، دارالسلام رقم: ۲۴۹)

عن علي بن أبي طالب رضى الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من ترک موضع شعرة من جسده من جنابة لم يغسلها فعل بها كذا وكذا من النار. قال علي رضي الله عنه: فمن ثم عاديت شعري، وكان يجزه. (ابن ماجه شريف، أبواب التيمم، باب تحت كل شعرة جنابة، النسخة الهندية ص: ۴۴، دارالسلام رقم: ۵۹۹)

سنن الدارمي، الطهارة، باب من ترك موضع شعرة من الجنابة، دارالمغني بيروت ۱/ ۵۸۰، رقم: ۷۷۸۔

(۲) سورة الفتح، رقم الآية: ۲۷۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سر کے بال کٹوانا

سوال (۲۵۹۹): قدیم ۴/۲۲۴ - بعد سلام مسنون عرض ہے کہ ایک خط مولوی اسحاق صاحب کا کوئٹہ بلوچستان سے آیا ہے، مضمون یہ ہے کہ آج بعد نماز مغرب حضور (شاہ ابوالخیر صاحب) نے فرمایا کہ یہ کتاب الاسماء والکنی کہ ہم نے حیدرآباد سے منگائی ہے اور اس سے پہلے کہیں دنیا میں اس کی زیارت میسّر نہیں ہوئی، مدینہ منوّرہ میں قبہ شیخ الاسلام میں کہ سلطان روم کا کتب خانہ بے نظیر ہے، اس میں بھی یہ کتاب نہیں دیکھی تھی، اس میں ہم نے ایک وہ مسئلہ دیکھا کہ ہم کو آج تک معلوم نہ تھا اور تم کو بھی معلوم نہ ہوگا، میں نے عرض کیا وہ کیا ہے؟ فرمایا: خشخاشی بال جیسے تیرے ہیں اور ہندوستان میں بہت مروّج ہیں، یہ عمل قومِ لُوط کا ہے، اگر سر پر بال ہوں تو اس قابل ہوں کہ اُن میں مانگ نکالی جائے یا بالکل مُنڈائے جائیں، صرف یہ دونوں شکلیں مسنون ہیں، میں نے اُس وقت توبہ کی، پھر فرمایا کہ اگر تم حلق کو درست رکھتے ہو تو حلق کراتے رہو اور اگر فرق کو درست رکھتے ہو تو اس نیت سے بالوں کی پرورش کرو، اور فرمایا کہ اس اثر کو لکھ کر مشہور کردو، اور میرٹھ بھیج دو، سب خادم توبہ کریں، اور خشخاشی بال نہ رکھیں، اور یہ بھی فرمایا کہ یہ رسم کن لوگوں سے اختیار کی ہے، میں نے عرض کیا نصاریٰ سے ماخوذ ہے، وہ اثر یہ ہے:-

من كتاب الكنى للدولابي قال: حدثني إبراهيم بن الجنيد، قال: حدثني الهيثم بن خارجة، قال: حدثنا أبو عمر أن سعيد بن ميسرة الكبرى الموصلي عن أنس بن مالك قال: أنه دخل عليه شاب قد سكن عليه شعر له، فقال: مالك والسكينة افرقه أوجزه؟ فقال له رجل: يا أبا حمزة! من كانت السكينة قال في قوم لُوط، قال: كانوا يسكنون شعورهم ويمضغون العلك في الطريق والمنازل، ويخذفون ويفرجون أقبيتهم إلىٰ خواصرهم. انتهىٰ (۱)۔

(سکینۃ الشعر۔ بالوں کا سیدھا کھڑا چھوڑنا نہ مُنڈانا نہ مانگ نکالنی) خط کا مضمون یہاں ختم ہوگیا۔

مضمونِ بالا کو ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایئے کہ بالوں کا قینچی سے کتروانا جیسا کہ مروّج ہے جائز ہے یا نہیں؟ اور مشابہت قوم لوط ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اثر مذکور کا کیا مطلب ہے؟ اگر ناجائز اور حرام ہے تو

---

(۱) لم أجده.

محلقين رؤسهم أو مقصرين کا کیا جواب ہے؟ یا یہ حکم خاص حجاج ہی کے لئے ہے، اور یہ بھی ارشاد فرمائیے کہ اگر بالوں کا کتروانا جائز ہے تو تمام بال رکھنا اور مانگ نکالنا بہتر ہے یا حلق یا قصر؟ اور حلق سے قصر بہتر ہے یا نہیں؟ مفصّل مدلل مع حوالہ بیان فرمائیے؛ کیونکہ اکثر لوگ حتیٰ کہ اکثر علماء بھی قصر کراتے ہیں، اگر یہ امر ناجائز ہو تو اس سے توبہ کی جائے، اور اگر جائز ہے تو اثر مذکور کا مطلب صاف صاف شافی تسکین بخش ایسا ارشاد فرمایا جائے کہ اطمینان ہو جائے؟

الجواب: جواز تقصیر کا حج کے ساتھ مخصوص ہونا محتاج دلیل ہے۔ اور شاید کسی کو شبہ ہو کہ اس کی نسبت **يأخذ من كل شعرة قدر الأنملة** (۱) لکھا ہے، تو سمجھنا چاہئے کہ یہ مقدار ادنیٰ کی ہے۔ مقصود نفی زائد کی نہیں ہے، چنانچہ ردالمحتار میں بدائع سے نقل کیا ہے: **قالوا: يجب أن يزيد في التقصير على قدر الأنملة الخ** (۲)۔ اور اسی طرح ربع کی تخصیص بیان ادنیٰ کے لئے ہے، چنانچہ درمختار میں تصریح ہے **تقصير الكل مندوب** (۳)۔ پس وہ شبہ رفع ہو گیا، اور فارق منتفی ہے؛ لہٰذا جواز عام ہے۔ اور اگر کوئی شخص اثر مذکور کو فارق کہے تو بایں وجہ صحیح نہیں کہ اثر مذکور ثبوتاً و دلالۃً مخدوش ہونے کے علاوہ مفید مقصود کو نہیں۔ اولاً: یہ کہ جب تک اُس کے رواۃ کی توثیق نہ ہو اُس وقت تک اس کی صحت یا حسن ثابت نہیں، اور حدیث ضعیف حسب تصریح اہل علم کسی حکم شرعی کے لئے مثبت نہیں ہو سکتی (۴)۔

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحج، قبيل مطلب في طواف الزيارة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۵۳٤، كراچی ۲/ ۵۱۵۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحج، قبيل مطلب في طواف الزيارة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۵۳٤، كراچی ۲/ ۵۱۵۔

(۳) **وتقصير الكل مندوب، والربع واجب.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحج، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۵۳٤، كراچی ۲/ ۵۱۵)

(۴) **ويجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل في الأسانيد الضعيفة، ورواية ما سوى الموضوع من الضعيف، والعمل به من غير بيان ضعفه في غير صفات الله تعالىٰ والأحكام كالحلال والحرام وغيرهما، وذلك كالقصص وفضائل الأعمال والمواضع وغيرهما مما لا تعلق له بالعقائد والأحكام، ومن نقل عنه ذلك. ابن حنبل وابن مهدي، وابن المبارك قالوا: إذا روينا في الحلال والحرام شددنا، وإذا روينا في الفضائل** ←

ثانیاً: یہ کہ سکینہ کی یہ تفسیر جو سوال میں مذکور ہے محتاج دلیل ہے، خواہ لغت ہو یا نقل صحیح ہو، اور یہ دونوں امر بذمہ مستدل ہیں۔ تیسرے اس میں جزو کا لفظ بطور تخیّر آیا ہے، اور جز کے معنی لغت اور استعمال میں مطلق کے ہیں مخصوص حلق کے ساتھ نہیں؛ بلکہ مخصوص بالوں کے ساتھ بھی نہیں، چنانچہ مشکوٰۃ باب الترجل میں حضرت انسؓ سے مروی ہے: **فقالت: أمي لا أجزها** (۱)۔ اور آگے اس کی علت فرمائی: **كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يمده.** اور ظاہر ہے کہ یہ علّت مقتضی عموم معنی جز کو ہے۔ اور شمائل ترمذی میں حضرت مغیرہؓ سے مروی ہے: **فأتي بجنب مشوي، ثم أخذ الشفرة فجعل يجزلي** (۲)۔ اس میں دو نسخے ہیں: حاء اور جیم، اس سے عموم غیر شعر کے لئے ظاہر ہے۔ چوتھے ممکن ہے کہ یہ حکم مقید اس صورت کے ساتھ ہو کہ جب بال مانگ نکالنے کے قابل ہوں اور پھر مانگ نہ نکالی جائے جس کو سدل کہتے ہیں، جس کے باب میں حدیث میں آیا ہے:

← **ونحوها تساهلنا.** (تدريب الراوي، النوع الثاني والعشرون: المقلوب، شروط الأخذ بضعيف الإسناد، مكتبه نزار مصطفى الباز ۲/ ۴۸۸)

والظاهر أن العمل بالحديث الضعيف محله إذا لم يكن مخالفا للحديث الصحيح أو الحسن، وسيأتي ما يخالفه من حديثه المتصل، ومن حديث علي كرم الله وجهه، وأيضا إنما يعمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال الثابة بأدلة الأخرى وههنا هذا الحكم ابتدائي الخ. (مرقاة المفاتيح، باب المسح على الخفين، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ۲/ ۸۳)

(۱) عن أنس رضي الله عنه قال: كانت لي ذؤابة فقالت لي أمي: لا أجزها، كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يمدها ويأخذها. (مشكوة شريف، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الثاني، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۳۸۲)

أبوداؤد شريف، كتاب الترجل، باب ماجاء في الرخصة، النسخة الهندية ۲/ ۵۷۷، دارالسلام رقم: ۴۱۹۶۔

(۲) عن المغيرة ابن شعبة قال: ضفت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة، فأتي بجنب مشوي، ثم أخذ الشفرة فجعل يجزلي بها منه، قال: فجاء بلال يؤذنه بالصلاة، فألقى الشفرة، فقال: ماله تربت يداه، قال: وكان شاربه قد وفى، فقال له: أقصه لک على سواک أو قصه على سواک. (شمائل ترمذي، باب ماجاء في صفة إدام رسول الله صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ص: ۱۱)

فسدل النبي صلى الله عليه وسلم ناصيه، ثم فرق بعده. متفق عليه. كذا في المشكوٰة، باب الترجل (۱)۔

بخلاف اس صورت کے کہ چھوٹے چھوٹے بال ہوں، خواہ بڑھے نہ ہوں یا کٹا دیئے ہوں، اس صورت میں یہ حکم نہ ہو، چنانچہ افرقہ او جزہ علی سبیل التخییر فرمانا اس منع بالمعنی الاصطلاح (*) کی سند ہوسکتی ہے؛ کیونکہ تخییر موقوف ہے دونوں شقوں کے امکان عادی پر، اور امکان فرق موقوف ہے بالوں کے بڑے ہونے پر۔ پانچویں ممکن ہے کہ یونہی مخصوص ہو اس صورت کے ساتھ جب کہ اہل باطل کی وضع پر ہوں، جیسا اس وقت نئی فیشن ایجاد ہوئی ہے، یا یہ کہ کسی فساد کی نیت سے ہو، جیسا کہ دوسرے متعاطفات بھی اس پر دال ہیں، ورنہ لازم آتا ہے کہ مضغ علک اور قباء میں چاک دونوں پہلوؤں پر رکھنا بھی مطلقاً ناجائز ہو، ولا قائل بہ۔ پس ان وجوہ سے یہ اثر مخصص یا مفسّر جواز تقصیر کا نہیں ہوسکتا، بخلاف نہی عن القزع کے کہ بوجہ صحت حدیث کے اطلاق حلق کو مفید کرسکتا ہے، پس تقصیر فی نفسہ بحالہ جائز رہا؛ البتہ عارض تشبّہ سے جہاں تشبہ لازم آتا ہو بعض صورتیں ممنوع ہوجائیں گی (۲)۔ **هٰذا ما حضر لي الآن، ولعل الله يحدث بعد ذٰلك أمرًا.** واللہ اعلم۔ ۲۴؍ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ج ۲ ص ۱۷۲)

(*) والمراد اصطلاح المناظرة ۱۲. منه

---

(۱) **عن ابن عباس رضي الله عنه قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يحب موافقه أهل الكتاب فيما لم يؤمر فيه، وكان أهل الكتاب يسدلون أشعارهم، وكان المشركون يفرقون رؤوسهم فسدل النبي صلى الله عليه وسلم ناصيته، ثم فرق.** (مشكوة شريف، كتاب اللباس، باب الترجل، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۳۸۰)

بخاري شريف، كتاب اللباس، باب الفرق، النسخة الهندية ۲/ ۸۷۷، رقم: ۵۶۸۴، ف: ۵۹۱۷۔

مسلم شريف، كتاب الفضائل، باب في سدل النبي صلى الله عليه وسلم شعره وفرقه، النسخة الهندية ۲/ ۲۵۷، بيت الأفكار رقم: ۲۳۳۶۔

(۱) **عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم.** (أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۵۹، دارالسلام رقم: ۴۰۳۱) ←

عورتوں کے بال کٹوانا

سوال (۲۶۰۰): قدیم ۴/ ۲۲۷- اخبارزمیندار مؤرخہ ۲۳رفروری ۱۹۲۹ء میں ایک فتویٰ علماء دہلی وغیرہ کا چھپا ہے، جس میں علاوہ اور خرافات اور دھوکہ دہی کے عورتوں کے سر کے بال کٹانے کا جواز صحیح مسلم (**باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة**) صفحہ ۱۴۸ سے نقل کیا ہے کہ بعض ازواج مطہرات بال کٹا کر مثل وفرہ کے کردیتی تھیں (**ولفظه يأخذن من رؤوسهن حتیٰ تكون كالوفرة** (۱)۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا عورتوں کے لئے بال کٹانے اور وفرہ کے مثل بنانے جائز ہیں یا نہیں؟ اور کسی صحیح حدیث کے اندر بال کٹانے سے صاف ممانعت ہے یا نہیں؟ اور صحیح مسلم کی حدیث کا محمل کیا ہے؟

الجواب: اس وضع مسئول عنہ کی حرمت پر دلائل صحیحہ قائم ہیں، اور جواز کی دلیل میں چند احتمالات ہیں؛ اس لئے حرمت ثابت اور جواز پر استدلال فاسد۔

امر اوّل کا بیان یہ ہے کہ مبنیٰ اس وضع کا یقیناً تشبہ بالنساء الکفار ہے، جو اہل وضع کو مقصود بھی ہے، اور اس میں تشبہ بالرجال بھی ہے، گو اُن کو مقصود نہ ہو، اور اطلاق دلائل سے یہ تشبہ ہر حال میں حرام ہے (۲) خواہ اس کا قصد ہو یا نہ ہو، اور علاوہ تشبہ کے منع پر اور دلائل بھی قائم ہیں (**كما سيأتي في الجواب الآتي**)

← **قال القاريؒ: أي من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار فهو منهم، أي في الإثم والخير.** (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ٨/ ٢٥٥)

عون المعبود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، دارالكتاب العربي بيروت ٤/ ٧٨۔

(۱) **عن أبي سلمة بن عبدالرحمن قال: دخلت على عائشة أنا وأخوها من الرضاعة فسألها عن غسل النبي صلى الله عليه وسلم من الجنابة، فدعت بإناء قدر الصاع فاغتسلت وبيننا وبينها ستر وأفرغت على رأسها ثلاثا، قال: وكان أزواج النبي صلى الله عليه وسلم يأخذن من رؤسهن حتى تكون كالوفرة.** (مسلم شريف، كتاب الحيض، باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة، النسخة الهندية ١/ ١٤٨، بيت الأفكار رقم: ٣٢٠)

(۲) **عن ابن عباس رضي قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المتشبهات** ←

اورامر ثانی کا بیان یہ ہے کہ اوّلاً راوی نے اپنا مشاہدہ بیان نہیں کیا، اور گوراوی حضرت عائشہؓ کے محرم ہیں، مگر نہ الفاظِ حدیث شمول لعائشہ میں نص ہیں، نہ راوی دوسری ازواج کے محرم ہیں کہ شعور کا مشاہدہ کیا ہو، نہ کسی صاحب مشاہدہ کا نام لیتے ہیں، نہ صاحبِ مشاہدہ کا ثقہ غیر ثقہ ہونا معلوم نہ یہ معلوم کہ اُس نے تحقیق سے کہا ہے یا تخمین سے، بعض اوقات عورتیں بالوں کوایسا متداخل کرلیتی ہیں کہ دیکھنے والے کوشبہ تخفیف شعور کا ہوتا ہے۔ ثانیًا: وفرہ بقول اصمعی لمہ سے اشبع ہے اور لمہ وہ ہے جو منکبین سے لگتا ہو (**نقله النووي** (۱)۔ پس وفرہ منکبین سے بھی نیچے ہوا، پھر ان شعور کو وفرہ نہیں کہا گیا۔ کالوفرہ یعنی مشابہ

← **بالرجال من النساء، والمتشبهين بالنساء من الرجال.** (ترمذي شريف، كتاب الأدب، باب ماجاء في المتشبهات بالرجال من النساء، النسخة الهندية ٢/ ١٠٦، دارالسلام رقم: ٢٧٨٤۔

أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في لبس النساء، النسخة الهندية ٢/ ٥٦٦، دارالسلام رقم: ٤٠٩٧۔

بخاري شريف، كتاب اللباس، باب المتشبهون بالنساء والمتشبهات بالرجال، النسخة الهندية ٢/ ٨٧٤، رقم: ٥٦٥٦، ف: ٥٨٨٥۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ٢/ ٥٥٩، دارالسلام رقم: ٤٠٣١)

قال القاريؒ: أي من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار فهو منهم، أي في الإثم والخير. (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ٨/ ٢٥٥)

وفي المجتبى: قطعت شعر رأسها أثمت ولعنت زاد في البزازية: وإن بإذن الزوج؛ لأنه لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق، ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته والمعنى المؤثرة التشبه بالرجال. (الدرالمختار مع الشامي، الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٨٣-٥٨٤، كراچی ٦/ ٤٠٧)

(۱) **الوفرة أشبع وأكثر من اللمة، واللمة ما يلم بالمنكبين من الشعر قاله الأصمعي.**

(شرح النووي على المسلم، النسخة الهندية ١/ ١٤٨)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وفرہ کے کہا گیا، تو اس میں یہ بھی احتمال ہوگیا کہ وفرہ سے بھی نیچے ہوں؛ بلکہ غور کرنے سے بھی احتمال راجح بلکہ مثل متعین کے ہے؛ کیونکہ اگر وفرہ سے کم ہوتے تو اس کے لئے تو لغت موضوع ہے، مثلاً لمہ تو لمہ سے تعبیر کیا جاتا کالوفرہ کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور وفرہ سے زائد کے لئے کوئی لغت نہیں، اس لئے اس کو کالوفرہ سے تعبیر کیا گیا، اور اس حالت میں اس میں یقیناً ذوائب وقرون بن سکتے ہیں، غایت مافی الباب اورعورتوں کے قرون وذوائب سے اس میں قدرے کمی اور تخفیف ہوگی، تو حدیث کا مدلول نفی قرون نہیں ہوا؛ بلکہ تخفیف شعور ہوا، چنانچہ نووی نے کہا ہے: **فيه دليل على جواز تخفيف الشعور للنساء** اورغرض اس تخفیف سے ترک شعور زینت تھی **كما قال له النووي:**

عن عياض ولعل أزواج النبي صلى الله عليه وسلم فعلن هٰذا بعد وفاته صلى الله عليه وسلم لتركهن التزين الخ (١)۔

اوراس تخفیف کو آخذ کہنا صحیح، اورشعور کومن رؤسہن کہنا صحیح ہے۔

ثالثاً: اس سے قطع نظر علیٰ سبیل التنزل ممکن ہے کہ اس زمانہ میں یہ وضع رجال ونساء کے درمیان مشترک ہو، پس کجا یہ وضع خبیث اور کجا صنیع ازواج مطہرات:

کار پاکاں راقیاس از خود مگیر ☆ گرچہ ماند درنوشتن شِیر وشیر
معجزہ رابا سحر کردہ قیاس ☆ ہر دو رابر مکر بنہادہ اساس

اطلاع: كان هذا الجواب المذكور كتب أولاً في ثاني رمضان بعبارة أخرى، ثم بدل في عاشر شوال بهٰذه العبارة تفصيلاً وتسهيلاً. فقط

اس کے بعد ایک صاحب کا خط اسی کے متعلق آیا جو مع جواب ذیل میں منقول ہے

ایضاً

سوال (۲۶۰۱): قدیم ۴/ ۲۲۸- مجھے ذاتی طور پر حالات حاضرہ کے مسائل کے متعلق جناب کی کتب اور خیالات سے کافی طور پر واقفیت حاصل ہے، اور پوری موافقت ہے، صرف ایک مسئلہ

(١) شرح النووي على المسلم، كتاب الحيض، باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة، النسخة الهندية ١/ ١٤٨۔

یعنی عورتوں کے بال کٹوانے کے متعلق مزید تحقیق مطلوب ہے، گو جناب کی تصانیف بہشتی زیور کے آخری حصہ اور صفائی معاملات میں بالوں کے احکام کے ضمن میں آپ کا فتویٰ موجود ہے، کہ کترانا حرام ہے، اور وہاں مجمل طور پر حدیث میں آنے کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن تسکین قلب کیلئے اگر اس حدیث کا حوالہ معلوم ہو جاوے تو جناب کا نہایت ہی شکر گذار رہوں گا، نیز ضروری ہے کہ کتب فقہ حنفیہ میں بھی کہیں نہ کہیں اس کا ذکر ہوگا، اس کے لئے بھی توجہ فرما کر اس کتاب کا حوالہ عطا فرماویں، اور اگر مزید طور پر اس مسئلہ پر اپنے محققانہ خیالات کا اظہار فرما سکیں تو باعث عنایت ہوگا؟

الجواب: في الدر المختار عن المجتبیٰ: قطعت شعر رأسها اثمت ولعنت زاد فی البزازية وإن بأذن الزوج؛ لأنه لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق، ولذا يحرم على الزوج قطع لحيته، والمعنى المؤثر التشبه بالرجال. اھ(۱)۔ في الأشباه، أحكام الأنثىٰ: قوله: وتمنع عن حلق رأسها أي حلق شعر رأسها –إلیٰ قوله– والظاهر أن المراد بحلق شعر رأسها إزالته سواء كان بحلق أو قص أو نتف أو نورة فليحرر، والمراد بعدم الجواز كراهية التحريم كما في مفتاح السعادة: ولو حلقت فإن فعلت ذلک تشبهاً بالرجال فهو مكروه؛ لأنها ملعونة. اھ(۲)۔ وعن علي قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تحلق المرأة رأسها. رواه النسائي (مشكوٰة، باب الترجل (۳)۔ قلت: والحلق عام للقصّ أيضاً كما ذكر فشمله الحديث. والله اعلم.

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل: في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۸۳-۵۸٤، كراچی ٦/ ٤۰۷۔

(۲) الأشباه والنظائر مع شرحه الحموي، الفن الثالث: الجمع والفروق، أحكام الأنثى، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۷۳۔

(۳) مشكوة شريف، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الثالث، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۳۸٤۔

نسائي شريف، كتاب الزينة، النهي عن حلق المرأة رأسها، النسخة الهندية ۲/ ۲۳٤، دارالسلام رقم: ۵۰۵۲۔

ترمذي شريف، كتاب الحج، باب ماجاء في كراهية الحلق للنساء، النسخة الهندية ۱/ ۱۸۲، دارالسلام رقم: ۹۱٤۔

اور اگر حلق عام بھی نہ ہوتا تب بھی چونکہ اس جدید فیشن میں اہل مشاہدہ سے معلوم ہوا کہ سر کا پیچھے کا حصّہ منڈایا بھی جاتا ہے تو حلق بالمعنے الخاص بھی اس کو شامل ہوتا، اور تشبہ کا عارض اس کے علاوہ ہے جس میں نہایت شدید وعیدیں وارد ہیں، اور جو وضع نصًا منہی عنہ ہے اس کو معلّل بعلّت تشبہ کہنا بلا دلیل ہوگا۔ اس لئے وہ علی الاطلاق منہی عنہ نہ ہوگی، اس کا حکم تشبہ پر دائر ہوگا (۱)۔

۲۷؍رمضان ۱۳۴۷ھ (النور ذیقعدہ ۴۷ھ ص ۱۱)

سر پر بال رکھنا

سوال (۲۶۰۲): قدیم ۴/ ۲۲۹- (۲) چہ می فرمایند علمائے دین رحمہم اللہ در داشتن موئے سر و ترک آں آیا سنت است یا مستحب یا مکروہ؟ اگر سنت باشد و فعل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم است پس مکروہ گفتن او راچہ حکم دارد و قائل کراہت راچہ حکم؟

---

(۱) **عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المتشبهات بالرجال من النساء، والمتشبهين بالنساء من الرجال.** (ترمذي شريف، كتاب الأدب، باب ماجاء في المتشبهات بالرجال من النساء، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۶، دارالسلام رقم: ۲۷۸۴۔

بخاري شريف، كتاب اللباس، باب المتشبهون بالنساء والمتشبهات بالرجال، النسخة الهندية ۲/ ۸۷۴، رقم: ۵۶۵۶، ف: ۵۸۸۵۔

أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في لبس النساء، النسخة الهندية ۲/ ۵۶۶، دارالسلام رقم: ۴۰۹۷۔

ولو حلقت المرأة رأسها فإن فعلت لوجع أصابها لا بأس به، وإن فعلت ذلك تشبها بالرجال فهو مكروه، كذا في الكبرى. (هندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر: في الختان والخصاء الخ، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۵۸، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۴۱۴)

(۲) **خلاصہ ترجمہ سوال:** کیا فرماتے ہیں علماء دین سر کے بال رکھنے اور کٹوانے سے متعلق کیا یہ سنت ہے یا مستحب، یا مکروہ؟ اگر سنت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بھی ہے تو اس کو مکروہ کہنا کیسا ہے؟ اور قائل کراہت کے سلسلہ میں کیا حکم ہے؟

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: (۱) سنت دو قسم ست: سنتِ عبادت وسنتِ عادت (۲) مطلق لفظ سنت بر قسمِ اول اطلاق کردہ می شود واستحقاق ووعدہ ثواب وترغیب بداں ہمیں قسم منوط ست وقسم ثانی ہم خالی از برکت ودلیل محبت بودن نیست؛ لیکن مقصود جز ودین نہ باشد واگر ایں قسم مخل امرے از مقاصد دین درحق شخصے شود اورا

---

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ جواب:** سنت کی دو قسمیں ہیں: (۱) سنت عبادت (۲) سنت عادت۔ مطلق لفظ سنت پہلی قسم کے لئے بولا جاتا ہے، اور ثواب کا حقدار ہونا اور ثواب کا وعدہ اور اس کی ترغیب اسی پہلی قسم سے متعلق ہے اور دوسری قسم بھی برکت سے خالی نہیں؛ بلکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی دلیل ہے، مگر دین میں مقصود نہیں ہوگا اور اگر یہ قسم کسی شخص کے حق میں مقاصد دین میں سے کسی چیز میں مخل بن رہی ہو تو اس کو قسم ثانی اختیار کرنے سے روکا جائے گا۔ اب یہ معلوم ہونا چاہئے کہ سر کے بال رکھنا دوسری قسم یعنی سنت عادت میں سے ہے، بلا کسی وجہ کے اس کی کراہت کا حکم لگانا بے ادبی اور گناہ کا باعث ہے، اور اگر کوئی قابل قبول وجہ ہو جیسے کہ اگر کوئی سر کا بال رکھتا ہے تو اس کو بہت زیادہ سنوارنے اور بنانے میں لگ جاتا ہے، یا کسی کو غسل جنابت کے وقت پانی کے پہنچنے اور نہ پہنچنے میں شک ووسوسہ پیدا ہوتا ہو تو ایسے لوگوں کے لئے یقیناً بال کے کٹوانے کو ہی بہتر کہا جائے گا اور رکھنے کو مکروہ یعنی خلاف اولی کہنا صحیح ہوگا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو کہ خلفائے راشدین میں سے ہیں جن کی اتباع کا ہمیں حکم دیا گیا ہے وہ خود فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سر کی کھال تک پانی نہ پہنچنے سے متعلق وعید سنی ہے تب سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوگیا۔

(۲) **إن السنة ما واظب عليها النبي صلى الله عليه وسلم أو خلفاءه من بعده، وهي قسمان: سنة الهدى، وتركها يوجب الإساءة، والكراهة، كالجمعة والأذان، وسنة الزوائد، كسير النبي صلى الله عليه وسلم في لباسه وقيامه وقعوده، ولا يوجب تركها كراهة.** (شامي، كتاب الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۳۵، كراچی ۲/ ۳۷۴-۳۷۵)

فالسنة عند الحنفية بالمعنى الفقهي نوعان: (أ) **سنة الهدى: وهي ما تكون إقامتها تكميلا للدين وتتعلق بتركها كراهة أو إساءة، كصلاة الجماعة، والأذان، والإقامة ونحوها، وذلك لأن النبي صلى الله عليه وسلم واظب عليها على سبيل العبادة، وتسمى أيضا السنة المؤكدة.** (ب) **سنن الزوائد: وهي التي لا يتعلق بتركها كراهة ولا إساءة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم فعلها على سبيل العادة، فإقامتها حسنة كسير النبي صلى الله عليه وسلم في لباسه وقيامه وقعوده وأكله ونحو ذلك.**

(الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۵/ ۲۶۵)

ازاں باز داشتہ شود پس باید دانست کہ موئے داشتن بر سر سنت از قسم ثانی ست بلا سبب حکم بکراہتش کردن موردادب وموجب معصیت ست واگر بوجہے معتد بہ چنانکہ کسے را از موئے سر داشتن انہماک در تزیین پیش آید یا وسوسہ در وصول آب درحالت غسل از جنابت دغدغہ کند درحق ایں کس لاشک کہ ستردنش اولی گفتہ شود وداشتن رامکروہ بمعنے خلاف اولیٰ گفتن صحیح باشد، چنانچہ حضرت علیؓ کہ از خلفائے راشدین ہستند کہ باتباع ایشاں مارا امر فرمودہ شدہ (۱) خودمی فرمایند کہ ہرگاہ وعید آب نرسیدن در جناب شنیدم سر خود را دشمن داشتم (۲) خلاصہ جواب آنکہ ایں موئے داشتن فی نفسہ اولیٰ ست مگر جزو دین نیست ولعارض خلاف اولیٰ۔ واللہ اعلم

۱۰رشعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ج ۲ ص ۱۵۶)

---

(۱) عن العرباض بن سارية رضي الله عنه قال: وعظنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما بعد صلاة الغداة موعظة بليغة ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب، فقال رجل: إن هذه موعظة مودع فما ذا تعهد إلينا يا رسول الله؟ قال: أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة، وإن عبدا حبشي، فإنه من يعش منكم بعدي فسيرى اختلافا كثيرا، وإياكم ومحدثات الأمور، فإنها ضلالة، فمن أدرك ذلك منكم فعليه بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، عضوا عليها بالنواجذ، (ترمذي شريف، كتاب العلم، باب ما جاء في الأخذ بالسنة واجتناب البدع، النسخة الهندية ۲/ ۹۶، دارالسلام رقم: ۲۶۷۶)

ابن ماجه شريف، المقدمة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، النسخة الهندية ص: ۵، دارالسلام رقم: ۴۲۔

(۲) عن علي رضى الله عنه قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من ترك موضع شعرة من الجنابة لم يغسلها فعل بها كذا وكذا من النار. قال علي رضي الله عنه: فمن ثم عاديت رأسي، فمن ثم عاديت رأسي، فمن ثم عاديت رأسي، وكان يجز شعره رضي الله عنه. (أبوداؤد شريف، كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، النسخة الهندية ۱/ ۳۳، دارالسلام رقم: ۲۴۹)

ابن ماجه شريف، أبواب التيمم، باب تحت كل شعرة جنابة، النسخة الهندية ص: ۴۴، دارالسلام رقم: ۵۹۹۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حجامت اور ناخن بنوانا جمعہ سے پہلے یا بعد میں

سوال (۲۶۰۳): قدیم ۴/ **۲۲۹**- ناخن کٹوانا، حجامتِ خط بنوانا وغیرہ جمعہ کے دن جمعہ کے بعد افضل لکھا ہے (غایۃ الاوطار عن الاشباہ) بہشتی گوہر، صفائی معاملات میں قبل جمعہ بہتر لکھا گیا (اور یہی قیاس ہے) اختلاف کی وجہ کیا ہے، اور عمل کس پر کیا جاوے یا تاویل کیا ہے؟

الجواب: شامی نے بعد الجمعہ کے قول پر اعتراض کیا ہے۔ **وهو مخالف لما نذكره قريبًا في الحديث.** پھر آگے حدیث **بیهقی** کی نقل کی ہے، جس میں **قبل أن يروح إلى الصلوٰة** مصرّح ہے (۱)۔ پس ترجیح قبل الجمعہ کو ہوئی۔ جلد خامس ص ۴۰۰۔ ۸؍ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۲)

موئے زیر لب کا حلق ونتف برابر ہے

سوال (۲۶۰۴): قدیم ۴/ **۲۳۰**- ایک کتاب میں نظر پڑی ہے (۲): در حلق وترک موئے زیر لب کہ آنرا عنفقہ گویند اختلاف ست وافضل ترک آنست تا آنکہ در بعضے روایات امدہ کہ امیر المؤمنین عمرؓ قبول نکرد شہادت کسے کہ حلق می کرد آنرا، اما حلق طرفین عنفقہ **لا بأس** بہ است **هكذا في مطالب المؤمنين** وذخیرہ۔ اور احیاء العلوم میں ہے:

---

(۱) **ويستحب قلم أظافيره يوم الجمعة وكونه بعد الصلاة أفضل (درمختار) وفي الشامية: قوله: (وكونه بعد الصلاة أفضل) أي لتناله بركة الصلاة وهو مخالف لما نذكره قريبا في الحديث ...... وله شاهد موصول عن أبي هريرةؓ لكن سنده ضعيف، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقص شاربه ويقلم أظفاره يوم الجمعة قبل أن يروح إلى الصلاة، أخرجه البيهقي وقال عقبة قال أحمد: في هذا الإسناد من يجهل.** (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۸۱، كراچی ۶/ ۴۰۵)

(۲) **خلاصہ ترجمہ**: ہونٹ کے نیچے کے بال جس کو داڑھی بچہ کہتے ہیں، اس کے کاٹنے نہ کاٹنے کے سلسلہ میں اختلاف ہے، افضل یہی ہے کہ نہ کاٹے حتی کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کی گواہی قبول نہیں کی جو داڑھی بچہ کاٹتا تھا، رہا داڑھی بچہ کے دونوں سائڈ کا کٹانا تو اس میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ مطالب المؤمنین اور ذخیرہ میں منقول ہے۔ اور احیاء العلوم میں ہے۔

ونتف الفنيكين بدعة وهما جانبا العنفقة شهد عند عمر بن عبدالعزيز رجل كان ينتف فينكيه فرد شهادته (۱)۔

لہٰذا جواب طلب یہ امر ہے کہ نتف کے معنی اُکھاڑنے کے ہیں، یا مونڈنے پر بھی استعمال ہوسکتا ہے؟

الجواب: حکم دونوں کا ایک ہی ہے (۲)۔ (تتمہ خامسہ ص ۵۷)

حکم حلق موئے زیریں لب

سوال (۲۶۰۵): قدیم ۴/ ۲۳۰- ﴿۱﴾ خاکسار خط بنوانے میں بچّی کے طرفین کا حلق کراتا ہے یہ ناجائز ہے یا جائز؟

الجواب: احتیاط اور معمول ترک حلق ہے (۳)۔

---

(۱) إحياء العلوم، ربع العبادات، قبيل كتاب أسرار الصلاة ومهماتها، دارالمعرفة بيروت ۱/ ۱۴۴۔

(۲) یعنی داڑھی بچہ داڑھی کے حکم میں ہے؛ لہٰذا جس طرح اس کا اکھاڑنا جائز نہیں، اسی طرح اس کا مونڈانا بھی جائز نہیں۔

نتف الفنيكين بدعة وهما جانبا العنفقة، وهي شعر الشفة السفلى كذا في الغرائب. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۸۳، كراچی ۶/ ۴۰۷)

نتف الفنيكين بدعة وهما جانبا العنفقة، وهي شعر الشفة السفلى كذا في الغرائب. (هندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر الخ، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۵۸، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۴۱۴)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، باب الجمعة، دارالكتاب ديوبند ۵۲۶۔

قد ذكر العلماء في اللحية اثنتي عشرة خصلة مكروهة بعضها أشد قبحا من بعض –إلى قوله– السابعة: الزيادة فيها والنقص منها بالزيادة في شعر العذار من الصدغين أو أخذ بعض العذار في حلق الرأس ونتف جانبي العنفقة وغير ذلك. (شرح النووي على المسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۹)

(۳) **نتف الفنيكين بدعة وهما جانبا العنفقة، وهي شعر الشفة السفلى كذا في الغرائب.**

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۸۳، كراچی ۶/ ۴۰۷) ←

سوال: ﴿۲﴾ اگر ذخیرہ ومطالب المؤمنین کی نقل عبارت صحیح ہے تو جواز پایا جاتا ہے، اور اگر نتف بمعنی حلق بھی مستعمل ہے تو تطبیق کی کیا صورت ہے اور مفتی بہ مسئلہ کیا ہے؟

الجواب: مفتی بہ ہونے کی تحقیق کے لئے مراجعت کتب کی ضرورت ہے جس کی فرصت نہیں۔

پورے سر منڈانے کے مسنون ہونے پر اعتراض کا جواب

سوال (۲۶۰۶): قدیم ۴/ ۲۳۰- بہشتی گوہر مطبوعہ انتظامی پریس کانپور ۱۳۳۵ھ کے صفحہ ۱۳۹ پر جناب کی یہ عبارت درج ہے: کہ پورا سر منڈا دینا سنت ہے، اس کی بابت گذارش یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بجز موقع حج کے اور کبھی سَر منڈانا حدیث یا سیر کی کسی کتاب میں درج ہے؟

الجواب: مطلب یہ ہے کہ اگر سر منڈاوے تو سنت یہ ہے کہ پورا سر منڈاوے، بعض کا منڈانا بعض نہ منڈانا خلاف سنت ہے(۱)۔

← **قد ذكر العلماء في اللحية اثنتي عشرة خصلة مكروهة بعضها أشد قبحا من بعض -إلى قوله- السابعة: الزيادة فيها والنقص منها بالزيادة في شعر العذار من الصدغين أو أخذ بعض العذار في حلق الرأس ونتف جانبي العنفقة وغير ذلك.** (شرح النووي على المسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۹)

نتف الفنيكين بدعة وهما جانبا العنفقة، وهي شعر الشفة السفلى كذا في الغرائب. (هندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر الخ، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۵۸، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۴۱۴)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، باب الجمعة، دارالكتاب ديوبند ۵۲۶۔

(۱) **عن ابن عمرؓ أن النبي ﷺ رأى صبيا قد حلق بعض رأسه وترك بعضه، فنهاهم عن ذلك، فقال: احلقوه كله أو اتركوه كله.** (أبوداؤد شريف، كتاب الترجل، باب في الصبي له ذؤابة، النسخة الهندية ۲/ ۵۷۷، دارالسلام رقم: ۴۱۹۵)

عن ابن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن القزع، قال: قلت لنافع: وما القزع؟ قال: يحلق بعض رأس الصبي ويترك بعض. (مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب كراهة القزع، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۳، بيت الأفكار رقم: ۲۱۲۰) ←

اور مطلب یہ نہیں کہ پورا سر منڈانا بمقابلہ سر نہ منڈانے کے سنت ہے(۱)۔

۱۹؍شوال ۱۳۴۳ھ (ترجیح خامس، ص۱۵۹)

← **عن نافع مولى عبيد الله أنه سمع ابن عمرؓ يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهى عن القزع، قال عبيد الله: قلت: وما القزع؟ فأشار لنا عبيد الله قال: إذا حلق الصبي وترك هاهنا شعرة وهاهنا وهاهنا، فأشار لنا عبيد الله إلى ناصيته وجانبي رأسه، قيل لعبيد الله: فالجارية والغلام؟ قال: لا أدري، هكذا قال: الصبي، قال عبيد الله: وعاوذته، فقال: أما القصة والقفا للغلام فلا بأس بهما، ولكن القزع أن يترك بناصيته شعر وليس في رأسه غيره، وكذلك شق رأسه هذا وهذا.** (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب القزع، النسخة الهندية ٢/ ٨٧٧، رقم: ٥٦٨٧، ف: ٥٩٢٠)

نسائي شريف، كتاب الزينة من السنن، الرخصة في حلق الرأس، النسخة الهندية ٢/ ٢٣٤، دارالسلام رقم: ٥٠٥١۔

(۱) بلکہ سر نہ منڈانا منڈانے کے مقابلہ میں افضل ومستحب ہے۔

عن جابر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا توضع النواصي إلا في حج أو عمرة. (المعجم الأوسط للطبراني، دارالكتب العلمية بيروت ٦/ ٤٨٠، رقم: ٩٤٧٥)

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: يخرج ناس من المشرق، ويقرؤون القرآن لا يجاوز تراقيهم، يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية، ثم لا يعودون فيه حتى يعود السهم إلى فوقه، قيل: ما سيما هم؟ قال: سيماهم التحليق أو قال: التسبيد. (بخاري شريف، كتاب التوحيد، باب قراء ة الفاجر والمنافق، وأصواتهم وتلاوتهم لا تجاوز حناجرهم، النسخة الهندية ٢/ ١١٢٨، رقم: ٧٢٦١، ف: ٧٥٦٢)

قال القاريؒ تحت حديث: "أو اتركوا كله" فيه إشارة إلى أن الحلق في غير الحج والعمرة جائز، وإن الرجل مخير بين الحلق وتركه لكن الأفضل أن لا يحلق إلا فى أحد النسكين كما كان عليه صلى الله عليه وسلم مع أصحابه رضي الله عنهم، وانفرد منهم علي كرم الله وجهه كما سبق أول الكتاب. (مرقاة، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، مكتبه إمداديه ملتان ٨/ ٢٩٤) ←

داڑھی کا فلسفہ اور اس کے رکھنے کا حکم

سوال (۲۶۰۷): قدیم ۴/ ۲۳۱- ازافادات مبارکہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند مدظلہ العالی، مسلم قوم ایک مستقل وممتاز ملّت ہے، جو تمام اقوام وملل سے بالکل علٰیحدہ فطرت سلیمہ کی حامل ومالک ہے، خدا نے اس کو اقوام عالم پر شاہد وعادل بنا کر بھیجا ہے:

كذٰلك جعلنا كم أمة وسطا لتكونو شهداء علىٰ الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا (١)۔ كنتم خيرا أمة اخرجت للناس (٢)۔

ہم نے تم کو ایک ایسی اُمّت بنایا ہے کہ جو نہایت اعتدال پر ہے، تاکہ لوگوں پر شاہد ہو اور تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ) شاہد ہوں۔ تم لوگ بہترین اُمّت ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے۔

لیکن آہ! کہ یہ قوم اپنی دینی ومذہبی خصوصیات تو عرصہ ہوا کھو چکی تھی، آج اپنی تمدنی ومعاشرتی امتیازات کو بھی فنا کرتی جارہی ہے، رسم ورواج میں اہل وطن (ہنود) کی اتباع تمدن ومعاشرت میں اہل مغرب (انگریزوں) کی تقلید مسلمان کے رگ وریشہ میں سرایت کرتی جارہی ہے۔

آج جب کہ دنیا کی ہر قوم اپنی زندگی اور اپنی قومی وملّی خصوصیات کے بقاء وتحفظ کے لئے سرگرم عمل نظر آرہی ہے، مسلمان اپنی قومی وملّی خصوصیات وامتیازات کو فرنگیت کے بھینٹ چڑھا کر ان ہی میں جذب ہوتی جارہی ہے۔

← **قال الطيبي: وفيه دلالة أن المداومة على حلق الرأس سنة؛ لأنه صلى الله عليه وسلم قرره ولأن عليًا رضي الله عنه من الخلفاء الراشدين الذين أمرنا بمتابعة سنتهم ١٥، ولا يخفى أن فعله كرم الله وجهه إذا كان مخالفا لسنته عليه الصلا والسلام وبقية الخلفاء من عدم الحلق إلا بعد فراغ النسك يكون رخصة لا سنة. والله تعالى أعلم. ثم رأيت ابن حجر نظر في كلام الطيبي وذكر نظير كلامي وأطال الكلام فيه.** (مرقاة، باب الغسل، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ٢/ ٣٨)

(١) سورة البقرة، رقم الآية: ١٤٣۔

(٢) سورة آل عمران، رقم الآية: ١١٠۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

یا للعجب! کل جو قوم اقوام عالم کے لئے جاذب و مصلح تھی، وہ آج کس سُرعت کے ساتھ دوسروں میں جذب ہوتی جارہی ہے، اور اسی کو معیار ترقی خیال کیا جاتا ہے؛ حالانکہ اہل بصیرت کے نزدیک یہ انتہائی تنزّل وانحطاط اور قومیت کے لئے زہر ہلاہل سے کم نہیں۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی کیں ۔۔۔ رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

داڑھی اسلام کے اہم شعار میں سے ہے؛ بلکہ انسانی وفطری اصول سے خواص رجولیت میں سے ہے؛ لیکن افسوس کہ سب سے زیادہ مسلمان ہی اس کی صفائی کے درپے ہیں اور اس طور سے قومی وملّی امتیاز سے قطع نظر فطرت وانسانیت کے لئے بھی مضحکہ خیزی کا ذریعہ بن رہی ہے۔

حال میں میرٹھ کالج کے ایک گریجویٹ کا ایک خط حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں آیا تھا، جس میں موجودہ زمانہ کے لحاظ سے اسلامی تمدّن ومعاشرت کی پابندی خصوص داڑھی رکھنے کی مشکلات کے اظہار کے ساتھ داڑھی کے دینی ودینوی مصالح اور حکم بھی دریافت کئے تھے۔

حضرت مولانا نے باوجود عدیم الفرصتی ونقاہت کے اس کا جو جواب مرحمت فرمایا وہ داڑھی کے فلسفہ پر ایک محققانہ تبصرہ ہے، جس کو ہم ناظرین کے استفادہ کے لئے شائع کرنے کا فخر حاصل کرتے ہیں۔

مکتوب آمدہ از میرٹھ

جناب مولانا صاحب سلامت! آداب کے بعد عرض ہے کہ میں آپ کو ایک تکلیف دینا چاہتا ہوں، امید ہے کہ آپ اپنے کثیر مشاغل کے باوجود مجھ پر کرم فرما کر جواب سے نوازیں گے؟

میں میرٹھ کالج میں پڑھتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ شریعتِ حقہ کی پابندی کروں، ان ہی شرعی پابندیوں میں سے داڑھی ہے، الحمد لِلّٰہ کہ میں ابھی تک رکھے ہوئے ہوں، مگر مولانا صاحب میں داڑھی رکھ کر سخت پریشان ہوگیا ہوں؛ کیونکہ کالج کی فضا میں داڑھی رکھنا گویا کہ سب احباء کا مذاق اور طعنہ ہائے دل خراش مول لینا ہے، احباء کہتے ہیں کہ:

(۱) داڑھی سے آدمی بُرا اور جنگلی معلوم ہوتا ہے۔

(۲) گو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی رکھی تھی، مگر چونکہ اس وقت عرب میں رواج تھا؛ اس لئے رکھی تھی، مگر اب رواج نہیں اس لئے کوئی ضروری چیز نہیں۔

(۳) آج کل مقابلہ کے امتحانات میں داڑھی کی وجہ سے ناکامیابی ہوتی ہے؛ اس لئے کہ ممتحن یہ سمجھتا ہے

کہ اس کی عمر زیادہ ہے، یا یہ کہ یہ اولڈ فیشن کا آدمی ہے۔

بہر حال یہ اعتراضات کئے جاتے ہیں، ان معترضین سے یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی کافی نہیں ہوتا؛ اس لئے آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ آپ دین و دنیا کے ماہر ہیں، آپ داڑھی کی شرعی حیثیت اور اس کی حکمتیں بتلائیں، تا کہ میں اوروں کو بھی بتا سکوں، واقعہ یہ ہے کہ ایک مولوی صاحب سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہاں مسنون ہے، مگر اب ضروری نہیں؛ اس لئے بھی آپ کے فتویٰ کا منتظر ہوں اور اسی پر عمل کروں گا۔ فقط

جواب از حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدظلہ العالی

محترم المقام زید مجدکم السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامہ باعث سرفرازی ہوا، میں نہایت ہی عدیم الفرصت ہوں، پھر اس پر طرّہ یہ ہوا کہ بعض بیماریوں میں مبتلا ہو گیا، آج کچھ طبیعت سنبھلی ہوئی ہے، تو مختصر کچھ عرض کرتا ہوں، مگر مقصد پیش کرنے سے پہلے ایک ضروری تمہید پر آنجناب غور فرمالیں۔

یونیفارم کی سیاسی حیثیت

(الف) ہر نظام سلطنت میں مختلف شعبوں کے لئے کوئی نہ کوئی یونیفارم مقرر رہے، پولیس کا یونیفارم اور ہے، فوج کا اور ہے، سوار کا اور ہے، پیادہ کا اور ہے، برّی فوج کا اور ہے، بحری فوج کا اور ہے، ڈاک خانہ کا اور ہے، ریلوے کا اور، پھر افسروں کا اور ہے، ماتحتوں کا اور، پھر اس پر مزید تاکید اور سختی یہاں تک ہے کہ ڈیوٹی ادا کرتے وقت اگر یونیفارم میں کوئی ملازم نہیں پایا جاتا تو مستوجب سزا شمار کیا جاتا ہے، خاص بادشاہی فوجیوں کا اور ہی یونیفارم ہے، ندماء اور وزراء مقربین کا اور، یہ حال تو صرف ایک ہی سلطنت کا ہے کہ مختلف شعبوں میں علیٰحدہ علیٰحدہ یونیفارم رکھا جاتا ہے، اور جس طرح ڈیوٹی دینے والا بغیر یونیفارم مجرم قرار دیا جاتا ہے، اسی طرح اگر کوئی دوسرے شعبہ کا یونیفارم پہن کر آجائے اور افسروں کو اطلاع ہو جائے تو وہ بھی اسی طرح یا اس سے زیادہ مجرم قرار دیا جاتا ہے۔

جس طرح بغیر یونیفارم کے آنے والا ملازم مجرم قرار دیا جاتا ہے، اور جس طرح یہ امر ایک نظامِ سلطنت اور حکومت میں ضروری خیال کیا جاتا ہے، اسی طرح اقوام وملل میں بھی ہمیشہ اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے، اگر

آپ تفحص کریں گے تو انگلینڈ، فرانس، جرمنی، اٹلی، آسٹریلیا، امریکہ وغیرہ میں پائیں گے کہ وہ اپنے اپنے نشانات، جھنڈے، یونیفارم علیٰحدہ علیٰحدہ رکھتے ہیں، واقف کار شخص ہر ایک کے سپاہی کو دوسرے سے تمیز کر سکے گا، اور اسی سے میادین جنگ اور ملکی وسیاسی مقامات میں امتیاز کیا جاتا ہے، ہر قوم اور ہر ملّت اپنے اپنے یونیفارم اور نشانوں کو محفوظ رکھنا از حد ضروری سمجھتی ہے؛ بلکہ بسا اوقات اس میں خلل پڑنے سے سخت سے سخت وقائع پیش آجاتے ہیں۔ کسی حکومت کے جھنڈے کو گرا دیجئے کوئی توہین کر دیجئے کہیں سے اکھاڑ دیجئے، دیکھئے کس طرح جنگ کی تیاری ہو جاتی ہے۔ یہ یونیفارم صرف لباس ہی میں نہیں ہوتا؛ بلکہ کبھی کبھی جسم میں بھی بعض بعض علامتیں رکھی جاتی ہیں، بعض قوموں میں ہاتھ میں یا جسم میں گودنا گودا جاتا ہے، بعض میں کان میں یا ناک میں چھید کر کے حلقہ ڈالا جاتا ہے، بعض میں بال باقی رکھے جاتے ہیں، بعض میں سر پر چوٹی رکھی جاتی ہے۔

ترک شعار کے نتائج

الغرض یہ طریقۂ امتیاز شعبہائے مختلفہ اور اقوام وحکومت اور ملل کا ہمیشہ سے اور تمام اقوام میں اطراف عالم میں چلا آتا ہے، اگر یہ نہ ہو تو کوئی محکمہ اور کوئی قوم اور کوئی حکومت دوسرے سے ممیّز نہ ہو سکے، ہم کو کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ فوجی ہیں، یا ملکی، پولسمین ہے یا ڈاکیہ، یا ریلوے کا ملازم ہے یا بحری جہازوں کا افسر ہے، یا ماتحت جرنیل ہے یا منیجر، اسی طرح ہم کس طرح جان سکتے ہیں کہ یہ شخص روسی ہے یا فرانسیسی، امریکن ہے یا آسٹرین وغیرہ وغیرہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں اس کا لحاظ ضروری سمجھا گیا ہے۔

(ب) جو قوم اور جو ملک اپنے یونیفارم کی محافظ نہیں رہی وہ بہت جلد دوسری قوموں میں، منجذب ہو گئی، حتی کہ اس کا نام ونشان تک بھی باقی نہ رہا، اسی ہندوستان میں یونانی آئے، سنتھین آئے، افغان آئے، آریہ آئے، تاتاری آئے، ترک آئے، مصری اور سوڈانی آئے، مگر مسلمانوں سے پہلے جو قومیں بھی آئیں، آج اُن میں سے کیا کوئی ملّت یا قوم باقی ہے؟ کیا کسی کی بھی ہستی علیٰحدہ بتلائی جاسکتی ہے؟ سب کے سب ہندو قوم میں جذب ہو گئے۔

وجہ صرف یہ تھی کہ انہوں نے اکثریت کے یونیفارم کو اختیار کر لیا، دھوتی، چوٹی، ساڑھی رسم ورواج وغیرہ میں انہی کے تابع ہو گئے؛ اس لئے اُن کی ہستی مِٹ گئی، باوجود اختلافِ عقائد کے سب کو ہندو قوم کہا جاتا ہے، اور کسی کی قومی ہستی جس سے اس کی امتیازی شان ہو باقی نہیں۔

ہاں جن قوموں نے امتیازی یونیفارم کو قائم رکھا وہ آج اپنی قومیت اور ملّیت کا تحفظ اور امتیاز رکھتے ہیں، پرشین قوم ہندوستان میں آئی، ہندو قوم اور راجاؤں نے ان کو ہضم کرنا چاہا، عورتوں کا یونیفارم بدلوادیا، معیشت اور زبان بدلوادی، مگر مَردوں کی ٹوپی نہ بدلی گئی، بالآخر آج وہ زندہ قوم اور موجود ممتاز ملت ہیں، سکھوں نے اپنی امتیازی وردی قائم کی، سر اور داڑھی کے بالوں کو محفوظ رکھا، آج اُن کی قوم امتیازی حیثیت رکھتی ہے، اور زندہ قوم شمار کی جاتی ہے، انگریز سولھویں صدی کے آخر میں آیا، تقریباً ڈھائی سو برس گذر گئے، نہایت سرد ملک کا رہنے والا ہے، مگر اُس نے اپنا یونیفارم کوٹ، پتلون، ہیٹ، کالر، نکٹائی، اس گرم ملک میں بھی نہ چھوڑا، یہی وجہ ہے کہ اس کو پینتیس کروڑ والا ملک اپنے میں ہضم نہ کرسکا، اس کی قوم اور ملّت علیٰحدہ ملّت ہے، اس کی ہستی دنیا میں قابل تسلیم ہے، مسلمان اس ملک میں آئے ہیں اور تقریباً ایک ہزار برس سے زائد ہوتا ہے کہ جب سے آئے ہے اگر وہ اپنے خصوصی یونیفارم کو محفوظ نہ رکھتے تو آج اسی طرح ہندو قوم میں نظر آتے جیسے کہ مسلمانوں سے پہلے آنے والی قومیں ہضم ہو کر اپنا نام ونشان مٹا گئیں، آج بجز تاریخی صفحات کے اُن کا نشان کُرّۂ زمین پر نظر نہیں آیا۔

مسلمانوں نے نہ صرف یہی کیا کہ اپنا یونیفارم محفوظ رکھا؛ بلکہ یہ بھی کیا کہ اکثریت کے یونیفارم کو مٹا کر اپنا یونیفارم پہنانا چاہا، چند ہزار تھے اور چند کروڑ بن گئے، صرف یہی نہیں کہ پاجامہ، کُرتہ، عبا، قبا عمامہ، دستار محفوظ رکھا، بلکہ اسماء رجال ونساء تہذیب وکلچر، رسم ورواج، زبان وعمارت وغیرہ جملہ اشیاء کو محفوظ رکھا؛ اس لئے اُن کی ہستی ایک مستقل ہستی ہندوستان میں قائم رہی، اور جب تک اس کی مراعات رہیں گی، رہیں گے، اور جب چھوڑیں گے مِٹ جائیں گے۔

ترقی اقوام وملل کا راز

(ج) ہر قوم نے جب بھی ترقی کی ہے تو اس کی کوشش کی ہے کہ اس کا یونیفارم، اس کا کلچر، اس کا مذہب، اس کی زبان دوسروں پر غالب اور دوسرے ممالک واقوام میں پھیل جائے، آریہ قوم کی تاریخ پڑھو، فارسیوں کے کارنامے دیکھو، کلدانیوں اور عبرانیوں کی تاریخ کا مطالعہ کرو، یہودیوں اور عیسائیوں کے انقلاب کو غور سے دیکھو، دور کیوں جاتے ہو عربوں اور مسلمانوں کے اولوالعزم اعمال آپ کے سامنے موجود ہیں، زبان عربی صرف ملک عرب کی زبان تھی، عراق، سیریہ، فلسطین، مصر، سوڈان، الجیریا، ٹونس، مراکش، فارس، صحرالیپیا، سینگال، حرت وغیرہ میں کوئی شخص نہ عربی زبان سے آشنا تھا، نہ مذہب اسلام

سے، نہ اسلامی رسم ورواج سے، مگر عربوں نے ان ملکوں میں اس طرح اپنی زبان، اپنا کلچر، اپنی تہذیب جاری کردی کہ وہاں کی غیر مسلم اقوام آج بھی اسلامی یونیفارم اسی کلچر، اسی تہذیب، اسی زبان کو اپنی چیزیں سمجھتے ہیں، اسرائیلی قومیں، کلدانی نسلیں، عربی خاندان، ترکی برادریں، بڑی بڑی ذاتیں وغیرہ وغیرہ، ان دیار میں سب کی سب منہضم ہوگئی ہیں، اگر کسی کو اپنی ذات اور خاندان کا کچھ علم بھی ہے تو وہ بھی خیال خواب ہے، سب کے سب اپنے کو عرب ہی سمجھتے ہیں۔ اور عربیت ہی کے دعویدار ہیں، انگلستان کو دیکھئے یہ اپنے جزیرہ سے نکلتا ہے، کنیڈا، آسٹریلیا، امریکہ، نیوزلینڈ، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ وغیرہ وغیرہ میں پوری جدوجہد کر کے اپنی زبان اپنا کلچر، اپنی تہذیب، اپنا مذہب، اپنا لباس وغیرہ پھیلا دیتا ہے، جو لوگ اس کے مذہب میں داخل بھی نہیں ہوتے وہ بھی اس کی تہذیب اور فیشن میں منجذب ہو جاتے ہیں، اور یہی حال ہندوستان میں روز افزوں ترقی پذیر ہے، ہندو قوم اسی سیلاب کو دیکھ کر اپنی وہ مُردہ زبان سنسکرت جس کو تاریخ کسی طرح عام زبان ہندوستان یا کم از کم آریہ نسل کی نہیں بتا سکتی، آج اس کی اشاعت کی کوشش کر رہی ہے، اس کا لیکچرار کھڑا ہوتا ہے، اور فی صدی پچاس یا اس سے زائد الفاظ سنسکرت کے ٹھونس کر اپنی تقریر کو نا قابل فہم بنا دیتا ہے، خود اس کی قوم اُن الفاظ کو نہیں سمجھ سکتی، اور بالخصوص اُس کا مذہبی واعظ تو تقریباً اسی نوے فی صدی الفاظ سنسکرت اور بھاشا کے بولتا ہے، مگر بات یہ ہے کہ اس کی قوم اس کو بنظر استحسان ہی دیکھتی ہے، بڑے بڑے گروکل اور ودیا پیٹھ اس زبان مُردہ کو زندہ کرنے کے لئے جاری کئے جا رہے ہیں، حالانکہ روئے زمین پر کوئی قوم یا ملک اس زبان کا بولنے والا موجود نہیں ہے، اور غالباً پہلے کسی زمانہ میں بھی یہ زبان عام پبلک کی زبان نہ تھی، وہ انتہائی کوشش کر رہا ہے کہ تمام ہندوستان میں اسی کے قدیمی رسم خط کو جاری کیا جائے، حالانکہ وہ نہایت ناقص رسم خط ہے، وہ اپنی انتہائی کوشس کر رہا ہے کہ دھوتی باندھنا نہ چھوڑے، ایم، ایل، سی، ایم، ایل، اے، اسمبلی کا پریسیڈنٹ، کونسل کا پریسیڈنٹ، اس کی قوم کا جج، ڈپٹی، کلکٹر وغیرہ وغیرہ دھوتی باندھ کر سر کھول کر، قمیص پہن کر برسرِ اجلاس آتا ہے، حالانکہ دھوتی میں پاجامہ سے بدرجہا زیادہ کپڑا خرچ ہوتا ہے، پردہ بھی پورا نہیں ہوتا، سردی اور گرمی سے بھی پوری حفاظت نہیں ہوتی، باوجود ان سب امور کے پائجامہ پہننا اختیار نہیں کرتا، چوٹی سر پر رکھنا، جنیئو لگانا، ضروری سمجھتا ہے، یہ کیا چیزیں ہیں؟ کیا یہ قومی شعار، قومی یونیفارم نہیں ہے؟ کیا اسی وجہ سے وہ اپنی ہستی کی صورت نہیں نکال رہا ہے؟ گرونانک اور اس کے اتباع نے چاہا کہ اپنے تابعداروں کی مستقل ہستی قائم کریں، تو بال کا نہ منڈانا، داڑھی کا نہ کتروانا، یا نہ منڈانا لوہے کے کڑے کا پہننا، کرپان کا رکھنا

قومی یونیفارم بنا دیا، آج اسی شعار پر سکھ قوم مَری جاتی ہے، اس گرم ملک میں طرح طرح کی تکالیف سہتی ہے، مگر بالوں کا کتروانا یا منڈانا قبول نہیں کرتی، اگر وہ ان چیزوں کو چھوڑ دے دنیا سے اُس کی امتیازی ہستی اور قومی موجودیت فنا کے گھاٹ اُتر جائے گی۔

داڑھی اسلام کا شعار ہے

مذکورہ بالا معروضات سے بخوبی واضح ہے کہ کسی قوم اور مذہب کا دنیا میں مستقل وجود جب ہی قائم ہوسکتا ہے اور باقی جب ہی رہ سکتا ہے جب کہ وہ اپنے لئے خصوصیات وضع قطع میں، تہذیب وکلچر میں، بود وباش میں، زبان اور عمل میں اختیار کرلے؛ اس لئے ضروری تھا کہ مذہب اسلام جو کہ اپنے عقائد، اخلاق واعمال وغیرہ کی حیثیت سے تمام مذاہب دنیا ویہ اور تمام اقوام عالم سے بالاتر تھا، اور ہے، خصوصیات اور یونیفارم مقرر کرے، اور ان کے تحفظ کو قومی اور مذہبی تحفظ سمجھتا ہو، ان کے لئے جان لڑادے، اس کی وہ خصوصیات اور یونیفارم خداوندی تابعداروں اور الٰہی بندوں کی یونیفارم ہوں، جن سے وہ اللہ کے سرکشوں اور دشمنوں سے متمیز اور علیٰحدہ ہوجاوے، اور ان کی بناء پر باغیان بارگاہ الوہیت میں تمیز ہوا کرے، چنانچہ یہی راز **من تشبہ بقوم فھو منھم** (۱) کا ہے، بسا اوقات نوجوانوں کو بہت غصّہ آجاتا ہے، اسی بناء پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تابعداروں کے لئے خاص خاص یونیفارم تجویز فرمائے، کہیں فرمایا جاتا ہے ’’ہم میں اور مشرکوں میں فرق ٹوپیوں پر عمامہ باندھنے سے ہوتا ہے۔ **فرق ما بینا وبین المشرکین العمائم علی القلانس** (أو کما قال (۲)۔

---

(۱) أبو داؤد شریف، کتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۵۹، دارالسلام رقم: ۴۰۳۱۔

(۲) **عن أبي جعفر بن محمد بن علي بن ركانة عن أبيه أن ركانة صارع النبي صلى الله عليه وسلم فصرعه النبي صلى الله عليه وسلم قال ركانة: وسمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: فرق ما بيننا وبين المشركين العمائم على القلانس.** (أبو داؤد شريف، كتاب اللباس، باب في العمائم، النسخة الهندية ۲/ ۵۶۳، دارالسلام رقم: ۴۰۷۸)

ترمذي شريف، كتاب اللباس، باب العمائم على القلانس، النسخة الهندية ۱/ ۳۰۸، دارالسلام رقم: ۱۷۸۴۔

اسی بناء پر مخالفتِ اہل کتاب مانگ نکالنے میں اختیار کی گئی ہے (۱)۔ اسی بناء پر ازار اور پاجامہ میں ٹخنے کھولنے کا حکم کیا گیا، تاکہ اہل تکبّر سے تمیز ہو جائے (۲)۔ اسی طرح بہت سے احکام اسلام میں پائے جاتے ہیں، جن کے بیان میں بہت طول ہے اور جن میں یہودیوں سے، نصاریٰ سے مجوسیوں سے، مشرکوں سے امتیاز اور علیٰحدگی کا حکم کیا گیا ہے، اور ان امور کو ذریعہ امتیاز بنایا گیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو مَردوں اور مردوں کو عورتوں سے علیٰحدہ علیٰحدہ یونیفارم میں دیکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے، اور عورتوں کے یونیفارم میں رہنے والے مرد اور مردوں کے یونیفارم میں رہنے والی عورت کو لعنت کی گئی (۳)۔ انہی امور میں سے عربی میں خطبہ جاری کرنا بھی ہے، اور انہی امور میں سے مونچھ کا مُنڈوانا اور کتروانا اور داڑھی کا بڑھانا بھی ہے۔

---

(۱) عن ابن عباس رضي الله عنه قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يحب موافقة أهل الكتاب فيما لم يؤمر فيه، وكان أهل الكتاب يسدلون أشعارهم، وكان المشركون يفرقون رؤسهم فسدل النبي صلى الله عليه وسلم ناصيته، ثم فرق بعد. (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب الفرق، النسخة الهندية ۲/ ۸۷۷، رقم: ۵۶۸۴، ف: ۵۹۱۷)

مسلم شريف، كتاب الفضائل، باب في سدل النبي صلى الله عليه وسلم شعره وفرقه، النسخة الهندية ۲/ ۲۵۷، بيت الأفكار رقم: ۲۳۳۶۔

والذي جزم به القرطبي أنه كان يوافقهم لمصلحة التأليف محتمل، ويحتمل أيضا وهو أقرب أن الحالة التي تدور بين الأمرين لا ثالث لهما إذا لم ينزل على النبي صلى الله عليه وسلم شيء كان يعمل فيه بموافقه أهل الكتاب؛ لأنهم أصحاب شرع بخلاف عبده الأوثان، فإنهم ليسوا على شريعة فلما أسلم المشركون انحصرت المخالفة في أهل الكتاب فأمر بمخالفتهم. (فتح الباري، كتاب اللباس، باب الفرق، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۰/ ۴۴۴)

(۲) عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا ينظر الله يوم القيامة إلى من جر إزاره بطرًا. (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب من جر ثوبه من الخيلاء، النسخة الهندية ۲/ ۸۶۱، رقم: ۵۵۶۰، ف: ۵۷۸۸)

مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب تحريم إسبال الإزار الخ، النسخة الهندية ۱/ ۷۱، بيت الأفكار رقم: ۱۰۶۔

(۳) عن ابن عباس رضي قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المتشبهات ←

(۱) صحیح بخاری اور مسلم میں ہے: **خالفوا المشركين، وفّروا اللحى، واعفوا الشوارب. مسلم** (۱)۔ **جزوالشوارب وارحو اللحى خالفوا المجوس. بخاري، ص ۸۷۵** (۲)۔ **من لم يأخذ من شاربه فليس منا.** (ترمذی، نسائی (۳)۔

ان روایات کے مثل اور بہت سی روایتیں کتب حدیث میں موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مشرکین اور مجوس داڑھی منڈاتے تھے اور مونچھیں بڑھاتے تھے، جیسا کہ آج عیسائی اور ہندوقوم کر رہی ہے، اور یہ امر اُن کے مخصوص یونیفارم میں داخل تھا، بنا بریں ضروری تھا کہ مسلمانوں کو دوسرے یونیفارم کا جو کہ اُن کے یونیفارم کے خلاف ہو، حکم کیا جائے، نیز یہ بھی معلوم ہوگیا کہ لوگوں کا داڑھی بڑھانے کے متعلق یہ کہنا کہ یہ عمل اُس زمانہ میں عرب کے اس رواج کی وجہ سے ہے جو کہ اس میں جاری تھا کہ داڑھیاں بڑھاتے تھے، اور مونچھیں کٹاتے تھے غلط ہے؛ بلکہ اس زمانہ میں بھی مخالفین اسلام کا یہ شعار تھا۔

جس طرح اس قسم کی روایات مذکورہ بالا سے یہ معلوم ہوا کہ یہ یونیفارم مشرکین اور مجوس کا تھا؛

← **بالرجال من النساء، والمتشبهين بالنساء من الرجال.** (ترمذي شريف، كتاب الأدب، باب ماجاء في المتشبهات بالرجال من النساء، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۶، دارالسلام رقم: ۲۷۸۴۔

أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في لبس النساء، النسخة الهندية ۲/ ۵۶۶، دارالسلام رقم: ۴۰۹۷۔

(۱) مسلم شريف، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۹، بيت الأفكار رقم: ۲۵۹۔

(۲) بخاري شريف، كتاب اللباس، باب إعفاء اللحية، النسخة الهندية ۲/ ۸۷۵، رقم: ۵۶۶۴، ف: ۵۸۹۳۔

(۳) **عن زيد بن أرقم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من لم يأخذ من شاربه فليس منا.** (ترمذي شريف، كتاب الأدب، باب ماجاء في قص الشارب، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۵، دارالسلام رقم: ۲۷۶۱)

نسائي شريف، كتاب الزينة من السنن، إحفاء الشارب، النسخة الهندية ۲/ ۳۰۸، دارالسلام، رقم: ۵۰۵۰۔

اس لئے ضروری ہوا کہ مسلمانوں کو ان کے خلاف یونیفارم دیا جائے، تاکہ تمیز کامل ہو، اسی طرح حدیث عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ الخ (ابوداود ص۸ وغیرہ(۱) بتلارہی ہے کہ خداوندی کے خاص خاص مقربین اور ندیموں (انبیاء اور مرسلین علیہم السلام) کے یونیفارم میں سے مونچھوں کا کتروانا اور داڑھی کا بڑھانا؛ کیونکہ فطرت انہی امور کو اس جگہ میں کہا گیا ہے جو کہ انبیاء علیہم السلام کے شعار میں سے ہے، جیسا کہ بعض روایتوں میں بجائے لفظ فطرت کے (من سنن) یا اس کا ہم معنی موجود ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ یہ خاص یونیفارم اور شعار ہے جو کہ مقربان بارگاہِ الوہیت کا ہمیشہ سے یونیفارم رہا ہے، اور پھر دوسری قومیں اس کے خلاف کو اپنا یونیفارم بنائے ہوئے ہیں (جو کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کو توڑنیوالی اور اس سے بغاوت کرنیوالی ہیں) اس لئے دو وجہ سے اس یونیفارم کو اختیار کرنا ضروری ہوا۔

(۲) علاوہ ازیں ایک محمدی کو حسب اقتضائے فطرت اور عقل لازم ہونا چاہئے کہ وہ اپنے آقا کا سا رنگ ڈھنگ، چال چلن، صورت، سیرت، فیشن کلچر وغیرہ بنائے، اور اپنے محبوب آقا کے دشمنوں کے فیشن اور کلچر سے پرہیز کرے، ہمیشہ عقل اور فطرت کا تقاضا یہی رہا ہے، اور یہی ہر قوم اور ہر ملک میں پایا جاتا ہے۔ آج یورپ سے بڑھ کر روئے زمین پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا دشمن کون ہے؟ واقعات کو دیکھئے، اس بناء پر بھی جو اُن کے خصوصی شعار اور فیشن ہیں ہم کو اُن سے انتہائی متنفر ہونا چاہئے، خواہ وہ کرزن فیشن ہوں یا گلیڈ اسٹون فیشن ہوں، خواہ وہ فرینج ہو یا امریکن، خواہ وہ لباس سے تعلق رکھتا ہو یا بدن سے، خواہ وہ زبان سے متعلق ہو یا تہذیب وعادات سے، ہر جگہ اور ہر ملک میں یہی امر طبعی اور فطری شمار کیا گیا ہے کہ دوست کی سب چیزیں پیاری ہوتی ہیں، اور دشمن کی سب چیزیں مبغوض اور اوپری، بالخصوص جو چیزیں دشمن کی خصوصی شعار ہو جائیں۔

اس لئے ہماری جدوجہد یہ ہونی چاہئے کہ ہم غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے فدائی بنیں نہ کہ غلامانِ کرزن وہارڈنگ، فرانس وامریکہ وغیرہ۔

---

(۱) أبوداؤد شريف، كتاب الطهارة، باب السواك من الفطرة، النسخة الهندية ۱/ ۸، دارالسلام رقم: ۵۳۔

ترمذي شريف، كتاب الأدب، باب ماجاء في تقليم الأظفار، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۴، دارالسلام رقم: ۲۷۵۷۔

باقی رہا امتحانِ مقابلہ یا ملازمتیں یا ایک آفس کے ملازموں کے طعنے وغیرہ تو یہ نہایت کمزور امر ہے کہ سکھ امتحانِ مقابلہ بھی دیتے ہیں، چھوٹے اور بڑے عہدوں پر بھی مقرر ہیں، اپنی وردی پر مضبوطی سے قائم ہیں، کوئی اُن کو ٹیڑھی اور بینگی آنکھ سے بھی نہیں دیکھ سکتا، باوجود اپنے قلیل التعداد ہونے کے سب سے زیادہ ملازمتیں اور عہدے لئے ہوئے عزّا رہے ہیں، اسی طرح ہندوؤں میں بھی بکثرت ایسے افراد وخاندان پائے جاتے ہیں، پٹیل کی داڑھی کو دیکھئے، اور برہمنوں سماج وغیرہ کے بہت سے بنگالیوں اور گجراتیوں کا معائنہ کیجئے، یہ سب باتیں ہماری کمزوریوں کی ہیں۔ فقط (النور ذی الحجہ ۵۶ھ ص ۷)

نومسلم کے ختنہ کا حکم

سوال (۲۶۰۸): قدیم ۴/ ۲۳۸- جو لوگ ہندو سے مسلمان ہوتے ہیں اُن کے ختنہ کرادیئے جائیں تو واپسی سے یعنی ارتداد سے ایک قسم کی روک ہو جاتی ہے؛ لیکن پردہ فرض ہے اور ختنہ مسنون ہے، اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو بالغ اشخاص مسلمان ہوئے اُن کے ختنہ کرانا کہیں نظر سے نہیں گذرا، جناب کو زیادہ واقفیت ہوگی۔ امید ہے کہ جواب سے جلد مطلع فرمائیں گے۔

الجواب: زمان برکت اقتران نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تو اس کے متعلق کوئی نقل صریح نظر سے نہیں گذری؛ لیکن نصوص میں اطلاق ہے، اور صغیر اور کبیر میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے (۱)۔ اسی سے بعض فقہاء نے ختانِ کبیر کو بھی لکھا ہے، اور بشرط امکان نکاح خاتنہ یا شراء امۃ خاتنہ کا حکم کیا ہے۔ اور جب یہ متعذر ہو اس شرط کو بھی ساقط کیا ہے۔

---

(۱) **عن أبي هريرة رضي الله عنه سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: الفطرة خمس: الختان، والاستحداد، وقصّ الشارب، وتقليم الأظفار، ونتف الآباط.** (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، النسخة الهندية ٢/ ٨٧٥، رقم: ٥٦٦٢، ف: ٥٨٩١)

مسلم شريف، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، النسخة الهندية ١/ ١٢٨، بيت الأفكار رقم: ٢٥٧۔

ترمذي شريف، كتاب الأدب، باب ماجاء في تقليم الأظفار، النسخة الهندية ٢/ ١٠٤، دارالسلام رقم: ٢٧٥٦۔ ←

كذا في كتاب الحظر والإباحة من الدرالمختار وردالمحتار (۱)۔ اورفرض ستر ضرورت میں ساقط ہوجاتا ہے، اورسنت کی ضرورت مباح کی ضرورت سے بڑھ کر ہے، اورتداوی محض مباح ہے اس کے لئے نظر اور مس جائز ہے تو اس کے لئے بالاولیٰ (۲)۔

۱۵/ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۵)

← ابن ماجه شريف، كتاب الطهارة، باب الفطرة، النسخة الهندية ص: ۲۵، دارالسلام رقم: ۲۹۲۔

نسائي شريف، كتاب الزينة، ذكر الفطرة، النسخة الهندية ۲/ ۲۴۷، دارالسلام، رقم: ۵۲۲۷۔

(۱) **وقيل في ختان الكبير: إذا أمكنه أن يختتن نفسه فعل، وإلا لم يفعل إلا أن لا يمكنه النكاح أو شراء الجارية (درمختار) وفي الشامية قوله: (إلا أن لا يمكنه النكاح) كذا رأيته في المجتبى، والصواب إسقاط "لا" بعد أن كما وجدته في بعض النسخ موافقا لما في التاتارخانية وغيرها، والمراد أن لا يمكنه أن يتزوج امرأة تختنه أو يشتري أمة كذلك.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۴۹، كراچى ۶/ ۳۸۲-۳۸۳)

الشيخ الضعيف إذا أسلم ولا يطيق الختان إن قال أهل البصر: لا يطيق يترك؛ لأن ترك الواجب بالعذر جائز فترك السنة أولى كذا في الخلاصة. قيل في ختان الكبير: إذا أن يختتن نفسه فعل، وإلا لم يفعل إلا أن يمكنه أن يتزوج أو يشترى ختانة فتختتنه الخ. (هندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر: في الختان والخصاء الخ، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۵۷، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۴۱۲)

وكذا الشيخ الضعيف من المجوس إذا أسلم وقال أهل البصر: أنه لا يطيق يترك. وفي الفتاوى العتابية: وقيل في ختان الكبير: إذا أمكن أن يختتن نفسه فعل وإلا لم يفعل إلا أن يمكنه أن يتزوج أو يشتري جارية فيختتنه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل العشرون في الختان والخضاب الخ، مكتبه زكريا ديوبند ۱۸/ ۲۰۷، رقم: ۲۸۵۲۴-۲۸۵۲۵)

المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل العشرون في الختان والخصاء الخ، المجلس العلمي ۸/ ۸۵، رقم: ۹۶۴۹۔

(۲) **ينظر الطبيب إلى موضع مرضها بقدر الضرورة إذا الضرورات تتقدربقدرها** ←

ختنہ کا اعلان بہتر ہے یا اخفاء

سوال (۲۶۰۹): قدیم ۴/۲۳۹- اصلاح الرسوم میں ختان کے اعلان اوراس کے لئے تداعی کومنع کیا ہے(۱)اورمدخل میں ختان ذکر کے اظہار کواورختان جاریہ کے اخفاء کوسنت کہا ہے؟

الجواب: اصلاح الرسوم میں منع کی دلیل بھی لکھی ہے؛اس لئے اس پرعمل متروک نہ ہوگا،اس دلیل میں مطلق ختان وارد ہے؛لہٰذا حکایت فعل پربھی محمول نہ کیا جاوے گا(۲)۔باقی مدخل میں جس اظہار کومسنون کہا ہے وہ بمعنی عدم اخفاء ہے۔مطلب یہ کہ اخفاء کا اہتمام نہ کیا جاوے،چنانچہ اس کا تقابل اخفاء ختان جاریہ سے اس کا قرینہ ہے(۳) تواس سے اعلان بمعنی اہتمام تداعی کا جائز ہونا لازم نہیں آتا۔(ترجیح خامسہ ص۱۴۹)

← **وكذا نظر قابلة وختان.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۳۳، كراچى ۶/ ۳۷۰)

وينظر الطبيب إلى موضع مرضها (كنز) وفي التبيين: وفي نظر الطبيب إلى موضع المرض ضرورة فيرخص لهم إحياء لحقوق الناس ودفعًا لحاجتهم فصار كنظر الختان والخافضة الخ. (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في النظر والمس، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۳۹-۴۰، إمداديه ملتان ۶/ ۱۷)

مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في النظر، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۹۹۔

(۱) اصلاح الرسوم،فصل چہارم: ختنہ کی رسومات میں،مکتبہ امدادیہ دیوبندص:۲۵-۲۶۔

(۲) **عن الحسن قال: دعي عثمان بن أبي العاص إلى ختان، فأبى أن يجيب، فقيل له: فقال: إنا كنا لا نأتي الختان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا ندعى له.** (مسند أحمد بن حنبل ۴/ ۲۱۷، رقم: ۱۸۰۶۸)

(۳) **والسنة في ختان الذكر إظهاره، وفي ختان النساء إخفاءه.** (المدخل لابن الحاج، فصل في أحكام الولادة، فصل الختان، دارالتراث بيروت ۳/ ۲۹۶)

شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ

آدمی بڑا ہو جاوے اور ختنہ کا تحمل نہ ہو تو ترک ختنہ کا حکم

سوال (۲۶۱۰): قدیم ۴/۲۳۹- (۱) ما قولكم دام فضلكم أيها العلماء العظام والأفاضل الكرام في رجل كان عيسويا ثم تشرف بقبول الإسلام بصميم قلبه وهو يقول: إني رجل كبير السن أخاف من ضرر الختان فسامحوني عنه إن تسامحوني عنه أبنائي أيضاً اللذان هما كبيران يتشرفان بقبول الإسلام وإلا فهما لن يقبلا الإسلام، ويبقيان على الكفر، فهل يسامح عن الختان في هذه الصورة أم يكره ويجير عليه ويجعل هو مرتدًا، ويبقى أبناه على الكفر؟ بينوا بالتفصيل توجروا بالأجر الجزيل؟

الجواب: (۲) يسامح عنه لوجهين: الأول عدم تحمل نفسه له، ومن لا يطيق يترك ختانه بتصريح الفقهاء، كما في الدرالمختار، والكنز، والخلاصة، والخانية،

---

(۱) **خلاصه ترجمه سوال**: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس شخص کے متعلق جو پہلے عیسائی تھا، پھر سچے دل سے اسلام لے آیا اور وہ کہتا ہے کہ میری عمر زیادہ ہو چکی ہے، اور مجھے ختنہ کرنے پر نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے؛ اس لئے آپ لوگ مجھے ختنہ نہ کرنے کی اجازت دے دیں، اگر آپ لوگ مجھے ختنہ نہ کرانے کی اجازت دیں گے تو میرے دونوں بڑے بیٹے بھی مشرف باسلام ہو جائیں گے، ورنہ وہ اسلام قبول نہیں کریں گے اور حالت کفر پر ہی باقی رہیں گے، تو کیا ایسی صورت میں اس کو ختنہ نہ کرانے کی اجازت دے دی جائے یا اس کو ختنہ کرانے پر مجبور کیا جائے اور باپ کو مرتد ہونے دیا جائے اور اس کے دونوں بیٹوں کو کفر پر باقی رہنے دیا جائے؟

(۲) **خلاصه ترجمه جواب**: اس شخص کے ساتھ دو وجہوں سے درگذر کا معاملہ کیا جائے گا:

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ وہ شخص ختنہ کا تحمل نہیں کر سکتا اور جو ختنہ نہیں کرا سکتا ہے، فقہاء نے صراحت کے ساتھ اس کو ختنہ نہ کرانے کی اجازت دی ہے، جیسا کہ درمختار، کنز، خلاصۃ الفتاوی، فتاوی خانیہ، الفتاوی السراجیہ، ہندیہ اور جامع احکام الصغار وغیرہ میں تھوڑے سے الفاظ کے ردوبدل کے ساتھ یہ بات مذکور ہے کہ کوئی بوڑھا شخص اسلام لے آیا اور ماہرین کا کہنا ہے کہ وہ ختنہ کرانے کی طاقت نہیں رکھتا ہے تو ختنہ نہیں کرایا جائے گا۔ اور یہ شخص ''من لا یطیق'' میں داخل ہے؛ اس لئے کہ طاقت اس کو کہتے ہیں جو جسم اور ذات میں ہوتی ہے تو جب اس کی ذات ختنہ کی استطاعت نہیں رکھتی تو وہ شخص من لایطیق میں داخل ہو گیا اور فقہاء کا قول: یختتن بالاتفاق' جیسا کہ ذخیرہ میں ہے اور فقہاء کا یہ قول کہ کافر جب اسلام لائے گا تو بالاتفاق ختنہ کیا جائے گا (اختصار کے ساتھ) فقہاء نے بالغ ←

والسراجية، والهندية، وجامع أحكام الصغار وغيرها بألفاظ متقاربة، شيخ أسلم، وقال أهل النظر لا يطيق الختان ترك. انتهىٰ (۱)۔ وهذا دخل في من لا يطيق؛ لأن الطاقة هي ما بالجسم وبالنفس، فلما لم تطق نفسه دخل فيمن لا يطيق، وقول الفقهاء يختتن بالاتفاق، كما في الذخيرة: والكافر إذا أسلم يختتن بالاتفاق ملخانصه دين الإسلام وهو بالغ مشروط بالطاقة بدليل الروايات الأخرى. والثاني: تألفه وتألف أولاده على الإسلام كما شرط بنو ثقيف أن لا يجاهدوا وأجازه رسول اللّٰہ صلى الله عليه وسلم (۲)۔ وصرح العلماء في شرح حديث بريرةؓ بتحمل أدنى الضررين لدرء أشدهما (۳)۔

۱۵رمحرم ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص۱۲)

← ہونے کی حالت میں جو دین اسلام لانے کی صراحت کی ہے وہ دوسری روایتوں کی بناپر طاقت واستطاعت کے ساتھ مشروط ہے۔(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام لانے کے لئے اس کی اور اس کے اولاد کی دل جوئی کی جائے گی، جیسا کہ بنوثقیف نے اس بات کی شرط لگائی کہ وہ اسلام لانے کے بعد جہادنہیں کریں گےاور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کواس کی اجازت بھی دے دی تھی اور علماء نے حدیث بریرہ کی تشریح کرتے ہوئے اس بات کی صراحت کی ہے کہ دوضرروں میں سے بڑے ضررکو دفع کرنے کے لئے چھوٹے ضررکو برداشت کیا جائے گا۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۳۲، کراچی ٦/ ۳۷۰۔

وكذا جاز ترك ختان شيخ أسلم، وقال أهل النظر: لا يطيق الختان للعذر الظاهر.

(مجمع الأنهر، كتاب الخنثى، قبيل كتاب الفرائض، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٤٩٠)

البحرالرائق، كتاب الخنثى مسائل شتى، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۳۵۹، کوئٹہ ۸/ ٤٨٥۔

تبيين الحقائق، كتاب الخنثى، مسائل شتى، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ٤٦٤، إمداديه ملتان ٦/ ٢٢٦۔

(۲) **عن وهب قال: سألت جابرا عن شان ثقيف إذا بايعت قال: اشترطت على النبي صلى الله عليه وسلم أن لا صدقة عليها ولا جهاد، وأنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم بعد ذلك يقول: سيتصدقون ويجاهدون إذا أسلموا.** (أبوداؤد شريف، كتاب الخراج والإمارة والفيئ، باب ماجاء في خبر الطائف، النسخة الهندية ۲/ ٤٢٨، دارالسلام رقم: ۳۰۲۵)

(۳) **لما لم يكن دفع الضررين جميعا لابد من أن يتحمل أدنى الضررين بدفع الضرر الأعلى.**

(البناية، كتاب الوصايا، باب ما يتعلق بأحكام الموصى وما يملكه، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۳/ ۵۰۳)

بالغ ہونے کے بعد ختنہ کا حکم

سوال (۲۶۱۱): قدیم ۴/ ۲۴۰- اگرکسی کا ختنہ نہ ہوا ہوتو بعد بلوغ کے ختنہ کرانا کیسا ہے؟

الجواب: في الدرالمختار: كشيخ أسلم، وقال أهل النظر: لا يطيق الختان ترک أيضاً -إلیٰ قوله- ووقته غير معلوم، وقيل سبع سنين الخ. وفي ردالمحتار تحت قوله: سبع، وقيل: لا يختن حتى يبلغ؛ لأنه للطهارة ولا تجب عليه قبله. (ج ۵ ص ۷۳۴ (۱)۔ وفي الدرالمختار أيضاً إلا لحاجة -إلى قوله- وكذا نظر قابة وختان آھ. وفي ردالمحتار: وكذا جزم به في الهداية، والخانية وغيرهما، وقيل: إن الاختتان ليس بضرورة؛ لأنه يمكن أن يتزوج امرأة أو يشتري أمة تختنه إن لم يمكنه أن يختن نفسه الخ. (ج۵ ص ۳٦۵ (۲)۔

ان عبارات سے چندامور مستفاد ہوئے:

(۱) بلوغ کے بعد بھی ختنہ کا حکم ہے۔

(۲) اس صورت میں شرط یہ ہے کہ وہ اس کا متحمل بھی ہو، ورنہ چھوڑ دیا جاوے گا (۳)۔

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الخنثى، مسائل شتى، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۴۸۰-۴۸۱، كراچی ٦/ ۷۵۱۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۳۲-۵۳۳، كراچی ٦/ ۳۷۰۔

(۳) **وكذا جاز ترک ختان شيخ أسلم، وقال أهل النظر: لا يطيق الختان للعذر الظاهر، ووقت الختان غير معلوم عند الإمام، فإنه قال: لا علم لي بوقته ولم يرو عنهما فيه شيء، وقيل: سبع سنين، وقيل: لا تختن حتى تبلغ، وقيل: أقصاه اثني عشرة سنة، وقيل: تسع سنين، وقيل: وقته عشر سنين؛ لأنه يؤمر بالصلاة إذا بلغ عشرا اعتيادا وتخلقا فيحتاج إلى الختان؛ لأنه شرع للطهارة، و قيل: إن كان قويا يطيق أ لم الختان ختن وإلا لا، وهو أشبه بالفقه.** (مجمع الأنهر، كتاب الخنثى، قبيل كتاب الفرائض، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٤٩٠)

البحرالرائق، كتاب الخنثى، مسائل شتى، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۳۵۹، كوئٹه ۸/ ۴۸۵۔ ←

(۳) اس ضرورت سے اس کے بدن کو دیکھنا اور ہاتھ لگانا حسب جزم ہدایہ وخانیہ وغیرہما جائز ہے، گو بعض نے اختلاف کیا ہے(۱)۔

وقد حفظت عن شيخي ومولائي المولوي محمد يعقوب رحمه الله تعالىٰ ترجيح الجواز. ۶/ رجب ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۴۹)

← تبيين الحقائق، كتاب الخنثى، مسائل شتى، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٤٦٤-٤٦٥، إمداديه ملتان ٦/ ٢٢٦-٢٢٧۔

(١) وينظر الطبيب إلى موضع مرضها (كنز) وفي التبيين: وفي نظر الطبيب إلى موضع المرض ضرورة فيرخص لهم إحياء لحقوق الناس ودفعًا لحاجتهم فصار كنظر الختان والخافضة الخ. (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في النظر والمس، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٣٩-٤٠، إمداديه ملتان ٦/ ١٧)

ويجوز للطبيب أن ينظر إلى موضع المرض منها للضرورة، وينبغي أن يعلم امرأة مداواتها؛ لأن نظر الجنس إلى الجنس أسهل، فإن لم يقدروا يستر كل عضو منها سوى موضع المرض، ثم ينظر ويغض بصره ما استطاع؛ لأن ما ثبت بالضرورة يتقدر بقدرها، وصار كنظر الخافضة والختان. (هداية، كتاب الكراهية، فصل في الوطئ والنظر والمس، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٩)

مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في النظر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٩٩۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۷/ باب: غناء ومزامیر اور لہو ولعب وتصاویر کے احکام

شطرنج کا حکم

سوال (۲۶۱۲): قدیم ۴/۲۴۰- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں صورت کہ نزدہائے شطرنج معنی آیہ کریمہ: یٰاَیُّھَا الذین اٰمنوا انما الخمر و المیسر والانصاب. الآیة (۱) میں داخل ہے یا صرف لہولعب فعل عبث ہے؟ اور بحالت فرصت کوئی شخص تفنن کی راہ سے اوقاتِ بیکاری میں مشغلہ شطرنج کا کرے تو مرتکب گناہِ کبیرہ مثل خمر ومیسر کے ہے یا فعلِ عبث وبیہودہ ہے؟ اور معنی انصاب کے محققانہ تحریر فرمائیے، اور صاحب مذہب شافعی کا کھیلے تواز روئے مذہب شافعی مرتکب کبیرہ گناہ کا ہوگا، اور شطرنج زمانہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں تھی یا نہیں؟ اور مسئلہ شطرنج قیاسی ہے یا منصوص؟ کتب حدیث وتفسیر وفقہ سے بحوالہ کتب جواب تحریر فرمائیے۔ بینوا توجروا؟

الجواب: اگرچہ شطرنج انصاب میں جو بمعنی بُت کے ہے، داخل نہیں، مگر دوسرے دلائل سے حرام ہے، اگر مع القمار ہو تو بالاجماع لقوله تعالیٰ: انما الخمر والمیسر. الآیة اور بدون قمار کے ہے تو مع الاختلاف، یعنی ہمارے نزدیک اس وقت بھی حرام ہے۔

لإطلاق ما روى صاحب الهداية لقوله عليه السلام: من لعب بالشطرنج والنردشير فكأنما غمس يده في دم الخنزير، ولقول علي رضي الله عنه حين مر بقوم يلعبون بالشطرنج، فقال: ما هٰذه التماثيل التي أنتم لها عاكفون؟ وروى مثل هذا عن عمر رضي الله عنه أيضاً حين مر بقوم يلعبون بالشطرنج، وقد شبه عملهم بعمل بعبادة الأوثان. اه غاية البيان ۱۲. وعن عبيداللّٰه بن عمر رضي الله عنه أنه قال للقاسم بن محمد: هذه النرد يكرهونها فما بال الشطرنج؟ قال: كل ما ألهى من ذكر اللّٰه وعن الصلوٰة فهو ميسر. تخريج زيلعي ۱۲ (۲)۔

---

(۱) سورة المائدة، رقم الآية: ۹۰۔

(۲) هداية مع الحاشية، كتاب الكراهية، مسائل متفرقة، مكتبه اشرفيه ديو بند ۴/ ۴۷۵۔

ولـمـا فـي ردالمحتار: والشطرنج معرب شدرنج، وإنما كره؛ لأن من اشتغل به ذهب عناء ه الدنيوي وجاء ه العناء الأخروي فهو حرام وكبيرة عندنا، وفي إباحته إعانة الشيطان على الإسلام والمسلمين كما في الكافي قهستاني (۱)۔ ولما في تفسير الأحمدي: وإن كان بدون القمار فالنرد حرام بالإجماع، والشطرنج حرام عندنا. اھ(۲)۔

---

(۱) الـدرالـمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٥٦٥، كراچی ٦/ ٣٩٤۔

(۲) التـفسيرات الأحمدية للعلامة ملا جيون جونفوري، سورة المائدة، آيت: ۹۰، مكتبه رحيميه ديوبند ص: ٢٤٤۔

قـال رحمه الله (واللعب بالشطرنج والنرد وكل لهو) لقوله عليه الصلاة والسلام: كل لـعـب ابـن آدم حـرام إلا ثـلاثة، مـلاعبة الـرجـل أهله وتأديبه لفرسه ومناضلته بقوسه، وأباح الشـافـعي الشـطـرنـج مـن غيـر قـمـار ولا إخلال بحفظ الواجبات؛ لأن فيه تشحيذ الخاطر وتـذكية نـار الأفهـام، والـحـجة عـلـيـه مـا روينا، وما روي أن ابن عمر رضي الله عنه مر بقوم يـلـعبون الشطرنج فلم يسلم عليهم، وقال: ما هذه التماثيل التي أنتم لها عاكفون، ولأنه لعب يـصد صاحبه عن الجمع والجماعات وعن ذكر الله عز وجل غالبا فيكون حراما كالنردشير، والنرد، قال عليه الصلاة والسلام: من لعب بالنردشير فكأنما صبغ يده في لحم خنزير. (رواه مسـلـم وأحـمد وأبوداؤد، وعن أبي موسى أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من لعب بالنرد فقد عصى الله ورسوله. رواه مالك وأحمد وغيرهما، وأما منفعته التي ذكرها فمغلوبة تابعة، والعبرة للغالب في التحريم، ألا ترى إلى قوله تعالى: ”وإثمهما أكبر من نفعهما“ (البقرة: ۲۱۹) فـاعتبـر الـغـالـب في التحريم، وهل رؤي من يلعب بالشطرنج يصلي فضلا عن الجماعة، وإن صـلـى فقلبه متعلق به فكان في إباحته إعانة الشيطان على الإسلام والمسلمين الخ. (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۷۰-۷۱، إمداديه ملتان ٦/ ۳۱-۳۲)

البـحـرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۳۷۹-۳۸۰، كوئٹه ۸/ ۲۰۷۔

سـكـب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۲۲۱-۲۲۲۔

اور جو کہ بعض کتب حنفیہ میں اس کی نسبت مکروہ لکھا ہے، مراد اس سے مکروہ تحریمی ہے، جو عملاً مثل حرام کے ہے استحقاق عقوبت ناری میں، اگرچہ علماً فرق ہے کہ منکر اس کا کافر نہیں۔ كما صرح به في ردالمحتار (۱)۔ پس ہمارے نزدیک ارتکاب اس فعل حرام کا موجب استحقاق عذاب جہنم ہے۔ أعاذ الله منه. اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس صورت میں حرام نہیں؛ لیکن مکروہ ہے، چنانچہ امام نوویؒ شافعی نے شرح مسلم میں تصریح فرمائی ہے: وأما الشطرنج فمذهبنا أنه مكروه ليس بحرام (۲)۔

اور بعض کتب میں جوان کی طرف نسبتِ اباحت کی ہے وہ اباحت مقابل حرمت کے ہے، جو شامل ہے کراہیت کو۔ لما مرآنفا۔ اور یہ کراہت بھی مقید چند شرائط کے ساتھ ہے، کہ نماز و جواب سلام سے غافل نہ کرے، اور قمار نہ ہو اور بہت نہ کھیلے، ورنہ اُن کے نزدیک بھی حرام ہے۔

لما في التفسير الأحمدي: ومباح عند الشافعي بشرط كونه غير مانع من الصّلوٰة، ورد السلام وكونه غير مقمر ومكثر منه (۳)۔ أقول: قوله مباح أو مكروه كما مر ۱۲ .

---

(۱) كل مكروه أي كراهة تحريم حرام، أي كالحرام في العقوبة بالنار (درمختار) وفي الشامية: قوله: (أي كالحرام) كذا قال القهستاني: ومقتضاه أنه ليس بحرام حقيقة عنده، بل هو شبيه به من جهة أصل العقوبة في النار، وإن كان عذابه دون العذاب على الحرام القطعي وهو خلاف ما اقتضاه ذكر الاختلاف بينه وبين الشيخين، وتصحيح قولهما، نعم هو موافق لما حققه المحقق ابن الهمام في تحريم الأصول من أن قول محمد إنه حرام فيه نوع من التجوز للاشتراک في استحقاق العقاب، وقولهما على سبيل الحقيقة للقطع بأن محمدا لا يكفر جاحد الواجب والمكروه كما يكفر جاحد الفرض والحرام فلا اختلاف بينه وبينهما في المعنى كما يظن اھ. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٤٨٦، كراچی ٦/ ٣٣٧)

(۲) شرح النووي على المسلم، كتاب الشعر، باب تحريم اللعب بالنردشير، النسخة الهندية ۲/ ۲٤٠۔

(۳) التفسيرات الأحمدية، سورة المائدة، آيت: ۹۰، مكتبه رحيميه ديوبند ص: ۲٤٤۔

اور امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ بھی ہمارے ساتھ متفق ہیں؛ بلکہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ نرد سے بھی بدتر اور قمار سے زیادہ غفلت میں ڈالنے والی ہے، جس کی حرمت **متفق علیه بین الجمهور** ہے۔

وقال النووي، وقال مالكؒ وأحمدؒ: حرام، قال مالك: هو شر من النرد وألهٰى عن الخير. اھ(۱)۔

بہرحال اوّل تو ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک حرمت اس کی متفق علیہ ہے۔ اور اگر امام شافعی کے نزدیک مکروہ بھی ہے تو چند شرائط سے، کہ وہ شرائط غالبًا اس زمانہ میں مفقود ہیں۔ کما ہو مشاہد غیر خفی۔ اور اگر مفقود نہ بھی ہوں تب بھی استخفاف ودوام سے مکروہ وحرام ہو جاتا ہے۔ اور اگر نہ بھی ہو تو ایک مجتہد کے مقلّد کو دوسرے امام کی تقلید کرنا محض واسطے اتباع ہویٰ کے حرام ہے، اور داخل ہوتا ہے، وعید: **يقولون ان اوتيتم هٰذا فخذوه وان لم تؤتوه فاحذروا** (۲)۔ **وقوله تعالىٰ: اتخذوا دينهم لعبا ولهوًا. الآية** (۳) میں۔ پس تقریر بالا سے واضح ہوا کہ شطرنج **الآية: انما الخمر والميسر** (۴)۔ میں مفہومًا تو داخل نہیں، مگر حکمًا وتحریمًا داخل ہے۔ **لما مر من قول عليؓ ما هذه التماثيل الخ** (۵)۔

اور حالت فرصت میں بھی کھیلنا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک باعتبار مذہب کے اور شافعیؒ کے نزدیک باعتبار فقدانِ شرائط اباحت اور اتباع ہویٰ کے حرام ہے۔ اور نفس حرمت میں مثل خمر ومیسر کے ہے، اگرچہ بعض وجوہ سے تفاوت ہے، یوں تو خود محرمات منصوصہ میں بھی من کل الوجوہ مساوات نہیں، بعض اشد ہے بعض سے۔ **كما جاء أن الغيبة أشد من الزنا** (۶)۔ اور یہاں محض عبثیت ولہویت علت حرمت نہیں،

---

(۱) شرح النووي على المسلم، النسخة الهندية ۲/ ۲۴۰۔

(۲) سورة المائدة، رقم الآية: ۴۱۔

(۳) سورة الأنعام، رقم الآية: ۷۰۔

(۴) سورة المائدة، رقم الآية: ۹۰۔

(۵) عن ميسرة الهندي قال: مرّ عليّ على قوم يلعبون بالشطرنج فقال: "ما هذه التماثيل التي أنتم لها عاكفون" سورة الأنبياء، رقم الآية: ۵۲. (المصنف لابن أبي شيبة، الأدب، باب في اللعب بالشطرنج، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۱۳/ ۳۵۱، رقم: ۲۶۶۸۲)

(۶) عن أبي نضرة عن أبي سعيدؓ وجابر بن عبداللهؓ قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الغيبة أشد من الزنا، قالوا: يا رسول الله! وكيف الغيبة أشد من الزنا؟ قال: إن ←

اگرچہ وہ بھی کافی ہوسکتی ہے۔ **لقوله عليه السَّلام: ما أنهاك عن ذكر الله فهو ميسر.** ہدایہ ای حکمًا ۱۲ (۱) اور جو اصل سے شافعی المذہب ہو اور کھیلے تو وقت فقدانِ شرائط حرام ہے ورنہ مکروہ مگر استخفاف ضرر حرام ہے، اور ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں شطرنج تھی۔ **كما مر من الحديث المروي عن الهداية.** اور اگر نہ بھی ہو تو آپ کو وحی سے اس کا رواج مکشوف ہوگیا ہوگا؛ اس لئے اس کا حکم ارشاد فرمایا۔ اور مسئلہ شطرنج بقول صاحب ہدایہ تو منصوص رسول ہے، اور صحابہؓ کی تصریح میں تو کلام ہی نہیں (۲) جن میں دو خلیفہ راشد حضرت عمرؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی داخل ہیں، جن کا اتباع مامور بہ ہے۔

حيث قال عليه السَّلام: عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين، وعضوا عليها بالنواجذ (۳)۔

← **الرجل ليزني فيتوب فيتوب الله عليه، وفي رواية حمزة: فيتوب فيغفر له، وإن صاحب الغيبة لا يغفر له حتى يغفرها له صاحبه.** (شعب الإيمان للبيهقي، باب في تحريم أعراض الناس، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ٣٠٦، رقم: ٦٧٤١)

(۱) هداية، كتاب الكراهية، مسائل متفرقة، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٧٥ ـ

عن عبيدالله بن عمر قال: قيل للقاسم هذه النرد تكرهونها فما بال الشطرنج؟ قال: كل ما ألهى عن ذكر وعن الصلاة فهو من الميسر. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في تحريم الملاعب والملاهي، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ٢٤٢، رقم: ٦٥١٩)

(۲) **عن الأصبغ بن نباتة عن علي رضي الله عنه أنه مرّ على قوم يلعبون بالشطرنج فقال: ما هذه التماثيل التي أنتم لها عاكفون؟ لأن يمس جمرا حتى تطفأ خير له من أن يمسها.** (شعب الإيمان للبيهقي، باب في تحريم الملاعب والملاهي، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ٢٤١، رقم: ٦٥١٨)

عن ابن شهاب أن أبا موسى الأشعريؓ قال: لا يلعب بالشطرنج إلا خاطئ، وعن عبيد الله بن أبي جعفر أن أبا سعيد الخدريؓ كان يكره أن يلعب بالشطرنج. (شعب الإيمان للبيهقي، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ٢٤١، رقم: ٦٥١٨)

(۳) **عن عرباض رضي الله عنه صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم ثم أقبل علينا فوعظنا موعظة بليغة، ذرفت منها العيون، ووجلت منها القلوب، فقال قائل: يا رسول الله! كأن هذه موعظة مودع فما ذا تعهد إلينا؟ فقال: أوصيكم بتقوى الله والسمع** ←

تب بھی مثل منصوص ہوگا، اور اگر قیاس ہی سہی تو قیاس بھی تو ادّلہ شرعیہ سے ہے (۱) بلکہ اکثر مدار فقہ و دین کا یہی ہے، اس پر بھی عمل واجب ہوگا، غرض حیلہ سے جواز ثابت ہونا ممکن نہیں، اور معصیت کو تاویل رکیک سے جائز کرنا اشد ہے، اس سے کہ معصیت جان کر کرے حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ترسم کہ صرفہ نہ بر د روز باز خواست　　　　نانِ حلال شیخ ز آبِ حرام مَا

اگرچہ تاویل باطل کر کے عوام خلائق سے عقب گذاری ممکن ہے، مگر خدائے تعالیٰ کہ عالم السر والخفی ہے، اس سے کیونکر بچ سکتا ہے (۲)۔ مولانا رومی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

خلق راگیرم کہ بفر یبی تمام ☆ درغلط اندازی تاہر خاص وعام

کارہا با خلق آری جملہ راست ☆ باخُدا تزویر و حیلہ کے رواست

کارہا اوراست باید داشتن ☆ رایتِ اخلاص وصدق افراشتن

← **والطاعة، وإن عبدا حبشيا، فإنه من يعش منكم بعدي فسيرى اختلافا كثيرا، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة.** (أبو داؤد شريف، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، النسخة الهندية ۲/ ٦٣٥، دارالسلام رقم: ٤٦٠٧)

ترمذي شريف، كتاب العلم، باب ما جاء في الأخذ بالسنة واجتناب البدع، النسخة الهندية ۲/ ۹٤، دارالسلام رقم: ۲٦٧٦۔

(۱) **والحاصل أن أدلة الشرع أربعة: الكتاب، والسنة، والإجماع، والقياس، ويسمى الإجماع والقياس فريضة عادلة.** (مرقاة المفاتيح، كتاب العلم، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ۱/ ۲۹۸)

إعلم أن أصول الشرع ثلاثة: الكتاب، والسنة، وإجماع الأمة، والأصل الرابع القياس: أي الأصل الرابع بعد الثلاثة للأحكام الشرعية هو القياس المستنبط من هذه الأصول الثلاثة. (نور الأنوار، بحث أدلة الشرع وأصوله، مكتبه نعمانيه ديوبند ص: ٤-٥)

أدلة الشرع المتفق عليها والتي تستنبط منها الأحكام الفقهية أربعة: الكتاب، والسنة، والإجماع، والقياس. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۵/ ۲٦۵)

(۲) **إنه يعلم الجهر وما يخفى.** (سورة الأعلىٰ، رقم الآية: ۷) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

أللّٰهم أرنا الحق حقا، ورزقنا اتباعه والباطل باطلا، وارزقنا اجتنابه. والله أعلم وعلمه أتم وأحكم. (امداد ج ۲ ص ۱۳۶)

بزرگوں کی تصویر رکھنا

سوال (۲۶۱۳): قدیم ۴/۲۴۳- مرقع حضرت سیدنا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم وحضرت غوث الاعظم محمد عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ودیگر بزرگان کا رکھنا اور اُن پر فاتحہ ودرود بھیجنا وپھول چڑھانا یا مکانوں میں مثل وسلی لگانا اور تعظیم کرنا درست ہے یا نہیں؟ امید کہ اس کے جواب سے مطلع فرمائیں۔ یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ

الجواب: تصویر جس کو اس زمانہ کی اصطلاح میں مرقع کہتے ہیں، احادیث صحیحہ کی رُو سے اس کا بنانا رکھنا سب حرام ہے(۱)۔

---

(۱) **عن عبدالله رضي الله عنه قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابا يوم القيامة المصورون.** (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب عذاب المصورون يوم القيامة، النسخة الهندية ۲/ ۸۸۰، رقم: ۵۷۱۷، ف: ۵۹۵۰)

مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان الخ، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۱، بيت الأفكار رقم: ۲۱۰۹۔

عن القاسم بن محمد عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم أنها أخبرته: أنها اشترت نمرقة فيها تصاوير، فلما رآها رسول الله صلى الله عليه وسلم قام على الباب فلم يدخل، فعرفت في وجهه الكراهية، قالت: يا رسول الله! أتوب إلى الله وإلى رسوله ماذا أذنبت؟ قال: ما بال هذه النمرقة؟ فقالت: اشتريتها لتقعد عليها وتوسدها، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أصحاب هذه الصور يعذبون يوم القيامة، ويقال لهم: أحيوا ما خلقتم، وقال: إن البيت الذي فيه الصور لاتدخله الملائكة. (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب من لم يدخل بيتا فيه صورة، النسخة الهندية ۲/ ۸۸۱، رقم: ۵۷۲۷، ف: ۵۹۶۱)

مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۱، بيت الأفكار رقم: ۲۱۰۷۔ ←

اور اس کا ازالہ اور محو کرنا واجب ہے؛ اس لئے کہ اس کے یہ معاملات سخت گناہ ہیں (۱)۔ واللہ اعلم
یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۵۷)

فوٹو گراف کا حکم

سوال (۲۶۱۴): قدیم ۴/۲۴۳- آج کل جو باجہ فوٹو گراف بکثرت ہر قصبہ و دیہات میں پھیل گیا۔ آیا یہ مزامیر و معازف میں داخل ہے یا نہ؟ اس میں قرآن شریف بھی بھرتے ہیں، یہ فعل قرآن مجید کی بے ادبی ہے یا نہ؟

الجواب: یہ جس صورت کی حکایت ہے اس کے محکی عنہ کا سا اس کا حکم ہے، مثلاً اگر اس میں معازف ومزامیر یا غناء اجنبیہ کی صوت بند ہے، سننا حرام ہے (۲) اور اگر کوئی صَوتِ مباح ہے تو سننا مباح؛

← نسائي شريف، كتاب الزينة، ذكر أشد الناس عذابا، النسخة الهندية ٢/ ٢٥٦، دارالسلام رقم: ٥٣٥٨-٥٣٥٩۔

(۱) **عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: استأذن جبرئيل عليه السلام على النبي صلى الله عليه وسلم فقال: أدخل، فقال: كيف أدخل وفي بيتك ستر فيه تصاوير؟ فإما أن تقطع رؤوسها أو تجعل بساطا يوطأ، فإنا معشر الملائكة لا ندخل بيتا فيه تصاوير.** (نسائي شريف، كتاب الزينة، ذكر أشد الناس عذابا، النسخة الهندية ٢/ ٢٥٧، دارالسلام رقم: ٥٣٦٧)

إن كانت الصورة باقية الهيئة قائمة الشكل حرام، وإن قطعت الرأس أو تفرقت الأجزاء جاز، قال: وهذا هو الأصح. (فتح الباري، باب من كره القعود على الصور، دارالفكر بيروت ١٠/ ٣٩١، مكتبه أشرفيه ديوبند ١٠/ ٤٧٩، تحت رقم الحديث: ٥٩٥٨)

(۲) **وفي السراج: ودلت المسألة أن الملاهي كلها حرام، ويدخل عليهم بلا إذنهم لإنكار المنكر، قال ابن مسعود: صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات، قلت: وفي البزازية: استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام؛ لقوله عليه الصلاة والسلام: "استماع الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر" أي بالنعمة، فصرف الجوارح إلى غير ماخلق لأجله كفر بالنعمة لا شكر فالواجب كل واجب أن يجتنب كي لا يسمع لما روي أنه عليه السلام أدخل إصبعه في أذنه عند سماعه.**
(الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٠٢-٥٠٣-٥٠٤، كراچی ٦/ ٣٤٨-٣٤٩) ←

لیکن قرآن کا بند کرنا ایک عارض خارجی کی وجہ سے کہ تلہی وتلعب بالقرآن ہے ناجائز ہے (۱)۔

۲۰/ رمضان ۱۳۲۴ھ (امداد ج ۲ ص ۱۷۷)

← **وقال النوويؒ في الروضة: غناء الإنسان بمجرد صوته مكروه وسماعه مكروه، وإن كان سماعه من الأجنبية كان أشد كراهة، والغناء بآلات مطربة هو من شاربي الخمر كالعود والطنبور والصنج والمعازف وسائر الأوتار حرام، وكذا سماعه حرام.** (مرقاة، كتاب الأدب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث، مكتبه إمداديه ملتان ۹/ ۱۳٤)

قوله: (وكره كل لهو) أي كل لعب وعبث، فالثلاثة بمعنى واحد كما في شرح التأويلات، والإطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق، وضرب الأوتار من الطنبور، والبربط والرباب، والقانون، والمزمار، والصنج، والبوق، فإنها كلها مكروهة؛ لأنها زي الكفار، واستماع ضرب الدف والمزمار وغير ذلك حرام، وإن سمع بغتة يكون معذورا، ويجب أن يجتهد أن لا يسمع قهستاني. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٥٦٦، كراچى ٦/ ٣٩٥)

(۱) وفي الخلاصة: من قرأ القرآن على ضرب الدف والقضيب يكفر، قلت: ويقرب منه ضرب الدف والقضيب مع ذكر الله تعالى ونعت المصطفى صلى الله عليه وسلم. (شرح فقه أكبر، من قرأ القرآن على ضرب الدف والقضيب يكفر، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٢٠٥)

قرأ القرآن على ضرب الدف والقضيب يكفر لاستخفافه، وأدب القرآن أن لا يقرأ في مثل هذه المجالس، والمجلس الذي اجتمعوا فيه للغناء والرقص لا يقرأ فيه القرآن كما لا يقرأ في البيع والكنائس؛ لأنه مجتمع الشيطان الخ. (بزازية على هامش الهندية، كتاب ألفاظ تكون إسلاما أو كفرا أو خطأ، النوع التاسع: فيما يقال في القرآن، قديم ٦/ ٣٣٨، جديد زكريا ديوبند ٣/ ١٨٩)

إذا قرأ القرآن على ضرب الدف والقصب يكفر. (هندية، كتاب السير، الباب التاسع: في أحكام المرتدين، موجبات الكفر أنواع، قديم زكريا ٢/ ٢٦٧، جديد زكريا ٢/ ٢٧٩)

مگر آج کل موبائل میں پورا قرآن کریم محفوظ کرلیا جاتا ہے، اس میں صوتی اور الفاظی دونوں طرح سے قرآن مقدس محفوظ ہوتا ہے، سفر میں اسی میں تلاوت کرتے ہیں؛ اس لئے موبائل میں محفوظ کرنے کی ممانعت اور عدم جواز میں تردد ہے۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ایضاً

سوال (۲۶۱۵): قدیم ۴/۳۴۳-۲۴۳ - آلہ فونوگراف جومثل انسان کے باتیں کرتا ہے اس میں دو قسم کی آوازیں بھری ہوتی ہیں: ایک تو کلام اللہ، دوسرے راگ باجے (وغیرہ) پھر دونوں کی دو صورتیں ہیں:۔۔ایک تو یہ کہ بعض لوگ اپنی آمدنی کے لئے بازار میں رکھتے ہیں، اور مقدار معین سنانے پر ایک پیسہ اجرت لیتے ہیں، دوسرے یہ کہ کوئی آسودہ شخص شوقیہ مختلف قسم کی آوازیں بھروا کر اپنے یہاں رکھ لیتا ہے، اور کبھی خود اور کبھی دوست احباب کو سُنا تا ہے۔ پہلی صورت میں راگ باجہ وغیرہ کا کیا حکم ہوگا؟ اور کلام اللہ سننے کا کیا حکم از روئے شرع ہوگا، اور جو شخص اس سے کما تا ہے وہ عاصی ہوگا یا نہیں؟ اور جو پیسہ دیکر سُنتا ہے وہ عاصی ہے یا نہیں؟ اور دوسری صورت راگ باجے میں کیا حکم رکھتی ہے؟ اور کلام اللہ کی صورت میں کیا حکم ہے؟ اگر اس صورت میں کلام اللہ کو نا جائز قرار دیا جائے (جیسا کہ بعض لوگ یہاں کہتے ہیں) تو بندہ کا یہ اعتراض ہے کہ اگر یہی آلہ امام غزالیؒ وغیرہ بزرگان دین کے وقت میں ایجاد ہوتا اور ان کے مواعظ اس میں اب تک محفوظ ہوتے تو بڑے بڑے علماء اس وقت میں ضرور سُنتے ؛ بلکہ اجرت دیکر بھی سنتے ؟

الجواب : اس مسئلہ میں دو مقام پر کلام ہے: اوّل یہ کہ جس صَوت کو اس میں بند کیا گیا ہے اس کا فی نفسہ سُننا جائز ہے یا نہیں؟ دوسرا یہ کہ جس صَوت کا فی نفسہ سننا جائز ہے آیا کسی عارض کی وجہ سے نا جائز ہو جا تا ہے یا نہیں؟ سوامر اوّل کی تحقیق یہ ہے کہ اگر راگ باجہ اس میں بند کیا گیا تو اس کا سُننا اور سُنا نا سب نا جائز ہے (۱) یا تو اس وجہ سے کہ وہ حکایت محکی عنہ کے بالکل مماثل ہے، تو جو مفاسد مَدار نہی سماع محکی عنہ

---

(۲) وفي السراج: ودلت المسألة أن الملاهي كلها حرام، ويدخل عليهم بلا إذنهم لإنكار المنكر، قال ابن مسعود: صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات، قلت: وفي البزازية: استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام؛ لقوله عليه الصلاة والسلام: ”استماع الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر“ أي بالنعمة، فصرف الجوارح إلى غير ماخلق لأجله كفر بالنعمة لا شكر فالواجب كل واجب أن يجتنب كي لا يسمع لما روي أنه عليه السلام أدخل إصبعه في أذنه عند سماعه.

(الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٠٢-٥٠٣-٥٠٤، كراچی ٦/ ٣٤٨-٣٤٩) ←

کے ہیں وہی مفاسد حکایت میں پائے جاتے ہیں، مثلاً تحریک قویٔ شہو یہ وغیرہ اور یا اگر تأمل کیا جائے تو حقیقت میں یہاں حکایت ومحکی عنہ کا تفاوت ہی نہیں؛ بلکہ وہ صَوت بعینہٖ مسموع ہوتی ہے جس سے ہَوا متکیف ہوجاتی ہے، جیسا اصل تکلم کے وقت بھی سننے کی یہی علّت ہے، اوراس کو ماہر طبعیات بہت آسانی سے مان سکتا ہے، بہرحال ناجائز ٹھہرا۔ اوراگر قرآن یا کوئی وعظ یا کوئی کلام مباح السماع اس میں بند کیا گیا ہے تو اس کا سُننا فی نفسہ جائز ہے۔ اب یہاں امر دوم کی تحقیق کی ضرورت ہوگی کہ کلام جائز السماع فی نفسہ کا سننا کسی عارض سے ناجائز ہوسکتا ہے یانہیں؟ سواس میں تفصیل یہ کہ اس کامَدار نیت پر ہے، اگر مقصود تلہی وتلعب ہے، سوجس کلام کو آلہ تلہی وتلعب بنانا جائز نہیں، اس کا سننا اس عارض کی وجہ سے ناجائز ہوگا، جیسے قرآن ونحوہ (ا) ورنہ جائز ہوگا جیسے کوئی قصہ مباحہ ومثلہا، اور غالب عادت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں قرآن سننا اکثر کو مقصود نہیں ہوتا، اور وعظ کے مضامین خود بالسماع ہوتے ہیں؛ لہٰذا قرآن سننے کو منع

← **وقال النوويؒ في الروضة: غناء الإنسان بمجرد صوته مكروه وسماعه مكروه، وإن كان سماعه من الأجنبية كان أشد كراهة، والغناء بآلات مطربة هو من شاربي الخمر كالعود والطنبور والصنج والمعازف وسائر الأوتار حرام، وكذا سماعه حرام.** (مرقاة، كتاب الأدب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث، مكتبه إمداديه ملتان ٩/ ١٣٤)

شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٦٦، كراچی ٦/ ٣٩٥ـ

(ا) **وفي الخلاصة: من قرأ القرآن على ضرب الدف والقضيب يكفر، قلت: ويقرب منه ضرب الدف والقضيب مع ذكر الله تعالى ونعت المصطفى صلى الله عليه وسلم.** (شرح فقه أكبر، من قرأ القرآن على ضرب الدف والقضيب يكفر، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٢٠٥)

قرأ القرآن على ضرب الدف والقضيب يكفر لاستخفافه، وأدب القرآن أن لا يقرأ في مثل هذه المجالس، والمجلس الذي اجتمعوا فيه للغناء والرقص لا يقرأ فيه القرآن كما لا يقرأ في البيع والكنائس؛ لأنه مجتمع الشيطان الخ. (بزازية على هامش الهندية، كتاب ألفاظ تكون إسلاما أو كفرا أو خطأ، النوع التاسع: فيما يقال في القرآن والأذكار والصلاة، قديم ٦/ ٣٣٨، جديد زكريا ديوبند ٣/ ١٨٩)

هندية، كتاب السير، الباب التاسع: في أحكام المرتدين، موجبات الكفر أنواع، قديم زكريا ٢/ ٢٦٧، جديد زكريا ٢/ ٢٧٩ـ

کریں گے اور سماع وعظ وقِصص مباحہ کو جائز کہیں گے، جب جائز وناجائز کی تعیین ہوگئی، پس جائز کا سننا اور سُنا نا جائز (۱) اور ناجائز کا سننا سُنا نا ناجائز اور جائز پر اجرت بھی لینا جائز اور ناجائز پر ناجائز (۲) اور جس کا لینا ناجائز اس کا بلا اضطرار دینا بھی ناجائز (۳) اور جس کا لینا جائز دینا بھی جائز' اس سے تمام صور مسئول عنہا کا جواب ہوگیا۔ فقط واللہ اعلم ۱۸؍ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ (امداد ج ۲ ص ۱۷۸)

فونوگراف کا حکم اور اس کی پلیٹ بلا وضو چھونے کی تحقیق

سوال (۲۶۱۶): قدیم ۴/۲۴۴ - فونوگراف جو ایک آلہ نقل الصوت ہے، اس میں تقاریر نغمات موسیقی اور قراء سے رکوعات قرآن مجید کی آوازیں ایک خاص ایجاد سے بند کی جاتی ہیں، اور پھر

---

(۱) قال الله تعالیٰ: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [سورة المائدة، رقم الآية: ۲]

يأمر الله تعالیٰ عباده المؤمنين بالمعاونة على فعل الخيرات وهو البر، وترك المنكرات، وهو التقوى، وينهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على المآثم والمحارم. (تفسير ابن كثير، سورة المائدة، آيت: ۲، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۵۳)

(۲) ولا تجوز الإجارة على شيء من الغناء والنوح والمزامير والطبل، وشيء من اللهو؛ لأنه معصية والاستئجار على المعصية باطل. (المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت ۱۶/ ۳۸)

ولا تصح الإجارة لأجل المعاصي مثل الغناء والنوح والملاهي. (الدرالمختار مع الشامي، الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۷۵، كراچی ۶/ ۵۵)

ولا يجوز أخذ الأجرة على المعاصي كالغناء والنوح والملاهي؛ لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد، فلا يجب عليه الأجر، وإن أعطاه الأجر وقبضه لا يحل له، ويجب عليه رده على صاحبه. (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۵۳۳)

(۲) ما حرم أخذه حرم إعطاءه. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۱۱۵)

الأشباه والنظائر، النوع الثاني، القاعدة الرابعة عشر: ما حرم أخذه حرم إعطاءه، قديم ص: ۲۲۹، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۳۹۱۔

رہی اصوات تنہائی میں، مجالس میں، تماشا گاہوں میں آلہ مذکور کوک کر سنتے ہیں، تو اس طرح قرآن مجید کی آواز کا اس میں بند کرنا اور پھر فونوگراف سے سننا درست ہے یا نہیں؟ اور فونوگراف باجا ہے یا کیا ہے؟ اور کلام مقدس کی اس قسم کی آواز قرآن ہوگی یا کیا کہیں گے؟ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں: **والقرآن في المصاحف مكتوب، وفي القلوب محفوظ، وعلى الألسن مقرو** (۱)۔ یہ تعریف آواز مذکور میں نفی میں صادق آئے گی یا اثبات میں بھی یہ امر قابل گذارش ہے کہ جس آلہ سے اس کی پلیٹ پر صَوت بھری جاتی ہے اس سے اس کی پلیٹ پر کچھ خطوط و دوائر کے طور پر بن جاتے ہیں اور جب اس کی مشین چلائی جاتی ہے تو اُس کا ایک پرزہ جس کے آخر میں ہیرے کی کنی لگی ہوتی ہے وہ کنی ان دوائر پر گشت کرتی ہے، اور اس سے صوت پیدا ہوتی ہے، وہ خطوط آپس میں کچھ ممتاز نہیں معلوم ہوتے: بلکہ ہر پلیٹ پر خطوط یکساں سے معلوم ہوتے ہیں، ممکن ہے کہ فی الواقع کچھ تمایز ہو؛ لیکن محسوس نہیں ہوتا، چلانے والے کو یاد رکھنا پڑتا ہے کہ اس ہیئت پر فلاں چیز منقش ہے، اور اس پر دوسری چیز، پس ان نقوش کا کیا حکم ہے؟ اور یہ تو ظاہر ہے کہ چونکہ یہ آلۂ لہو ہے، نہ تذکر، اس لئے بھرنا اور سننا خلاف ادب قرآنی ہے؛ لیکن اگر کوئی بھردے تو اس پلیٹ کا بغیر وضو کے چھونا جائز ہے یا نہیں؟ اور تعریف قرآن کی اس پر صادق ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ آلہ خود باجا نہیں ہے؛ بلکہ محض نقلِ صوت کرتا ہے، اگر باجا بھرا جائے تو باجے کی آواز نکلتی ہے، ورنہ جو بھرا جائے؛ اس لئے مطلقاً باجا نہیں کہا جا سکتا، بہر حال امید ہے کہ اس کی نسبت حضرت اقدس اپنی رائے تحریر فرمائیں گے؟

الجواب: ان نقوش میں جب تک پڑھے جانے کی صلاحیت ثابت نہ ہو حروف مکتوبہ کے حکم میں نہیں؛ اس لئے اُن کا مَس کرنا محدث وجنب کو جائز ہے، جیسا دماغ میں ارتسام الفاظ قرآنیہ کا ہوتا ہے اور اس دماغ کا مس کرنا جائز ہے؛ البتہ اگر وہ پڑھے جانے لگیں تو اس وقت دلالت وضعیہ غیر لفظیہ کی وجہ سے اُن کو حکم حروف مکتوبہ کا دیا جائے گا (۲) یہ حکم تو نقوش کا ہے، اور جو آواز اس سے نکلتی ہے وہ تلاوت نہیں ہے؛

---

(۱) شرح الفقه الأكبر، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۲۹۔

(۲) **ومسه ولو مكتوبا بالفارسية في الأصح إلا بغلافه المنفصل كما مر، وكذا يمنع حمله كلوح وورق فيه آية (درمختار) وفي الشامية: قوله: (ومسه) أي القرآن ولو في لوح أو درهم أو حائط لكن لا يمنع إلا من مس المكتوب بخلاف المصحف فلا يجوز مس الجلد وموضع البياض منه. وقال بعضهم: يجوز وهذا أقرب إلى القياس، والمنع أقرب إلى** ←

بلکہ نقل اور عکس تلاوت کا ہے مشابہ صوت طیر اور صَدا کے، پس اس کا حکم بھی تلاوت کا سا نہ ہوگا۔۔۔مثلاً بنا برروایت درمختار وغیرہ اس کے استماع سے سجدہ تلاوت واجب نہ ہوگا (۱)۔ اور آپ کی یہ رائے صحیح ہے کہ

← **التعظيم كما في البحر: أي والصحيح المنع كما نذكره، مثل القرآن سائر الكتب السماوية كما قدمناه عن القهستاني وغيره. قوله: (إلا بغلافه المنفصل) أي كالجراب والخريطة دون المتصل كالجلد المشرز هو الصحيح وعليه الفتوى؛ لأن الجلد تبع له.** (شامي، كتاب الطهارة، باب الحيض، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ٤٨٨، كراچی ۱/ ۲۹۳)

ولا يجوز لمحدث بأحد الحدثين مس مصحف ولو بياضه إلا بغلافه المنفصل لا بغلافه المتصل به في الصحيح وعليه ا لفتوى، وكره المس بالكم أو بشيء من الثوب الذي على الماس؛ لأنه تبع له وقيل: لا يكره، وجعله في المحيط قول الجمهور، وتبعه في الدرر والتنوير، ولا يجوز مس درهم فيه سورة أي آية إلا بصرته؛ لأنها كالغلاف. (الدرالمنتقى مع سكب الأنهر، كتاب الطهارة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ٤٢)

فتح القدير، كتاب الطهارة، باب الحيض والاستحاضة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۱۷۲، کوئٹہ ۱/ ۱٤۹۔

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، دارالكتاب ديوبند ص: ۱٤۳۔

(۱) **لكن ذكر الشيخ الإسلام أنه لا يجب بالسماع من مجنون أو نائم أو طير؛ لأن السبب سماع تلاوة صحيحة وصحتها بالتمييز ولم يوجد.** (شامي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٥٨١، كراچی ۲/ ۱۰۸)

ولا تجب سجدة التلاوة بسماعها من الطير على الصحيح، وهو المختار؛ لأنها محاكاة وليست بقراء ة لعدم التمييز ...... ولا تجب بسماعها من الصدي وهو ما يجيبك مثل صوتک في الجبال والصحاري ونحوها. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، باب سجود التلاوة، دارالكتاب ديوبند ص: ٤٨٦)

بخلاف السماع من الببغاء والصدي، فإن ذلك ليس بتلاوة، وكذا إذا سمع من المجنون؛ لأن ذلك ليس بتلاوة صحيحة لعدم أهليته لانعدام التمييز. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، في بيان من تجب عليه السجدة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ٤٤٠) ←

اس کا حکم باجہ کا سانہیں ہے؛ بلکہ تابع ہوگا محکی عنہ کے جواز وعدم جواز میں لیکن چونکہ مقصوداس سے تلہی ہے، اس عارض کی وجہ سے قرآن بھرنا اس میں جائز نہ ہوگا، اسی طرح سننا بھی (۱)۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

۲۷ رشوال ۱۳۲۵ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۸۳)

گراموفون سے قرآن کریم سننے کا حکم

سوال (۲۶۱۷): قدیم ۴/ ۲۴۵ - یہاں اکثر حضرات جو تعلیم یافتہ طبقہ سے ہیں یہ کہتے ہیں کہ گراموفون میں اگر صرف قرآن شریف کے ریکارڈ بجائے جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں؛ اس لئے مختلف تاویلیں پیش کرتے ہیں، مثلاً یہ کہ گراموفون کے ذریعہ سے ہم بڑے بڑے مشہور قاریوں کی قرأت گھر بیٹھے سُن سکتے ہیں۔ اب اگر وہ قاری دنیا سے راہی ملک عدم بھی ہو جاویں تو اُن کی قرأت بجنسہ ہمارے پاس محفوظ رہ سکتی ہے، اور ہم ہمیشہ اس سے حظ حاصِل کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہم چاہتے

← الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل الحادي والعشرون: في سجدة التلاوة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٦٢، رقم: ٣٠٠٣۔

(۱) **وفي الخلاصة: من قرأ القرآن على ضرب الدف والقضيب يكفر، قلت: ويقرب منه ضرب الدف والقضيب مع ذكر الله تعالى ونعت المصطفى صلى الله عليه وسلم.** (شرح فقه أكبر، من قرأ القرآن على ضرب الدف والقضيب يكفر، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٢٠٥)

قرأ القرآن على ضرب الدف والقضيب يكفر لاستخفافه، وأدب القرآن أن لا يقرأ في مثل هذه المجالس، والمجلس الذي اجتمعوا فيه للغناء والرقص لا يقرأ فيه القرآن كما لا يقرأ في البيع والكنائس؛ لأنه مجتمع الشيطان الخ. (بزازية على هامش الهندية، كتاب ألفاظ تكون إسلاما أو كفرا أو خطأ، النوع التاسع: فيما يقال في القرآن، قديم ٦/ ٣٣٨، جديد زكريا ديوبند ٣/ ١٨٩)

إذا قرأ القرآن على ضرب الدف فقد كفر. (هندية، كتاب السير، الباب التاسع: في أحكام المرتدين، موجبات الكفر أنواع، قديم زكريا ٢/ ٢٦٧، جديد زكريا ٢/ ٢٧٩)

البحرالرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٢٠٥، كوئٹه ٥/ ١٢٢۔

ہیں کہ روزمرّہ کسی اچھے قاری سے قرأت سنیں؛ لیکن ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ ہم ہمیشہ ایک قاری مکان پر رکھ سکیں ایسی صورت میں گراموفون باجا ہماری خواہش بہت آسانی سے پوری کرسکتا ہے، یا وہ لوگ جنہوں نے قرآن شریف مطلق نہیں پڑھا ہے وہ کم ازکم اس باجہ کے ذریعہ سے تلاوت قرآن شریف سن کر فائدہ حاصل کرسکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ استفتاء یہ ہے کہ گراموفون باجہ خریدنا اس کا بجانا، خودسننا، دوسروں کوسُنانا درست ہے یانہیں؟ قرآن پاک کے ریکارڈ بجانا اورسُننا درست ہے یانہیں؟ اوراس میں قرآن شریف کی اہانت ہے یانہیں؟

الجواب: احکام کبھی شئے کی ذات پرنظر کر کے مرتب ہوتے ہیں اور کبھی عوارض پرنظر کرکے، اوران دونوں قسم کے احکام کبھی باہم مختلف بھی ہوجاتے ہیں، پس اگر اس آلہ من حیث الآلہ کی ذات پرنظر کی جاوے، تو حقیقت اس کی باجہ نہیں، چنانچہ ضرب یا قرع یا غمز سے نہیں بجتا، اور نہ اس میں کوئی خاص صَوت ہے؛ بلکہ یہ حکایت ہے اصوات کی، جیسے گنبد میں صَداء یعنی آواز بازگشت کی پیدا ہوجاتی ہے، اس کو کوئی باجہ نہیں کہتا، پس وہ حکم میں تابع ہوگی صَوت محکی عنہ کے، اگر صوت معازف ومزامیر کی ہے، اس کے حکم میں ہے، اوراگر وہ مشروع ہے، یہ بھی مشروع، اگر وہ غیر مشروع یہ بھی غیر مشروع ہے(۱) یہ تو تفصیل ہے حکم کی،

---

(۱) وفي السراج: ودلت المسألة أن الملاهي كلها حرام، ويدخل عليهم بلا إذنهم لإنكار المنكر، قال ابن مسعود: صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات، قلت: وفي البزازية: استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام؛ لقوله عليه الصلاة والسلام: "استماع الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر" أي بالنعمة، فصرف الجوارح إلى غير ماخلق لأجله كفر بالنعمة لا شكر فالواجب كل واجب أن يجتنب كي لا يسمع لما روي أنه عليه السلام أدخل إصبعه في أذنه عند سماعه. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴، كراچی ٦/ ۳۴۸-۳۴۹)

وقال النوويؒ في الروضة: غناء الإنسان بمجرد صوته مكروه وسماعه مكروه، وإن كان سماعه من الأجنبية كان أشد كراهة، والغناء بآلات مطربة هو من شاربي الخمر كالعود والطنبور والصنج والمعازف وسائر الأوتار حرام، وكذا سماعه حرام. (مرقاة، كتاب الأدب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث، مكتبه إمداديه ملتان ۹/ ۱۳۴)

شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵٦٦، كراچی ٦/ ۳۹۵۔

اس کی حقیقت پر نظر کرنے کے اعتبار سے، اور اگر اس حقیقت کے ساتھ عوارض پر بھی نظر کی جاوے تو یقیناً عام طور پر مستعمل ہوتا ہے، لہوطرب میں، حتی کہ قرآن مجید بھی اس سے جو سنا جاتا ہے تو بطور شغل وتفریح کے جو کہ حقیقت ہے لہو کی، اور چونکہ حکم اکثر کا ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر کوئی شاذونادر مصالح مذکورہ فی السوال کی نیت سے سنے، اس کا اعتبار نہ ہوگا (۱) ان عوارض پر نظر کر کے منع ہی کیا جاوے گا (۲) جیسا کہ ایک حدیث میں دف پر اس مضمون مدح نبوی کے پڑھنے سے ممانعت وارد ہے: **وفينا نبي يعلم ما في غد (۳)۔**

---

(۱) للأكثر حكم الكل في أصول الشرع، فيترجح بالكثرة. (هداية، كتاب الخنثى، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٧٠١)

والثانية أن يكون الغالب وجوده عند سببه مع إمكان الاطلاع فيجعل النادر كالمعدوم. (تبيين الحقائق، كتاب الطهارة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ١٥٨، إمداديه ملتان ١/ ١٢)

الدرالمختار مع الشامي، الديات، باب القسامة، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ٣٠٥، كراچی ٦/ ٦٢٥۔

(۲) قرأ القرآن على ضرب الدف والقضيب يكفر لاستخفافه، وأدب القرآن أن لا يقرأ في مثل هذه المجالس، والمجلس الذي اجتمعوا فيه للغناء والرقص لا يقرأ فيه القرآن كما لا يقرأ في البيع والكنائس؛ لأنه مجتمع الشيطان الخ. (بزازية على هامش الهندية، كتاب ألفاظ تكون إسلاما أو كفرا أو خطأ، النوع التاسع: فيما يقال في القرآن، قديم زكريا ٦/ ٣٣٨، جديد زكريا ديوبند ٣/ ١٨٩)

وفي الخلاصة: من قرأ القرآن على ضرب الدف والقضيب يكفر، قلت: ويقرب منه ضرب الدف والقضيب مع ذكر الله تعالى ونعت المصطفى صلى الله عليه وسلم. (شرح فقه أكبر، من قرأ القرآن على ضرب الدف والقضيب يكفر، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٢٠٥)

هندية، كتاب السير، الباب التاسع: في أحكام المرتدين، موجبات الكفر أنواع، قديم زكريا ٢/ ٢٦٧، جديد زكريا ٢/ ٢٧٩۔

(۳) عن الربيع بنت معوذ قالت: دخل علي النبي صلى الله عليه وسلم غداة بني علي فجلس على فراشي كمجلسک مني وجويريات يضربن بالدف يندبن من قتل من آبائهن يوم بدر حتى قالت جارية: وفينا نبي يعلم ما في غد، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: ←

اس تقریر میں سب شبہات کا جواب ہوگیا، پھر جب استعمال کا عدم جواز اس عارض کے سبب ثابت ہوگیا تو خریدنا اور بجانا اور سننا اور سُنانا گو قرآن مجید ہی کا ہو سب کے لئے یہی عدم جواز ثابت ہوگیا (۱)۔

۵/ رجب ۱۳۴۲ھ (حوادث خامس ص ۴۸)

گراموں فون سے قرآن پاک سننے کا حکم

سوال (۲۶۱۸): قدیم ۴/ ۲۴۶- یہ عریضہ اس وقت اس لئے لکھ رہا ہوں کہ گنگوہ سے جناب حافظ محمد یعقوب صاحب کا ایک خط اس مضمون کا آیا تھا کہ گراموفون اور فونوگراف کا رواج آج کل گھر گھر ہو رہا ہے، اس کے متعلق مفصّل فتوے کی ضرورت ہے، اُن کا خیال ہے کہ اس کو طبع کرا کے تقسیم کریں، اس ضرورت کے لئے احقر نے جناب کا فتوی امداد یہ دیکھا، تو حوادث الفتاوی ص ۶۷ میں اس کے متعلق حضرت نے کافی بحث فرمائی، جس کو دیکھ کر اطمینان ہوا؛ لیکن ایک خلجان باقی رہ گیا، کہ حضرت نے گراموفون کو محض ایک آلہ حاکیہ صوت مثل دیگر آلات حاکیہ ٹیلیگراف وٹیلیفون قرار دے کر اس کے سننے

← **لا تقولي هكذا وقولي ما كنت تقولين.** (بخاري شريف، كتاب المغازي، باب شهود الملائكة بدرا، النسخة الهندية ٢/ ٥٧٠، رقم: ٣٨٥٧، ف: ٤٠٠١)

ترمذي شريف، كتاب النكاح، باب ماجاء في إعلان النكاح،النسخة الهندية ١/ ٢٠٧، دارالسلام رقم: ١٠٩٠-

(۱) قال الله تعالىٰ: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [سورة المائدة، رقم الآية: ٢]

يأمر الله تعالىٰ عباده المؤمنين بالمعاونة على فعل الخيرات وهو البر، وترك المنكرات، وهو التقوى، وينهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على المآثم والمحارم. (تفسير ابن كثير، سورة المائدة، آيت: ٢، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٥٣)

كل ما أدى إلى ما لا يجوز لا يجوز. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥١٩، كراچى ٦/ ٣٦٠)

واستدل بالآية على أن الطاعة إذا أدت إلى معصية راجحة وجب تركها، فإن ما يؤدي إلى الشر شر. (روح المعاني، سورة الأنعام، آيت: ١٠٨، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٣٦٦)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سنانے کو اصل محکی عنہ کے تابع فرمایا ہے، اس میں یہ خلجان باقی ہے کہ عام عرف وعادت اور اس کی وضع ومقصد کے لحاظ سے یہ محض آلۂ حاکیہ معلوم نہیں ہوتا؛ بلکہ منجملہ آلات تلہی وتلعب اور معازف ومزامیر کے معلوم ہوتا ہے، عام طور پر زبانوں پر اس کا نام بھی باجہ پکارا جاتا ہے، یہ دوسری بات ہے کہ اس سے حکایت صوت کا کام لیا جاسکے سو یہ تو کچھ نہ کچھ دوتار ستار وغیرہ میں بھی ہوتا ہے، گو اتنا صاف نہ ہو، اور اسی وجہ سے ہندی مثل مشہور ہے۔ ''تانت باجی راگ پایا'' بالخصوص ہارمونیم باجہ میں تو تقریباً صاف آواز پیدا ہوجاتی ہے، یہ صحیح ہے کہ یہاں احداث صوت جدید ہے اور وہاں بعینہٖ ہوائے متکیف کا حاصل کرنا یہ بھی ایک درجہ میں احداث صوت کہلا سکتا ہے۔

الغرض عرف وعادت اور عام طور پر اس کی وضع واستعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی منجملہ آلات تغنی کے ہے، ٹیلیفون کی طرح آلہ حاکیہ نہیں، اس لئے اصواتِ مباحہ بھی اس کے اندر مباح نہ ہونا چاہئے، اور یہ خیال ہوتا ہے (**واللہ أعلم بالصوابِ**) کہ عام آلاتِ تغنی اور گراموفون میں وہی فرق ہے جو عام آلاتِ تصویر کشی اور فوٹوگرافی میں؛ کیونکہ عام طور پر مصوّر ایک حسب دل خواہ صورت کا احداث اپنی طرف سے کرتا ہے، اور فوٹوگراف ایک محکی عنہ کے تابع ہوتا ہے اور اس کے عکس کو جو غیر قائم تھا، مصالحہ کے ذریعہ سے پائیدار بنادیتا ہے؛ لیکن عکس کو پائیدار بنانے ہی کا نام تصویر کشی رکھا جاتا ہے اور فوٹوگراف اور قدیم طرز کی مصوری کو برابر ناجائز قرار دیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ عکس جس وقت تک عکس تھا جائز تھا، اور جب بذریعہ فوٹو اس کو قائم کیا گیا تو اب یہی عکس تصویر کہلائے گا، اسی طرح ایک جائز کلام جب تک اپنی اصلی صورت میں تھا، وہ ایک کلام تھا کہ **حسنہ حسن و قبیحہ قبیح** لیکن جب اس آلہ کے ذریعہ اس کو قائم کرکے اعادہ کیا گیا تو یہی ایک تغنی وتلہب ہے، امید کہ جواب باصواب سے مطمئن فرمایا جاوے۔

الجواب : شبہ کے منشاء کے قابل توجہ ہونے سے دل خوش ہوا، اس لئے توجہ کرکے مقام کی توضیح کرتا ہوں، میں نے اپنی تقریر میں اباحتِ حکایت پر صرف اباحت محکی عنہ سے استدلال نہیں کیا؛ بلکہ اس میں ایک قید بھی ہے، جو غایت شہرت کے سبب محتاج تصریح نہیں، وہ قید یہ ہے کہ اس حکایت سے نہی وارد نہ کی گئی ہو، اس سے شبہ کا جواب حاصل ہوگیا؛ کیونکہ حکایت صورت حیوانیہ (یعنی تصویر) سے نہی وارد ہے (۱)۔

---

(۱) **عن عبداللہ رضي اللہ عنه قال: سمعت النبي صلی اللہ علیه وسلم یقول: إن أشد الناس عذابا یوم القیامة المصورون.** (بخاري شریف، کتاب اللباس، باب عذاب المصورون یوم القیامة، النسخة الهندیة ۲/ ۸۸۰، رقم: ۵۷۱۷، ف: ۵۹۵۰) ←

اسی طرح حکایتِ صَوت بواسطہ آلات معازف ومزامیر منہی عنہ ہے(۱)۔ **فافترق المقیس والمقیس علیہ.** ورنہ مطلق حکایتِ صورت تو آئینہ اور پانی میں بھی ہے، اور حکایتِ صوت گنبد کی صدا میں بھی ہے، اوراس میں حرمت نہیں، اگر شبہ کیا جاوے کہ فونوگراف میں بھی حکایتِ صوت بذریعہ آلاتِ لہو محرم ہے تو وہ بھی منہی عنہ ہوئی، اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ غیر مسلّم ہے؛ اس لئے کہ ملاہی غیر محرمہ وہ ہیں جہاں خود ان ملاہی کی صوت بخصوصہ مقصود ہو، گواس میں کوئی خاص لہجہ بھی منضم کرلیا جاوے، جیسا ہارمونیم میں ایسا انضمام ہوتا ہے، اور گراموفون میں خود اس آلہ کی صوت بخصوصہ مقصود نہیں بلکہ مقصود اصلی صوت محکی عنہ ہے، جس کا اس آلہ کے ذریعہ سے محفوظ کر کے اعادہ کیا جاتا ہے۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ گراموفون میں جو صوت بند کر کے پیدا کی جاتی ہے اگر اصلی محکی عنہ پر قدرت ہو جاوے تو پھر اس آلہ کی طرف اس وقت التفات بھی نہ کیا جاوے، بخلاف ہارمونیم وغیرہ کے کہ ایسے وقت بھی اس سے قطع نظر نہیں کی جاتی، اور راز اس کا یہ ہے کہ گراموفون کی خصوصیت نے اس صوت میں حظ نہیں بڑھایا؛ لہٰذا اصل کے ہوتے ہوئے اس کا قصد نہیں کیا جاتا اور ہارمونیم کی خصوصیت کو حظ خاص میں دخل ہے جو سادہ استماع میں مفقود ہے؛ اس لئے اصل کے ہوتے ہوئے بھی اس کا قصد کیا جاتا ہے، اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ یہ ان ملاہی میں نہیں جن کی صوت بخصوصہا مقصود ہوتی ہے، اور حرمت ایسے ہی ملاہی کے ساتھ مخصوص ہے کما ذکر۔

← مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان الخ، النسخة الهندية ٢/ ٢٠١، بيت الأفكار رقم: ٢١٠٩۔

نسائي شريف، كتاب الزينة، ذكر أشد الناس عذابا، النسخة الهندية ٢/ ٢٥٦، دارالسلام رقم: ٥٣٥٨-٥٣٥٩۔

(۱) وقال النوويؒ في الروضة: غناء الإنسان بمجرد صوته مكروه وسماعه مكروه، وإن كان سماعه من الأجنبية كان أشد كراهة، والغناء بآلات مطربة هو من شاربي الخمر كالعود والطنبور والصنج والمعازف وسائر الأوتار حرام، وكذا سماعه حرام. (مرقاة، كتاب الأدب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث، مكتبه إمداديه ملتان ٩/ ١٣٤)

قوله: (وكره كل لهو) أي كل لعب وعبث، فالثلاثة بمعنى واحد كما في شرح التأويلات، والإطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق، وضرب الأوتار من الطنبور، والبربط والرباب، والقانون، والمزمار، والصنج، والبوق، فإنها ←

رہا یہ شبہ کہ اس کو عرف میں باجہ کہتے ہیں، اول تو اطلاقات عرفیہ سے حقائق واحکام شرعیہ پر استدلال نہیں ہو سکتا، پھر ممکن ہے کہ باعتبار اکثریت فی الاستدلال فی اللہو کے اس کو باجا کہا جاتا ہو، پس اس کی حرمت مطلقاً میں کوئی دخل نہیں، اگر یہ کہا جاوے کہ علاوہ اطلاق عرفی کے خود واضع کا قصد بھی اس سے تلہی ہے، جواب یہ ہے کہ اس میں واضع کا قصد مؤثر نہیں؛ بلکہ مستعمل کے قصد کا اعتبار ہے۔ غور فرمایا جاوے اگر طبل سحور یا طبل غزاۃ کا جن کو فقہاء نے جائز کہا ہے (۱) واضع نے بقصد تلہی بنایا ہو مگر استعمال کرنے والا بقصد صحیح اس سے کام لے تو کیا اس کو محض بنا بر نیت واضع ناجائز کہا جا سکتا ہے؟ اگر کہا جاوے کہ اگر استعمال کرنے والے کا قصد بھی تلہی کا ہو، مگر خاص انہی ریکارڈوں کا استعمال کرے جن میں اصوات مباحہ محفوظ ہیں تو کیا اب بھی حرمت کا حکم نہ ہوگا، حالانکہ قصد تلہی کا ہے جواب یہ ہے کہ ہر تلہی حرام نہیں ہوتی ہے۔

← **كلها مكروهة؛ لأنها زي الكفار، واستماع ضرب الدف والمزمار وغير ذلك حرام، وإن سمع بغتة يكون معذورا، ويجب أن يجتهد أن لا يسمع قهستاني.** (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٦٦، كراچى ٦/ ٣٩٥)

الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٠٢-٥٠٤، كراچى ٦/ ٣٤٨-٣٤٩۔

(۱) **وإذا كان الطبل لغير اللهو فلا بأس به كطبل الغزاة والعرس لما في الأجناس: ولا بأس أن يكون ليلة العرس دف يضرب به ليعلن به النكاح. وفي الولوالجية: وإن كان للغزو أو القافلة يجوز إتقاني.** (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستئجار على المعاصي، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٧٥، كراچى ٦/ ٥٥)

للفقهاء في الأنواع الأخرى من الطبول تفصيل: فذهب الحنفية إلى أنه إذا كان الطبل لغير اللهو فلا بأس به كطبل الغزاة والعرس والقافلة، وقال ابن عابدين: وينبغي أن يكون طبل المسحر في رمضان لإيقاظ النائمين للسحور كبوق الحمام. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٨/ ١٧٤)

شامى، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٠٥، كراچى ٦/ ٣٥٠۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حدیث میں لہو میں سے تین چیزوں کے جواز کے لئے استثنٰی فرمایا گیا ہے (۱)۔اصل استثناء میں اتصال ہے، الا بدلیل لا دلیل اس سے معلوم ہوا کہ جس تلہی میں کوئی مفسدہ ہو وہ حرام ہے اور جس میں کوئی غرض صحیح ہو۔ كما في الثلاثة المذكورة. وہ محمود و مطلوب ہے۔اور جس میں نہ کوئی مفسدہ ہو نہ غرض صحیح ہو، وہ عبث اور خلاف اولیٰ ہے (۲)۔پس حکایت صوتِ مباح میں کوئی مفسدہ تو ہے نہیں، ورنہ وہ صوت مباح نہ ہوتی۔اب دو احتمال رہ گئے، اگر غرض صحیح ہے جیسے کہ محقق عالم بعید المکان کا وعظ بند ہو، اس کی حکایت محمود ہوگی، اور اگر غرض صحیح نہیں تو عبث اور خلاف اولیٰ ہے، اخیر میں ایک ضروری تنبیہ کلی بھی معروض ہے، وہ یہ کہ تفصیل مذکور خلو عن العوارض کی حالت میں ہے، ورنہ اگر کوئی عارض موجب منع پایا جاوے، جیسا مباح کی اجازت مفضی ہو جاوے ابتلاء فی المحرم کی طرف تو اس صورت میں قبیح لغیرہ میں داخل ہو کر واجب المنع ہو جاوے گا (۳)۔ایک دوسری تنبیہ جزئی بھی واجب الذکر ہے جس کو احقر نے جمادی الاخریٰ ۱۳۴۶ھ کے

---

(۱) عن عبدالله بن عبدالرحمن بن أبي الحسين أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن الله ليدخل بالسهم الواحد ثلاثة الجنة صانعه يحتسب في صنعته الخير والرامي به والممد به، وقال: ارموا واركبوا، ولأن ترموا أحب إلي من أن تركبوا، كل ما يلهو به الرجل المسلم باطل إلا رميه بقوسه وتأديبه فرسه وملاعبته أهله، فإنهن من الحق. (ترمذي شريف، أبواب فضائل الجهاد، باب ما جاء في فضائل الرمي في سبيل الله، النسخة الهندية ۱/ ۲۹۳، دارالسلام رقم: ۱٦۳۷)

ابن ماجه شريف، كتاب الجهاد، باب الرمي في سبيل الله، النسخة الهندية، ص: ۲۰۲، دارالسلام رقم: ۲۸۱۱۔

أبوداؤد شريف، كتاب الجهاد، باب في الرمي، النسخة الهندية ۱/ ۳٤۰، دارالسلام رقم: ۲٥۱۳۔

(۲) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حسن إسلام المرء تركه مالا يعنيه. (ترمذي شريف، أبواب الزهد، باب فيمن تكلم بكلمة يضحك بها الناس، النسخة الهندية ۲/ ٥۸، دارالسلام رقم: ۲۳۱۷)

مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۲۰۱، رقم: ۱۷۳۷۔

(۳) كل ما أدى إلى ما لا يجوز لا يجوز. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٥۱۹، كراچى ٦/ ۳٦۰) ←

فتویٰ میں ذکر کیا ہے، وہ یہ کہ قرآن (بقصد تلهی) سننا اس میں اس لئے حرام ہے کہ طاعت کو آلہ تلہی بنانا حرام ہے (۱) اور اگر تلہی مقصود نہ ہو تب بھی تشبہ ہے اہل تلہی کے ساتھ؛ لہٰذا اجازت نہ ہوگی، جیسے مائدہ پر ظروف شربت کو بہیئت ظروف کے رکھنے کو فقہاء نے حرام فرمایا ہے۔ اھ ۵/ شعبان ۱۳۴۶ھ

تتمہ سوال بالا: گراموفون کے متعلق حضرت والا کی مفصّل تحریر دیکھ کر اصل مسئلہ میں تقریباً شفا ہوگئی اور یہ سمجھ میں آ گیا کہ حرمت کی کوئی وجہ نہیں؛ لیکن تھوڑا خلجان اس فرق میں باقی رہ گیا ہے جو حضرت نے جملہ معازف ومزامیر اور گراموفون کے درمیان فرمایا ہے، وہ یہ کہ گراموفون کی صَوت بھی بخصوصہ مقصود معلوم ہوتی ہے (كما سائر المعازف) اس کی صوت میں ایک قسم کی گونج پیدا ہوکر بہ نسبت سادہ استماع کے ایک حظ کا اضافہ ہو جاتا ہے، چنانچہ بہت سے وہ آدمی جن کے سامنے اگر اصل صوت اپنی اصلیت پر پیش کی جاتی تو وہ اس پر کان لگاتے، اور اس آلہ میں بند ہونے کے بعد نہایت ذوق وشوق سے سنتے ہیں: بلکہ وہ ناچ رنگ وغیرہ میں اصل محکی عنہ پر قدرت ہونے کی صورت میں اس آلہ کی طرف توجہ نہیں رہتی، جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہاں حظ صوت کے ساتھ دوسرے حظوظ نفس بھی جمع ہو جاتے ہیں،

← **قال العلامة الآلوسي تحت قوله تعالىٰ: (ولا تسبوا الذين الخ) واستدل بالآية على أن الطاعة إذا أدت إلى معصية راجحة وجب تركها، فإن ما يؤدي إلى الشر شر.** (روح المعاني، سورة الأنعام، آيت: ۱۰۸، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۳٦٦)

(۱) **قرأ القرآن على ضرب الدف والقضيب يكفر لاستخفافه، وأدب القرآن أن لا يقرأ في مثل هذه المجالس، والمجلس الذي اجتمعوا فيه للغناء والرقص لا يقرأ فيه القرآن كما لا يقرأ في البيع والكنائس؛ لأنه مجتمع الشيطان الخ.** (بزازية على هامش الهندية، كتاب ألفاظ تكون إسلاما أو كفرا أو خطأ، النوع التاسع: فيما يقال في القرآن، قديم ٦/ ۳۳۸، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۱۸۹)

وفي الخلاصة: من قرأ القرآن على ضرب الدف والقضيب يكفر، قلت: ويقرب منه ضرب الدف والقضيب مع ذكر الله تعالى ونعت المصطفى صلى الله عليه وسلم. (شرح فقه أكبر، من قرأ القرآن على ضرب الدف والقضيب يكفر، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۲۰۵)

هندية، كتاب السير، الباب التاسع: في أحكام المرتدين، موجبات الكفر أنواع، قديم زكريا ۲/ ۲٦۷، جديد زكريا ۲/ ۲۷۹۔

ناچ رنگ اور گانے بجانے کے سِوا اور چیزوں کے متعلق عام حالات پر نظر ڈالتے ہوئے یہی خیال ہوتا ہے (واللّٰہ ورسولہ ونوابہ أعلم) کہ اگر ایک طرف اصل وعظ ہوتا اور دوسری طرف گرامو فون میں اسی وعظ کی حکایت ہو تو تب سے آدمی اسی کی طرف جُھک پڑیں گے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اس کی صَوت مخصوصہ مقصود ہے، مثل سائناہی المعازف۔

(۲) آخر میں تنبیہ جزئی کے تحت میں جو حضرت نے ارقام فرمایا ہے (اگر تلہی مقصود نہ ہو تب بھی تشبہ ہے اہل تلہی کے ساتھ؛ لہٰذا اجازت نہ ہوگی) اس کا مقتضٰے بھی عموم منع معلوم ہوتا ہے؛ کیونکہ مواعِظ اور ان کے امثال جو مطلوب فی الدین ہیں ان کے ساتھ بھی تلہی اور تشبّہ باہل التلہی منع کرنے کے قابل ہیں اگر چہ تلہی بالقرآن کی حد تک نہ پہنچیں؛ اس لئے اگر کوئی شخص غرض صحیح کے ساتھ بھی سنتا ہو، تب یہ تشبہّ مانع جواز نہیں۔

(۳) تنبیہ کلی کے تحت میں جو ارشاد فرمایا گیا ہے، اس کا مقتضی بھی حالات وواقعات کو دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے استماع سے مطلقاً منع کیا جاوے؛ کیونکہ اس کی کسی خاص صورت کی اجازت سے ابتلاء فی المحرم کا عام طور پر قوی اندیشہ ہے، جیسا کہ تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عوام میں تفصیلات وتدقیقات محفوظ نہیں رہتیں۔

الحاصل اوّل تو خود اس آلہ کو معازف ومزامیر کے ساتھ ایک گونہ مشارکت ہے، جو اصل عدمِ جواز کا سبب بن سکتا ہے۔ دوسرے اگر اس سے بھی قطع نظر کی جاوے اور فی نفسہ اس میں حکایت صَوت کو مباح قرار دیا جاوے تب بھی خارجی عوارض مثل اندیشہ ابتلاء فی المحرم اس کی ممانعت کے مقتضی ہیں۔ تیسرے اگر بلا غرض صحیح سنتا ہے تو اس کا عبث اور خلاف اَولیٰ ہونا مسلّم ہی ہے، اور اگر غرض صحیح سے سُنتا ہے یعنی ایسی چیز سنتا ہے جو مطلوب فی الدین ہے تو اس صورت میں قصد تلہی یا تشبہ باہل التلہی اس کے لئے مانع ہوگا۔ واللّٰہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

یہ چند معروضات اعتماداً علی العنایات السّنیہ کر دیئے ہیں ورنہ جرأت نہ ہوتی تھی آ ”کرمہائے تو مارا کرد گستاخ“۔ والسّلام

الجواب: بعض طبائع کے اعتبار سے قصد صوتِ مخصوصہ کا انکار نہیں ہوسکتا، مگر اس کے عموم کا دعویٰ بھی مشکل ہے، بعض طبائع یقیناً ایسے ہوں گے کہ اگر اصل میں کوئی حظ بھی نہ ہو تب بھی محض گونج کے سبب تبع کی طرف التفات نہ کریں۔ اور اگر طبل سحور میں بعض کے قصدِ تلہی سے حکم کی تعمیل مشکل ہے، اور اس قصد کی اکثریت واقلیت کا مَدار اجتہاد پر ہے؛ لہٰذا اطلاق منع وتفصیل فی المنع مفتی کی رائے پر ہے اس کے علاوہ

ایک امارت قریب قریب سب کے اعتبار سے عام ہے، وہ یہ کہ اس آلہ کے مختلف پلیٹوں میں مختلف اصوات بند ہوتی ہیں، اوران میں سے کسی کو کوئی مطلوب ہوتی ہے کسی کو کوئی اور یہ تفاوت اصل ہی کے تابع ہے، ورنہ ملاہی کے نغمات والحان سب متقارب ہوتی ہیں، اور یہ سب حکم فی نفسہ میں کلام ہے، باقی **افضاء إلی المحرم یا تشبہ بأهل التلهي** کے مؤثر فی المنع ہونے میں کلام نہیں (۱) لیکن ایسے مفاسد عارضہ اور ضرورت میں اگر تعارض ہو مفاسد کے انسداد کے ساتھ تحصیل ضرورت کا انتظام کر لینے کی صورت میں کیا حکم ہوگا؟ اس کو قواعد سے دیکھ لیا جاوے، مثلاً اگر کسی آلہ میں حضرت مولانا محمد قاسمؒ کا وعظ کسی نے بلا اطلاع حضرت کے بند کر لیا ہوتا، اور کوئی شخص اس کی تبلیغ عام کے لئے خلوت میں اس کی نقل حاصل کر کے پھر کتابت میں ضبط کر کے اس کو تقریراً یا طباعۃً شائع کر دیتا تو اس خاص مستمع فی الخلوت کے لئے کیا حکم ہوگا؟ یہ قابل تحقیق ہے بخلاف القرآن **لعدم الضرورة فيه.**

ثم لنا أن نتمتع في الكلام ونقول: إن قبح الملاهي لو كان لعينها لما ارتفع عن طبل السحور والغزو وجرس الساعة لاسيما في المساجد فأذن هو لغيرها فلينظر أن هذا الغير ما هو، وهل هو متحقق في هذه الألة إذا لم تكن حاكية عن الصوت الغير

---

(۱) عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۵۹، دارالسلام رقم: ۴۰۳۱)

قال القاريؒ: أي من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار فهو منهم، أي في الإثم والخير. (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ۸/ ۲۵۵)

كل ما أدى إلى ما لا يجوز لا يجوز. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۱۹، كراچی ۶/ ۳۶۰)

قال العلامة الآلوسي تحت قوله تعالىٰ: (ولا تسبوا الذين الخ) واستدل بالآية على أن الطاعة إذا أدت إلى معصية راجحة وجب تركها، فإن ما يؤدي إلى الشر شر. (روح المعاني، سورة الأنعام، آيت: ۱۰۸، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۳۶۶)

المشروع، وهذا لم اذكره فيما كتبت من قبل حذراً عن غلط بعض العامة، فالأن ذكرته بلسان الخاصة لينظروا فيه ويتا يدكون هٰذا القبح لغير لما في الدر المختار قبيل فصل اللبس من كتاب الحظر والإباحة ونصه ومن ذلك (أى من الملاهي) ضرب النوبة للتفاخر فلو للتنبيه فلا بأس به كما إذا ضرب في ثلاثة أوقات لتذكير ثلاث نفخات الصور لمناسبة بينهما فبعد العصر للإشارة إلى نفخة الفزع، وبعد العشاء إلى نفخة الموت، وبعد نصف الليل إلى نفخة البعث، وتمامه فيما علقته على الملتقى، وفي ردالمحتار تحت قوله: بعد العصر الخ ما نصه أقول: وهذا يفيد أن آلة اللهو ليست محرمة لعينها بل لقصد اللهو منها، إما من سامعها أومن المشتغل بها وبه تشعر الإضافة ألا ترىٰ أن ضرب تلك الألة بعينها حل تارة وحرم أخرى باختلاف النية بسماعها، والأمور بمقاصدها، وفيه دليل لساد اتنا الصوفية الذين يقصدون أموراً هم أعلم بها فلا يبادر المعترض بالإنكار كي يحرم بركتهم، فإنهم السادة الأخيار الخ، وفيه على قوله: وتمامه الخ حيث بعد عزوه ما مر إلى الملاعب للإمام البزدوي، وينبغي أن يكون بوق الحمام يجوز كضرب النوبة، وعن الحسن لا بأس بالدف في العرس ليشتهر، وفي السراجية: هذا إذا لم يكن له جلاجل ولم يضرب على هيئة التطرب اه. أقول: وينبغي أن يكون طبل المسحر في رمضان لإيقاظ النائمين للسحور كبوق الحمام تامل. اه (۱)۔

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۰۴-۵۰۵، کراچی ٦/ ۳۵۰۔

نص بعض الفقهاء على أن ما حرم من المعازف وآلات اللهو لم يحرم لعينه، وإنما لعلة أخرى، فقال ابن عابدين: آلة اللهو ليست محرمة لعينها بل لقصد اللهو منها، إما من سامعها أومن المشتغل بها، ألا ترىٰ أن ضرب تلك الألة بعينها حل تارة وحرم أخرى باختلاف النية، والأمور بمقاصدها، وقال الحصكفي: ومن ذلك -الحرام- ضرب النوبة للتفاخر، فلو للتنبيه فلا بأس به، ونقل ابن عابدين عن الملتقى: أنه ينبغي أن يكون بوق الحمام يجوز كضرب النوبة، ثم قال: وينبغي أن يكون طبل المسحر في رمضان لإيقاظ النائمين للسحور كبوق الحمام. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۸/ ۱٦۸-۱٦۹)

نعم لو منع منه سداً للذرائع كان أحوط واصون لدين العامة لكن مع هٰذا لاسبيل لأحد إلى المواخذة على ترك الأحوط وإلى إساءة الظن به. واللّٰہ أعلم

۶ / رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ (حوادث خامسہ ص ۴۹)

تعلیمی تاش کا حکم

سوال (۲۶۱۹): قدیم ۴/ ۲۴۰- تاش تعلیمی جو پارہائے کاغذ پر دو تختیاں الف بے کی لکھتے ہیں اور چند اشخاص آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں، پھر ایک شخص ایک طرف رکھتا ہے، دوسرے نے اگر کوئی لفظ بنا لیا، تو اس سے وہ پتہ لے لیا۔ تیسرے نے ایک حرف اور ملا کر اگر لفظ بنالیا تو وہ پتے اس کے ہوگئے، یوں ہی جہاں تک بناتے جائیں، اور اگر کوئی نہ بنا سکا تو وہ سب پتے اوّل کے ہوں گے، یہ کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر ہار جیت رکھی جائے اور سب پتے اکٹھے رکھے جائیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر ہار جیت نہ ہو تو جائز ہے؛ بلکہ مبتدیوں کے حق میں شاید مفید ہے (۱)۔ واللہ اعلم

۶ / رمضان ۱۳۱۹ھ (امداد ج ۲، ص ۱۸۵)

---

(۱) فالضابط في هذا الباب عند مشايخنا الحنفية المستفاد من أصولهم وأقوالهم أن اللهو المجرد الذى لا طائل تحته وليس له غرض صحيح مفيد في المعاش لا المعاد حرام أو مكروه تحريما، وهذا أمر مجمع عليه في الأمة متفق عليه بين الأئمة وما كان فيه غرض ومصلحة دينية أو دنيوية، فإن ورد النهي عنه من الكتاب أو السنة -كما في النردشير- كان حراما أو مكروها تحريما، وألغيت تلك المصلحية والغرض لمعارضتها للنهي المأثور حكما بأن ضرره أعظم من نفعه ...... وأما ما لم يرد فيه النهي عن الشارع وفيه فائدة ومصلحية للناس فهو بالنظر الفقهي على نوعين: الأول: ما شهدت التجربة بأن ضرره أعظم من نفعه ومفاسده أغلب على منافعه، وأنه من اشتغل به إلهاء عن ذكر الله وحده وعن الصلوات والمساجد التحق ذلك المنهي عنه لاشتراك العلة فكان حراما أو مكروها. والثاني: ما ليس كذلك فهو أيضا إن اشتغل به بنية التلهي والتلاعب فهو مكروه، وإن اشتغل به لتحصيل تلك المنفعة وبنية استجلاب المصلحة فهو مباح بل قد يرتقي إلى درجة الاستحباب أو أعظم منه، هذه خلاصة ما توصل إليه والدي الشيخ محمد شفيع ←

نصف دھڑ کی تصویر بنانے کا حکم

سوال (۲۶۲۰): قدیم ۴/۲۵۲- آدمی کی نصف تصویر جسے انگریزی میں لبسٹ کہتے ہیں بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اور جب جائز ہوگا تو مکان میں رکھنے میں کیا حرج ہے، پہلے خط میں جناب نے یہ تحریر فرمایا تھا کہ تصویر میں اگر ایسا عضو کم ہو جس کے بدون زندہ نہ رہ سکے، تو اس کا بنانا درست ہے، اس حالت میں نصف اوپر کے حصہ کی تصویر بنانی اور رکھنی درست ہے؟

الجواب: جزئیہ نہیں دیکھا، مگر میں اس کو ناجائز سمجھتا ہوں؛ کیونکہ مقصود تصویر میں وجہ ہی ہے اور قاعدہ مشہورہ سے کہ جس عضو کے بغیر حیوان زندہ نہ رہ سکے، اس کے قطع سے تصویر نہیں رہتی، وجہ مستثنیٰ ہے (۱)۔

← **في أحكام القرآن ٣/ ١٩٣ تا ٢٠١. وعلى هذا الأصل فالألعاب التي يقصد بها رياضة الأبدان أو الأذهان جائزة في نفسها، ما لم تشتمل على معصية أخرى ما لم يؤد الانهماك فيها إلى الإخلال بواجب الإنسان في دينه ودنياه. والله أعلم** (تكمله فتح الملهم، قبيل كتاب الرؤيا، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٣٥-٤٣٦)

(۱) **عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنه قال: الصورة الرأس فإذا قطع الرأس فليس بصورة.** (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصداق، باب الرخصة فيما يوطأ من الصور أو يقطع رؤوسها، دارالفكر بيروت ١١/ ٨٣، رقم: ١٤٩٤٥)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: الصورة الرأس فكل شيء ليس له رأس فليس بصورة. (طحاوي شريف، كتاب الكراهية، باب الصور تكون في الثياب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٠٠، رقم: ٦٨٠٦)

عن عكرمة قال: إنما الصورة الرأس، فإذا قطع فلا بأس. (المصنف لابن أبي شيبة، اللباس، الرجل يتكئ على المرافق المصورة، مؤسسة علوم القرآن ١٢/ ٦٣٧، رقم: ٢٥٨٠٨)

أو كانت صغيرة ...... أو مقطوعة الرأس أو الوجه أو ممحوّة عضو لا تعيش بدونه أو لغير ذي روح لا يكره لأنها لا تعبد. (الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤١٨، كراچی ١/ ٦٤٨-٦٤٩)

إلا أن تكون صغيرة لا تبدو للناظر أو لغير ذي روح أو مقطوعة الرأس ممحوة بنحو مغرة، وكذا الوجه لا كراهة؛ لأن مثل هذه الأشياء لا تعبد عادة والكراهة لذلك. ←

اور مجھ کو یہ بھی یاد نہیں کہ میں نے ایسے عضو کی کمی کی صورت میں بنانے کو جائز کہا تھا، یا رکھنے کو؛ کیونکہ بنانے کو میں مطلقاً ناجائز سمجھتا ہوں، اگر ایسا لکھا ہو تو میں رجوع کرتا ہوں۔

۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۲۹)

ناتمام تصویر بنانے کا حکم

سوال (۲۶۲۱): قدیم ۴/ ۲۵۲ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے علم انجینئری حاصل کیا اور فروختِ کامل ایک سارٹیفکیٹ منجانب سرکار ملا، مگر سارٹیفکیٹ

← (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۸۸-۱۸۹)

النهرالفائق، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۸۵۔

(۱) **عن عبدالرحمن بن القاسم عن أبيه أنه سمع عائشة تقول: دخل علي رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد سترت سهوة لي بقرام فيه تماثيل، فلما رآه هتكه وتلون وجهه وقال: يا عائشة! أشد الناس عذابا عند الله يوم القيامة الذين يضاهون بخلق الله، قالت عائشة! فقطعناه فجعلنا منه وسادة أو وسادتين.** (مسلم شريف، اللباس، باب تحريم تصوير صورة الحيوان الخ، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۱، بيت الأفكار رقم: ۲۱۰۷)

قال أصحابنا وغيرهم من العلماء تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم وهو من الكبائر؛ لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور في الأحاديث وسواء صنعه بما يمتهن أو بغيره فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله، وسواء ما كان في ثوب أو بساط أو درهم أو دينار أو فلس أو إناء أو حائط أو غيرها. (شرح النووي على المسلم، اللباس، النسخة الهندية ۲/ ۱۹۹)

عمدة القاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱۵/ ۱۲۴، دارالكتب العلمية بيروت ۲۲/ ۱۱۰۔

تنبيه: هذا كله في اقتناء الصورة، وأما فعل التصوير فهو غير جائز مطلقا؛ لأنه مضاهاة لخلق الله تعالى كما مر. (شامي، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۲۰، كراچى ۱/ ۶۵۰)

مذکور میں زید مذکور کی غیر تام تصویر یعنی از سینہ تا سر مکمل سکہ جارج پنجم ہے اور بغیر دکھلائے میل والوں کو ملازمت انجینئری مل نہیں سکتی، اور مسمی مذکور پرہیزگار ومتقی ہے۔ اب صورت مذکورہ میں زید مذکور کیا کرے؟ یعنی تصویر غیر تام نکلوانا اور اپنے پاس رکھنا درست ہے یا نہیں؟ اور ملازمت کے پیسہ میں اشتباہ کراہت ہے یا نہیں؟ زید مذکور کو سوا اس ملازمت کے دیگر ملازمت کا ذریعہ نہیں ہے، پس جو حکم عند الشرع ہو علی التفصیل بیان فرمایئے۔ بینوا توجروا

الجواب: في رد المحتار: قال القهستاني: وفيه اشعار بأنه لا تكره صورة الرأس، وفيه خلاف كما في اتخاذها كذا في المحيط. ج ا' ص۶۷۷ (۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس میں بوجہ اختلاف کے ضرورت والے کو گنجائش ہے، گو غیر ضرورت والے کو بقاعدہ: **إذا تعارض المحرم والمبيح الخ** (۲) منع کو ترجیح ہوگی۔ اور شخص مذکور فی السوال کو ضرورت شدید ہے؛ اس لئے اس شخص کو گنجائش پر عمل جائز ہے (۳)۔ ۲/شوال ۱۳۳۳ھ

---

(۱) شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۱۶، كراچی ۱/ ۶۴۷۔

(۲) **إذا اجتمع الحلال والحرام أو المحرم والمبيح غلب الحرام والمحرم.** (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۵۵)

إذا تعارض المحرم والمبيح ترجح المحرم أو المحرم أولى. (النهرالفائق، كتاب الطلاق، قبيل باب ثبوت النسب، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۹۰)

الأشباه والنظائر، النوع الثاني، القاعدة الثانية الخ، قديم ص: ۱۷۰، جديد زكريا ۱/ ۳۰۱-۳۰۲۔

(۳) **أما اتخاذ الصورة الشمسية للضرورة أو الحاجة كحاجتها في جواز السفر، وفي التاشير، وفي البطاقات الشخصية أو في مواضع يحتاج فيها إلى معرفة هوية المرء، فينبغي أن يكون مرخصا فيه، فإن الفقهاء رحمهم الله تعالى استثنوا مواضع الضرورة من الحرمة. قال الإمام محمد في السير الكبير: وإن تحققت الحاجة له إلى استعمال السلاح الذي فيه تمثال فلا بأس باستعماله؛ لأن مواضع الضرورة متستثناة من الحرمة كما في تناول الميتة.** (تكمله فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان الخ، الصورة عند الحاجة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/ ۱۶۴) ←

سوال: ۲-آپ نے تاریخ ۱۷/ اگست ۱۹۱۵ء کو جو جواب تصویر نا تمام در سرٹیفکٹ ملازمت انجینئری نکلوانے کی اجازت شرعاً دی ہے اُس کے سوال کے پرچہ میں جو لفظ (دیگر ذریعہ معاش کا نہیں ہے) تھے، اُن لفظوں سے بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ سوال میں ان لفظوں کے رہنے سے اجازت دی گئی ہے، ورنہ نہ دی جاتی، تو واضح ہو کہ انجینئری کے سوا فیٹری کا کام بھی زید مذکور کر سکتا ہے مگر فیڑی کے کام میں تنخواہ کم ملتی ہے اور زید کی اوقات بسری بہت ہی دقت سے ہوتی ہے؛ بلکہ بعض اوقات قرض لینے کی ضرورت پڑتی ہے: کیونکہ یہ نوکریاں سال بھر میں صرف پانچ چھ مہینے ملتی ہیں، اس کے بعد کپاس کے کارخانے بند ہو جانے کی وجہ سے نوکری جاتی رہتی ہے، ملازمت انجینئری بھی اتنے ہی دن رہتی ہے، مگر اس میں معقول تنخواہ ملنے کی وجہ سے آسانی ہو جاتی ہے اور کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوتی ہے، اور زید مذکور نے اس علم کو عنقریب چودہ پندرہ سال کی محنت سے حاصل کیا ہے، مگر بوجہ اختلاف تصویر نا تمام کے نکلوانے کے علمائے دین کے فتوے کی انتظاری کر رہا ہے؛ لہٰذا اس صورت میں زید مذکور اپنی محنت کو رائیگاں جانے دے یا کہ اس کا فائدہ اٹھاوے؟

الجواب: یہ حالت بھی بجائے اسی کے ہے کہ دوسری وجہ معاش نہیں ہے؛ کیونکہ وجہ ناکافی بمنزلہ عدم کے ہے بشرطیکہ واقع میں گزر نہ ہو اس لئے اس کا بھی یہی حکم ہے(۱)۔

۲۴/ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ

← **الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة، وإساغة اللقمة بالخمر، والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه الخ.** (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، قديم ص: ١٤٠، جديد زكريا ديوبند ١/ ٢٥١)

قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٨٩۔

(۱) **أما اتخاذ الصورة الشمسية للضرورة أو الحاجة كحاجتها في جواز السفر، وفي التاشير، وفي البطاقات الشخصية أو في مواضع يحتاج فيها إلى معرفة هوية المرء، فينبغي أن يكون مرخصا فيه، فإن الفقهاء رحمهم الله تعالى استثنوا مواضع الضرورة من الحرمة. قال الإمام محمد في السير الكبير: وإن تحققت الحاجة له إلى استعمال السلاح الذي فيه تمثال فلا بأس باستعماله؛ لأن مواضع الضرورة متستثناة من الحرمة كما في تناول الميتة.** (تكمله فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان الخ، الصورة عند الحاجة، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ١٦٤) ←

فوٹو کو آئینہ پر قیاس کرنا غلط ہے

سوال (۲۶۲۲): قدیم ۲۵۳/۴- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید عالم ہے وہ کہتا ہے کہ تصویر دستی یعنی قلم کی بنی ہوئی کا بنوانا یا مکان میں رکھنا حرام ہے؛ لیکن فوٹو کا لیا جانا اور مکان میں رکھنا حرام نہیں ہے، بدیں دلیل کہ فوٹو آئینہ کا عکس ہے عام لوگ آئینہ دیکھتے ہیں؟

الجواب: زید کا قول بالکل غلط ہے اور یہ قیاس مع الفارق ہے، آئینہ کے اندر کوئی انتقاش باقی نہیں رہتا، زوال محاذات کے بعد وہ عکس بھی زائل ہو جاتا ہے، بخلاف فوٹو کے، اور یہ بالکل ظاہر ہے، اور پھر صنعت کے واسطہ سے ہے؛ اس لئے بالکل مثل دستی تصویر کے ہے(۱)۔

۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ (حوادث رابعہ ص ۷۲)

← **الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة، وإساغة اللقمة بالخمر، والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه الخ.** (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، قديم ص: ۱۴۰، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۲۵۱)

قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۸۹۔

(۱) یعنی جس طرح دستی تصویر کا بنانا اور رکھنا حرام ہے اسی طرح بلاضرورت کیمرے سے فوٹو کھینچنا اور اس کا رکھنا بھی حرام و ناجائز ہے۔

(۱) **عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابا عندالله يوم القيامة المصورون.** (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب عذاب المصورون يوم القيامة، النسخة الهندية ۲/ ۸۸۰، رقم: ۵۷۱۷، ف: ۵۹۵۰)

مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان الخ، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۱، بيت الأفكار رقم: ۲۱۰۹۔

قال أصحابنا وغيرهم من العلماء تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم وهو من الكبائر؛ لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور في الأحاديث وسواء صنعه بما يمتهن أو بغيره فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله، وسواء ما كان في ثوب أو بساط أو درهم أو دينار أو فلس أو إناء أو حائط أو غيرها، وأما تصوير صورة الشجر كرحال الإبل وغير ذلک مما ليس فيه صورة حيوان فليس بحرام هذا حكم نفس التصوير، ←

کپڑے کے تھان پر جو تصویر کارخانہ کی علامت ہو اس کا حکم

سوال (۲۶۲۲): قدیم ۴/۲۵۴- ململ وغیرہ کے تھان بنیان کے ڈبّے نیز دوسری اشیاء کے اوپر امتیاز کے لئے عموماً تصویریں ہوتی ہیں، جیسے پری چھاپ، گھوڑا چھاپ وغیرہ وغیرہ، جس سے شناخت میں سہولت ہوتی ہے، اگر باوجود اکراہ اُن پر پڑا رہنے دیا جائے تو جائز ہے؟ اور اگر نکال ڈالے تو شناخت کیسے کرے؟

الجواب: کیا یہ ممکن نہیں کہ اُن کا چہرہ سیاہی یا چاقو سے مٹا دیا جائے؟ کیا یہ شناخت کے لئے کافی نہیں ہوگا؟ (۱)۔ ۱۶/ رجب ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالثہ ص ۱۴۳)

← **وأما اتخاذ المصور فيه صورة حيوان، فإن كان معلقا على حائط أو ثوبا ملبوسا أو عمامة ونحو ذلك مما لا يعد ممتهنا فهو حرام الخ.** (شرح النووي على المسلم، اللباس، النسخة الهندية ٢/ ١٩٩)

وظاهر كلام النووي في شرح المسلم: الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: وسواء صنعه لما يمتهن أو بغيره فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله، وسواء ما كان في ثوب أو بساط أو درهم أو دينار أو فلس أو إناء أو حائط أو غيرها. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤١٦، كراچى ١/ ٦٤٧)

مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، باب التصاوير، الفصل الأول، مكتبه إمداديه ملتان ٨/ ٣٢٦۔

وفي التوضيح: قال أصحابنا وغيرهم: تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم وهو من الكبائر، وسواء صنعه لما يمتهن أو لغيره فحرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله، وسواء ما كان في ثوب أو بساط أو درهم أو دينار أو فلس أو إناء أو حائط ...... وبمعناه قال جماعة العلماء مالك، والثوري، وأبوحنيفة وغيرهم. (عمدة القاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة، مكتبه زكريا ديوبند ١٥/ ١٢٤، تحت رقم الحديث ٥٩٥٠، دارالكتب العلمية بيروت ٢٢/ ١١٠)

(۱) چونکہ جس جاندار کی تصویر بنانے اور رکھنے کی ممانعت آئی ہے اس سے وہ تصویر مراد ہے جو چہرہ یعنی سر کی ہو خواہ نصف بدن کی ہو یا پورے قد کی، ہاں اگر سر اور چہرہ نہ ہو یا ہو مگر اسے کاٹ کر یا مٹا کر ختم کر دیا گیا ہو تو باقی بدن کی تصویر بنانا اور رکھنا مباح ہے، وہ وعید مذکور فی الروایات کا مصداق نہ ہوگا؛ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ کپڑے ←

تصویر والے روپیہ کا حکم

سوال (۲۶۲۴): قدیم ۴/۲۵۴- روپیہ چہرہ دار جس میں نصف تصویر ہوتی ہے اُس کا رکھنا جائز ہے یا ناجائز؟ بصراحت تحریر فرمایا جاوے۔

← کے تھان اور بنیان وغیرہ کے ڈبوں پر بنی تصاویر کے چہرے اور سر کو کسی طرح مٹا دیا جائے، تاکہ تصاویر رکھنے کی وعید کے مستحق نہ ہوں اور کپڑے کے شناخت کی ضرورت بھی پوری ہو جائے۔

عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنه قال: الصورة الرأس فإذا قطع الرأس فليس بصورة. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصداق، باب الرخصة فيما يوطأ من الصور أو يقطع رؤوسها، دارالفكر بيروت ١١/ ٨٣، رقم: ١٤٩٤٥)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: الصورة الرأس فكل شيء ليس له رأس فليس بصورة. (طحاوي شريف، كتاب الكراهية، باب الصور تكون في الثياب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٠٠، رقم: ٦٨٠٦)

عن عكرمة قال: إنما الصورة الرأس، فإذا قطع فلا بأس. (المصنف لابن أبي شيبة، اللباس، الرجل يتكئ على المرافق المصورة، مؤسسة علوم القرآن ١٢/ ٦٣٧، رقم: ٢٥٨٠٨)

(الصورة الرأس) أي الصورة المحرمة ما كانت ذات رأس (فإذا قطع الرأس فلا صورة) فتصوير الحيوان حرام، لكن إذا قطعت رأسه انتفى التحريم؛ لأنها بدون الرأس لاتسمى صورة. (فيض القدير، شرح الجامع الصغير، مطبوعة نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة ٧/ ٣٨١٣-٣٨١٤، تحت رقم الحديث: ٥١٦٣)

ولو لم يكن لها رأس فلا بأس لأنها لا تكون صورة بل تكون نقشا. (بدائع الصنائع، كتاب الاستحسان، حكم التصاوير في البيوت، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٣٠٤، كراچى ٥/ ١٢٧)

أ كانت صغيرة ...... أو مقطوعة الرأس أو الوجه أو ممحوة عضو لا تعيش بدونه أو لغير ذي روح لا يكره لأنها لا تعبد. (الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤١٨، كراچى ١/ ٦٤٨-٦٤٩)

سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، دارالكتب العليمة بيروت ١/ ١٨٨-١٨٩۔

الجواب: چونکہ اس کے رکھنے کی ضرورت ہے؛ اس لئے عفو ہے(۱)۔

۱۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ

کتب طب میں موجود تصاویر کا حکم

سوال (۲۶۲۵): قدیم ۴/۴ ۲۵- بعض طبّی کتابوں میں تصاویر تمام جسم کی ہوا کرتی ہیں، ان کو ان کی حالت پر رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر اُن پر قلم وغیرہ پھیرا جائے گا تو بعض اعصاب وغیرہ کے نام مشکوک ہو جائیں گے۔

الجواب : **في الدرالمختار: ولا يكره لو كانت تحت قدميه -إلى قوله- لاالمستتر بكيس أو صُرَّة أو ثوب آخر. وفي ردالمحتار: بأن كان فوق الثوب الذي فيه صورة ثوب ساتر له فلا تكره الصلوٰة فيه لاستتارها بالثوب (بحر) وفيه: فإن ظاهره ان مالا يؤثر كراهة في الصلوٰة لايكره إبقاء ه، وفيه هٰذا كله في اقتناء الصورة، وأما فعل التصوير فهو غير جائز مطلقاً الخ. ج ۱، ص۶۷۷ تا ۶۷۹ (۲)۔**

ان روایات سے ان صور کے علیٰ حالہا چھوڑ دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے(۳)۔

---

(۱) **الضرورات تبيح المحظورات: أي أن الأشياء الممنوعة تعامل كالأشياء المباحة وقت الضرورة.** (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۲۶، رقم المادة: ۲۹)

الضرورات تبيح المحظورات. (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، قديم ص: ۱۴۰، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۲۵۱)

قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۸۹۔

قوله: (لا المستتر بكيس أو صرة) بأن صلى ومعه صرة أو كيس فيه دنانير أو دراهم فيها صور صغار فلا تكره لاستتارها. بحر (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۱۸، كراچی ۱/ ۶۴۸)

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۱۸ تا ۴۲۰، كراچی ۶/ ۶۴۸ تا ۶۵۰۔

(۳) **يصرح الحنفية أن الصور الصغيرة لا يشملها تحريم الاقتناء والاستعمال بناء على أنه ليس من عادة عباد الصور أن يستعملوها كذلك وضبطوا حد الصغر بضوابط ←**

اگرچہ بنانا پھر بھی حرام ہے (۱) لیکن جہاں عوام کے مفسدہ کا خوف ہو مٹا دینا ضروری ہے کہ یہ مفسدہ اعصاب کے ناموں کے مشکوک ہو جانے سے اشد ہے (۲)۔

۲۳/رجب ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالث ص ۱۴۳)

← مختلفة، قال بعضهم: أن تكون بحيث لا تبدو للناظر إلا بتبصر بليغ، وقال بعضهم: أن لا تبدو من بعيد، وقال صاحب الدر: هي التي تتبين تفاصيل أعضائها للناظر قائما، وهي على الأرض، وقيل: هي ما كانت أصغر من حجم طائر، وهذا يذكرونه في بيان أنها لا تكره للمصلي، لكن قال ابن عابدين: ظاهر كلام علماء نا أن ما لا يؤثر كراهة في الصلاة لا يكره إبقاء ه، وقد صرح في الفتح وغيره بأن الصورة الصغيرة لا تكره في البيت الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/ ١٢٢)

(۱) قال أصحابنا وغيرهم من العلماء تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم وهو من الكبائر؛ لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور في الأحاديث وسواء صنعه بما يمتهن أو بغيره فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله، وسواء ما كان في ثوب أو بساط أو درهم أو دينار أو فلس أو إناء أو حائط أو غيرها. (شرح النووي على المسلم، اللباس، النسخة الهندية ٢/ ١٩٩)

وفي التوضيح: قال أصحابنا وغيرهم: تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم وهو من الكبائر، وسواء صنعه لما يمتهن أو لغيره فحرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله. (عمدة القاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة، مكتبه زكريا ديوبند ١٥/ ١٢٤، تحت رقم الحديث: ٥٩٥٠)

وظاهر كلام النووي في شرح المسلم: الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: وسواء صنعه لما يمتهن أو بغيره فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله، وسواء ما كان في ثوب أو بساط أو درهم أو دينار أو فلس أو إناء أو حائط أو غيرها. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤١٦، كراچى ١/ ٦٤٧)

مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، باب التصاوير، الفصل الأول، مكتبه إمداديه ملتان ٨/ ٣٢٦۔

(۲) درء المفاسد أولى من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة ←

جاندار کی تصویر کشی کے سلسلہ میں تحقیق

سوال (۲۶۲۶): قدیم ۴/۲۵۴- (۱)قال في شرح مسلم في باب تحريم تصوير صورة الحيوان: و تحريم اتخاذ فيه صور غير ممتهنة بالفرش ونحوه، وإن

← **قدم دفع المفسدة غالبا؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتناء ه بالمأمورات.** (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، قديم ص: ۱۴۷، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۲۶۴)

درء المفاسد أولى من جلب المنافع. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۸۱)

شرح المجلة لسيلم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۳۲، رقم المادة: ۳۰۔

(۱) **خلاصۂ ترجمہ**: امام نوویؒ شرح مسلم میں: "**باب تحریم تصویر صورة الحیوان الخ**" کے ذیل میں فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب اوران کے علاوہ دیگر علماء نے بھی فرمایا ہے کہ جاندار کی تصویر کشی سخت حرام اور گناہ کبیرہ ہے؛ اس لئے کہ اس پر احادیث مذکورہ میں سخت ترین وعیدیں وارد ہوئی ہیں، وہ تصویریں خواہ ایسی چیزوں پر بنائے جن کی تذلیل وتوہین کی جاتی ہو یا ایسی چیزوں پر بنائے جن کی توہین وتذلیل نہ کی جاتی ہو؛ لہٰذا تصویر بنانا ہر حال میں حرام ہے؛ اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت خلق کے ساتھ تشابہ لازم آتا ہے، خواہ وہ تصویر کسی کپڑے میں ہو یا درہم ودینار اور فلوس میں ہو یا برتن اور دیوار وغیرہ میں ہو، رہا درخت اور اونٹ کے کجاوے اور دیگر غیر جاندار کی تصویر بنانا تو یہ حرام نہیں ہے، یہ تو نفس تصویر کشی کا حکم ہے۔ اب رہا جاندار کی تصویر بنی ہوئی اشیاء کا استعمال کرنا تو اگر وہ تصویر کسی دیوار پر لٹکی ہوئی ہو یا استعمال کپڑے پر ہو یا عمامہ اور اس جیسی کسی ایسی چیز پر ہو جس کو حقیر نہیں سمجھا جاتا تو ایسی چیزوں کا استعمال حرام ہے اور اگر وہ تصویر روندی جانے والی دری پر ہو یا گدا یا تکیہ پر ہو یا کسی ایسی چیز پر ہو جس کی اہانت کی جاتی ہے، تو ایسی اشیاء کا استعمال حرام نہیں ہے؛ لیکن کیا ایسی چیزوں کے کسی گھر میں ہونے کی بناء پر رحمت کے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوں گے، تو اس سلسلہ میں ایک لمبی بحث ہے، جس کو ہم انشاء اللہ عنقریب بیان کریں گے اور ان تمام صورتوں میں سایہ دار ہونے اور نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے، مذکورہ مسئلہ میں یہی ہمارے مسلک کا خلاصہ ہے، اور صحابہ، تابعین، تبع تابعین میں سے جمہور علماء بھی اسی کے قائل ہیں اور یہی امام ثوری امام مالک اور امام ابوحنیفہ وغیرہ کا بھی مسلک ہے۔ اور بعض اکابر نے کہا ہے کہ سایہ دار تصویروں والی اشیاء کے استعمال سے روکا جائے گا اور غیر سایہ دار، تصویروں ←

الملائكة عليهم السلام لايدخلون بيتا فيه صورة أو كلب مانصه قال أصحابنا وغيرهم من العلماء: تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم وهو من الكبائر؛ لأنه متوعد عليه بهٰذا الوعيد الشديد المذكور في الأحاديث، وسواء صنعه بما يمتهن أو بغيره فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالىٰ، وسواء ما كان في ثوب أو بساط أو درهم أودينار أو فلس أو إناء أو حائط أوغيرها، وأما تصوير صورة الشجرو رحال الإبل، وغير ذلك مما ليس فيه صورة حيوان فليس بحرام هذا حكم نفس

← والی اشیاء کے استعمال میں کوئی حرج نہیں؛ لیکن یہ مذہب باطل اور غلط ہے؛ کیوں کہ جس تصویر والے پردے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے، اس میں کسی کو شک نہیں کہ وہ قابل مذمت چیز ہے، حالانکہ اس تصویر کا کوئی سایہ نہیں تھا، نیز اس وجہ سے بھی یہ مذہب باطل ہے کہ باقی ساری احادیث مطلق ہیں، جو ہر طرح کی تصویر کو شامل ہیں، زہری فرماتے ہیں کہ تصویر کے سلسلہ میں جو نہی وارد ہے، وہ بالکل عام ہے، اسی طرح مصور اشیاء کو استعمال کرنے اور تصویروں والے گھر میں جانے سے متعلق جو نہی وارد ہے وہ بھی بالکل عام ہے، خواہ وہ کسی کپڑے پر چھپی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی نہ ہو اور خواہ وہ تصویریں دیوار پر ہوں یا کپڑے پر یا روندی جانے والی دری پر یا نہ روندی جانے والی دری پر، ظاہر احادیث پر عمل کرتے ہوئے خاص طور پر نمرقہ (منقش پردہ) والی حدیث پر عمل کرتے ہوئے جس کو امام مسلم نے روایت کی ہے، یہی مذہب قوی ہے اور دوسرے علماء کا کہنا ہے کہ جو تصویر کسی کپڑے پر چھپی ہوئی ہو خواہ وہ کپڑا حقیر ہو یا حقیر نہ ہو اور خواہ وہ مصور کپڑا دیوار پر لٹکا ہوا ہو یا لٹکا ہوا نہ ہو، ایسی تصویروں اور مصور اشیاء کا استعمال جائز ہے اور یہ لوگ سایہ دار تصویروں اور دیواروں اور اس جیسی چیزوں پر بنی ہوئی تصویروں کی کراہت کے قائل ہیں، خواہ یہ تصویریں چھپی ہوئی ہوں یا چھپی ہوئی نہ ہوں اور انہوں نے باب کی بعض احادیث میں مذکور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: "إلا ما كان رقما في ثوب" سے استدلال کیا ہے اور یہی قاسم بن محمد کا قول ہے الخ۔

پھر امام نوویؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "إلا رقما في ثوب" کے تحت یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اس حدیث سے وہ لوگ استدلال کرتے ہیں جو مطلقاً چھپی ہوئی تصویر کے جواز کے قائل ہیں، جیسا کہ ماقبل میں اس کا بیان آچکا۔ اور ان کے اس استدلال پر ہمارا اور جمہور علماء کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث درخت وغیرہ غیر جاندار اشیاء کی تصویر چھاپنے پر محمول ہے اور ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ یہ ہمارے نزدیک جائز ہے۔ ←

التصوير، وأما اتخاذ المصور فيه صورة حيوان، فإن كان معلقا على حائط أو ثوباً ملبوسا أوعمامة ونحو ذٰلك مما لايعد ممتهنا فهو حرام، وإن كان في بساط يداس ومخدة ووسادة ونحوها مما يمتهن فليس بحرام، ولكن هل يمنع دخول ملائكة الرحمة ذلك البيت فيه كلام نذكره قريباً إنشاء الله تعالىٰ، ولا فرق في هٰذا كله بين ما ظل وما لا ظل له هذا تلخيص مذهبنا في المسئلة، وبمعناه قال جماهير العلماء من الصحابة والتابعين ومن بعدهم وهو مذهب الثوري ومالكؒ وأبى حنيفةؒ وغيرهم، وقال بعض السلف: إنما ينهى عما كان له ظل ولا بأس بالصور التي ليس لها ظل، وهذا مذهب باطل فإن الستر الذي أنكر النبي ﷺ الصورة فيه لا يشك أحد أنه

← میں کہتا ہوں: پردہ والی حدیث جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر فرمائی تھی وہ یہ ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اس حال میں کہ میں نے ایسے منقش چادر کا پردہ لگا رکھا تھا جس میں تصویر بنی ہوئی تھی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہوگیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پردہ لے کر پھاڑ دیا اور کہا: قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی صفت خلق کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ اور نمرقہ والی حدیث یہ ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک چھوٹا تکیہ خریدا جس پر تصویریں بنی ہوئی تھیں، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تصویروں کو دیکھا تو دروازے پر ہی کھڑے ہوگئے اور گھر میں داخل نہیں ہوئے - الی قولہ - تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ ان تصویر بنانے والوں کو عذاب ملے گا۔ ان دونوں حدیثوں کو مسلم نے مذکورہ باب میں بیان کیا ہے، نیز میں یہ بھی کہتا ہوں کہ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ ائمہ اربعہ کے اجماع کو ترک کرنا جائز نہیں، خاص کر جب کہ کپڑے پر تصویر چھاپنے کے سلسلہ میں صراحت کے ساتھ نص وارد ہوچکی ہے، جیسا کہ ماقبل میں گذر چکا؛ لہٰذا چھپی ہوئی تصویر کا استثناء کرنے والی حدیث کی یا تو تاویل کی جائے گی، جیسا کہ سابق میں یہ بات آچکی یا پھر یہ حدیث اس قاعدہ کی وجہ سے منسوخ ہوگی کہ جب حلال اور حرام میں تعارض ہوجائے تو حرام کو ترجیح دی جائے گی، یا پھر اس حدیث کو اجماع کے خلاف دلالت کرنے کی وجہ سے منسوخ قرار دیا جائے گا، جیسا کہ یہ بات بھی اپنی جگہ بیان کی جاچکی، یا پھر اس حدیث کو اتنی چھوٹی تصویر پر محمول کیا جائے گا جس کے نقوش واضح نہ ہوں۔ واللہ اعلم۔

مذموم، وليس بصورته ظل مع باقى الأحاديث المطلقة في كل صورة، قال الزهري: النهى في الصورة على العموم، وكذٰلک استعمال ما هي فيه، ودخول البيت الذي هي فيه سواء كانت رقماً في ثوب أو غير رقم، وسواء كانت في حائط أو ثوب أو بساط ممتهن أو غير ممتهن عملا بظاهر الأحاديث لاسيماً حديث النمرقة الذي ذكره مسلم، وهذا مذهب قوي، وقال آخرون: يجوز منها ماكان رقماً في ثوب سواء امتهن أم لا، وسواء علق في حائط أم لا، وكرهوا ماكان له ظل أو كان مصوّرا في الحيطان وشبهها سواء كان رقما أو غيره، واحتجوا بقوله في بعض أحاديث الباب الاماكان رقماً في ثوب، وهذا مذهب القاسم بن محمدؒ الخ.

ثم قال تحت قوله إلا رقماً في ثوب مانصه هذا يحتج به من يقول بإباحة ما كان رقما مطلقا كما سبق، وجوابنا وجواب الجمهور عنه أنه محمول علىٰ رقم علىٰ صورة الشجر وغيرها مما ليس بحيوان، وقد قدمنا أن هذا جائز عندنا اه (۱)۔

فقلت: حديث الستر الذي أنكر عليه ﷺ هو هٰذا عن عائشةؓ قالت دخل على رسول اللّٰه ﷺ، وأنا متسترة بقرام فيه صورة فتلون وجهه ثم تناول السترة فهتكه، ثم قال: إن من أشد الناس عذاباً يوم القيامة الذين يشبهون بخلق اللّٰه وحديث النمرقة هو هذا عن عائشه أنها اشترت نمرقة فيها تصاوير فلما راٰها رسول اللّٰه ﷺ قام على الباب فلم يدخل -إلى قوله- فقال له رسول اللّٰه ﷺ: إن أصحاب هذه الصور يعذبون الخ. رواهما مسلم في الباب المذكور. وقلت أيضاً قد تقر (في محله إن ترک الإجماع الأئمة الأربعة لايجوز لا سيماً، وقد صح نص النهى عن الرقم في الثوب كما مر فحديث استثناء الرقم، إما مؤول كما مر، وإما منسوخ بقاعدة إذا تعارض المحرم والمبيح ترجح المحرم، وإما منسوخ بدلالة مخالفة الإجماع كما نحرر في موضعه، وإما محمول على الصغيرة جداً بحيث لا تستبين. واللّٰه أعلم

کتبہ: اشرف علی ۱۵/ ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۵۷)

---

(۱) شرح النووي على هامش المسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان الخ۔ النسخة الهندية ۲/ ۱۹۹-۲۰۰۔

بچّوں کے کھیل کھلونے فروخت کرنے کا حکم

سوال (۲۶۲۷): قدیم ۴/ ۲۵۶- اول: باجہ جو چھوٹے بچّے بجاتے ہیں اس کی خرید وفروخت جائز ہے یا ناجائز؟

ثانی: سیٹی خورد یا کلاں، ان کی فروخت کا کیا حکم ہے؟

ثالث: پٹاخہ جو بچّے چھوٹے سے طمنچہ میں رکھ کر چھوڑتے ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟

رابع: دیا سلائی، مہتابی کہ جس کے جلانے سے سرخ اور زرد رنگ نکلتا ہے، جس طرح کہ پُھلجھڑی میں، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب عن الأربعة: في العالمگيرية: ويجوز بيع البربط، والطبل، والمزمار، والدف، والنرد، وأشباه ذلک في قول أبی حنيفةؒ، وعندهما لا يجوز بيع هذه الأشياء قبل الكسر (أی إذا باعها ممن يستعملها أو يبيعها هذا المشترى ممن يستعملها كما فيها عن السير الكبير) فلا يجوز الانتفاع به، كذا في المحيط. (ج ۴، ص ۶۸) (۱)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ان اشیاء کی خرید وفروخت امام صاحبؒ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک ناجائز، پس خرید وفروخت نہ کرنا احتیاط ہے، اور خرید وفروخت کرنا بھی گنجائش رکھتا ہے (۲)۔

۱۶/ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ (حوادث خامسہ ص ۲۵۲)

---

(۱) هندية، كتاب البيوع، الباب التاسع: فيما يجوز بيعه وما لا يجوز، الفصل الخامس: في بيع المحرم الصيد، وفي بيع المحرمات، قديم زكريا ۳/ ۱۱۶، جديد زكريا ۳/ ۱۱۷۔

(۲) ويجوز بيع آلات الملاهي من البربط، والطبل، والمزمار، والدف ونحو ذلک عند أبي حنيفةؒ لكنه يكره، وعند أبي يوسفؒ ومحمد لا ينعقد بيع هذه الأشياء؛ لأنها آلات معدة للتلهي بها موضوعة للفسق، والفساد، فلا تكون أصولا فلا يجوز بيعها، ولأبي حنيفة أنه يمكن الانتفاع بها شرعا من جهة أخرى بأن تجعل ظروفا لأشياء، ونحو ذلک من المصالح فلا تخرج عن كونها أموالا، وقولهما: إنها آلات التلهي والفسق بها، قلنا: نعم، لكن هذا لا يوجب سقوط ما ليتها كالمغنيات والقيان وبدن الفاسق وحياته وماله، وهذا لأنها ←

کرکٹ کھیل کا حکم

سوال (۲۶۲۸): قدیم ۴/۲۵۶- گذارش یہ ہے کہ ہمارے یہاں قصبہ راندیر میں بہت سے نوجوانوں کو کرکٹ یعنی گیند بلاّ کھیلنے کا بہت شوق ہے، اور دن بدن اس کا شوق زیادہ ہوتا جاتا ہے، اور کھیل اہل یورپ کا ایجاد کردہ ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ وسیع میدان میں تیس چالیس قدم یا کم زائد پر تین تین لکڑیاں گاڑکر ایک شخص لکڑیوں کے قریب کھڑا ہوتا ہے، جو ایک لکڑی سے جس کو بیٹ کہتے ہیں، دوسری جانب سے آنے والی گیند کو روکتا ہے اور کئی دوسرے اشخاص دوسرے طریقہ سے اس کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں، غالبًا جناب کو اس کی تفصیل بخوبی معلوم ہوگی، اس وجہ سے زیادہ لکھنا فضول خیال کرکے اصل مطلب عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ آیا یہ کھیل لہو ولعب میں داخل ہے یا نہیں؟ اور اس کا کھیلنا شرعاً جائز ہے یا

← **كما تصلح للتلهي تصلح لغيره على ماليتها بجهة إطلاق الانتفاع بها لا بجهة الحرمة.**
(بدائع الصنائع، كتاب البيوع، ما يرجع إلى المعقود عليه، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٣٣٧، كراچى ٥/ ١٤٤)

ويجوز بيع البربط والطبل، والمزمار، والدف، والنرد وأشباه ذلك في قول أبي حنيفةؒ، وعندهما لا يجوز بيع هذه الأشياء، وجه قولهما إن هذه الأشياء أعدت للمعصية حتى صارت بحال لا تستعمل إلا في المعصية فسقطت ماليتها، والتحقت بالعدم، ومن شرط جواز البيع المالية، ولأبي حنيفة أن هذه الآلات ليست بمحرمة العين، وكونها آلة المعصية إنما يوجب سقوط التقوم والمالية إذا كانت متعينة للمعصية، وهذه الأشياء لم تتعين آلة للمعصية؛ لأن الانتفاع بهذه الأشياء ممكن بوجه حلال بأن يجعل النرد سينجات الموازين، والبربط والطبل والدف ظروف الأشياء، وإذا لم تكن متعينة للمعصية لا يسقط تقومها كالمغنية، فإنه لما تصور الانتفاع بعينها بطريق حلال، لا يسقط تقومها وماليتها حتى جاز بيعها كذا ههنا. (المحيط البرهاني، كتاب البيوع، الفصل السادس: فيما يجوز بيعه وما لا يجوز، المجلس العلمي ٩/ ٣٣٤-٣٣٥، رقم: ١٢٠٠٢)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب البيوع، الفصل السابع: فيما يجوز بيعه وما لايجوز، بيع المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣٤٣، رقم: ١٢١٣٨۔

الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ١٥٧-١٥٨۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نہیں؟ اکثر اشخاص بغرض تفریح وورزش جسمانی کے خیال سے کھیلا کرتے ہیں، نیز اس میں کسی قسم کی مالی یا بدنی امداد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہاں اس کھیل کی ایک انجمن ہے جس میں شرکاء چندہ دیتے ہیں اس کے ذریعہ سے اس کا ضروری سامان خریدا جاتا ہے اور دوسرے شہروں سے جو لوگ مہمان آیا کرتے ہیں، اُن کی ضیافت بھی اسی مد سے ہوا کرتی ہے۔ جواب سے ممنون فرماویں۔

الجواب: في المشكوٰة قبيل باب آداب السفر عن عليؓ قال: كانت بيد رسول الله ﷺ قوس عربية فرآى رجلا بيده قوس فارسية، قال: ما هذه ألقها وعليكم بهذه وأشباهها. الحديث (رواه ابن ماجه) (۱)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ بلاضرورت شدید غیر مسلم قوموں کے آلاتِ ورزش کا استعمال بھی مکروہ ہے، اگرچہ حرمت کی کوئی دلیل نہیں (۲)۔

---

(۱) مشكوة شريف، كتاب الجهاد، باب إعداد آلة الجهاد، الفصل الثالث، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۳۳۸۔

ابن ماجه شريف، أبواب الجهاد، باب السلاح، النسخة الهندية ص: ۲۰۲، دارالسلام رقم: ۲۸۱۰۔

(۲) وإذا عرفت أن اللهو قد يعود مصلحية بنية صحيحة ومصلحة مقصودة، والمصالح قد تعود لهوا بنية فاسدة أو انهماک فيها بحيث يشغل عن ذكر الله، فقد اتضح لک اختلاف الفقهاء في بعض الملاهي، فإنه أحلها من أحلها إذا كانت لغرض صحيح بنية صالحة، وحرمها من حرمها لعدم اعتداده بتلک النية الصالحية، والغرض الصحيح في جانب ما يلزمه من المفاسد، ولما رأى بالتجربة أن إثمها أكبر من نفعها، فالضابط في هذا الباب عند مشايخنا الحنفية المستفاد من أصولهم وأقوالهم أن اللهو المجرد الذى لا طائل تحته وليس له غرض صحيح مفيد في المعاش لا المعاد حرام أو مكروه تحريما، وهذا أمر مجمع عليه في الأمة متفق عليه بين الأئمة وما كان فيه غرض ومصلحة دينية أو دنيوية، فإن ورد النهي عنه من الكتاب أو السنة -كما في النردشير- كان حراما أو مكروها تحريما، وألغيت تلک المصلحية والغرض لمعارضتها للنهي المأثور حكما بأن ضرره أعظم من نفعه ...... وأما ما لم يرد فيه النهي عن الشارع وفيه فائدة ومصلحية للناس فهو بالنظر الفقهي على نوعين: الأول: ما شهدت التجربة بأن ضرره أعظم من نفعه ومفاسده أغلب على منافعه، ←

اور اعانت ہر فعل کی اس فعل کے حکم میں ہے(۱)۔ ۳؍ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ (حوادث خامسہ ص ۲۵)

بائسکوپ اور سینما کا دیکھنا جائز نہیں

سوال (۲۶۲۹): قدیم ۴/۲۵۰ - سینما (جس میں قصّہ کے پیرایہ میں تصویریں مشین کے ذریعہ دکھائی جاتی ہیں) دیکھنے کا مجھ کو کچھ شوق ہے، اور مقصود اس کے دیکھنے سے یہ ہوتا ہے کہ چونکہ تصاویر یورپ اور امریکہ کے مکانات اور اشخاص وغیرہ کی دکھائی جاتی ہیں، اس لئے ان تصاویر سے یورپ اور امریکہ کے مذاق کا پتہ چلے، اور معلوم ہو کہ وہ لوگ اپنے مقاصد کو کس طرح حاصل کرتے ہیں۔ فلہٰذا ارشاد ہو کہ کیا سینما میں دیکھ سکتا ہوں؟

ازناچیز.........سلام مسنون! یہ سینما کا کھیل تصاویر متحرکہ کا تماشا ہے، اس سے پہلے ایک قسم کا باجا بجایا جاتا ہے، اس کے بعد بجلی کے ذریعہ سے تصاویر متحرکہ کی جاتی ہیں؟

← وأنه من اشتغل به إلهاه عن ذكر الله وحده وعن الصلوات والمساجد التحق ذلك المنهي عنه لاشتراك العلة فكان حراما أو مكروها. والثاني: ما ليس كذلك فهو أيضا إن اشتغل به بنية التلهي والتلاعب فهو مكروه، وإن اشتغل به لتحصيل تلك المنفعة وبنية استجلاب المصلحة فهو مباح بل قد يرتقي إلى درجة الاستحباب أو أعظم منه، هذه خلاصة ما توصل إليه والدي الشيخ محمد شفيع في أحكام القرآن ۳/ ۱۹۳ تا ۲۰۱. وعلى هذا الأصل فالألعاب التي يقصد بها رياضة الأبدان أو الأذهان جائزة فى نفسها، ما لم تشتمل على معصية أخرى ما لم يؤد الانهماك فيها إلى الإخلال بواجب الإنسان في دينه ودنياه. والله أعلم (تكمله فتح الملهم، كتاب الشعر، باب تحريم اللعب بالنردشير، حكم الألعاب في الشريعة، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٣٥-٤٣٦)

(۱) قال الله تعالىٰ: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ.

[سورة المائدة، رقم الآية: ۲]

يأمر الله تعالىٰ عباده المؤمنين بالمعاونة على فعل الخيرات وهو البر، وترك المنكرات، وهو التقوى، وينهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على المآثم والمحارم.

(تفسير ابن كثير، سورة المائدة، آيت: ۲، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٤٥٣)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب : سینما میں جب کہ تصاویر محرمہ موجود ہیں اور شئ محرم سے انتفاع وتلذذ ناجائز ہونا معلوم (۱) پھر سوال کی کیا گنجائش ہے؟ اور اس سے جو مقصود لکھا ہے اوّلاً تو مقصود کی مشروعیت طریق کی اباحت کو مستلزم نہیں، پھر مقصود بھی کونسا ضروری ہے، اور باجہ کا منضم ہونا اور بھی قبح کو بڑھا دیتا ہے (۲)۔

۶/ رجب ۱۳۳۹ھ (حوادث خامسہ ص ۳۸)

---

(۱) **وحرم الانتفاع بها ولو لسقي دواب أو لطين أو نظر للتلهي.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأشربة، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۲۸، كراچی ۶/ ۴۴۹)

(۲) **قوله: (وكره كل لهو) أي كل لعب وعبث، فالثلاثة بمعنى واحد كما في شرح التأويلات، والإطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق، وضرب الأوتار من الطنبور، والبربط والرباب، والقانون، والمزمار، والصنج، والبوق، فإنها كلها مكروهة؛ لأنها زي الكفار، واستماع ضرب الدف والمزمار وغير ذلك حرام، وإن سمع بغتة يكون معذورا، ويجب أن يجتهد أن لا يسمع قهستاني.** (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۶۶، كراچی ۶/ ۳۹۵)

وقال النوويؒ في الروضة: غناء الإنسان بمجرد صوته مكروه وسماعه مكروه، وإن كان سماعه من الأجنبية كان أشد كراهة، والغناء بآلات مطربة هو من شاربي الخمر كالعود والطنبور والصنج والمعازف وسائر الأوتار حرام، وكذا سماعه حرام. (مرقاة، كتاب الأدب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث، مكتبه إمداديه ملتان ۹/ ۱۳۴)

وفي السراج: ودلت المسألة أن الملاهي كلها حرام، ويدخل عليهم بلا إذنهم لإنكار المنكر، قال ابن مسعود: صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات، قلت: وفي البزازية: استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام؛ لقوله عليه الصلاة والسلام: "استماع الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر" أي بالنعمة، فصرف الجوارح إلى غير ماخلق لأجله كفر بالنعمة لا شكر فالواجب كل واجب أن يجتنب كي لا يسمع لما روي أنه عليه السلام أدخل إصبعه في أذنه عند سماعه. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴، كراچی ۶/ ۳۴۸-۳۴۹)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

رسالہ تصحیح العلم فی تقبیح الفلم

سوال (۲۶۳۰): قدیم ۴/ ۲۵۸- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر بائسکوپ کے پردہ پر خلفائے اسلام وشاہانِ اسلام اور رہنمایان اسلام کی تصویریں متحرک بولتی گاتی اور ناچتی دکھائی جائیں، اور خواتین اسلام کو بائسکوپ کے ذریعہ سے پبلک میں بے پردہ پیش کیا جائے، تو کیا شریعتِ اسلامیہ اس فعل کو جائز قرار دیتی ہے، یا شریعت اسلامیہ کے نزدیک یہ فعل ناجائز ہے؟ اور کیا حکم دیتی ہے شریعتِ اسلامیہ اُن حضرات کے بارے میں جو اس فعل کے جواز کی حمایت میں پروپیگنڈا کرتے ہیں اور مسلمانوں کو متحرک تصاویر اور بولتی تصاویر کی طرف رغبت دلاتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: شریعت اسلامیہ میں جاندار کی تصویر بنانا مطلقاً معصیت ہے، خواہ کسی کی تصویر ہو اور خواہ مجسّمہ ہو یا غیر مجسّمہ۔

في جمع الفوائد عن الستة عن عائشة رضـ قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم من سفر، وقد سترت بقرام لي على سهرة لي فيه تصاوير فنزعه، وقال: أشد الناس عذاباً يوم القيامة الذين يضاهون بخلق الله (١)۔

---

(١) بخاري شريف، كتاب اللباس، باب ما وطئ من التصاوير، النسخة الهندية ٢/ ٨٨٠، رقم: ٥٧٢١، ف: ٥٩٥٤۔

مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان الخ، النسخة الهندية ٢/ ٢٠١، بيت الأفكار رقم: ٢١٠٧۔

نسائي شريف، كتاب الزينة، ذكر أشد الناس عذابا، النسخة الهندية ٢/ ٢٥٦، دارالسلام رقم: ٥٣٥٨۔

قال أصحابنا وغيرهم من العلماء تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم وهو من الكبائر؛ لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور في الأحاديث وسواء صنعه بما يمتهن أو بغيره فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله، وسواء ما كان في ثوب أو بساط أو درهم أو دينار أو فلس أو إناء أو حائط أو غيرها. (شرح النووي على المسلم، اللباس، النسخة الهندية ٢/ ١٩٩) ←

اور کسی مسلمان کی تصویر بنانا اور زیادہ معصیت ہے کہ اس میں ایسے شخص کو آلہ معصیت بنانا ہے جو اس کو اعتقاداً قبیح جانتا ہے، اور اسی اصول پر حق تعالیٰ کی قسم معصیت پر کھانے پر خاص تشنیع فرمائی گئی ہے۔

في تفسير الجلالين: ولا تجعلوا الله عرضة لايمانكم نصباً لها بأن تكثروا الحلف به أن لا تبروا وتتقوا وتصلحوا بين الناس. في الكمالين نصباً أي علما للأيمان في القاموس النصب بضمتين كل ماجعل علماً، أي لا تجعلوا الله معرضا لايمانكم (۱)۔

اگر چہ اس تصویر کی طرف کوئی امر مکروہ بھی منسوب نہ کیا گیا ہو، محض تفریح وتلذذ ہی کے لئے ہو؛ کیونکہ محرمات شرعیہ سے تلذذ بالنظر بھی حرام ہے۔

في الدرالمختار، كتاب الأشربة: وحرم الانتفاع بها (أى بالخمر) ولو لسقي دواب أو لطين أو نظر للتلهي (۲)۔

اور اگر اس کی طرف کسی نقص یا عیب کو بھی منسوب کیا جائے تو اس میں بھی ایک دوسری معصیت یعنی غیبت بھی منضم ہوگئی؛ کیونکہ غیبت صرف کلام ہی میں منحصر نہیں، نقوشِ قلم یعنی کتابت سے بھی ہوتی ہے، اسی طرح اس عیب کی ہیئت بنانے سے بھی ہوتی ہے؛ بلکہ یہ سب سے اشد ہے۔

في إحياء العلوم بيان أن الغيبة لا تقتصرعلى اللسان: اعلم أن الذكر باللسان إنما حرم؛ لأن فيه تفهيم الغير نقصان أخيک وتعريفه بما يكرهه فالتعريض به كالتصريح، والفعل فيه كالقول والإشارة، والإيماء، والغمز، والهمز، والكتابة، والحركة، وكل ما يفهم المقصود فهو داخل في الغيبة، وهو حرام فمن ذٰلک قول

← عمدة القاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱۵/ ۱۲٤، دارالكتب العلمية بيروت ۲۲/ ۱۱۰۔

تنبيه: هذا كله في اقتناء الصورة، وأما فعل التصوير فهوغير جائز مطلقا؛ لأنه مضاهاة لخلق الله تعالى كما مر. (شامي، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٤۲۰، كراچى ۱/ ٦٥۰)

(۱) جلالين مع الحاشية، سورة البقرة، آيت: ۲۲٤، مكتبه رشيديه دهلي ص: ۳٤۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأشربة، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۲۸، كراچى ٦/ ٤٤۹۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عائشةؓ دخلت علينا امرأة، فلما ولت أومأت بيدى أنها قصيرة، فقال عليه السلام: اغتبتها (ابن أبى الدنيا وابن مردوية من رواية حسان بن مخارق عنها وحسان وثقه ابن حبان وباقيهم ثقات كذا في تخريج العراقي باختلاف يسير في بعض الألفاظ) ومن ذٰلك المحاكاة كان يمشي متعارجاً أو كما يمشي فهو غيبة بل هو أشد في الغيبة؛ لأنه أعظم في التصوير والتفهيم، ولما رأى ﷺ عائشةؓ حاكت امرأة قال: مايسرني اني حاكيت إنساناً ولي كذا وكذا (تقدم في الاٰفة الحادية عشر عن أبى داؤد والترمذي، وصححه كذا في تخريج العراقى) وكذلك الغيبة بالكتابة، فان القلم أحد اللسانين، وذكر المصنف شخصا معيناً، وتهجير كلامه في الكتاب غيبة (۱)۔

اسی طرح اس منسوب الیہ کی تصویر کی کوئی خاص ہیئت بنانا بھی ایسا ہی ہے جیسے خود اس شخص کی طرف اس وصف کو منسوب کرنا، مثلاً مخدرات کی تصاویر کو بے پردہ ظاہر کرانا۔

في صحيح البخاري: غزوة الفتح عن ابن عباسؓ: أن رسول اللّٰه ﷺ لما قدم مكة أبى أن يدخل البيت وفيه الآلهة، فأمر بها فاخرجت فاخرج صورة إبراهيم وإسماعيل في أيديهما من الأزلام، فقال النبي ﷺ: قاتلهم اللّٰه لقد علموا ما استقسما بها قط، ثم دخل البيت. الحديث (۲)۔

---

(۱) إحياء العلوم، ربع المهلكات، كتاب آفات اللسان، بيان أن الغيبة لا تقتصر على اللسان، دارالمعرفة بيروت ۳/ ۱۴۴-۱۴۵۔

والغيبة تكون بالقول وتكون بغيره، قال الغزالي: الذكر باللسان إنما حرم؛ لأن فيه تفهيم الغير نقصان أخيك وتعريفه بما يكرهه فالتعريض به كالتصريح، والفعل فيه كالقول والإشارة، والإيماء، والغمز، والهمز، والكتابة، والحركة، وكل ما يفهم المقصود فهو داخل في الغيبة، وهو حرام من ذٰلك قول عائشةؓ دخلت علينا امرأة، فلما ولت أومأت بيدى أنها قصيرة، فقال عليه السلام: اغتبتها. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۱/ ۳۳۲-۳۳۳)

(۲) بخاري شريف، كتاب المغازي، باب أين ركز النبي صلى اللّٰه عليه وسلم الراية يوم الفتح، النسخة الهندية ۲/ ۶۱۴، رقم: ۴۱۲۲، ف: ۴۲۸۸۔ ←

اگر چہ وہ نقص یا عیب واقع میں اس میں ہوتب بھی اس کی غیبت باقسامہا حرام ہے، اور اگر واقع کے خلاف ہوتو غیبت سے بڑھ کر وہ بہتان ہے۔

عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم: اتدرون ما الغیبة قالوا اللّٰه ورسوله أعلم، قال: ذکرک أخاک بما یکره، قیل: أرأیت إن کان في أخی ما أقول قال: إن کان فیه ما تقول فقد اغتبته، وإن لم یکن فیه ما تقول فقد بهتّه (جمع الفوائد عن أبی داؤد والترمذي (۱)۔

اور جس کی طرف کوئی نقص یا عیب منسوب کیا گیا ہے، اگر علاوہ مسلمان ہونے کے اس میں اور کوئی وجہ بھی احترام کی ہو جیسے سلاطین اسلام میں اُن کی اہانت اور زیادہ موجب انتقام خداوندی ہے۔ لحدیث من أهان سلطان اللّٰه في الأرض أهان اللّٰه. (ترمذی (۲)۔اور جس کی تنقیص یا اہانت مذموم ہے،

← عن ابن عباس رضي الله عنه أن النبي ﷺ لما قدم مكة أبی أن یدخل البیت وفیه الآلهة، فأمر بها فاخرجت، فاخرج صورة إبراهیم وإسماعیل في أیدیهما من الأزلام، فقال النبي ﷺ: قاتلهم اللّٰه لقد علموا ما استقسما بها قط، ثم دخل البیت، فکبر في نواحیه، وفي زوایاه، ثم خرج ولم یصل فیه. (أبوداؤد شریف، کتاب المناسك، باب الصلاة في الکعبة، النسخة الهندیة ۱/ ۲۷۷، دارالسلام رقم: ۲۰۲۷)

(۱) أبوداؤد شریف، کتاب الأدب، باب في الغیبة، النسخة الهندیة ۲/ ٦٦٨، دارالسلام رقم: ٤٨٧٤۔

عن أبی هریرةؓ قال: قیل: یا رسول اللّٰه! ما الغیبة؟ قال: ذکرک أخاک بما یکره، قیل: أرأیت إن کان في أخی ما أقول قال: إن کان فیه ما تقول فقد اغتبته، وإن لم یکن فیه ما تقول فقد بهتّه. (ترمذي شریف، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في الغیبة، النسخة الهندیة ۲/ ۱۵، دارالسلام رقم: ۱۹۳٤)

مسلم شریف، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم الغیبة، النسخة الهندیة ۲/ ۳۲۲، بیت الأفکار رقم: ۲۵۸۹۔

(۲) عن زیاد بن کسیب العدوي قال: کنت مع أبي بکرة تحت منبر ابن عامر وهو یخطب وعلیه ثیاب رقاق، فقال أبوبلال: انظروا إلی أمیرنا یلبس ثیاب الفساق، فقال ←

اس کی طرف جو چیزیں خصوصیت کے ساتھ منسوب ہیں، اُن کی اہانت کا بھی وہی حکم ہے جیسے اُن کی بیبیاں وغیرہا، چنانچہ کفارِ عرب حضرات صحابہؓ کی بیبیوں کے نام اپنے اشعار میں عشق بازی کے عنوان سے ذکر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایذاءِ قبیح میں شمار فرمایا۔

في الجلالين: ولتسمعن من الذين أوتوا الكتٰب من قبلكم اليهود والنصارىٰ ومن الذين اشركوا من العرب أذى كثيرا من السب والطعن والتشبيب بنسائكم (۱)۔

اور زوجیت یا قرابت کی نسبت تو بڑی چیز ہے، استعمال کی نسبت بھی حرمت تنقیص کے لئے کافی ہے، جیسے کسی کے استعمالی کپڑے میں عیب نکالنا۔

في إحياء العلوم بيان معنى الغيبة: وأما في ثوبه فكقولک أنه واسع الكم طويل الذيل وسخ الثياب (۲)۔

اور اگر وہ تصویر کسی مشتہاۃ کی ہو تو نظر بد کی معصیت کا اس میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، اور تصویر تو صاحب تصویر کی پوری حکایت ہے، اجنبیہ کے تو کپڑے کو بھی بدنفسی سے دیکھنا حرام ہے۔

في رد المحتار، باب الحظر والإباحة: مفاده أن روية الثوب بحيث يصف حجم العضو ممنوعة ولو كثيفا لاترى البشرة منه (۳)۔ وفيه في بحث النظر إلى الأجنبية من المرآة أوالماء بخلاف النظر؛ لأنه إنما منع منه خشية الفتنة والشهوة، وذٰلک موجود هنا (۴)۔

← **أبوبكرة: أسكت، سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من أهان سلطان الله في الأرض أهانه الله.** (ترمذي شريف، أبواب الفتن، باب ماجاء في الخلفاء، النسخة الهندية ۲/ ٤٦، دارالسلام رقم: ۲۲۲٤)

(۱) جلالين شريف، سورة آل عمران، آيت: ۱۸٦، مكتبه رشيديه دهلي ص: ٦٧۔

(۲) إحياء العلوم، ربع المهلكات، كتاب آفات اللسان، بيان معنى الغيبة وحدودها، دارالمعرفة بيروت ۳/ ۱٤٤۔

(۳) شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٥۲٦، كراچی ٦/ ۳٦٦۔

(۴) شامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل باب الاستبراء وغيره، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٥۳٤، كراچی ٦/ ۳۷۲۔

وفيه في أحكام ستر العورة: أن النظر إلى ملاء ة الأجنبية بشهوة حرام (١)۔

بالخصوص اگر غیر مسلموں کو خواتین مسلمات کی تصاویر کی طرف بدنفسی کے ساتھ نظر کرنے کا موقع دیا جاوے؛ کیونکہ بدنفسی سے نظر کرنا شریعت میں ایک گونہ بدکاری ہے، بنص الحدیث (٢)۔ اور ایسی بدکاری کہ مرد غیر مسلم ہو اور عورت مسلم؛ بلکہ ایسے موقع پر نکاح بھی اس درجہ امر شدید ہے کہ اس کے احکام علماء مجتہدین کے لئے محل بحث ہو گئے ہیں، اور جس کو مسلمان کے مرتد بنانے کی اور اسلام اور قرآن میں طعن کرنے کی اور حربیوں سے سازش کرنے کی برابر قرار دیا گیا ہے، نمونہ کے طور پر اس کے متعلق ایک روایت نقل کی جاتی ہے:

في الدرالمختار، فصل الجزية: قلت: ومذهب الشافعية ما في المنهاج وشرحه لابن حجر: ولو زنى بمسلمة أو أصابها بنكاح أو دل أهل الحرب علىٰ عورة المسلمين أو فتن مسلما عن دينه أو طعن في الإسلام أو القرآن الخ (٣)۔

---

(١) شامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٨١، كراچی ١/ ٤٠٨۔

(٢) **عن أبي هريرةؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن الله كتب على ابن آدم حظه من الزنا أدرك ذلك لا محالة، فزنا العين: النظر، وزنا اللسان: النطق، والنفس تمني وتشتهي والفرج يصدق ذلك أو يكذبه.** (مسلم شريف، كتاب القدر، باب قدر على ابن آدم حظه من الزنا وغيره، النسخة الهندية ٢/ ٣٣٦، بيت الأفكار رقم: ٢٦٥٧)

أبوداؤد شريف، كتاب النكاح، باب ما يؤمر به من غض البصر، النسخة الهندية ١/ ٢٩٢، دارالسلام رقم: ٢١٥٢۔

(٣) **لم أظفر بهذه العبارة في الدرالمختار، ولكن وجدت مثلها في الموسوعة الفقهية الكويتية وهي كما تلي: وقال الشافعية: ولو زنى ذمي بمسلمة أو أصابها بنكاح أو دل أهل الحرب علىٰ عورة المسلمين أو فتن مسلما عن دينه أو طعن في الإسلام أو القرآن، أو ذكر الرسول صلى الله عليه وسلم بسوء، فالأصح أنه إن شرط انتقاض العهد بها انتقض وإلا فلا ينتقض لمخالفته الشرط في الأول دون الثاني، وقال الحنابلة في الرواية المشهورة وهو وجه عن الشافعية: إن فعلوا ما ذكر أو شيئا منه نقض العهد مطلقا ولو لم يشترط عليهم؛ لأن ذلك هو مقتضى العقد.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٧/ ١٣٨)

اوران سب سے بڑھ کر شناعت میں وہ صورت ہے جس میں مقتدایانِ دین کی اہانت ہو کہ درحقیقت وہ اہانت اسلام کی ہے، جس کا تحمل کسی طرح طبعاً اور شرعاً ممکن نہیں۔

في جمع الفوائد عن الكبير عن أبى أمامة رفعه ثلاثة لا يستخف بهم إلا منافق ذوالشيبة في الإسلام وذوالعلم، وإمام مقسط (۱)۔ وفيه عن الترمذي عن عبد اللّٰه ابن مغفل مرفوعاً: اللّٰه اللّٰه في أصحابي من آذاهم فقد آذاني، ومن أذاني فقد آذى اللّٰه، ومن آذى اللّٰه فيوشك أن ياخذه (۲)۔

اور جب ایسی فلموں کے قبائح معلوم ہو گئے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ بقدر اپنی قدرت کے گو وہ قدرت حکومت سے استعانت ہی کے طور پر ہو، ان کے انسداد میں کوشش کریں، اور تماشا دیکھنے والوں کو ان قبائح پر مطلع کر کے شرکت سے روکیں، ورنہ اندیشہ ہے کہ سب عقابِ خداوندی میں گرفتار ہوں۔

روى أبو داؤد مرفوعاً: ما من قوم يعمل فيهم بالمعاصي، ثم يقدرون علىٰ أن يغيروا ثم لايغيرون إلا يوشك أن يعمهم الله بعقاب. (مشکوٰۃ) **(۳)۔**

اور جب ساکتین کے لئے یہ وعید ہے تو ترغیب دینے والے کس درجہ کے وعید کے مستحق ہوں گے؟

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۸/ ۲۰۲، رقم: ۷۸۱۹۔

(۲) عن عبدالله بن المغفل قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألله الله في أصحابي لا تتخذوهم غرضا بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم، ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذاني، ومن آذاني فقد آذى الله، ومن آذى الله يوشك أن يأخذه.

(ترمذي شريف، كتاب المناقب، باب فيمن سب أصحاب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، النسخة الهندية ۲/ ۲۲۵، دارالسلام رقم: ۳۸۶۲)

(۳) أبوداؤد شريف، كتاب الملاحم، باب الأمر والنهي، النسخة الهندية ۲/ ۵۹۶، دارالسلام رقم: ۴۳۳۸۔

ترمذي شريف، أبواب الفتن، باب ماجاء في نزول العذاب إذا لم يغير المنكر، النسخة الهندية ۲/ ۳۹، دارالسلام رقم: ۲۱۶۸۔

مشكوة شريف، كتاب الآداب والسلام، باب الأمر بالمعروف، الفصل الثاني، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۴۳۷۔

روی أبوداؤد عن النبي ﷺ قال: إذا عملت الخطيئة في الأرض كان من شهدها فكرهها، وقال مرة أنكرها كان كمن غاب عنها، ومن غاب عنها فرضيها كان كمن شهدها (أی باشرها وشارک اهلها. (۱)۔

۱۸؍شعبان ۱۳۵۰ھ (النور ربیع الاول ۱۳۵۱ھ ص ۵)

غیر مسلم قوموں سے ماخوذ مختلف کھیلوں کا حکم

سوال (۲۶۳۱): قدیم ۴/۲۶۱- آج کل ہندوستان میں جو کھیل رائج ہیں، مثلاً ہاکی، فٹ بال، کرکٹ وغیرہ بخیال ورزش اُن کا کھیلنا درست ہے یا نہیں؟ امید کہ اس کا جواب مفصل اور مدلل جلد از جلد روانہ فرمایا جاوے گا، تاکہ بہت سے مسلمان ہدایت حاصل کرسکیں، اور شکوک رفع ہوجاویں۔

الجواب: اگر اسی درجہ کی قوت ومنفعت کی ورزش دوسرے طرق غیر ماخوذ من الکفار سے بھی حاصل ہوسکتی ہو، تب تو طرق مذکورہ فی السوال بوجہ تشبّہ کے قابلِ ترک ہیں۔ کما نھیٰ رسول اللّٰہ ﷺ بعضھم عن الرمي بالقوس الفارسي (۲)۔ اور اگر دوسرے طرق اس درجہ کے نہ ہوں تو کچھ حرج نہیں، بشرطیکہ فساق سے اختلاط نہ ہو (۳)۔

---

(۱) أبوداؤد شريف، كتاب الملاحم، باب الأمر والنهي، النسخة الهندية ۲/ ۵۹۷، دارالسلام رقم: ۴۳۴۵۔

(۲) عن علي رضي الله عنه قال: كانت بيد رسول الله صلى الله عليه وسلم قوس عربية فرأى رجلا بيده قوس فارسية، فقال: ما هذه ألقها وعليكم بهذه و أشباهها، ورماح القنا، فإنهما يزيد الله لكم بهما في الدين، ويمكن لكم في البلاد. (ابن ماجه شريف، أبواب الجهاد، باب السلاح، النسخة الهندية ص: ۲۰۲، دارالسلام رقم: ۲۸۱۰)

(۳) فالضابط في هذا الباب -عند مشايخنا الحنفية- المستفاد من أصولهم وأقوالهم أن اللهو المجرد الذي لا طائل تحته: وليس له غرض صحيح مفيد في المعاش لا المعاد حرام أو مكروه تحريما، وهذا أمر مجمع عليه في الأمة متفق عليه بين الأئمة وما كان فيه غرض ومصلحة دينية أو دنيوية، فإن ورد النهي عنه من الكتاب أو السنة -كما في النردشير- كان حراما أو مكروها تحريما، وألغيت تلك المصلحية والغرض لمعارضتها ←

کما أجازوا استعمال البندق من غیر نکیر (۱)۔ وقد روي النبي صلی اللہ علیه وسلم في المنام یقول في البندق نعم السلاح.

۵؍رجب ۱۳۴۲ھ (حوادث خامسہ ص ۴۹)

← للنهي المأثور حکما بأن ضرره أعظم من نفعه وهذا أیضا متفق علیه بین الأئمة غیر أنه لم یثبت النهي عند بعضهم فجوزه ورخص فیه وثبت عند غیره فحرّمه وکرهه...... وأما ما لم یرد فیه النهي عن الشارع وفیه فائدة ومصلحیة للناس فهو بالنظر الفقهي علی نوعین: الأول: ما شهدت التجربة بأن ضرره أعظم من نفعه ومفاسده أغلب علی منافعه، وأنه من اشتغل به ألهاه عن ذکر اللہ وحده وعن الصلوات والمساجد التحق ذلک المنهي عنه لاشتراک العلة فکان حراما أو مکروها. والثاني: ما لیس کذلک فهو أیضا إن اشتغل به بنیة التلهي والتلاعب فهو مکروه، وإن اشتغل به لتحصیل تلک المنفعة وبنیة استجلاب المصلحة فهو مباح بل قد یرتقي إلی درجة الاستحباب أو أعظم منه، هذه خلاصة ما توصل إلیه والدي الشیخ محمد شفیع في أحکام القرآن ۳/ ۱۹۳ تا ۲۰۱. وعلی هذا الأصل فالألعاب التي یقصد بها ریاضة الأبدان أو الأذهان جائزة فی نفسها، ما لم تشتمل علی معصیة أخری ما لم یؤد الانهماک فیها إلی الإخلال بواجب الإنسان في دینه ودنیاه. واللہ أعلم (تکمله فتح الملهم، کتاب الشعر، باب تحریم اللعب بالنردشیر، حکم الألعاب في الشریعة، مکتبه أشرفیه دیوبند ٤/ ٤٣٥-٤٣٦)

(۱) أقول: قدمنا عن القهستاني جواز اللعب بالصولجان وهو الکرة للفروسیة ...... وأما المسابقة بالبقر والسفن والسباحة فظاهر کلامهم الجواز، ورمي البندق والحجر کالرمي بالسهم. (في الجواز). (شامي، کتاب الحظر الإباحة، فصل في البیع، مکتبه زکریا دیوبند ۹/ ۵۷۹، کراچی ٦/ ٤٠٤)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۸/باب: حقوق حیوانات ومتعلّقات آں

قمار کے لئے جانور پالنا

سوال (۲۶۳۲): قدیم ۴/۲۶۲ – ماقولکم رحمکم اللہ اس بارے میں کہ اگر کوئی دو شخص مرغ کی یا بکرے کی لڑائی کرادیں اور پھر جب اُن میں سے کسی ایک نے بازی جیت لی اور بازی میں جیتے ہوئے مرغ کو یا بکرے کو دوسرے کسی کے ہاتھ بیچ دے تو اب اس دوسرے کے ہاتھ میں سے کسی کو اس کا خریدنا جائز ہے یا ناجائز؟ فرض کرو کہ اس نے اس بکرے کو قصاب کے ہاتھ فروخت کردیا تو اب اس قصاب کے پاس سے گوشت اس کا خرید کر کے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ جواب مفصل تحریر فرمائیں۔ فقط

الجواب: بازی بدنا قمار ہے اور جو جانور قمار میں حاصل ہوا ہو وہ حرام ہے۔ نہ اُس کا ذبح کرنا جائز، نہ اس کا گوشت بیچنا جائز، نہ خریدنا جائز، نہ کھانا جائز۔ **قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ** ط (۱)۔ شاہ عبدالقادر صاحب مفسر دہلوی رحمہ اللہ ترجمہ میں فرماتے ہیں: ''اور یہ کہ بانٹا کرو پانسہ ڈال کر اور بانٹا کرنا پانسوں سے یہ کافروں کا ایک جُوا تھا کہ شرط بدکر ایک جانور دس شخص نے خریدا اور ذبح کیا، اور دس پانسے تھے، کسی پر لکھا آدھا کسی پر پاؤ کم زیادہ، کوئی خالی، پھر بانٹنے لگے، تو ہر ایک کے نام پر جو پانسہ آیا ہے وہی حصّہ اس کو مِلا یا خالی نکل گیا''۔ شرط بدنی تمام حرام ہے یہ بھی اس میں داخل ہے۔ موضح القرآن (۲) ۱۲۔ **وهٰكذا في بعض التفاسير** (۳)۔ واللہ اعلم۔

۲۵/ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۳۵)

---

(۱) سورة المائدة، رقم الآية: ۳۔

(۲) موضح القرآن، سورة المائدة، آیت: ۳، ۲/ ۳۔

(۳) **النوع الثالث: هو قداح الميسر وهي عشرة: سبعة منها فيها حظوظ، وثلاثة أغفال، وكانوا يضربون بها مقامرة لهوا ولعبا، وكان عقلاؤهم يقصدون بها إطعام المساكين، والمعدم في زمن الشتاء، وكلب البرد، وتعذر التحرف، وقال مجاهد: الأزلام هي كعاب فارس والروم التي يتقامرون بها، وقال سفيان ووكيع: هي الشطرنج، فالاستقسام بهذا كله هو طلب القسم والنصيب كما بينا وهو من أكل المال بالباطل وهو حرام.** (أحكام القرآن للقرطبي، سورة المائدة، آیت: ۳، دارالكتب العلمية بيروت ۶/ ۴۰)

جانور کی پیشاب گاہ میں ہاتھ ڈال کر دودھ دوہنا

سوال (۲۶۳۳): قدیم ۴/۲۶۰- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس بھینس کا بچّہ مرجاتا ہے اس کو گدّی گوڑتے ہیں، یعنی اگلے پاؤں باندھ کر فرج میں مع اس کی دُم کے ہاتھ ڈالتے ہیں اور آہستہ آہستہ اس کی پیٹھ پر ہاتھ مارتے ہیں بعدہٗ ہاتھ کو پاک کر کے دودھ نکالتے ہیں، اس طریقہ سے جو دودھ حاصل کرتے ہیں اُس دودھ کا پینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ کوئی وجہ دودھ کی حرمت کی نہیں؛ اس لئے دودھ پینا حلال وجائز (۱) ہے (*)۔ واللہ اعلم (امداد، ج ۲، ص ۱۴۱)

(*) اور فعل بھی جائز ہے جیسا کہ خصی کرنا **بعلة منافع للناس** جائز ہے، وہ علت یہاں بھی موجود ہے۔ **هكذا قال استاذنا العلامة مدظلہ ۱۲۔**

---

(۱) اسٹار حاشیہ میں اس فعل کو مطلقاً خصی پر قیاس کر کے جائز کہا ہے، ہم کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اتنا گندہ عمل ہے، اس میں کراہت بھی نہ ہو، البتہ حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ کی تحریر میں اس طرف کوئی اشارہ نہیں، صرف دودھ کی حلت کی صراحت کردی ہے اور دودھ تو بہر حال حلال ہے، چنانچہ آج کل کے زمانہ میں اکثر انجکشن لگا کر دودھ نکالتے ہیں۔

واعلم أن الأصل في الأشياء كلها سوى الفروج الإباحة، قال الله تعالىٰ: (هو الذي خلق لكم ما في الأرض جميعا. البقرة: ٢٩) وقال تعالىٰ: كلو مما فى الأرض حلالا طيبا. البقرة: ١٦٨) وإنما تثبت الحرمة بعارض نص مطلق أو خبر مروي فما لم يوجد شيء من الدلائل المحرمة فهي على الإباحة. (مجمع الأنهر، كتاب الأشربة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٤٤)

وفي الخانية وغيرها: لبن المأكول حلال. (شامي، كتاب الأشربة، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ٣٨، كراچی ٦/ ٤٥٦)

أما الألبان فلبن المأكول حلال. (خانية على هامش الهندية، كتاب الأشربة، قبيل فصل في حد الشرب، قديم زكريا ديوبند ٣/ ٢٣١، جديد زكريا ديوبند ٣/ ١٥٦)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جانور کو خصّی کرنا

سوال (۲۶۳۴): قدیم ۴/ ۲۶۰- خصّی بنانا بکروں کا جائز ہے یا ناجائز؟ برتقدیر ناجائز ہونے کے قربانی کیونکر جائز ہے؟

الجواب: في الدرالمختار، أول فصل البيع من كتاب الكراهية: وجاز خصاء البهائم (۱)۔ روایتِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ خصّی بنانا بکروں کا جائز ہے۔ واللہ اعلم

۲۳/ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۵۷)

کھٹمل کو مارنے کے لئے چارپائی میں گرم پانی ڈالنا

سوال (۲۶۳۵): قدیم ۴/ ۲۶۳- چارپائی میں کھٹمل دفع ہونے کو اگر چارپائی میں گرم پانی ڈالیں تو کیسا ہے؟

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۵۷، كراچى ٦/ ۳۸۸۔

ويجوز إخصاء البهائم منفعة للناس؛ لأن لحم الخصي أطيب. (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٢٤)

ولا بأس بإخصاء البهائم؛ لأن فيه منفعة البهيمة والناس. (هداية، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٧٤)

قال رحمه الله (وخصي البهائم) يعنى يجوز؛ لأن عليه الصلاة والسلام ضحى بكبشين أملحين موجوءين، والموجوء: هو الخصي؛ ولأن لحمه يطيب به ويترك النكاح فكان حسنا. (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣٧٤، كوئٹه ٨/ ٢٠٤)

تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٦٨، إمداديه ملتان ٦/ ٣١۔

قرر الحنفية أنه لا بأس بخصاء البهائم؛ لأن فيه منفعة للبهيمة والناس. (الموسوعة الفقهية الكويتية ١٩/ ١٢٢)

الجواب: في ردالمحتار كيفية القتال من كتاب الجهاد تحت قول الدرالمختار: وحرقهم مانصه لكن جواز التحريق والتغريق مقيد كما في شرح السير بما إذا لم يتمكنوا من الظفر بهم بدون ذلك بلا مشقة عظيمة، فان تمكنوا بدونها، فلا يجوز (۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ کھٹملوں کے دفع کا اور کوئی آسان طریقہ نہ ہو تب تو گرم گرم پانی ڈالنا اُن پر درست ہے، ورنہ ممنوع ہے (۲)۔ ۱۲/رجب ۱۳۲۲ھ (امداد، ج۲،ص۱۶۲)

---

(۱) شامي، كتاب الجهاد، مطلب في أن الكفار مخاطبون ندبا، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٢١٠، كراچی ٤/ ١٢٩۔

(۲) **عن أبي هريرة رضي الله عنه أنه قال: بعثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في بعث فقال: إن وجدتم فلانا وفلانا فأحرقوهما بالنار، ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حين أردنا الخروج إني أمرتكم أن تحرقوا فلانا و فلانا، وإن النار لا يعذب بها إلا الله، فإن وجدتموهما فاقتلوهما.** (بخاري شريف، كتاب الجهاد والسير، باب لا يعذب بعذاب الله، النسخة الهندية ١/ ٤٢٣، رقم: ٢٩٢٣، ف: ٣٠١٦)

ترمذي شريف، كتاب السير، باب ماجاء في النهي عن قتل النساء والصبيان، النسخة الهندية ١/ ٢٨٦، دارالسلام رقم: ١٥٧١۔

عن عبدالرحمن بن عبدالله عن أبيه قال: كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر فانطلق لحاجته فرأينا حمرة معها فرخان فأخذنا فرخيها فجاء ت الحمرة فجعلت تفرش فجاء النبي صلى الله عليه وسلم فقال: من فجع هذه بولدها ردوا ولدها إليها ورأى قرية نمل قد حرقناها فقال من حرق هذه، قلنا: نحن، قال: إنه لا ينبغي أن يعذب بالنار إلا رب النار. (أبوداؤد شريف، كتاب الجهاد، باب في كراهية حرق العدو بالنار، النسخة الهندية ٢/ ٣٦٣، دارالسلام رقم: ٢٦٧٥)

إحراق القمل والعقرب بالنار مكروه. (هندية، الكراهية، الباب الحادي والعشرون فيما يسع من جراحات بني آدم والحيوانات، وقتل الحيوانات، وما لا يسع من ذلك، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٦١، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤١٧)

وقتل القملة يجوز على كل حال، وفي فتاوى أهل سمرقند: إحراق القمل والعقرب بالنار مكروه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل الثالث والعشرون الخ، مكتبه زكريا ديوبند ١٨/ ٢٢٧، رقم: ٢٨٥٩٨) ←

زندہ کیڑوں کو آگ میں جلانا یا کسی جانور کو کھلانا

سوال (۲۶۳۶): قدیم ۴/ ۲۶۳ - (۱) برائے آختہ کردن اسپ کرم زندہ را در آتش دو دکنانیدہ از دود و بوئے سوختگی آں کرم اسپ آختہ می شود یا کرم زندہ رامی خورانند کہ اسپ شود شرارت نکند یا برائے لحاظ دوائے کرم زندہ را برائے اسپ یا دیگر جانور می خورانند، دریں فعل حکم شریعت چیست، ایں ہمہ صورتہا دریں بلا درائج است؟

الجواب: (۲) عن عبد اللّٰہ بن عباسؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

← **قتل القملة لا يكره، وإحراقها وإحراق العقرب بالنار يكره.** (بزازية على هامش الهندية، كتاب الكراهية، الفصل الثامن فى القتل، قديم زكريا ٦/ ٤٧٠، جديد زكريا ٣/ ٢١٠)

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ سوال**: گھوڑے کو خصی کرنے کے لئے زندہ کیڑے کو آگ میں ڈال دیتے ہیں اور پھر اس کیڑے کے جلنے کی بو اور دھویں سے گھوڑا خصی ہو جاتا ہے، یا زندہ کیڑا ہی کھلا دیتے ہیں، تاکہ گھوڑا شرارت نہ کرے یا بطور علاج زندہ کیڑا گھوڑے یا دیگر جانوروں کو کھلا دیتے ہیں، اس فعل سے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ یہ تمام صورتیں اس علاقہ میں رائج ہیں۔

(۲) **خلاصۂ ترجمۂ جواب**: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگ کے ذریعہ تکلیف اور عذاب دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے (رواہ البخاری) اور حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ سے مروی ہے وہ ایک لمبی حدیث میں اپنے والد سے نقل فرماتے ہیں کہ ان کے والد حضرت عبداللہ نے کہا کہ چیونٹیوں کی ایک بستی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی جس کو ہم نے جلا دیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اس بستی کو کس نے جلایا ہے؟ تو ہم نے جواب دیا کہ ہم نے جلایا ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے علاوہ کسی کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ کسی کو آگ کے ذریعہ تکلیف پہنچائے۔ (رواہ ابوداؤد)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ زندہ کیڑے کو آگ میں جلانا حرام ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی ذی روح شئ کو تختہ مشق نہ بناؤ۔ (رواہ مسلم) علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ نہی حرمت کو بتلانے کے لئے ہے۔ ←

إن النار لايعذب بها إلا اللّٰه. رواه البخاري (۱)۔ وعن عبد الرحمٰن بن عبد اللّٰه عن أبيه في حديث طويل قال: ورأى رسول اللّٰه ﷺ قرية نمل قد حرقناها، قال: من حرق هذه؟ فقلنا: نحن، قال: إنه لا ينبغي أن يعذب بالنار إلا رب النار. رواه أبوداؤد (۲)۔ ومشكوٰة، باب قتل أهل الردة والسعاة بالفساد (۳)۔

ازیں حدیث مستفاد شد کہ، کرم زندہ رادر آتش دود کردن حرام است۔

وعن ابن عباس: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تتخذوا شيئا فيه الروح

← اور درمختار کی کتاب الاشربہ میں احکام الخمر کے تحت لکھا ہے کہ شراب سے انتفاع حرام ہے، اگر چہ وہ نفع جانور کو شراب پلانے کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو۔ اور شامی میں ہے کہ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اگر جانور کو شراب کے پاس ہانک کرلے گیا تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر شراب اٹھا کر جانور کے پاس لایا تو مکروہ ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زندہ کیڑا جانور کو کھلانا اس طرح سے کہ کیڑے کو جانور کے سامنے لایا جائے جائز نہیں؛ کیوں کہ ایسا کرنے سے بھی کیڑے کو بلاضرورت مشقت پہنچانا لازم آتا ہے۔

اس لئے کہ جانور کو ہانک کر شراب کے پاس لے جانا ممکن ہے، جیسا کہ شکار کے مسئلہ میں ہے اور اس میں جس میں نفع اٹھانے کی ضرورت درپیش ہو، پس یہ روح کو تختۂ مشق بنانے کے مشابہ ہوگیا؛ اس لئے کہ جانور اب اپنی حفاظت نہیں کرسکتا، نیز اس میں جانور کے پاس حرام چیز لے کر جانا لازم آتا ہے۔

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه أنه قال: بعثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في بعث فقال: إن وجدتم فلانا وفلانا فأحرقوهما بالنار، ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حين أردنا الخروج إني أمرتكم أن تحرقوا فلانا و فلانا، وإن النار لا يعذب بها إلا الله، فإن وجدتموهما فاقتلوهما. (بخاري شريف، كتاب الجهاد والسير، باب لا يعذب بعذاب الله، النسخة الهندية ۱/ ۴۲۳، رقم: ۲۹۲۳، ف: ۳۰۱۶)

(۲) أبوداؤد شريف، كتاب الجهاد، باب في كراهية حرق العدو بالنار، النسخة الهندية ۲/ ۳۶۳، دارالسلام رقم: ۲۶۷۵۔

(۳) مشكوة شريف، كتاب القصاص، باب قتل أهل الرد والسعاة بالفساد، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۳۰۷۔

غرضاً. رواه مسلم، مشكوٰة، باب الصيد والذبائح (۱)۔ قال النووي: هذا النهي للتحريم (۲)۔ وفي الدر المختار، أحكام الخمر من كتاب الأشربة: وحرم الانتفاع بها ولو لسقي دواب. وفي رد المحتار: قولهٔ: ولسقي الدواب قال بعض المشائخ: لو قاد الدابة إلى الخمر لابأس به، ولو نقل إلى الدابة يكره. اه (۳)۔

ازیں روایات معلوم می شود کہ کرم زندہ جانور خورانیدن بایں طور کہ کرم راپیش جانور بُردہ شود جائز نیست کہ ہم دریں تعذیب اوست بلاضرورت۔

لأنه يمكن قود الدابة إليها كما في الاصطياد والذي فيه ضرورة الانتفاع فشا به اتخاذ الروح غرضاً؛ لأنها لاتقدر أن تحرز نفسها. وہم نقل شئ محرم است بسوئے دابہ۔ فقط

(تتمہ اولیٰ ص ۳۱۳)

موذی کُتّے کو ہلاک کرنا اور اس کے ضمان کا حکم

سوال (۲۶۳۷): قدیم ۴/۲۶۴- ہمارے محلّہ میں ایک شخص کا کُتّا ہے، اس کے سبب سے سخت تکلیف ہے، برتن وغیرہ خراب کر جاتا ہے اور رات کے وقت بھی ہر کسی کو دق کرتا ہے، تو اس کو کچلہ دے کر مارڈالنا جائز ہے؟ مالک کُتّے کا کچھ بندوبست نہیں کرتا؟

الجواب: اس کا ہلاک کرنا تو جائز معلوم ہوتا ہے (۴)۔

---

(۱) مسلم شريف، كتاب الصيد والذبائح، وما يؤكل من الحيوان، باب النهي عن صبر البهائم، النسخة الهندية ۲/ ۱۵۳، بيت الأفكار رقم: ۱۹۵۷۔

مشكوة شريف، كتاب الصيد والذبائح، الفصل الأول، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۳۵۷۔

(۲) شرح النووي على المسلم، النسخة الهندية ۲/ ۱۵۳۔

(۳) الدر المختار مع الشامي، كتاب الأشربة، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۲۸، كراچی ۶/ ۴۴۹۔

(۴) **ولو كان لرجل كلب عقور يعض كل من يمر عليه فلأهل القرية أن يقتلوه.**

(هندية، كتاب الكراهية، الباب الحادي والعشرون: فيما يسع من جراحات بني آدمی والحيوانات، وقتل الحيوانات، قديم زكريا ۵/ ۳۶۰، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۴۱۶) ←

مگر اس کے دام مالک کو دینا ہوں گے، خواہ کسی بہانہ سے (۱)۔ ۲۴ر رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمہ خامسہ ص ۷۸)

دوا کی ضرورت سے حیوانات کو قتل کرنے کا حکم

سوال (۲۶۳۸): قدیم ۴/۲۶۴ - طلاء کے نسخہ میں جو کیچوے و کچھوے و بیر بہوٹی وغیرہ مار کر ڈالی جاتی ہیں، مرض کے لئے ان چیزوں کی جان کھونا جائز ہے یا نہیں؟ یا کوئی شخص اپنی بکری (یعنی فروخت) کے لئے طلاء تیار کرے اور ان چیزوں کو ڈالے تو ان کا مارنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ شرع میں یہ ضرورتیں معتبر ہیں؛ اس لئے جائز ہوگا (۲)۔

← **وفي فتاوى أهل سمرقند: رجل له كلب عقور في قرية كل من يمر عليه عقره فلأهل القرية أن يقتلوه هذا الكلب دفعا لضرره.** (المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل الثالث والعشرون الخ، المجلس العلمي ۸/ ۹۴، رقم: ۹۶۷۰)

ولو كان لرجل كلب عقور يؤذي من مر به، فلأهل البلد أن يقتلوه. (تبيين الحقائق، كتاب الديات، قبيل باب جناية المملوك والجناية عليه، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۳۱۸، إمداديه ملتان ۶/ ۱۵۳)

وفي العيون: قرية فيها كلاب كثيرة ولأهل القرية فيها ضرر، يؤمر أرباب الكلاب بقتل الكلاب دفعا للضرر عنهم، فإن أبوا رفعوا الأمر إلى الإمام. وفي الخانية: إلى القاضي حتى يأمرهم بذلك. (الفتاوى التاتارخانية، الكراهية، الفصل الثالث والعشرون الخ، مكتبه زكريا ديوبند ۱۸/ ۲۲۳، رقم: ۲۸۵۸۱)

(۱) یہاں مسئلہ ثمن کلب کی حلت وحرمت کا نہیں؛ بلکہ ثبوت ملکیت کا ہے کہ جب کتا مالک کا مملوک اور مال ہے تو اس کو ہلاک کرنے کی صورت میں مالک اس کی قیمت کا مستحق ہے، اس کے لئے ثمن کا حلال ہونا یا حرام ہونا ایک الگ حکم ہے۔

اتفق الفقهاء على أنه إذا أتلف شخص مال غيره بغير حق فعليه ضمانه، والمتلف إن كان من المثليات يضمن بمثله، وإن كان من القيميات يضمن قيمته. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۶/ ۱۱۴)

(۲) **الضرورات تبيح المحظورات: أي أن الأشياء الممنوعة تعامل كالأشياء المباحة وقت الضرورة.** (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۲۶، رقم المادة: ۲۹) ←

ہاں تکلیف زائد از ضرورت دے کر مارنا جائز نہیں (۱)۔

۱۸/ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۷۹)

جانوروں کا کانجی ہاؤس میں داخل کرنا

سوال (۲۶۳۹): قدیم ۴/۲۶۴- نیلام کانجی ہاؤس سے کوئی جانور خریدنا اور اس کی قربانی کرنا، اور جانوروں کا کانجی ہاؤس بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: **في الدرالمختار: وإن غلبوا (أی أهل الحرب) علىٰ أموالنا وأحرزوها بدارهم ملكوها** (۲)۔ اور عملہ کانجی ہاؤس نائب ہیں مستولین کے، پس استیلاء تملکا سے وہ جانور ملک

← **الضرورات تبيح المحظورات.** (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۸۹)

الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، قديم ص: ۱٤۰، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۲۵۱۔

(۱) **عن شداد بن أوس قال: ثنتان حفظتهما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن الله كتب الإحسان على كل شيء، فإذا قتلتم فاحسنوا القتلة، وإذا ذبحتهم فأحسنوا الذبح، وليحد أحدكم شفرته فليرح ذبيحته.** (مسلم شريف، كتاب الصيد والذبائح، وما يؤكل من الحيوان، النسخة الهندية ۲/ ۱۵۲، بيت الأفكار رقم: ۱۹۵۵)

ترمذي شريف، أبواب الديات، باب ماجاء في النهي عن المثلة، النسخة الهندية ۱/ ۲٦۰، دارالسلام رقم: ۱٤۰۹۔

وكل طريق أدى الحيوان إلى تعذيب أكثر من اللازم لإزهاق روحه فهو داخل في النهي ومأمور بالاجتناب عنه. (تكمله فتح الملهم، كتاب الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل وتحديد الشفرة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۵٤۰)

كره كل تعذيب بلا فائدة. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٤۲۷، كراچی ٦/ ۲۹٦)

وكل ذلک مكروه؛ لأن في جميع ذلک وفي قطع الرأس زيادة تعذيب الحيوان فلا فائدة. (تبيين الحقائق، كتاب الذبائح، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٦۰، إمداديه ملتان ۵/ ۲۹۲)

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الجهاد، باب استيلاء الكفار، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ۲٦۷، كراچی ٤/ ۱٦۰۔ ←

سرکار کی ہو جائے گی؛ لہٰذا بیع کے وقت اس کو خریدنا جائز ہے، اور جب یہ بیع صحیح سے مِلک میں داخل ہو گیا تو قربانی بھی اس کی درست ہے (۱)۔ البتہ عرفاً بدنامی کا موجب ہے؛ اس لئے بلا ضرورت بدنام بالخصوص مقتدا کے لئے زیبا نہیں (۲)۔ اور کانجی ہاؤس میں جانور کو داخل کرنا، اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی جانور کھیت میں خود گھس گیا ہے، اس جانور کا داخل کرنا تو بالکل جائز نہیں: کیونکہ اس میں مالک پر ضمان نہیں، تو اس سے کچھ لینا یا لینے میں اعانت کرنا ظلم ہے، اور اگر کسی نے قصداً جانور کو کھیت وغیرہ میں داخل کر دیا ہے، اس پر بقدر اتلاف ضمان ہے، اس مقدار تک کانجی ہاؤس میں یا ویسے ہی اس سے وصول کیا ہے تو جائز ہے، اور اس سے زائد بطور جرمانہ کے ناجائز ہے؛ کیونکہ یہ تعزیر بالمال ہے اور حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہے۔

← **وإذا غلبوا على أموالنا –العياذ بالله– وأحروزها بدارهم ملكوها.** (النهر الفائق، كتاب الجهاد، باب استيلاء الكفار، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٢٤)

وإذا غلبوا على أموالنا وأحروزها بدارهم ملكوها. (هداية، كتاب السير، باب استيلاء الكفار، مكتبه أشرفيه ديوبند ٢/ ٥٨١)

(۱) المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي شريف، مكتبه رشيديه دهلي ١/ ٧)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٦٥٤، رقم المادة: ١١٩٢)

(۲) فإن كان ممن يقتدى به فلم يقدر على منعهم خرج ولم يقعد؛ لأن في ذلک شين الدين، وفتح باب المعصية على المسلمين. (البحرالرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣٤٦، كوئٹه ٨/ ١٨٨)

فإن كان مقتدى ولم يقدر على المنع خرج ولم يقعد؛ لأن فيه شين الدين. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٠١، كراچى ٦/ ٣٤٨)

التحرز عن مواضع التهمة واجب، قال صلى الله عليه وسلم: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يقفن مواقف التهم، وقال علي رضي الله عنه: إياک وما يقع عند الناس إنكاره، وفي رواية: ما يسبق إلى القلوب إنكاره، وإن كان عندک اعتذاره فليس كل سامع نكرا يطيق أن يوسعه عذرا. (المبسوط للسرخسي، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٥٨)

كما صرحوا في الدرالمختار آخر باب جناية البهيمة: أدخل غنماً أو ثوراً أو فرساً أو حماراً في زرع أو كرم إن سائقا ضمن ما أتلف وإلا لا، وقيل: يضمن، وقال الشامي مرجحاً للقول الثاني أقول: ويظهر ارجحية هذا القول لموافقته لما مر أول الباب من أنه يضمن ما احدثته الدابة مطلقاً إذا أدخلها في ملك غيره بلا إذنه لتعديه، وأما إذا لم يدخلها ففي الهداية: ولو أرسل بهيمة فافسدت زرعاً على فورها ضمن المرسل، وإن مالت يميناً أو شمالا، وله طريق آخر لايضمن لما مر (١)۔

۵ رمحرم ۱۳۲۳ھ (حوادث ا، ۲، ص ۷۴)

موذی جانوروں کو مجبوری کے وقت آگ میں جلانا

سوال (۲۶۴۰): قدیم ۴/۲۶۵ - جنگل کا ایک جانور بنام سیہ ہے وہ کھیت کو نقصان بہت پہنچاتی ہے، اوران کی تدبیر سوائے زمین کو آگ دینے کے اورنہیں ہوسکتی، توان کو آگ دے کر مار دیا جاوے یا نہیں؟

---

(١) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الديات، قبيل باب جناية المملوك، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ٢٨٥، كراچی ٦/ ٦١٢۔

ولو أرسل بهيمة فأفسدت زرعاً على فوره، أي فور الإرسال، والمراد بفور الإرسال أن لا يميل يميناً أو شمالا ضمن المرسل، وإن مالت يمينا أو شمالا وله طريق آخر لايضمن لما مر. وفي الفتاوى الصغرى: أرسل حماره فدخل زرع إنسان فأفسده ساقه إلى الزرع ضمن، وإن لم يسقها بأن لم يكن خلفها فإن لم تنعطف الدابة يمينا ولا شمالا وذهب إلى الوجه الذي أرسله صاحبه، فأصاب الزرع ضمن أيضا، وإن انعطف يمينا وشمالا فأصاب الزرع إن كان له طريق آخر لم يضمن، وإلا يضمن في ديار شيخ الإسلام رحمه الله تعالىٰ. (البناية، كتاب الديات، باب جناية البهيمة والجناية عليها، مكتبه أشرفيه ديوبند ١٣/ ٢٦٨)

التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام، ثم نسخ، والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحدود، باب التعزير، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ١٠٦، كراچی ٤/ ٦١)

وفي شرح الآثار: التعزير بأخذ المال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ. (النهرالفائق، الحدود، فصل في التعزير، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ١٦٥)

البحرالرائق، كتاب الحدود، باب التعزير، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٦٨، كوئٹه ٥/ ٤١۔

الجواب : اگر وہ کسی اور طریق سے دفع نہ ہو تو پھر مجبوری کو آگ دینا جائز ہے (۱)۔ اور اگر کسی اور طریق سے ہلاک ہو جاوے یا وہاں سے اور جگہ دفع ہو جاوے تب جلانا جائز نہیں (۲)۔

۱۰؍ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۲۱)

---

(۱) **لكن جواز التحريق والتغريق مقيد كما في شرح السير بما إذا لم يتمكنوا من الظفر بهم بدون ذلك بلا مشقة عظيمة، فإن تمكنوا بدونها فلا يجوز.** (شامي، كتاب الجهاد، مطلب في أن الكفار مخاطبون ندبا، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٢١٠، كراچی ٤/ ١٢٩)

(۲) **عن أبي هريرة رضي الله عنه أنه قال: بعثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في بعث فقال: إن وجدتم فلانا وفلانا فأحرقوهما بالنار، ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حين أردنا الخروج إني أمرتكم أن تحرقوا فلانا و فلانا، وإن النار لا يعذب بها إلا الله، فإن وجدتموهما فاقتلوهما.** (بخاري شريف، كتاب الجهاد والسير، باب لا يعذب بعذاب الله، النسخة الهندية ١/ ٤٢٣، رقم: ٢٩٢٣، ف: ٣٠١٦)

ترمذي شريف، كتاب السير، باب ماجاء في النهي عن قتل النساء والصبيان، النسخة الهندية ١/ ٢٨٦، دارالسلام رقم: ١٥٧١۔

عن عبدالرحمن بن عبدالله عن أبيه قال: كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر فانطلق لحاجته فرأينا حمرة معها فرخان فأخذنا فرخيها فجاء ت الحمرة فجعلت تفرش فجاء النبي صلى الله عليه وسلم فقال: من فجع هذه بولدها ردوا ولدها إليها ورأى قرية نمل قد حرقناها فقال من حرق هذه، قلنا: نحن، قال: إنه لا ينبغي أن يعذب بالنار إلا رب النار. (أبوداؤد شريف، كتاب الجهاد، باب في كراهية حرق العدو بالنار، النسخة الهندية ٢/ ٣٦٣، دارالسلام رقم: ٢٦٧٥)

إحراق القمل والعقرب بالنار مكروه. (هندية، الكراهية الباب الحادي والعشرون فيما يسع من جراحات بني آدم والحيوانات، وقتل الحيوانات، وما لا يسع من ذلك، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٦١، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤١٧)

قتل القملة لا يكره، وإحراقها وإحراق العقرب بالنار يكره. (بزازية على هامش الهندية، كتاب الكراهية، الفصل الثامن فى القتل، قديم زكريا ٦/ ٣٧٠، جديد زكريا ٣/ ٢١٠)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل الثالث والعشرون الخ، مكتبه زكريا ديوبند ١٨/ ٢٢٧، رقم: ٢٨٥٩٨) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۹/ باب: تشبّہ بالکُفّارُ

میز وکُرسی پر کھانا کھانے کا حکم

سوال (۲۶۴۱): قدیم ۴/ ۲۶۵- کُرسی میز پر کھانا کھانا اور کُرسی میز پر دفتر کا انگریزی کام کرنا شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں کیسا ہے؟ جواب سے مشکور فرمائیں۔

الجواب: میز کرسی پر کھانا کھانا تشبّہ کے سبب ممنوع ہے (۱)۔ اور اس میں کوئی مجبوری بھی نہیں کہ عذر ہو سکے بخلاف دفتر کے کام کرنے کے کہ گو وہ قانون حکمی کے سبب ضروری ہو مگر قانون عملی کے سبب اس میں مجبوری ہے؛ لہٰذا اس میں معذوری ہوگی (۲)۔ اور اسی سبب سے ایک کو دوسرے پر قیاس نہ کریں گے۔

۸/ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ

---

(۱) **عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم.** (أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۵۹، دارالسلام رقم: ۴۰۳۱)

قال القاريّ: أي من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار فهو منهم، أي في الإثم والخير. (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ۸/ ۲۵۵)

(من شبه بقوم) **قال المناوي والعلقمي: أي تزيا في ظاهره بزيهم، وسار بسيرتهم وهديهم في ملبسهم، وبعض أفعالهم انتهى. وقال القاريّ: أي من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار (فهو منهم) أي في الإثم والخير الخ.** (عون المعبود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۱/ ۵۱)

شرح الطيبي، اللباس، الفصل الثاني، كراچى ۸/ ۲۱۹، تحت رقم الحديث: ۴۳۴۷، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۲۳۲۔

(۲) **الضرورات تبيح المحظورات: أي أن الأشياء الممنوعة تعامل كالأشياء المباحة وقت الضرورة.** (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۲۶، رقم المادة: ۲۹) ←

لہنگا پہننے کا حکم

سوال (۲۶۴۲): قدیم ۴/۲۶۶- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمان عورتوں کو لہنگا پہننا شرع شریف میں حلال ہے یا حرام یا مکروہ؟ مع دلیل شرع کے بیان فرمائیں۔

الجواب: فلما روی عن عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاص قال: رأى رسول اللّٰہ ﷺ علي ثوبين معصفرين، فقال: إن هٰذه من ثياب الكفار فلا تلبسها. رواه مسلم (۱)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے معصفر سے ممانعت کی علت یہ ارشاد فرمائی کہ یہ لباس کفار میں سے ہے، اُن کے ساتھ تشبیہ جائز نہیں، پس لہنگا بھی مخصوص لباس زنانِ ہنود کا ہے اس لئے بُرا ہے (۲)۔

۲۱ر شعبان روز چہارشنبہ ۱۳۰۳ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۲۶)

← قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۸۹۔

الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، قديم ص: ۱۴۰، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۲۵۱۔

(۱) مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب النهي عن لبس الرجل الثوب المعصفر، النسخة الهندية ۲/ ۱۹۳، بيت الأفكار رقم: ۲۰۷۷۔

(۲) **عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم.** (أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۵۹، دارالسلام رقم: ۴۰۳۱)

قال القاري: أي من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار فهو منهم، أي في الإثم والخير. (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ۸/ ۲۵۵)

قوله: (من تشبه بقوم) هذا عام في الخلق والخلق والشعار، وإذا كان الشعار أظهر في التشبيه ذكره في هذا الباب. (شرح الطيبي، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۲۳۲، كراچى ۸/ ۲۱۹، تحت رقم الحديث: ۴۳۴۷)

عون المعبود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۱/ ۵۱

بذل المجهود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، مكتبه يحيوي سهارنپور قديم ۵/ ۴۱۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہندوؤں کی طرح چوٹی رکھنا

سوال (۲۶۴۳): قدیم ۴/۲۶۶ - چوٹی رکھنا شرع شریف میں حلال ہے یا حرام یا مکروہ؟ مع دلیل شرع کے بیان فرمائیے۔ بینوا توجروا

الجواب: فلما روی عن الحجاج بن حسان قال: دخلنا علیٰ أنس بن مالک فحدثتني أختي المغيرة قالت: وأنت يومئذ غلام ولک قرنان أو قصتان فمسح رأسک وبرک عليک، وقال: احلقوا هذين أو قصوهما، فإن هذا زیّ اليهود. رواه أبو داؤد (۱)۔

وہ زیّ یہود تھا اور یہ زیّ ہنود ہے، اور خصوصاً اگر کسی پیر فقیر کے نام پر رکھی جائے تو شرک ہے۔ واللہ اعلم

۲۱ر شعبان روز چہار شنبہ ۱۳۰۳ھ (امداد ج ۲ ص ۱۲۶)

---

(۱) أبو داؤد شريف، كتاب الترجل، باب ماجاء في الرخصة، النسخة الهندية ۲/ ۵۷۷، دارالسلام رقم: ۴۱۹۷۔

عن ابن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن القزع، قال: قلت لنافع: ما القزع؟ قال: يحلق بعض رأس الصبي ويترک بعض. (مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب كراهة القزع، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۳، بيت الأفكار رقم: ۲۱۲۰)

عن نافع مولى عبيد الله أنه سمع ابن عمرؓ يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهى عن القزع، قال عبيد الله: قلت: وما القزع؟ فأشار لنا عبيد الله قال: إذا حلق الصبي وترک هاهنا وهاهنا، فأشار لنا عبيد الله إلى ناصيته وجانبي رأسه، قيل لعبيد الله: فالجارية والغلام؟ قال: لا أدري، هكذا قال: الصبي، قال عبيد الله: وعاودته، فقال: أما القُصّة والقفا للغلام فلا بأس بهما، ولكن القزع أن يترک بناصيته شعر وليس في رأسه غيره، وكذلک شق رأسه هذا وهذا. (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب القزع، النسخة الهندية ۲/ ۸۷۷، رقم: ۵۶۸۷، ف: ۵۹۲۰)

نسائي شريف، كتاب الزينة من السنن، الرخصة في حلق الرأس، النسخة الهندية ۲/ ۲۳۴، دارالسلام رقم: ۵۰۵۱۔

ابن ماجه شريف، كتاب اللباس، باب النهي عن القزع، النسخة الهندية ص: ۲۵۹، دارالسلام رقم: ۳۶۳۸۔

مدارس اسلامیہ میں اتوار کے دن چھٹی کرنے کا حکم

سوال (۲۶۴۴): قدیم ۴/۲۶۶- ہمارے یہاں سب مدارس میں جمعہ کو تعطیل ہوتی ہے، اتوار کو تعطیل کرنا روا ہوگا یا نہیں؟

الجواب: نہیں بسبب تشبّہ وتعظیم یوم نصاریٰ کے(۱)۔

۹ر شعبان ۱۳۳۱ھ (حوادث، ص ۱۱۲)

---

(۱) **عن أبي هريرة رضي الله عنه وعن ربعي بن حراش عن حذيفة قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أضل الله عن الجمعة من كان قبلنا فكان لليهود يوم السبت، وكان للنصاريا يوم الأحد، فجاء الله بنا فهدانا الله ليوم الجمعة، فجعل الجمعة والسبت والأحد وكذلك هم تبع لنا يوم القيامة، نحن الآخرون من أهل الدنيا والأولون يوم القيامة المقضي لهم قبل الخلائق، وفي رواية: واصل المقضي بينهم.** (مسلم شريف، كتاب الجمعة، باب هداية هذه الأمة ليوم الجمعة، النسخة الهندية ١/ ٢٨٢، بيت الأفكار رقم: ٨٥٦)

بخاري شريف، كتاب الجمعة، باب فرض الجمعة، النسخة الهندية ١/ ١٢٠، رقم: ٨٦٦، ف: ٨٧٦-

عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ٢/ ٥٥٩، دارالسلام رقم: ٤٠٣١)

قال القاريؒ: أي من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار فهو منهم، أي في الإثم والخير. (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ٨/ ٢٥٥)

قوله: (من تشبه بقوم) هذا عام في الخلق والخلق والشعار، وإذا كان الشعار أظهر في التشبيه ذكره في هذا الباب. (شرح الطيبي، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٢٣٢، كراچى ٨/ ٢١٩، تحت رقم الحديث: ٤٣٤٧)

عون المعبود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، مكتبه أشرفيه ديوبند ١١/ ٥١-

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سائیکل پر سواری کرنے کا حکم

سوال (۲۶۴۵): قدیم ۴/۲۶۶- بائیسکل گاڑی پر سوار ہونا کیسا ہے؟ ایک مولوی صاحب سے دریافت کیا تھا، تو انہوں نے جائز فرمایا۔ اب مجھ کو مناسب غیر مناسب ہونے کا خیال ہے؛ البتہ اس سواری میں دو باتیں ہیں ایک عمدہ اور ایک بُری، عمدہ یہ کہ راستہ جلد ختم ہو جاتا ہے، بُرائی یہ کہ اس پر سوار ہونے سے وہ انکساری نہیں ہوتی جو پیادہ چلنے میں پائی جاتی ہے؟

الجواب: اس سواری میں گو ظاہراً تشبّہ کا بھی شبہ ہو سکتا ہے، مگر عندالتامل اس کا عام ہو جانا اس شبہ کا مزیل ہے۔ اب صرف یہ عارض اس میں محتمل رہا کہ اس سے عُجب پیدا ہوتا ہے، سو اس کا مقتضا یہ ہے کہ جس کو عُجب نہیں اس کے لئے کچھ ہرج نہیں؛ البتہ بعض مباحات صلحاء وثقات کے مناسب حال نہیں ہوتے، سو بحالت موجودہ یہ سواری ایسی معلوم ہوتی ہے؛ لہٰذا تحرز اَولیٰ ہے، جب کہ صرف مصلحت کا درجہ ہو ضرورت کا نہ ہو، اور اگر ضرورت ہو کہ مسافت زیادہ ہے اور وقت کم یا دوسری سواری میں صرف زیادہ ہوگا تو اس صورت میں خلاف اَولیٰ بھی نہیں (۱)۔ ۴/صفر ۱۳۳۵ھ (حوادث خامسہ ص۲)

فٹ بال میچ کھیلنے کا حکم

سوال (۲۶۴۶): قدیم ۴/۲۶۷- اس زمانہ کے انگریزی خواں لوگ جو پاؤں سے گیند مارتے ہیں، جس کو انگریزی میں فُٹ بَول کہا جاتا ہے یہ جائز ہے یا نہ؟

---

(۱) آج کل کے زمانہ میں سائیکل کی سواری غریب لوگوں کی سواری ہے، جیسے خیر القرون میں گدھے کی سواری تھی؛ اس لئے اس زمانہ میں اس میں کوئی قباحت یا خلاف اولی کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ حضرات صحابہ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ایک محلّہ سے دوسرے محلّہ میں گدھے خچر پر سوار ہو کر تشریف لے گئے ہیں۔ صحیح بخاری میں صاف روایت ہے، ملاحظہ فرمائیے:

عن عروة عن أسامة بن زيد رضي الله عنهما أن رسول صلى الله عليه وسلم ركب على حمار على إكاف عليه قطيفة وأردف أسامة وراءه. (بخاري شريف، كتاب الجهاد والسير، باب الردف على الحمار، النسخة الهندية ۱/ ۴۱۹، رقم: ۲۸۹۵، ف: ۲۹۸۷)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في المشكوٰة: ص ۳۳۸: عن عليؓ قال: كانت بيد رسول الله صلى الله عليه وسلم قوس عربية فراى رجلا بيده قوس فارسية، فقال: ما هٰذه ألقها وعليكم بهٰذه وأشباهها. (الحديث) رواه ابن ماجه (۱)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طرق ورزش میں بھی تشبہ باہل باطل ممنوع ہے، جب کہ دوسرے طرق ورزش کے اس محذور سے خالی پائے جاویں، اور یہاں دوسرے طرق نافعہ بھی موجود ہیں؛ لہٰذا یہ عمل ممنوع ہوگا (۲)۔

---

(۱) ابن ماجه شريف، كتاب الجهاد، باب السلاح، النسخة الهندية ص: ۲۰۲، دارالسلام رقم: ۲۸۱۰۔

مشكوة شريف، كتاب الجهاد، باب أعداد آلة الجهاد، الفصل الثالث، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۳۳۸۔

(۲) کھیل کود اور لہو ولعب سے متعلق مفتی تقی صاحب دامت برکاتہم نے ''تکملہ فتح الملہم'' میں کافی مفصل اور مفید بحث کی ہے، جو ذیل میں فائدہ کی غرض سے نقل کی جاتی ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

فالضابط في هذا الباب -عند مشايخنا الحنفية- المستفاد من أصولهم وأقوالهم أن اللهو المجرد الذي لا طائل تحته: وليس له غرض صحيح مفيد في المعاش ولا المعاد حرام أو مكروه تحريما، وهذا أمر مجمع عليه في الأمة متفق عليه بين الأئمة وما كان فيه غرض ومصلحة دينية أو دنيوية، فإن ورد النهي عنه من الكتاب أو السنة -كما في النردشير- كان حراما أو مكروها تحريما، وألغيت تلك المصلحة والغرض لمعارضتها للنهي المأثور حكما بأن ضرره أعظم من نفعه، وهذا أيضا متفق عليه بين الأئمة غير أنه لم يثبت النهي عند بعضهم فجوزه ورخص فيه وثبت عند غيره فحرمه وكرهه...... وأما ما لم يرد فيه النهي عن الشارع وفيه فائدة ومصلحة للناس فهو بالنظر الفقهي على نوعين: الأول: ما شهدت التجربة بأن ضرره أعظم من نفعه ومفاسده أغلب على منافعه، وأنه من اشتغل به ألهاه عن ذكر الله وحده وعن الصلوات والمساجد التحق ذلك بالمنهي عنه لاشتراك العلة فكان حراما أو مكروها. والثاني: ما ليس كذلك فهو أيضا إن اشتغل به بنية التلهي والتلاعب فهو مكروه، وإن اشتغل به لتحصيل تلك المنفعة وبنية استجلاب المصلحة فهو مباح بل قد يرتقي إلى درجة الاستحباب أو أعظم منه، هذه خلاصة ما توصل إليه والدي الشيخ محمد شفيع في أحكام القرآن ۳/ ۱۹۳ تا ۲۰۱. وعلى هذا الأصل فالألعاب التي يقصد بها رياضة الأبدان ←

اور اس میں غالباً جو اہل وعادت اور دین سے آزاد لوگوں سے جو اختلاط ہوتا ہے وہ خود بھی مستقلاً وجہ منع کی ہے(۱)۔ ۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ (حوادث خامسہ ص ۸)

کفار کے رسم ورواج میں ان کی موافقت کرنا جائز نہیں

سوال (۲۶۴۷): قدیم ۴/ ۲۶۷- نمبر﴿۱﴾: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں: کہ قصبہ لوناواڑہ میں ہنود بکثرت رہتے ہیں، یہ لوگ بماہ ساون آٹھ روز تہوار مناتے ہیں، اس تہوار کو اپنی اصطلاح میں پچوسن کہتے ہیں، ان دنوں میں آٹھ روزے بھی اپنے مذہب کے موافق رکھتے ہیں، اور جاندار شے کو مارنا اور تکلیف دینا بہت بُرا سمجھتے ہیں، چنانچہ مسلمان تیلیوں کو اسی بناء پر گھانی چلانے سے روکتے ہیں؛ اس لئے کہ تلوں میں کچھ کیڑے جو ہوتے ہیں وہ بھی پِل جاتے ہیں، اُن آٹھ روز مسلمانوں کو گھانی چلانے کے عوض میں روپیہ بھی دینا چاہتے ہیں، پس مسلمان تیلیوں کو اُن آٹھ روز گھانی نہ چلانا اور اُن سے روپیہ لے کر اس امر میں ان کا اتباع کرنا کیسا ہے؟

← **أو الأذهان جائزة في نفسها، ما لم تشتمل على معصية أخرى ما لم يؤد الانهماك فيها إلى الإخلال بواجب الإنسان في دينه ودنياه. والله أعلم** (تكمله فتح الملهم، كتاب الشعر، باب تحريم اللعب بالنردشير، حكم الألعاب في الشريعة، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٣٥-٤٣٦)

(۱) **عن أبي سعيد أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا تصاحب إلا مؤمنا، ولا يأكل طعامك إلا تقي.** (ترمذي شريف، أبواب الزهد، باب ما جاء في صحبة المؤمن، النسخة الهندية ٢/ ٦٥، دارالسلام رقم: ٢٣٩٥)

اتفق الفقهاء على أنه لا يجوز التودد للفاسق لأجل فسقه ولا الجلوس معه وهو يمارس شيئا من المعاصي إيناسا ومجاراة له؛ لقوله تعالى: (ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار) ولقول النبي صلى الله عليه وسلم: لا تصاحب إلا مؤمنا ولا يأكل طعامك إلا تقي. وقوله: الرجل على دين خليله فلينظر أحدكم من يخالل كما أنه ورد النهي عن مخاطبة الفاسق والمبتدع ونحوهما بسيد ونحوه من الألقاب التي تدل على تعظيمه؛ لأن في ذلك تعظيم من أهانه الله تعالى الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٢/ ١٤٥)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نمبر﴿۲﴾: جو مسلمان کہ ہنود کے تہوار میں اُن کی موافقت کرے اور اس کو منائے اس کے لئے کیا وعید ہے؟

نمبر﴿۳﴾: کسی قصبہ کا رئیس مسلمانوں کو کہے کہ تم ہنود کے تہوار میں ان کی اتباع کرو، ورنہ تم کو سخت اذیت پہنچاؤں گا، پس مسلمانوں کو اس امر میں رئیس کا اتباع درست ہے یا نہیں؟ **بینوا بالکتاب وتوجروا في یوم الحساب.**

الجواب : چونکہ مبنیٰ اس درخواست کا ہنود کے مذہب کا احترام اور رعایت ہے، مسلمانوں کو اس کا قبول کرنا یا اعانت وتائید کرنا حرام قریب بہ کفر ہے(۱)۔ اور جو شخص اس کے خلاف پر قادر ہو اس کو ایسے امر میں اتباع کرنا حرام اور قرب بہ کفر ہے(۲)۔ ۱۸؍ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ ص ۶)

---

(۱) الإعطاء باسم النيروز والمهرجان لايجوز أي الهدايا باسم هذين اليومين حرام، وإن قصد تعظيمه كما يعظمه المشركون يكفر. (مجموعة الفتاوى على هاشم خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٣٤٠)

الخروج إلى نيروز المجوس والموافقة معهم فيما يفعلونه في ذلك اليوم كفر، وأكثر ما يفعل ذلك من كان أسلم منهم فيخرج في ذلك اليوم ويوافق معهم فيصير بذلك كافرا ولا يشعر به، اجتمع المجوس يوم النيروز، فقام مسلم: (خوب سيرت نهاوند) يكفر. (بزازية على هامش الهندية، كتاب ألفاظ تكون إسلاما أو كفرا أو خطأ، النوع السادس في التشبيه، قديم زكريا ديوبند ٦/ ٣٣٣، جديد زكريا ديوبند ٣/ ١٨٦)

وفي الفتاوى الصغرى: ومن اشترى يوم النيروز شيئا ولم يكن يشتريه قبل ذلك أراد به تعظيم النيروز كفر، أي لأنه عظم عيد الكفرة ...... حكى عن أبي حفص الكبير البخاريؒ لو أن رجلا عبدالله خمسين عاما ثم جاء يوم النيروز فأهدى إلى بعض المشركين يريد تعظيم ذلك اليوم فقد كفر بالله العظيم وحبط عمله خمسين عاما، ومن خرج إلى السدة أي مجتمع أهل الكفر في يوم النيروز كفر؛ لأن فيه أعلان الكفر، وكأنه أعانهم عليه، وعلى قياس مسألة السدة إلى النيروز المجوسي الموافقة معهم فيما يفعلون في ذلك اليوم يوجب الكفر.

(شرح الفقه الأكبر، فصل في الكفر صريحا وكناية، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٢٢٩-٢٣٠)

(۲) عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: السمع والطاعة على المرء المسلم فيما أحب وكره ما لم يؤمر بمعصية، فإن أمر بمعصية فلا سمع عليه ولا طاعة. (ترمذي شريف، أبواب الجهاد، باب ماجاء في لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق، النسخة الهندية ١/ ٣٠٠، دارالسلام رقم: ١٧٠٧) ←

لندن وغیرہ میں کفار کے لباس کا حکم

سوال (۲۶۴۸): قدیم ۴/ ۲۶۸- اس ملک میں اُن لوگوں کا لباس اور وضع اختیار کرنا کس قسم کا گناہ ہے، اگر آدمی شوق سے نہیں بلکہ اس ضرورت سے اُن کا ظاہری لباس اور وضع اختیار کرے کہ عوام کی نظر میں ایک انوکھا اور بُرا نہ معلوم ہو، اور لوگوں کو اس کی طرف انگشت نمائی نہ ہو اور شہر کے بچّے اس پر ہنسے نہیں، تو کیا اس سے اس گناہ کی اہمیت کم ہو جاتی ہے، کس حد تک اجازت ہے؟

الجواب: میں اس باب میں یہ سمجھے ہوئے ہوں کہ جس جگہ یہ لباس قومی ہے، جیسے ہندوستان میں وہاں اس کا پہننا من تشبہ بقوم میں داخل ہوتا ہے (۱) اور جہاں ملکی ہے جس کی علامت یہ ہے کہ وہاں سب قومیں اور سب مذاہب کے لوگ ایک ہی لباس پہنتے ہیں وہاں پہننا کچھ حرج نہیں۔ اب اس معیار پر آپ وہاں کی حالت خود ملاحظہ فرمائیں۔ (تتمہ خامسہ ص ۴۲۱)

← بخاري شريف، كتاب أخبار الآحاد، باب ماجاء في إجازة خبر الواحد، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۷۷-۱۰۷۸، رقم: ۶۹۶۷، ف: ۷۲۵۷۔

مسلم شريف، كتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية وتحريمها في معصية، النسخة الهندية ۲/ ۱۲۵، بيت الأفكار رقم: ۱۸۴۰۔

(۱) **عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم.** (أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۵۹، دارالسلام رقم: ۴۰۳۱)

قال القاري: أي من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار فهو منهم، أي في الإثم والخير. (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ۸/ ۲۵۵)

قوله: (من تشبه بقوم) هذا عام في الخلق والخلق والشعار، وإذا كان الشعار أظهر في التشبيه ذكره في هذا الباب. (شرح الطيبي، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۲۳۲، كراچی ۸/ ۲۱۹، تحت رقم الحديث: ۴۳۴۷)

عون المعبود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۱/ ۵۱۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۰/ باب: معاملات المُسلمين بأهل الكتاب والمشركين

کافر کے حقوق کیسے ادا کئے جائیں

سوال (۲۶۴۹): قدیم ۲۶۸/۴- کافر کے حقوق کیسے ادا کئے جائیں، مالی نہیں بلکہ غیبت وغیرہ ہو؟

الجواب: اگر وہ مل جاوے تو معاف کرالئے جاویں، ورنہ اُس کے لئے دعائے ہدایت (۱)۔

۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

---

(۱) **مستفاد: لابد من الاستحلال إن قدر عليه فإن كان غائبا أو ميتا فينبغي أن يكثر له الاستغفار والدعاء، ويكثر من الحسنات، فإن قلت: فالتحليل هل يجب؟ فأقول: لا لأنه تبرع والتبرع فضل وليس بواجب، ولكنه مستحسن، وسبيل المتعذر أن يبالغ في الثناء والتودد إليه ويلازم ذلك حتى يطيب قلبه، فإن لم يطب قلبه كان اعتذاره وتوده حسنة محسوبة له يقابل بها سيئة الغيبة في القيامة.** (إحياء العلوم، كتاب آفات اللسان، الآفة الخامسة عشر: بيان كفارة الغيبة، مطبوعه مصر ۳/ ۱۳۳)

قالت عائشة رضي الله عنها: لامرأة قالت لأخرى إنها طويلة الذيل: قد اغتبتيها فاستحليها، فإن لا بد من الاستحلال إن قدر عليه، فإن كان غائبا أو ميتا، فينبغي أن يكثر الاستغفار والدعاء ويكثر من الحسنات. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۱/ ۳۳۸)

مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان، قبيل باب الوعد، مكتبه إمداديه ۹/ ۱۶۷-۱۶۸۔

والمراد أن يبين له ذلك ويعتذر إليه ليمسح عنه بأن يبالغ في الثناء عليه والتودد إليه، ويلازم ذلك حتى يطيب قلبه، وإن لم يطب قلبه كان اعتذاره وتودده حسنة يقابل بها سيئة الغيبة في الآخرة ...... قال الإمام الغزالي وغيره، وقال أيضا: فإن غاب أو مات فقد فات أمره ولا يدرك إلا بكثرة الحسنات لتؤخذ عوضا في القيامة. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۸۸، كراچی ۶/ ۴۱۱)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کفار کے میلوں میں بغرض تجارت جانا

سوال (۲۶۵۰): قدیم ۴/ ۲۶۰ - ایک شخص رائے دیتے ہیں کہ دربار انگریزی کی نمائش میں جو بماہ جنوری آئندہ دہلی میں ہونے والا ہے، کوئی دُکان مرادآبادی برتنوں کی یا اور کسی مال کی کھولی جائے، یا دربار کے کسی کام کا ٹھیکہ لیا جائے، احقر نے جواب میں کہا کہ دربار کے کام کا ٹھیکہ اعانت مجمع کفار ہے، اور نمائش بھی ایسی ہی ہے، اس کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ دربار کا ٹھیکہ اعانت ہے، نمائش ایسی نہیں؛ کیونکہ نمائش بعد ختم دربار ہوگی، اس سے غرض دربار کی آرائش نہیں ہے؛ بلکہ ملک کی صنعت وحرفت کی جانچ منظور ہے، جس طرح دیگر اوقات میں مختلف مقامات میں نمائشیں ہوا کرتی ہیں، اس میں حضور کا کیا ارشاد ہے؟ اگر شرکت ایسے مجمعوں کی ناجائز ہے تو اپنے دواخانہ کے اشتہارات تقسیم کرانا درست ہیں یا نہیں؟

الجواب: کفار کا مجمع مطلقاً معصیت نہیں ہے؛ بلکہ صرف جو کسی معصیت یا کفر کی غرض سے منعقد کیا جائے، ایسے مجمع کی شرکت واعانت سب حرام ہے(۱)۔ اور جو کسی غرض مباح سے ہو جیسے مجمع مسئول عنہ کہ محض تزاید سرور واستحکام حکومت کے لئے ہوگا۔ میرے نزدیک اس کا یہ حکم نہیں، ہاں اگر کسی مقتدا کی شرکت سے یہ احتمال ہو کہ عوام الناس میری سند پکڑ کر دوسرے ناجائز مجامع کو اس پر قیاس کر کے بد احتیاطی

---

(۱) **من كثر سواد قوم فهو منهم، ومن رضي عمل قوم كان شريكا في عمله.** (كنز العمال، كتاب الصحة، مؤسسة الرسالة بيروت ۹/ ۲۲، رقم الحديث: ۲۴۷۳۵)

نصب الراية، كتاب الجنايات، الحديث التاسع، دارنشر الكتب الإسلامية پاكستان ۴/ ۳۴۶۔

قال الله تعالىٰ: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [سورة المائدة، رقم الآية: ۲]

يأمر الله تعالىٰ عباده المؤمنين بالمعاونة على فعل الخيرات وهو البر، وترك المنكرات، وهو التقوى، وينهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على المآثم والمحارم.

(تفسير ابن كثير، سورة المائدة، آيت: ۲، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۵۳)

کرنے لگیں گے، وہاں اس عارض کی وجہ سے سدً اللذرائع خاص ایسے شخص کو بچنا واجب ہوگا (۱)۔ اور اشتہار تقسیم کرانا تو ہر حال میں جائز ہے، اس کو تکثیر سواد سے کچھ مس نہیں۔ واللہ اعلم (امداد، ج۲، ص۱۴۹)

ہندوؤں کے میلوں میں بغرض تجارت جانا

سوال (۲۶۵۱): قدیم ۴/۲۶۹- میلہ ہائے ہنوداں میں مثل میلہ ہردوار یا گنگا واسطے تجارت کے جانا جائز ہے یا نہ؟ اور جانے والا مرتکب کبیرہ کا ہوتا ہے یا نہ؟

الجواب: اگر کوئی چیز سوائے اس میلہ کے کہیں نہ بکتی ہو، اس کی خرید و فروخت کے واسطے جانا بضرورت جائز ہے (۲)۔ اور بلاضرورت جانا بہتر نہیں، کہ ایسے مجمعوں میں شان مغضوبیت کی ہوتی ہے، ان میں شریک ہونا غضب الٰہی کا حصہ لینا ہے، اگرچہ اُس مجمع والوں کے برابر گناہ نہ ہو مگر خالی نہ رہے گا۔

لاینتهي الناس عن غزو هٰذا البيت حتى يغزو جيش حتى إذا كانوا بالبيداء أو ببيداء من الأرض خسف بأولهم وآخرهم، ولم ينج أوسطهم، قلت: يا رسول الله! فمن

---

(۱) **فإن كان ممن يقتدى به فلم يقدر على منعهم خرج ولم يقعد؛ لأن في ذلك شين الدين، وفتح باب المعصية على المسلمين.** (البحر الرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣٤٦، كوئٹه ٨/ ١٨٨)

فإن كان مقتدى ولم يقدر على المنع خرج ولم يقعد؛ لأن فيه شين الدين. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٠١، كراچی ٦/ ٣٤٨)

التحرز عن مواضع التهمة واجب، قال صلى الله عليه وسلم: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يقفنّ مواقف التهم، وقال علي رضي الله عنه: إياك وما يقع عند الناس إنكاره، وفي رواية: ما يسبق إلى القلوب إنكاره، وإن كان عندك اعتذاره فليس كل سامع نكرا يطيق أن يوسعه عذرا. (المبسوط للسرخسي، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٥٨)

(۲) **الضرورات تبيح المحظورات: أي أن الأشياء الممنوعة تعامل كالأشياء المباحة وقت الضرورة.** (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٢٩، رقم المادة: ٢١)

الضرورات تبيح المحظورات. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٨٩)

كره منهم؟ قال: يبعثهم الله على ما في أنفسهم. ترمذي، جلد ۲ ص ۴۲ (۱)۔

توجب باوجود کراہت کے عذاب میں شریک ہوگئے تو جو خوشی سے جائیں وہ کیونکر بچیں گے (۲)۔ واللہ اعلم

۳۰ رمحرم ۱۳۰۱ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۲۴)

کفار کے مندروں میں جانا

سوال (۲۶۵۲): قدیم ۴/۲۶۹- میلہ پرستش گاہِ ہنودان میں مسلمان کا جانا اور خصوصاً عالم وواعظ کا جانا بطریق سَیر کے اور اس کو جائز سمجھنا اور استناد آیت: **قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ** سے لانا کیسا ہے؟

الجواب: میلہ پرستش گاہِ ہنود میں عموماً مسلمانوں کا جانا اور خصوصاً علماء کا جانا اور یہ بھی نہیں کہ کوئی

---

(۱) ترمذي شريف، كتاب الفتن، باب ماجاء في الخسف، النسخة الهندية ۲/ ۴۲، دارالسلام رقم: ۲۱۸۴۔

عن عبدالله بن الزبير أن عائشة رضي الله عنها قالت: عبث رسول الله صلى الله عليه وسلم في منامه، فقلنا يا رسول الله! صنعت شيئا في منامك لم تكن تفعله فقال: العجب إن ناسا من أمتي يؤمون بالبيت برجل من قريش قد لجأ بالبيت حتى إذا كانو بالبيداء خسف بهم، فقلنا: يا رسول الله! إن الطريق قد يجمع الناس، قال: نعم، فيهم المستبصر، والمجبور وابن السبيل يهلكون مهلكا واحدا ويصدرون مصادر شتى يبعثهم الله على نياتهم. (مسلم شريف، كتاب الفتن وأشراط الساعة، باب الخسف بالجيش الذي يؤم البيت، النسخة الهندية ۲/ ۳۸۸، بيت الأفكار رقم: ۲۸۸٤)

ابن ماجه شريف، كتاب الفتن، باب جيش البيداء، النسخة الهندية ص: ۲۹۵، دارالسلام رقم: ٤۰٦٤۔

(۲) **من كثر سواد قوم فهو منهم، ومن رضي عمل قوم كان شريكا في عمله.** (كنز العمال، كتاب الصحبة، مؤسسة الرسالة بيروت ۹/ ۲۲، رقم الحديث: ۲٤۷۳۵)

نصب الراية، كتاب الجنايات، الحديث التاسع، دارنشر الكتب الإسلامية پاكستان ٤/ ۳٤٦۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ضرورت شدیدہ دنیاوی ہی ہو محض سیر وتماشے کے لئے سخت ممنوع وقبیح ہے(۱)۔ اور اگر آیت: **فسیروا فی الأرض** (۲) کے یہی معنی ہیں جو مستند صاحب نے فرمائے ہیں تو چاہئے کہ **فانکحوا ما طاب لکم من النساء** (۳) سے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''نکاح کرو اُن عورتوں سے کہ تم کو خوش آئیں، ماں بہن اگر خوش معلوم ہوں اُن سے بھی نکاح درست ہو جائے؛ کیونکہ ''**مَا طَابَ**'' عام ہے، اگر اس کے قائل ہیں تو مبارک اور اگر یہ کہیں کہ ماں بہن کی حرمت دوسری آیت سے ثابت ہے: **حرمت علیکم امهٰتکم وبنٰتکم واخواتکم الخ** (۴)۔ تو ہماری طرف سے بھی اپنے استناد کا ایسا ہی جواب سمجھ لیں کہ ممانعت ایسی جگہ جانے سے دوسری آیت سے ثابت ہے: **فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین** (۵)۔ یعنی بعد نصیحت کے قوم ظالمین کے پاس مت بیٹھ یعنی کفار سے اختلاط مت کر۔

---

(۱) **من كثر سواد قوم فهو منهم، ومن رضي عمل قوم كان شريكا في عمله.** (كنز العمال، كتاب الصحبة، مؤسسة الرسالة بيروت ۹/ ۲۲، رقم الحديث: ۲۴۷۳۵)

نصب الراية، كتاب الجنايات، الحديث التاسع، دارنشر الكتب الإسلامية پاكستان ۴/ ۳۴۶۔

فإن كان ممن يقتدى به فلم يقدر على منعهم خرج ولم يقعد؛ لأن في ذلك شين الدين، وفتح باب المعصية على المسلمين. (البحرالرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۳۴۶، كوئٹه ۸/ ۱۸۸)

فإن كان مقتدى ولم يقدر على المنع خرج ولم يقعد؛ لأن فيه شين الدين. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۰۱، كراچی ۶/ ۳۴۸)

التحرز عن مواضع التهمة واجب، قال صلى الله عليه وسلم: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يقفنّ مواقف التهم، وقال علي رضي الله عنه: إياک وما يقع عند الناس إنكاره، وفي رواية: ما يسبق إلى القلوب إنكاره، وإن كان عندک اعتذاره فليس كل سامع نكرا يطيق أن يوسعه عذرا. (المبسوط للسرخسي، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۵۸)

(۲) سورة الأنعام، رقم الآية: ۱۱۔

(۳) سورة النساء، رقم الآية: ۳۔

(۴) سورة النساء، رقم الآية: ۲۳۔

(۵) سورة الأنعام، رقم الآية: ۶۸۔

في الحديث: من كثر سواد قوم فهو منهم (۱)۔

اورحدیث صحیح میں آیا ہے کہ قرب قیامت میں ایک لشکر کعبہ معظّمہ پر چڑھنے کے ارادہ سے چلے گا، جب قریب پہنچیں گے سب زمین میں دھنس جائیں گے، ازواج مطہرات میں سے ایک بی بی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تو بازاری دوکاندار لوگ بھی ہوں گے، کہ ارادہ لڑنے کا نہ رکھتے ہوں گے، اُن کا کیا قصور، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب عام آتا ہے، اس وقت دھنس جائیں گے، پھر قیامت کے روز اپنی اپنی نیت کے موافق محشور ہوں گے۔ انتہٰی (۲)۔ پس جب یہ لوگ باوجود یہ کہ ضرورت تجارت کے بسبب اُن کے ساتھ شامل ہوں گے عذاب الٰہی سے نہ بچیں گے، تو جس کو یہ بھی ضرورت نہ ہو وہ کیونکر اس غضب وعتاب سے جو مجمع کفار میں من اللہ نازل ہوا کرتا ہے محفوظ رہے گا۔ **أللهم قنا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا مناخاصةً. والله أعلم**

۱۵/ جمادی الثانی ۱۳۰۲ھ (امداد ج ۲، ص ۱۲۵)

---

(۱) كنز العمال، كتاب الصحبة، مؤسسة الرسالة بيروت ۹/ ۲۲، رقم الحديث: ۲۴۷۳۵۔

الحديث التاسع: قال عليه الصلاة والسلام: من كثر سواد قوم فهو منهم. رواه أبويعلى الموصلي في مسنده. (نصب الراية، كتاب الجنايات، دارنشر الكتب الإسلامية پاكستان ٤/ ٣٤٦)

(۲) عن مسلم بن صفوان عن صفية قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاينتهي الناس عن غزو هٰذا البيت حتى يغزو جيش حتى إذا كانوا بالبيداء أو ببيداء من الأرض خسف بأولهم وآخرهم، ولم ينج أوسطهم، قلت: يا رسول الله! فمن كره منهم؟ قال: يبعثهم الله على ما في أنفسهم. (ترمذي شريف، أبواب الفتن، باب ماجاء في الخسف، النسخة الهندية ۲/ ٤۲، دارالسلام رقم: ۲۱۸٤)

مسلم شريف، كتاب الفتن، وأشراط الساعة، باب الخسف بالجيش الذي يؤم البيت، النسخة الهندية ۲/ ۳۸۸، بيت الأفكار رقم: ۲۸۸٤۔

ابن ماجه شريف، كتاب الفتن، باب جيش البيداء، النسخة الهندية ص: ۲۹۵، دارالسلام رقم: ٤۰٦٤۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

چھوت چھات کرنے والے ہندوؤں کے ہاتھ کا کھانا حمیّت کے خلاف ہے

سوال (۲۶۵۳): قدیم ۴/۲۷۰- ہنود کے گھر کا کھانا جائز ہے یا نہیں، چونکہ مسلمان کو کُتّے سے بُرا سمجھتے ہیں؟

الجواب: گناہ تو نہیں (۱) مگر بے غیرتی ہے۔ ۹/ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۶۴)

کافر پڑوسی کی دعوت جائز ہے

سوال (۲۶۵۴): قدیم ۴/۲۷۰- ایک مشرک جار اپنے گھر پر بلا کر دعوت کرنا چاہتا ہے، ایسی رعایت حق جوار میں داخل کر سکتے ہیں۔ **لا یتخذ المؤمنون الکافرین أولیاء من دون المؤمنین. الآیة** (۲)۔ وعید میں تو نہ داخل ہوگی؟ جناب نے اپنی تفسیر میں ایسی مدارات کو صرف تین

---

(۱) **عن أبي وائل وإبراهيم قالا: لما قدم المسلمون أصابوا من أطعمة المجوس من جبنهم وخبزهم فأكلوا ولم يسألوا عن شيء من ذلك.** (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب السير، ما قالوا: في طعام المجوس وفواكههم، مؤسسة علوم القرآن ١٧/ ٤١٦، رقم: ٣٣٣٤٤)

ولا بأس بطعام المجوس كله إلا الذبيحة، فإن ذبيحتهم حرام، قال عليه الصلاة والسلام: سنوا بالمجوس سنة أهل الكتاب غير ناكحي نساء هم، ولا آكلي ذبائحهم. (المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل السادس عشر: في أهل الذمة، المجلس العلمي ٨/ ٦٩، رقم: ٩٦٠٣)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل السادس عشر الخ، مكتبه زكريا ديوبند ١٨/ ١٦٦، رقم: ٢٨٣٧٣۔

ولا بأس بطعام المجوس كله إلا الذبيحة الخ. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر: في أهل الذمة، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٧، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤٠١)

خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل الثالث: فيما يتعلق بالمعاصي، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٣٤٦۔

(۲) سورة آل عمران، رقم الآية: ٢٨۔

وجہوں سے جائز ٹھہرایا ہے: ﴿۱﴾ توقع ہدایات کے لئے۔ ﴿۲﴾ دفع ضرر کے لئے۔ ﴿۳﴾ اکرام ضیف کیلئے (۱) مگر نہ اکرام میزبان کے لئے۔ اور صورت مسئولہ میں تینوں صورتیں نہیں۔

الجواب: اکرام جس طرح ضیف کا مامور بہ ہے اسی طرح جار کا بھی (۲) تو یہ اس میں باشتراک علّت داخل ہوسکتا ہے۔ (تتمہ ثانیہ ص ۶)

کفار و مشرکین کے ساتھ کھانا کھانے کا حکم

سوال (۲۶۵۵): قدیم ۴/۲۷۱- کسی عیسائی کے ساتھ کھانا کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر ایک پیالہ اور ایک ہی رکابی میں کھایا جائے تو ایسی حالت میں کیا حکم ہے؟ کیا ساتھ کھانے سے لازمی طور پر اتحاد ہوتا ہے، تو کیا ان لوگوں سے اتحاد کرنا منع ہے؟

الجواب: کفار سے بے ضرورت اختلاط وارتباط ممنوع ہے (۳)۔

---

(۱) بیان القرآن، سورۃ آل عمران، آیت: ۲۸، مکتبہ تاج پبلشرز دهلي ۲/ ۱۰۔

(۲) **عن أبي شريح العدوي قال: سمعت أذناي وأبصرت عيناي حين تكلم النبي صلى الله عليه وسلم فقال: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فليكرم جاره، ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فليكرم ضيفه جائزته، قال وما جائزته يا رسول الله! قال: يوم وليلة والضيافة ثلاثة أيام، فما كان وراء ذلك فهو صدقة عليه، ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيرا أو ليصمت.** (بخاري شريف، كتاب الأدب، باب من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره، النسخة الهندية ۲/ ۸۸۹-۸۹۰، رقم: ۵۷۸۵، ف: ۶۰۱۹)

مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب الحث على إكرام الجار والضيف ولزوم الصمت إلا عن الخير، النسخة الهندية ۱/ بيت الأفكار رقم: ۴۷۔

موطأ إمام مالك، باب الطعام والشراب، جامع ماجاء في الطعام والشراب، النسخة الهندية ص: ۳۷۱۔

(۳) **قال الله تعالىٰ: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقَاةً.** [سورة آل عمران، رقم الآية: ۲۸]

قال الله تعالىٰ: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ. [سورة النساء، رقم الآية: ۱۴۴] ←

اور کھانا کھانا اختلاط وارتباط بے ضرورت ہے(۱)۔ ۲۰/ جمادی الثانی ۱۳۲۵ھ

← قال الله تعالیٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآئَكُمْ مِنَ الْحَقِّ. [سورة الممتحنة، رقم الآية: ١]

قال الله تعالیٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ. [سورة المائدة، رقم الآية: ٥١]

(۱) لہٰذا بلاضرورت ان کے ساتھ کھانا کھانا جائز ہے؛ البتہ اگر کسی مجبوری سے کہیں اتفاقاً ان کے ساتھ ایک دو دفعہ کھانے کی نوبت آجائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ولم يذكر محمدؒ في الكتاب الأكل مع المجوس ومع غيره من أهل الشرك أنه هل يحرم أم لا؟ حكي عن الحاكم الإمام عبدالرحمن الكاتب أنه إن ابتلى به المسلم مرة أو مرتين فلا بأس به، فأما الدوام عليه فيكره؛ لأنا نهينا عن مخالطتهم وموالاتهم وتكثير سوادهم، وذلك لا يتحقق في الأكل مرة أو مرتين، إنما يتحقق بالدوام عليه. (المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل السادس عشر: في أهل الذمة والأحكام التي تعود إليهم، المجلس العلمي ٨/ ٦٩، رقم: ٩٦٠٣)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل السادس عشر: في أهل الذمة الخ، مكتبه زكريا ديوبند ١٨/ ١٦٦، رقم: ٢٨٣٧٣۔

ولم يذكر محمدؒ الأكل مع المجوس ومع غيره من أهل الشرك أنه هل يحل أم لا؟ وحكي عن الحاكم الإمام عبدالرحمن الكاتبؒ: أنه إن ابتلى به المسلم مرة أو مرتين فلا بأس به، فأما الدوام عليه فيكره، كذا في المحيط. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر الخ، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٧، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤٠١)

خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل الثالث: فيما يتعلق بالمعاصي، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٣٤٦۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۱/ باب: احکامِ سلام و تعظیم اکابر

آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا

سوال (۲۶۵۶): قدیم ۴/۱۷۱- بادشاہ، حاکم، پیر، استاد، امیر المومنین، امیر الکافرین آقا، علماء، صلحاء، حجاج، حفاظ، سادات، جب کہ وہ کسی مسلمان کے پاس آئیں تو اُن کی تعظیم کھڑے ہوکر کی جائے یا بیٹھے بیٹھے؟ اور خود بدولت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعظیم سے کیوں باز رکھا، اور حضورؐ نے استادہ ہوکر کسی شخص کی تکریم خود بھی فرمائی ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتاب وسنت و بہ تصریح جواز وناجواز واباحت وکراہت بیان فرمائیے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: الحديث الأوّل: عن أبى سعيد الخدرىؓ في حديث مجئ سعد بن معاذؓ فلما دنا من المسجد، قال رسول الله ﷺ للانصار: قوموا إلىٰ سيدكم. متفق عليه كذا في المشكوٰة (۱)۔ قال في المرقاة: قيل: أي لتعظيمه، ويستدل به على عدم كراهته، فيكون الأمر للإباحة أو لبيان الجواز، وقيل: معناه قوموا لإعانته في النزول إلى أن قال: وما ذكر في قيامه ﷺ لعكرمة بن أبي جهل عند قدومه عليه، فالوجه فيه أن يحمل على الترخيص حيث يقتضيه الحال، وقد كان عكرمة من رؤساء قريش وعدي كان سيد بني طيء، فرأى تاليفهما بذٰلك على الإسلام أوعرف من جانبهما تطلعا إليه على حسب ما يقتضيه حب الرياسة. اه مختصرا (۲)۔

---

(۱) مشكوة شريف، كتاب الآداب، باب القيام، الفصل الأول، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۴۰۲۔
بخاري شريف، كتاب المغازي، باب مرجع النبي صلى الله عليه وسلم من الأحزاب ومخرجه إلى بني قريظة، النسخة الهندية ۲/ ۵۹۱، رقم: ۳۹۷۴، ف: ۴۱۲۱۔
مسلم شريف، كتاب الجهاد والسير، باب جواز قتال من نقض العهد الخ، النسخة الهندية ۲/ ۹۵، بيت الأفكار رقم: ۱۷۶۸۔

(۲) مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب القيام، الفصل الأول، مكتبه إمداديه ملتان ۹/ ۸۳۔

الحديث الثاني: عن عائشة رضـ قالت: إذا دخلت عليه فاطمة رضـ قام إليها، وكان إذا دخل ﷺ عليها قامت إليه. رواه أبو داؤد (۱)۔

الرّواية الأولىٰ في الدرالمختار: يندب القيام تعظيماً للقادم كما يجوز القيام ولو للقاري بين يدى العالم في رد المحتار قال ابن حبان: أقول: وفي عصرنا ينبغي أن يستحب ذٰلک أي القيام لما يورث تركه من الحقدو البغضاء والعداوة لاسيما إذا كان في مكان اعتيد فيه القيام وما ورد من التوعد عليه في حق من يحب القيام بين يديه كما يفعله الترک والأعاجم اھ. قلت: يؤيده ما في العناية وغيرها عن الشيخ الحكيم أبی القاسم كان إذا دخل عليه غني يقوم له ويعظمه، ولا يقوم للفقراء، وطلبة العلم فقيل له في ذلک فقال الغني: يتوقع مني التعظيم فلو تركته لتضرر والفقراء والطلبة إنما يطمعون في جواب السلام والكلام معهم في العلم (۲)۔

الرّواية الثانية: في الدرالمختار: ولو سلم على الذمي تبجيلاً يكفر، وفي ردالمحتار قال في المنح قيد به؛ لأنه لو لم يكن كذلک بل كان لغرض من الأغراض الصحيحة فلا بأس به ولا كفر. اھ (۳)۔

ان احادیث اوران کی شرح اوران روایات سے چند امور مستفاد ہوئے:

امراوّل: یہ کہ قیام کی چند قسمیں ہیں: ایک محبت کا، وہ ایسے شخص کے لئے جائز ہے جس سے محبت کرنا جائز ہے، چنانچہ حدیث ثانی میں اس کا ذکر ہے۔ دوسری قسم قیام تعظیمی ہے، اس میں اگر تعظیم دل سے ہے،

---

(۱) أبوداؤد شريف، كتاب الأدب، باب ماجاء في القيام، النسخة الهندية ۲/ ۷۰۸، دارالسلام رقم: ۵۲۱۷۔

ترمذي شريف، أبواب المناقب، باب ماجاء في فضل فاطمة بنت محمد صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ۲/ ۲۲٦، دارالسلام رقم: ۳۸۷۲۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۵۱-۵۵۲، كراچی ٦/ ۳۸٤۔

(۳) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۹۱-۵۹۲، كراچی ٦/ ٤۱۳۔

تو وہ شخص اس تعظیم کے قابل ہونا چاہئے، ورنہ اگر تعظیم کے قابل نہیں مثلاً کافر ہے تو اس قسم کی اجازت نہیں، چنانچہ روایت ثانیہ اس پر دال ہے۔ اور اگر تعظیم صرف ظاہر میں ہے اور کسی مصلحت سے ہے مثلاً یہ خیال ہے کہ اگر تعظیم نہ کریں گے تو یہ شخص دُشمن ہو جائے گا، یا یہ کہ خود اس کی دل شکنی ہوگی، یا اس شخص کے ہدایت پر آنے کی امید ہے، یا یہ شخص اس کا محکوم ونوکر ہے، یا ایسی ہی کوئی مصلحت ہے تو جائز ہے، چنانچہ حدیث اول کی شرح اور روایت اولیٰ اس پر شاہد ہے، اور اگر نہ وہ قابل تعظیم ہے نہ کوئی مصلحت وضرورت ہے تو ممنوع ہے(۱)۔

---

(۱) إن قيام المرء بين يدي الرئيس الفاضل والإمام العادل والمتعلم للعالم مستحب، وإنما يكره لمن كان بغير هذه الصفات ...... ثم نقل عن أبي الوليد بن رشد أن القيام يقع على أربعة أوجه: الأول: محظور، وهو أن يقع لمن يريد أن يقام إليه تكبرا وتعاظما على القائمين إليه. والثاني: مكروه، وهو أن يقع لمن لا يتكبر ولا يتعاظم على القائمين، ولكن يخشى أن يدخل نفسه بسبب ذلك ما يحذر ولما فيه من التشبه بالجبابرة. والثالث: جائز وهو أن يقع على سبيل البر والإكرام لمن لا يريد ذلك ويؤمن معه التشبه بالجبابرة. والرابع: مندوب وهو أن يقوم لمن قدم من سفر فرحا بقدومه ليسلم عليه أو إلى من تجددت له نعمة فيهنئه بحصولها أو مصيبة فيعزيه بسببها ...... وقال البيهقي: القيام على وجه البر والإكرام جائز كقيام الأنصار لسعد وطلحة لكعب، ولا ينبغي لمن يقام له أن يعتقد استحقاقه لذلك حتى إن ترك القيام له حنق عليه أو عاتبه أو شكاه. (فتح الباري، كتاب الاستئذان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم "قوموا إلى سيدكم" مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۱/ ۶۰-۶۱، دارالريان للتراث ۱۱/ ۵۳-۵۴)

قوله صلى الله عليه وسلم: (قوموا إلى سيدكم أو خيركم) فيه إكرام أهل الفضل وتلقيهم بالقيام لهم إذا أقبلوا هكذا احتج به جماهير العلماء لاستحباب القيام، قال القاضي: وليس هذا من القيام المنهي عنه، وإنما ذلك فيمن يقومون عليه وهو جالس ويمثلون قياما طول جلوسه، قلت: القيام للقادم من أهل الفضل مستحب وقد جاء فيه أحاديث ولم يصح في النهي عنه شيء صريح. (شرح النووي على المسلم، كتاب الجهاد والسير، النسخة الهندية ۲/ ۹۵)

امر دوم: یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکرمہؓ بن ابوجہل کے لئے جو قریش کے رئیس تھے اور عدی بن حاتم کے لئے جو کہ بنی طے کے رئیس تھے بمصلحت اُن کی تالیف قلب کے کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا اس وجہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آثار سے ان کو اس کا متوقع پایا قیام فرمایا ہے، چنانچہ وہ دونوں صاحب مشرف باسلام بھی ہوئے۔

امر سوم: یہ کہ ممانعت جو احادیث میں آئی ہے وہ اس صورت میں ہے کہ ایک شخص بیٹھا رہے اور سب کھڑے رہیں، اعاجم میں یہی عادت ہے، یہ ممنوع اور حرام ہے(۱)۔

اس تفصیل کے بعد استفتاء کے سب اجزاء کا جواب واضح ہوگیا، صرف ایک جز باقی رہا، وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے کیوں نہیں پسند فرمایا؟ اس کی وجہ تواضع اور سادگی اور بے تکلفی تھی، چنانچہ مرقاۃ میں مصرح ہے(۲)۔ واللہ اعلم ۱۸/ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۹۰)

---

(۱) عن أبي أمامة رضی اللہ عنه قال: خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم متوکئا علی عصا فقمنا إلیه فقال لاتقوموا کما تقوم الأعاجم یعظم بعضها بعضا. (أبو داؤد شریف، کتاب الأدب، باب فی قیام الرجل للرجل، النسخة الهندية ۲/ ۷۱۰، دارالسلام رقم: ۵۲۳۰)

وجملة القول فی هذه المسألة أن القیام علی أقسام: الأول: أن یکون السید جالسا ویتمثل له الحضرون قیاما طوال مجلسه وهو ممنوع بنص الحدیث؛ لأنه دأب الأعاجم المتکبرین، ولا خلاف في عدم جوازه الخ. (تکمله فتح الملهم، کتاب الجهاد والسیر، باب جواز قتال من نقض العهد الخ، مکتبه أشرفیه دیوبند ۳/ ۱۲۶)

ولیس هذا من القیام المنهي عنه، وإنما ذلک فیمن یقومون علیه وهو جالس ویتمثلون قیاما طول جلوسه. (شرح النووي علی المسلم ۲/ ۹۵)

(۲) (لم یقوموا لما یعلمون من کراهیته لذلک) **أي لقیامهم تواضعا لربه ومخالفة لعادة المتکبرین والمتجبرین بل اختار الثبات علی عادة العرب في ترک التکلف في قیامهم وجلوسهم وأکلهم وشربهم ولبسهم ومشیهم وسائر أفعالهم وأخلاقهم، ولذا روی أنا وأتقیاء أمتي براء من التکلف الخ.** (مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، باب القیام، الفصل الثاني، مکتبه إمدادیه ملتان ۹/ ۸٤)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قیام تعظیمی کی تحقیق

سوال (۲۶۵۷): قدیم ۴/۳/۲۷۲ - میں یہ امر معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ فقہاء نے جو قادم کے لئے قیام اکرام کو جائز یا مستحب فرمایا ہے تو اس پر کیا دلیل بیان کی ہے، مشکوٰۃ شریف میں باب القیام اور پھر اس کی شرح مشکوٰۃ سے اس مسئلہ میں جواز کی کوئی گنجائش نہیں معلوم ہوتی۔ امام نوویؒ نے تو استحباب قیام پر قوموا إلى سيدكم سے استدلال فرمایا ہے، مگر یہ استدلال صحیح نہیں ہے، جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے اُسے معقول دلائل سے رد بھی کر دیا ہے۔ اور اگر یہی دلیل ہمارے فقہاء نے بھی بیان کی ہے تو پھر یہ تبرک محض ہی ہے، جن عبادات کو حق تعالےٰ نے اپنی ذات مقدس کے لئے مخصوص فرمایا ہے وہ کسی اور کے لئے کیونکر درست ہوسکتی ہیں۔ قوموا لله قانتين. جیسا کہ سجدہ ورکوع جزو نماز ہونے کی وجہ سے کسی اور کے لئے حرام ہے، ایسا ہی قیام میں ہونا چاہئے، چنانچہ جھک کر سلام کرنے کو بھی جہاں تک میرا خیال ہے تشبہ بالرکوع کی وجہ سے فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔ مجھے اس امر کی تحقیق کی ضرورت مسئلہ قیام میلاد مروجہ کے لئے ہے، میں اب تک شرح صدر کے ساتھ قیام اکرام کو دلائل مذکورہ کی بناء پر درست نہیں سمجھتا؟

۴/دسمبر ۱۹۳۰ء

الجواب: اس وقت میرے سامنے نہ کتابیں ہیں، نہ فرصت ہے، جو ذہن میں ہے اس کی بناء پر جواب لکھتا ہوں، قیام للقادم کے جواز پر استدلال اس حدیث: قوموا إلىٰ سيدكم (۱) پر موقوف نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر کھڑا ہو جانا بھی

---

(۱) عن أبي سعيد الخدريؓ يقول: نزل أهل قريظة على حكم سعد بن معاذ، فأرسل النبي صلى الله عليه وسلم إلى سعد فأتي على حمار فلما دنا من المسجد قال للأنصار: قوموا إلى سيدكم أو خيركم، فقال: هؤلاء نزلوا على حكمك فقال: تقتل مقاتلتهم، وتسبي ذراريهم، قال: قضيت بحكم الله، وربما قال: بحكم الملك. (بخاري شريف، كتاب المغازي، باب مرجع النبي صلى الله عليه وسلم من الأحزاب ومخرجه إلى بني قريضة، النسخة الهندية ۲/ ۵۹۱، رقم: ۳۹۷۴، ف: ۴۱۲۱)

مسلم شريف، كتاب الجهاد والسير، باب جواز قتال من نقض العهد، النسخة الهندية ۲/ ۹۵، بيت الأفكار رقم: ۱۷۶۸۔

استدلال کے لئے کافی ہے(۱)۔ اگر کہا جائے کہ وہ قیام للمحبت تھا، تو جواب یہ ہے کہ محبت اور اکرام میں کوئی وجہ فرق کی نہیں، محبت جیسے امر مباح ہے اسی طرح اکرام بھی، چنانچہ **إذا جاء کریم قوم فأکرموه** (۲)۔ میں اکرام کی اباحت ہے۔ **فلیکرم الضیف** (۳)۔ اکرام کی اباحت بلکہ تاکید ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیام للامر المباح جائز ہے، خود ملا علی قاریؒ نے حدیث **من سره أن یتمثل له الرجال** پر قیام للخدمت کے جواز کی تصریح کی ہے(۴)۔ اور اگر کہا جاوے کہ خدمت موقوف ہے قیام پر، تو جواب یہ ہے کہ بعض اقوام میں اکرام عرفاً موقوف ہے قیام پر۔

---

(۱) عن أم المؤمنین عائشة رضي الله عنها قالت: ما رأیت أحدا کان أشبه سمتا وهدیا ودلا، وقال الحسن حدیثا وکلاما ولم یذکر الحسن السمت والهدي والدل برسول الله صلی الله علیه وسلم من فاطمة کرم الله وجهها کانت إذا دخلت علیه قام إلیها فأخذ بیدها وقبلها وأجلسها في مجلسه، وکان إذا دخل علیها قامت إلیه فأخذت بیده فقبلته وأجلسته في مجلسها. (أبوداؤد شریف، کتاب الأدب، باب ماجاء في القیام، النسخة الهندیة ۲/ ۷۰۸، دارالسلام رقم: ۵۲۱۷)

ترمذي شریف، أبواب المناقب، باب ماجاء في فضل فاطمة بنت محمد صلی اللّٰه علیه وسلم، النسخة الهندیة ۲/ ۲۲۶، دارالسلام رقم: ۳۸۷۲۔

(۲) عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إذا أتاکم کریم قوم فأکرموه. (ابن ماجه شریف، أبواب الأدب، باب إذا أتاکم کریم قوم فأکرموه، النسخة الهندیة ص: ۲۶۳، دارالسلام رقم: ۳۷۱۲)

(۳) عن أبي هریرة رضي الله عنه عن النبي صلی الله علیه وسلم قال: من کان یؤمن بالله والیوم الآخر فلا یؤذ جاره، ومن کان یؤمن بالله والیوم الآخر فلیکرم ضیفه، ومن کان یؤمن بالله والیوم الآخر فلیقل خیرا أو لیصمت. (بخاري شریف، کتاب الأدب، باب إکرام الضیف وخدمته إیاه بنفسه، النسخة الهندیة ۲/ ۹۰۶، رقم: ۵۸۹۷، ف: ۶۱۳۵)

مسلم شریف، کتاب الإیمان باب الحث علی إکرام الجار والضیف الخ، النسخة الهندیة ۱/ ۵۰، بیت الأفکار رقم: ۴۷۔

(۴) وأما إذا لم یطلب ذلک وقاموا من تلقاء أنفسهم طلبا للثواب أو لإرادة التواضع فلا بأس به، وقد روي البیهقي في شعب الإیمان عن الخطابي في معنی الحدیث ←

اب میں ترقی کرکے کہتا ہوں کہ قوموا إلی سیدکم سے بھی اگر استدلال کیا جاوے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ چنانچہ بعض علماء نے کیا ہی ہے(۱)۔ رہا علی قاری کا شبہ ایسے شبہات تو تمام استدلالات میں ہوسکتے ہیں، چنانچہ مسائل اختلافیہ کے دلائل میں معلوم ہے کہ اصل مدار استدلال کا مستدل کا ذوق ہے۔ دوسرے کا ذوق اس پر حجت نہیں۔ اوراگر قوموا للّٰہ قانتین اس قیام کو بھی شامل ہے تو خود صاحب مرقاۃ نے عکرمہ اور عدی کے لئے حضورؐ کے قیام کا محمل تالیف علی الاسلام یا اقتضاء حال لحب الریاست کو قرار دیا ہے(۲)۔ کیا اس استثناء کی کوئی دلیل ہے؟ اوراگر قواعد عامہ دلیل استثناء ہیں تو یہاں بھی جواز محبت یا اکرام

← **هو أن يأمرهم بذلک ويلزمه إياهم على مذهب الكبر والفخر قال: وفي حديث سعد دلالة على أن قيام المرء بين يدي الرئيس الفاضل الوالي العادل، وقيام المتعلم للمعلم مستحب غير مكروه، وقال البيهقي هذا القيام يكون على وجه البر والإكرام كما كان في قيام الأنصار لسعد وقيام طلحة للكعب بن مالک.** (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب القيام، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ۹/ ۸۵)

(۱) **وقال البيهقي: القيام على وجه البر والإكرام جائز، كقيام الأنصار لسعد وطلحة للكعب.** (فتح الباري، كتاب الاستئذان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: "قوموا إلى سيدكم"، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۱/ ۶۱، دارالريان للتراث ۱۱/ ۵۴)

قوله صلى الله عليه وسلم: (قوموا إلى سيدكم أو خيركم) فيه إكرام أهل الفضل وتلقيهم بالقيام لهم إذا أقبلوا هكذا احتج به جماهير العلماء. (شرح النووي على المسلم، كتاب الجهاد والسير، النسخة الهندية ۲/ ۹۵)

(۲) **وأما ما ذكر في قيام النبي صلى الله عليه وسلم لعكرمة ابن أبي جهل عند قدومه عليه، وما روي عن عدي بن حاتم ما دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا قام إلي أو تحرک، فإن ذلک مما لا يصح الاحتجاج به لضعفه والمشهور عن عدي إلا وسع لي، ولو ثبت فالوجه فيه أن يحمل على الترخيص حيث يقتضيه الحال وقد كان عكرمة من رؤساء قريش وعدي كان سيد بني طئ فرأى تأليفهما بذلک على الإسلام أو عرف من جانبهما تطلعا إليه على حسب ما يقتضيه حب الرياسة.** (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب القيام، الفصل الأول، مكتبه إمداديه ملتان ۹/ ۸۳)

دلیل استثناء ہیں۔ رہا رکوع وسجدہ کا تحیّہ کے لئے بھی حرام ہونا یہ نص کے سبب سے ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: أینحنی بعضنا لبعض آپ نے فرمایا: لا (۱)۔ اور آپ سے خود آپ کو سجدہ کرنے کے لئے پوچھا، آپ نے منع فرمایا (۲)۔ دوسرے رکوع وسجدہ اور کسی غرض کیلئے مباح نہیں کیا گیا، بخلاف قیام کے کہ خدمت یا تالیف علی الاسلام خود باقرار علی قاری مباح ہے، اس سے معلوم ہوا کہ رکوع وسجود میں معنی عبادت کے زیادہ ہیں، اس کے ساتھ تشبہ بھی ناجائز ہوا، بخلاف قیام کے کہ وہ اغراض مباح کے لئے مباح ہوگیا، جیسا بہت سے واقعات میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جاثی علی الرکب ہونا وارد ہے (۳) حالانکہ یہ تشہد کی صورت ہے؛ البتہ اگر اس میں بھی نہی ہوتی تو تعارض مبیح ومحرم میں محرم کو

---

(۱) أن أنس بن مالک قال: قال رجل یا رسول الله! الرجل منا یلقي أخاه أو صدیقه أینحني له؟ قال: لا، قال: أفیلتزمه ویقبله قال: لا، قال: ا فیأخذ یده ویصافحه؟ قال: نعم. (ترمذي شریف، أبواب الاستئذان والآداب، باب ماجاء في المصافحة، النسخة الهندیة ۲/ ۱۰۲، دارالسلام رقم: ۲۷۲۸)

ابن ماجه شریف، أبواب الأدب، باب المصافحة، النسخة الهندیة ص: ۲۶۳، دارالسلام رقم: ۳۷۰۲۔

(۲) عن قیس بن سعد قال: أتیت الحیرة فرأیتهم یسجدون لمرزبان لهم، فقلت: رسول الله صلی الله علیه وسلم أحق أن یسجد له، قال: فأتیت النبي صلی الله علیه وسلم فقلت: إني أتیت الحیرة فرأیتهم یسجدون لمرزبان لهم، فأنت یا رسول الله! أحق أن یسجد لک؟ قال: أ رأیت لو مررت بقبري أ کنت تسجد له، قال: قلت: لا، قال: فلا تفعلوا لو کنت آمرا أحدا أن یسجد لأحد لأمرت النساء أن یسجدن لأزواجهن لما جعل الله لهم علیهن من الحقوق. (أبوداؤد شریف، کتاب النکاح، باب في حق الزوج علی المرأة، النسخة الهندیة ۱/ ۲۹۱، دارالسلام رقم: ۲۱۴۰)

(۳) عن أبي هریرة رضي الله عنه قال: لما نزل علی رسول الله صلی الله علیه وسلم (لله ما في السموات وما فی الأرض وإن تبدوا ما في أنفسکم أو تخفوه یحاسبکم به الله فیغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء والله علی کل شيء قدیر) فاشتد ذلک علی صحابة رسول الله صلی الله علیه وسلم، فأتوا رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم جثوا علی الرکب فقالوا: یا رسول الله! کلفنا من الأعمال ما نطیق الصلاة والصیام والجهاد والصدقة، وقد أنزل علیک هذه الآیة، ولا نطیقها. الحدیث. (مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۴۱۲، رقم: ۹۳۳۳)

ترجیح ہوتی، سونہی ہے نہیں۔ **قوموا لِلّٰہ قانتین** (عابدین) میں اس کا منہی عنہ نہ ہونا تو معلوم ہو چکا۔ رہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے لئے ناپسند فرمانا یہ کراہت طبعی ہے نہ کہ کراہت شرعی (۱) جیسا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آگے چلنا پسند نہ فرماتے تھے، حالانکہ اس کوکسی نے منہی عنہ نہیں کہا (۲)۔ اسی طرح **لاتقوموا كما تقوم الأعاجم يعظم بعضهم بعضاً** (۳) میں وہ قیام مراد ہے جو معظم تو بیٹھا رہے اور سب کھڑے رہیں، چنانچہ عجم کی یہ عادت تاریخ سے معلوم ہے (۴)۔

---

(۱) **عن أنس قال: لم يكن شخص أحب إليهم من رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: وكانوا إذا رأوه لم يقوموا لما يعلمون من كراهيته لذلک.** (ترمذي شريف، أبواب الأدب، باب ماجاء في كراهية قيام الرجل للرجل، النسخة الهندية ٢/ ١٠٤، دارالسلام رقم: ٢٧٥٤)

(**لم يقوموا لما يعلمون من كراهيته لذلک**) **أي لقيامهم تواضعا لربه ومخالفة لعادة المتكبرين والمتجبرين بل اختار الثبات على عادة العرب في ترک التكلف في قيامهم وجلوسهم وأكلهم وشربهم ولبسهم ومشيهم وسائر افعالهم وأخلاقهم، ولذا روى أنا وأتقياء أمتي براء من التكلف الخ.** (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب القيام، الفصل الثاني، مكتبه إمداديه ملتان ٩/ ٨٤)

(۲) **عن عمرو بن شعيب عن أبيه قال: مارئي رسول الله صلى الله عليه وسلم يأكل متكئا قط ولا يطأ عقبيه رجلان.**

وعن أبي أمامة قال: مر النبي في يوم شديد الحر نحو بقيع الغرقد، وكان الناس يمشون خلفه، فلما سمع صوت النعال وقر ذلک في نفسه فجلس حتى قدمهم أمامه لئلا يقع في نفسه شيء من الكبر. (ابن ماجه شريف، المقدمة، من كره أن يوطأ عقباه، النسخة الهندية ص: ٢٢، دارالسلام رقم: ٢٤٤-٢٤٥)

(۳) **عن أبي أمامة رضى الله عنه قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم متوكئا على عصا فقمنا إليه فقال لاتقوموا كما تقوم الأعاجم يعظم بعضها بعضا.** (أبوداؤد شريف، كتاب الأدب، باب فى قيام الرجل للرجل، النسخة الهندية ٢/ ٧١٠، دارالسلام رقم: ٥٢٣٠)

(۴) **وليس هذا من القيام المنهى عنه، وإنما ذلک فيمن يقومون عليه وهو جالس ويتمثلون قياما طول جلوسه.** (شرح النووي على المسلم، النسخة الهندية ٢/ ٩٥) ←

چنانچہ دوسری حدیث مذکورہ بالا میں یتمثل له الرجال (۱) اس کا قرینہ ہے۔ رہا اہل مولد کا استدلال دلائل جواز قیام للقادم سے محض لچر ہے؛ اس لئے کہ وہاں قدوم کہاں ہے صرف ذکر قدوم ہے۔ فأین هٰذا من ذاک بلکہ جس قدوم کا ذکر ہے اس قدوم کے وقت قیام کہیں منقول یا متعارف بھی نہیں، چنانچہ سلاطین کے گھر بچے پیدا ہوتے ہیں، حاضرین نے کبھی قیام نہیں کیا۔ پس یہ فرق جواب کے لئے کافی ہے قیام للقادم کی نفی کی ضرورت نہیں۔ اور سوچ کر دیکھا جائے کہ اگر بطور اعجاز کے کہیں خود حضور تشریف لے آویں، اور رویت اور یقین دونوں حاصل ہو جاویں کیا علی قاری ومن تبعہ کھڑے نہ ہو جاویں۔ (النور ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ ص ۹)

بزرگوں کے القاب میں قبلہ کعبہ لکھنا

سوال (۲۶۵۸): قدیم ۴/۴/۲۷- بہشتی زیور میں القاب بزرگاں میں قبلہ کعبہ لکھا گیا اور تذکرۃ الرشید میں مکروہ تحریمی لکھا ہے۔ **بدلیل قوله علیه السلام: لا تطروني. الحدیث** (۲)۔ اس کی تاویل کیا ہے؟

الجواب: بلا تاویل، مکروہ تحریمی ہے (۳)۔ اور بتاویل معنی مجازی کے جائز ہے گو خلاف اولیٰ ہے۔

۸/ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۲)

← تکمله فتح الملهم، کتاب الجهاد والسیر، باب جواز قتال من نقض العهد الخ، مکتبه اشرفیه دیوبند ۳/ ۱۲۶۔

(۱) **عن أبي مجلز قال: خرج معاویة فقام عبدالله بن الزبیر وابن صفوان حین رأوه فقال: اجلسا سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: من سره أن یتمثل له الرجال قیاما فلیتبوأ مقعده من النار.** (ترمذي شریف، أبواب الأدب، باب ماجاء في کراهیة قیام الرجل للرجل، النسخة الهندیة ۲/ ۱۰۴، دارالسلام رقم: ۲۷۵۵)

(۲) فتاوی رشیدیه، جدید زکریا دیوبند ص: ۵۵۲، رقم المسألة: ۱۰۲۰۔

(۳) **عن ابن عباس رضي الله عنه سمع عمر رضي الله عنه یقول علی المنبر: سمعت النبي صلی الله علیه وسلم یقول: لاتطروني کما أطرت النصاری ابن مریم، فإنما أنا عبده فقولوا عبدالله ورسوله.** (بخاري شریف، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول الله: "واذکر في الکتاب مریم إذ انتبذت من أهلها" النسخة الهندیة ۱/ ۴۹۰، رقم: ۳۳۲۹، ف: ۳۴۴۵) ←

آداب والقاب کے سلسلہ میں فتاوی رشیدیہ اور بہشتی زیور کی عبارت میں تعارض کا جواب

سوال (۲۶۵۹): قدیم ۴/ ۲۷۵- آنجناب کی کتاب بہشتی زیور حصہ اول صفحہ ۲۱ (۱) میں خطوط کے القاب کا مضمون اس طرح واقع ہوا ہے، بڑوں کے القاب اور آداب، والد کے نام، جناب والد صاحب قبلہ وکعبہ فرزنداں مخدوم ومطاع کمترینان الیٰ آخرہ، ایضاً جناب والدصاحب قبلہ کونین وکعبہ دارین الیٰ آخرہ، ایضاً قبلہ وکعبہ فرزندان الی آخرہ۔ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم صفحہ ۷۹ (۲) میں یوں تحریر فرماتے ہیں: استفتاء کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں تفصیل مع حوالہ کتب ارقام فرما کر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں۔

سوال اوّل: قبلہ وکعبہ یا قبلۂ دارین وکعبہ کونین یا قبلہ دینی کعبہ دنیوی یا قبلہ آمال وحاجات یا قبلہ مرادات یا قبلۂ صوری وکعبۂ معنوی یا دیگر مثل اِن الفاظ کے القاب وآداب میں والد یا عمومی کو یا اخوی کو یا اور کسی کو تحریر کرنے جائز ہیں یا نہیں؟ حرام ہے یا غیر حرام، مکروہ ہے تو تحریمی یا تنزیہی، مع عبارت دلائل تفصیلی ارقام فرمائیں؟

← مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۲٤/ رقم: ١٦٤۔

عن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لاتطروني كما تطري النصارى عيسى بن مريم ولكن قولوا: عبدالله ورسوله. (سنن الدارمي، كتاب الرقاق، باب في قول النبي الله صلي الله لاتطروني، دارالمغني الرياض ۳/ ۱۸۳۲، رقم: ۲۸۲٦)

يجب أن لا يصل مدحه صلى الله إلى حد الإطراء المنهي عنه لقوله صلى الله عليه وسلم: لا تطروني كما أطرت النصاري ابن مريم، فإنما أنا عبده فقولوا: عبدالله ورسوله، قال القرطبي في معناه: لا تصفونى بما ليس في من الصفات، تلتمسون بذلك مدحي، كما وصفت النصارى عيسى بما لم يكن فيه، فنسبوه إلى أنه ابن الله فكفروا بذلك وضلوا، وهذا يقتضي أن من رفع أمرا فوق حده وتجاوز مقداره بما ليس فيه فمعتد آثم؛ لأن ذلك لو جاز في أحد لكان أولى الخلق بذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳٦/ ۲۷٦)

(۱) بہشتی زیور اختری، حصہ اول، بڑوں کے القاب وآداب، ص: ۱۷۔

(۲) فتاوی رشیدیہ جدید مکتبہ زکریا دیوبند ۲: ۵۵۲، رقم المسئلہ: ۱۰۲۰۔

الجواب: ایسے کلمات مدح کے کسی کی نسبت کہنے اور لکھنے مکروہ تحریمی ہیں۔ لقوله عليه السلام: لا تطروني. الحديث (۱) جب زیادہ حدشانِ نبوی سے کلمات آپؐ کے واسطے ممنوع ہوں تو کسی دوسرے کے واسطے کس طرح درست ہو سکتے ہیں؟ فقط واللہ اعلم

لہٰذا رفع اشتباہ کی بناء پر عرض ہے کہ ظاہرا ہر دو عبارت میں تخالف وتضاد جو معلوم ہوتا ہے، اُس کے رفع کی کیا توجیہ ہے؟

الجواب: اگر مجاز کا ارادہ کیا جاوے تو تخالف نہیں ہے؛ لیکن ظاہری تخالف جس شخص کے خیال میں ہو اس کو اس حالت میں فتاویٰ رشیدیہ پر عمل احوط ہے (۲)۔ ۸/ شعبان ۱۳۳۵ھ

سلام کا جواب سنانا ضروری ہے محض آہستہ کہنا کافی نہیں

سوال (۲۶۶۰): قدیم ۴/ ۲۷۵- سلام کا جواب اگر آہستہ دیا کہ مُسلِّم نے نہ سنا تو جواب ادا ہوگا، یا اسماع بھی ضروری ہے، بعض صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کا جواب نہایت

---

(۱) عن ابن عباس رضي الله عنهما يقول على المنبر: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: لاتطروني كما أطرت النصارى عيسى ابن مريم، إنما أنا عبده فقولوا: عبدالله ورسوله. (بخاي شريف، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله: واذكر في الكتاب مريم إذ انتبذت من أهلها"، النسخة الهندية ۱/ ۴۹۰، رقم: ۳۳۲۹، ف: ۳۴۴۵)

سنن الدارمي، كتاب الرقاق، باب في قول النبي الله صلي الله لاتطروني، دارالمغني الرياض ۳/ ۱۸۳۲، رقم: ۲۸۲۶۔

(۲) يجب أن لا يصل مدحه صلى الله إلى حد الإطراء المنهي عنه لقوله صلى الله عليه وسلم: لا تطروني كما أطرت النصاري ابن مريم، فإنما أنا عبده فقولوا: عبدالله ورسوله، قال القرطبي في معناه: لا تصفونى بما ليس في من الصفات، تلتمسون بذلك مدحي، كما وصفت النصارى عيسى بما لم يكن فيه، فنسبوه إلى أنه ابن الله فكفروا بذلك وضلوا، وهذا يقتضي أن من رفع أمرا فوق حده وتجاوز مقداره بما ليس فيه فمعتد آثم؛ لأن ذلك لو جاز في أحد لكان أولى الخلق بذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۶/ ۲۷۶)

آہستہ سے دیا، کہ بوجہ عدم سماع تکرار سلام کی نوبت آئی، آخر حضور واپس ہوئے تھے، گو علت یہاں استماعِ کلام و تحصیل برکت ہے، مگر بظاہر شبہ جواز کا معلوم ہوتا ہے؟

الجواب : اعلام ضروری ہے، اگر قریب ہو تو اسماع سے اور اگر بعید یا اصم ہو تو اشارہ سے مع تلفظ بلسان کے(۱)۔ اور صحابی کا یہ فعل عارض سے تھا۔ **فلا یقاس علیه غیره.**

۲۲؍ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۱۹)

الفاظ سلام کی تحقیق

سوال (۲۶۶۱): قدیم ۴/ ۲۷۶ - (۲) زید و عمرو باہم نزاع می کنند کہ سلام علیک بلفظ گفتن فقط مسنون ست یا لفظ دیگر ہم از مشتق باشد میتوان گفتن، پس زید می گوید کہ ورائے ایں لفظ کہ جناب

---

(۱) **وشرط في الرد وجواب العطاس إسماعه فلو أصم يريه تحريك شفتيه.** (درمختار) وفي الشامية: قال في شرعة الإسلام: واعلم أنهم قالوا: إن السلام سنة واستماعه مستحب وجوابه أي رده فرض كفاية، وإسماع رده واجب بحيث لو لم يسمعه لا يسقط هذا الفرض عن السامع حتى قيل لو كان المسلم أصم يجب على الراد أن يحرك شفتيه ويريه بحيث لو لم يكن أصم لسمعه. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۹۳، كراچی ۶/ ۴۱۳-۴۱۴)

رد السلام واجب في الجملة عند الفقهاء، قال ابن عابدين: قال في شرعة الإسلام اعلم أنهم قالوا: إن السلام سنة وإسماعه مستحب، وجوابه أي رده فرض كفاية، وإسماع رده واجب بحيث لو لم يسمعه لا يسقط حق الفرض عن السامع حتى قيل: لو كان المسلم أصم يجب على الراد أن يحرك شفتيه ويريه بحيث لو لم يكن أصم لسمعه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۲/ ۱۷۸)

ولابد في الابتداء والرد من رفع الصوت بقدر ما يحصل به السماع بالفعل، ولو في ثقيل السمع ...... واستظهر أنه لابد من سماع جميع الصيغة ابتداء وردًا. (روح المعاني، سورة النساء، آيت: ۸۶، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۱۴۷)

(۲) **خلاصۂ ترجمۂ سوال**: زید و عمرو کے درمیان باہم اختلاف ہو گیا کہ صرف لفظ ''سلام علیک'' کہنا ہی سنت ہے یا سلام سے مشتق دیگر الفاظ کہے جا سکتے ہیں؟ تو زید کہتا ہے کہ شارع علیہ السلام ←

شارع علیہ السلام براں نص فرمودہ یعنی السلام علیکم دیگر منہی عنہ و بدعت ست، عمرو خلافش میکند ومیگوید کہ مشتقات ایں لفظ ہم داخل سلام است ومیتوانم گفت تسلیم وتسلیمات ونیز ضرورت نیست کہ السلام علیکم بجمیع لفظہ لا بجز وکلامہ درست نباشد بلکہ داخل ہمیں سنت آنچہ وضیعان وشریفان میگویند مثلاً سلام میاں سلام صاحب وغیرہ؛ البتہ ورائے ایں دیگر الفاظ سلام کہ درعرف میرزایان عجم متداول ومقرر گشتہ، مثل آداب عرض وکورنش ومجراوغیرہ بدعت است امانہ بدعتِ مذمومہ ومستقبحہ کہ گویندہ اش مسئی وبزہ کار باشد بلکہ ازقبیل مباحات واگرچہ بندگی گفتن ہم کہ بنا برعموم ومفہوم خویش کہ درکلام عرب عبد بمعنی مولا ومملوک ہم آمدہ مضائقہ ندارد لیکن بنظر مشترک بودن ایں لفظ بہ عبدیت معبود حقیقی وتبادر اذہان عوام وقصور افہام شان بریں معنی سزاوار نیست کہ کس بایں چنیں کلمہ سلام گوید۔ المختصر دریں قوم کدام یک از زید وعمرو صادق است آیا وضیع وشریف را لفظ سلام علیکم فقط بمخاطب خود باید گفت یا دیگر ہم از الفاظ مذکورہ میتواں گفت۔ بینوا بالکتاب توجروا عند الملک الوھاب. فقط

← نے جس لفظ کو صراحۃً بیان کیا ہے یعنی ''السلام علیکم'' اس کے علاوہ دیگر الفاظ کو سلام کے طور پر استعمال کرنا ناجائز اور بدعت ہے، عمرو کا عمل اس کے خلاف ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس لفظ کے مشتقات بھی مسنون سلام میں داخل ہیں اور میں تسلیم وتسلیمات کے الفاظ کہہ سکتا ہوں، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ ''السلام علیکم'' کے تمام الفاظ بولے جائیں اور اس کے کسی ایک جزو کے بولنے پر سلام درست نہ ہو؛ بلکہ اس سنت کے تحت وہ الفاظ بھی داخل ہیں جو رذیل اور شریف حضرات کہتے ہیں، جیسے سلام میاں، سلام صاحب وغیرہ؛ البتہ ان کے علاوہ سلام کے دیگر الفاظ جو عجم کے سادات اور امیرزادوں کے عرف میں مشہور ومعروف ہو چکے ہیں جیسے آداب عرض، کورنش اور مجرا وغیرہ یہ سب بدعت ہیں؛ لیکن ایسی قبیح اور مذموم بدعت نہیں جس کا کہنے والا گناہ گار اور خطا کار ہو جائے؛ بلکہ یہ مباحات کے قبیل سے ہے اور چونکہ کلام عرب میں لفظ عبد آقا اور غلام دونوں معنی میں مستعمل ہے تو اس لفظ کے مفہوم میں عموم کی بنا پر سلام کی جگہ بندگی کہنے میں بھی اگرچہ حرج نہیں؛ لیکن اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ یہ لفظ معبود حقیقی یعنی اللہ کی بندگی کو بھی شامل ہے اور عوام کی ناقص فہم اور ذہن اولا اسی معنی کی طرف سبقت کرتے ہیں، اس لئے مناسب نہیں کہ آدمی اس طرح کے کلمات کے ذریعہ سلام کرے، خلاصہ سوال یہ کہ زید وعمرو میں سے سچا کون ہے؟ کیا رذیل اور شریف سب کے لئے اپنے مخاطب کو صرف السلام علیکم کہنا چاہئے؟ یا الفاظ مذکورہ میں سے دیگر الفاظ بھی کہے جا سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: (۱) تحقیق دریں باب آنست کہ رسول اللہ ﷺ امر فرمودہ کہ وقت لقاء مسلم سلام باید کرد۔

---

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ جواب:** اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ مسلمان سے ملاقات کرتے وقت سلام کرنا چاہئے۔ عن أبي هريرةؓ. الحديث باوجودیکہ یہ حدیث سلام کے سنت ہونے کا فائدہ نہیں دیتی مگر اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ مامور بہ یعنی سلام کے عام ہونے میں کوئی کلام نہیں؛ لہٰذا بلاشبہ اس کی مخالفت بدعت کہلائے گی، رہی یہ بات کہ کونسی بدعت ہوگی تو غور وفکر کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بدعت قبیحہ مذمومہ ہوگی؛ اس لئے کہ یہ چیز سنت کے مزاحم ہے اوراس طرح کی بدعت بدعت سیئہ ہوتی ہے۔ احیاء العلوم میں ہے: إنما المحذور الخ کہ ممنوع صرف وہی بدعت ہے جو مامور بہ سنت کے مزاحم ہو، میں کہتا ہوں کہ حدیث مذکور کی بنا پر ملاقات کے وقت سلام کا مامور بہ ہونا ثابت ہو چکا ہے، پس جب ملاقات کے وقت سلام نہیں کہے گا؛ بلکہ کوئی دوسرا لفظ کہے گا تو سنت چھوٹ جائے گی اور ایک دوسری چیز موثر بنے گی اور یہی مزاحمت ہے، جیسا کہ یہ بات بالکل واضح ہے۔ اب تک کی تقریر اصول وکلیہ پر نظر رکھتے ہوئے تھی، اب اگر ہم جزئیات پر غور کریں تو بھی اس بات کی تائید ہو جائے گی، ہلال بن یسار سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں: كنا مع سالم بن عبيد الله الحديث، رواه الترمذي وابوداؤد. یہ حدیث صراحۃً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آداب شرعیہ کو چھوڑ کر ان کی جگہ دوسرے الفاظ استعمال کرنا ایک امر منکر اور ناپسندیدہ شئ ہے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوراسی طرح سالم نے ایسا کلمہ کہا جو مخاطب کے غصہ کا باعث بن گیا خوب اچھی طرح سمجھ لو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کس لفظ کو سنت کے خلاف قرار دیں اور کس لفظ کو سنت کے مشابہ کہیں؟ تو اس سلسلہ میں بظاہر یہی حکم معلوم ہوتا ہے کہ اگر تھوڑی سی زیادتی یا کمی یا تقدیم وتاخیر بھی ہو جائے تب بھی خلاف سنت ہو جائے گا، اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم الحديث. ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ تھوڑی سی تبدیلی جائز ہوگی، جیسا کہ قرآن میں اللہ نے فرمایا: "قالوا سلاما" اور اللہ تعالی نے فرمایا: "سلام عليكم بما صبرتم" اور یہ بھی ممکن ہے کہ علیک السلام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نکیر اس وجہ سے ہو کہ یہ مردوں کا سلام ہے۔ غایت مافی الباب۔ لفظ "سلام میاں" تسلیم وتسلیمات وغیرہ کہنے کی شاید گنجائش ہے۔ رہے "آداب، کورنش" جیسے الفاظ تو ان کے بدعت شنیعہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں جیسا کہ یہ بات گذر چکی اور لفظ بندگی کہنا تو سب سے زیادہ قبیح ہے، بعض معتمد حضرات سے سننے میں آیا ہے کہ کچھ ظالم بادشاہوں نے سلام کے بجائے یہ طے کر دیا تھا کہ دربار میں حاضر ہونے والا شخص تخت کے سامنے سر رکھ کر بندگی کہے گا، جس کا منشا ومقصد بلاشبہ شدید ترین جہالت ہے؛ لہٰذا مذکورہ دلائل اوراپنی معبودیت کا وہم ہونے کے علاوہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں کے ساتھ مشابہت بھی اس کے ناجائز قرار دئے جانے کی مضبوط اور قوی وجہ ہے۔ عن عمران بن حصين ←

عن أبي هريرةؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا لقى أحدكم أخاه فليسلم عليه الخ. رواه أبوداؤد (۱)۔

وہر چند ایں کلام مفید سنیت نیست لیکن در مامور بہ بالمعنی الاعم بودنش کلامی نیست پس بلا ریب مخالفت آں نمودن بدعت خواہد شد، باقی ماند کلام اندریں کہ کدام بدعت خواہد شد بنظر غائر چناں می نماید کہ بدعتِ مذمومہ مستقبحہ باشد چرا کہ مزاحم ومراغم سنت است وایں چنیں بدعت سیّئہ می باشد۔

في الإحياء: إنما المحذور ارتكاب بدعة تراغم سنة مامور بها الخ (۲)۔ أقول: ثبت كون السلام مامورا به بالحديث المذكور وقت اللقاء، فإذا لم يسلم وقت اللقاء بل أتى بلفظ آخر صارت السنة متروكا وغيرها مؤثرا، وهي المراغمة كما لا يخفى.

ایں تقریر مبنی بر اصول کلیہ بود واگر فروع وجزئیات تفتیش کنیم ہم موید ش بر می آید۔

عن هلال بن يساف قال: كنا مع سالم بن عبيد فعطس رجل من القوم، فقال: السلام عليكم فقال سالم: عليک وعلٰى اُمّک، فكأن الرجل وجد في نفسه، فقال: أما إني لم أقل إلا ما قال النبي صلى الله عليه وسلم عطس رجل عند النبى صلى الله عليه وسلم فقال: السلام عليكم فقال النبي صلى الله عليه وسلم: عليک وعلٰى اُمّک إذا

← الحديث. اور یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اکثر لوگوں کے ذہنوں میں شریف اور گھٹیا لوگوں کے سلام میں فرق کرنے کا سودسمایا ہوا ہے، جس کا باعث تکبر ہے جو کہ نفس انسانی کی سب سے خراب خصلت ہے، اگر فرق کرنا ضروری ہے ہی تو دنیوی معاملات اور دنیوی رسوم ورواج میں فرق کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ لیکن سلام تو ایک دینی امر ہے اس میں تفریق کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ میں حقیر اور ادنی لوگوں سے کہوں کہ ظہر کی تین ہی رکعت پڑھو، تاکہ ہمارے اور تمہارے درمیان فرق پیدا ہو جائے اور اس کے بطلان کو تو آپ بھی سمجھ سکتے ہیں اور اگر دل گوارا نہ کرے تو صرف لفظ سلام اور لفظ تسلیم کہہ لیا کریں، مگر دوسرے الفاظ کو ترک کرنا ضروری ہوگا اور جتنا ہم نے بیان کیا ہے یہ انشاء اللہ طالب انصاف کے لئے کافی وشافی ہے۔ واللہ اعلم فقط۔

(۱) أبوداؤد شريف، كتاب الأدب، باب في الرجل يفارق الرجل، ثم يلقاه أيسلم عليه، النسخة الهندية ۲/ ۷۰۷، دارالسلام رقم: ۵۲۰۰۔

(۲) إحياء العلوم، كتاب آداب السماع والوجد، قبيل كتاب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، دارالمعرفة بيروت ۲/ ۳۰۵۔

عطس أحدكم فليقل الحمد لله رب العلمين، وليقل له من يرد عليه: يرحمك الله، وليقل: يغفر الله لنا ولكم. رواه الترمذي و أبوداؤد (۱)۔

ایں حدیث دلالت صریحہ دارد برایں کہ آداب شرعیہ را ترک نمودہ دیگر الفاظ را بجائش استعمال نمودن امر منکر ست تا آں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہم چنیں سالم کلمہ گفتہ کہ موجب غیظ مخاطب گردید فافہم اکنوں باید دید کہ کدام لفظ را مخالف سنت گوئم وکدام را مماثل قرار دہم پس ظاہر برآں حکم میکند کہ اگر اند کے زیادہ یا نقصان یا تقدیم یا تاخیر ہم راہ یابد مخالف سنت باشد۔

يؤيده ماروى عن جابرؓ قال: أتيت رسول الله ﷺ فقلت عليك السلام يا رسول الله! قال: لا تقل عليك السلام فإن عليك السلام تحية الموتى. رواه الترمذي (۲)۔ أفاد الحديث أمرين: أحدهما: أن تقديم المؤخر وبالعكس مخالف للسنة، والثاني: أن ما خالفها هذه المخالفة منهى عنها حيث قال: لا تقل.

اما تواں گفت کہ تغیرے یسیر جائز باشد کما ورد علیہ قولہ تعالیٰ: قالوا سلاما (۳)۔ وقوله تعالیٰ: سلام عليكم بما صبرتم. الآية (۴)۔ ويحتمل کہ انکار بر علیک السلام بسبب تحیۃ موتی بودنش باشد پس غایۃ مافی الباب لفظ سلام میاں وغیر آں از تسلیم وتسلیمات شاید گنجایش دارد اما آداب وکورنش وغیرہ در بدعت مذموم بودنش اشتباہے نیست کما مر ولفظ بندگی اقبح جمیع است

(۱) ترمذي شريف، أبواب الأدب، باب ماجاء كيف يشمت العاطس، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۳، دارالسلام رقم: ۲۷۴۰۔

أبوداؤد شريف، كتاب الأدب، باب ماجاء في تشميت العاطس، النسخة الهندية ۲/ ۶۸۶، دارالسلام رقم: ۵۰۳۱۔

(۲) ترمذي شريف، كتاب الاستئذان والآداب، باب ماجاء في كراهية أن يقول عليكم السلام مبتدءا، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۱، دارالسلام رقم: ۲۷۲۱۔

أبوداؤد شريف، كتاب الأدب، باب كراهية أن يقول عليك السلام، النسخة الهندية ۲/ ۷۰۷، دارالسلام رقم: ۵۲۰۹۔

(۳) سورة الفرقان، رقم الآية: ۶۳۔

(۴) سورة الرعد، رقم الآية: ۲۴۔

از بعض ثقات شنیدہ شد کہ بعض سلاطین جابرہ بجائے تحیۂ مقررہ نمودہ بود کہ زائر پیش پایہ تخت سر نہادہ لفظ بندگی گوید منشاء آں بلا ریب جاہلیت قبیحہ است پس علاوہ دلائل مذکورہ وایہام معنی عبودیت خود تشبہ باہل جاہلیت وجہ وجیہ است بر منع آں۔

عن عمران بن حصين قال: كنا نقول في الجاهلية: أنعم الله بک عينا وأنعم صباحا فلما كان الإسلام نهينا عن ذلک. رواه أبو داؤد (۱)۔

وآنکہ در سرا کثر بجناء سودائے فرق در سلام وضیعان وشریفان پختہ منشاء اش کبر است کہ ارذل خصال دل است اگر فرق ضروری ست در رسوم و معاملات دنیا مضائقہ ندارد وسلام از امور دین است دراں فکر فرق کردن چنان است کہ وضیعان را گوییم کہ ظہر سہ رکعت گذارید کہ درمیان ما وشما فرق بدست آید وھو کما تری واگر دل گوارانہ نماید بلفظ سلام وتسلیم نمایند ودیگر الفاظ واجب الترک است وفیما ذکرنا کفاية لطالب الإنصاف إنشاء الله تعالىٰ. والله اعلم فقط (امداد، ج ۲ ص ۱۸۶)

کن کن مواقع میں سلام کرنا مکروہ ہے؟

سوال (۲۶۶۲): قدیم ۴/ ۲۷۸- کیا یہ بات صحیح ہے کہ جب مسجد میں آئے تو بآواز بلند السلام علیکم کہے۔ اور جب مسجد سے جانے لگے تو اس وقت بھی بآواز بلند السلام علیکم کہے خواہ مسجد میں کوئی ہو یا نہ ہو اور خواہ کوئی ہو اور نماز میں مشغول ہو یا بعض لوگ نماز میں مشغول ہوں اور بعض خالی بیٹھے ہوں یا سب کے سب نماز یا اور کسی وظیفہ میں مشغول ہوں ہر ہر صورت کا جواب ارشاد ہو؟

الجواب: محض غلط ہے؛ بلکہ ایسی حالت میں کہ لوگ اپنی نماز ووظائف میں مشغول ہوں سلام کرنا مکروہ ہے۔ **في الدر المختار :**

سلامک مكروه علىٰ من ستسمع ☆ ومن بعدما أبدى يسنّ ويشرعُ

مصل وتال ذاكر ومحدث ☆ خطيب ومن يصغي اليهم ويسمعُ

مكرر فقه جالس لقضائه ☆ ومن بحثوا في الفقه دعهم لينفعوا

---

(۱) أبو داؤد شريف، كتاب الأدب، باب في الرجل يقول: أنعم الله بك عينا، النسخة الهندية ۲/ ۷۰۹، دارالسلام رقم: ۵۲۲۷۔

مـؤذن أيـضـاً أو مـقـيـم مـدرس ☆ كـذا الأجـنبيات الفتيات أمنع (۱)

واللہ اعلم ۱۸/ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ..........(امداد، ج ۲، ص ۱۸۹)

متکبّر کو سلام نہ کرنا

سوال (۲۶۶۳): قدیم ۴/ ۲۷۸- زید ایک فقیر صورت آدمی ہے، جس مجمع میں جاتا ہے خواہ وہ مجمع مسجد میں ہو یا خارج مسجد، سلام میں کبھی تقدیم نہیں کرتا، جب لوگ اس کو سلام کرتے ہیں تو ہاتھ یا زبان یا دونوں سے سلام کا جواب دیتا ہے، جب کبھی اتفاق سے کوئی ایسا ہی وجیہ شخص مثلاً عالم یا درویش وغیرہ ملتا ہے تو سلام میں تقدیم کرتا ہے، ورنہ نہیں، ظاہر حال بھی کہتا ہے کہ یہ شخص اپنی فقیری اور عبادت کے سبب لوگوں کے سلام کا منتظر رہتا ہے، آیا ایسے کو سلام کرنا یا سلام میں تقدیم کرنا شرعاً ممنوع تو نہیں، امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ متکبرین کا سلام یہی ہے کہ اُن کو سلام نہ کرو، امام صاحبؒ موصوف کے اس قول پر عمل کرنا خلاف سنت تو نہ ہوگا؛ کیونکہ ہر اجنبی و غیر اجنبی مسلمانوں کو سلام کرنا اور سلام میں تقدیم کرنا، احادیث سے مسنون معلوم ہوتا ہے؟

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، مطلب: المواضع التى يكره فيها السلام، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۷۳-۳۷۴، كراچى ۱/ ۶۱۶-

سلامک مکروه علٰى من تسمع ☆ ومن بعدما أبدى يسنّ ويشرعُ

مصل وتال ذاكر ومحدث ☆ خطيب ومن يصغى إليهم و يسمعُ

مكرر فقه جالس لقضائه ☆ ومن بحثوا في العلم دعهم لينفعوا

مؤذن أيضاً أو مقيم مدرس ☆ كذا الأجنبيات الفتيات أمنع

ولعاب شطرنج وشبه بخلقهم ☆ ومن هو مع أهل له يتمتع

ودع كافرا أيضا ومكشوف عورة ☆ ومن هو في حال التغوط أشنع

ودع آكلا إلا إذا كنت جائعا ☆ وتعلم منه أنه ليس يمنع

النهرالفائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۷۱-

بذل المجهود، الطهارة، باب في الرجل يرد السلام وهو يبول، مكتبه يحيوى سهارنپور قديم ۱/ ۱۲-

الجواب: تکبّر حرام ہے(۱)۔اور مرتکب اس کا بالخصوص،اس پر جو مصر ہو فاسق ہے(۲)اور فاسق کو ابتداءً سلام نہ کرنا جائز ہے؛ بلکہ اولیٰ۔

في الدرالمختار، في شرح البخاري للعيني في حديث: أى الإسلام خير؟ قال تطعم الطعام وتقرأ السلام على من عرفت ومن لم تعرف -إلى قوله- وكذا يخص منه الفاسق بدليل آخر (۳)۔

جب معلوم ہوا کہ حدیث عام مخصوص البعض ہے تو امام صاحبؒ کے قول پر عمل کرنا خلاف سنت نہ ہوگا۔ (امداد، ج۲،ص۱۸۹)

---

(۱) **وَلَا تَمْشِ فِیْ الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا. کُلُّ ذٰلِکَ کَانَ سَیِّئُهُ عِنْدَ رَبِّکَ مَکْرُوْهًا.** [سورة الإسراء، رقم الآية: ۳۷-۳۸]

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِیْ الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ. [سورة لقمان، رقم الآية: ۱۸]

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: عز وجل: الكبرياء ردائي، والعظمة إزاري، فمن نازعني واحدا منهما قذفته في النار. (أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب ماجاء فى الكبر، النسخة الهندية ۲/ ۵۶۶، دارالسلام رقم: ۴۰۹۰)

عن عبدالله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال حبة من خردل من كبر، ولا يدخل النار من كان فى قلبه مثقال حبة من إيمان. (ترمذي شريف، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في الكبر، النسخة الهندية ۲/ ۲۰، دارالسلام رقم: ۱۹۹۸)

(۲) **قوله:** (وفاسق) **من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني، وآكل الربا ونحوه.** (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۹۸، كراچى ۱/ ۵۶۰)

(۳) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۹۱، كراچى ۶/ ۴۱۲۔

اختلف في السلام على الفساق في الأصح أنه لا يبدأ بالسلام، كذا في التمرتاشي. (هندية، كتاب الكراهية، الباب السابع: في السلام، قديم زكريا ديوبند ۵/ ۳۲۶، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۳۷۷) ←

استنجاء کے وقت سلام

سوال (۲۶۶۴): قدیم ۴/ ۲۷۹- استبراء کرتے وقت سلام کا جواب دینا یا خود سلام کرنا چاہئے یا نہیں؟ حدیث شریف میں تو إذا یبول کا لفظ آیا ہے، پھر لوگ استنجاء کرتے وقت سلام کا جواب کیوں نہیں دیتے، آیا یہ اُن کی غلط فہمی ہے یا کچھ اصل بھی ہے، علاوہ بریں حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ حائضہ بھی سلام کرتیں اور سلام کا جواب دیتی تھیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقاطر مانع تحیّت نہیں؟

الجواب: **في الدرالمختار أول باب مفسدات الصَّلوة: سلامک مکروه علٰی من ستسمع -إلى قوله- فهذا ختام والزيادة تنفع (۱)۔**

ان ابیات میں مواضع کراہتِ سلام کو شمار کیا ہے، مگر اس میں یہ حالت معدود نہیں، اور تامل سے اور بھی کوئی دلیل منع کی نہیں معلوم ہوتی، پس ظاہرا یہ بلا سند محض رسم پڑ گئی ہے (۲)۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

۱۷/ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۹۰)

← **ذكر ابن عابدين أن السلام على الفاسق المجاهر بفسقه مكروه، وإلا فلا.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۵/ ۱۶۷)

أما الحكم الأول فأشار إلى الخلاف فيه وقد ذهب الجمهور إلى أنه لا يسلم على الفاسق ولا المبتدع. (فتح الباري، كتاب الاستئذان، باب من لم يسلم على من اقترف ذنبا، ومن لم يرد سلامه حتى تتبين توبته، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۱/ ۴۸، دارالريان للتراث ۱۱/ ۴۳، تحت رقم الحديث: ۶۲۵۵)

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: المواضع التي يكره فيها السلام، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۷۳ تا ۳۷۵، كراچی ۱/ ۶۱۶-۶۱۷)

(۲) حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ کا جواب ڈھیلے سے استنجاء کے وقت پر محمول ہے؛ کیوں کہ ڈھیلہ سے استنجاء کے وقت کشف عورت لازم نہیں، مگر پانی سے استنجاء کے وقت جیسا کہ آج کل اکثر یہی رواج ہے کہ لوگ استنجاء خانہ اور بیت الخلاء میں پانی کے ذریعہ استنجاء کرتے ہیں، سلام اور جواب سلام اسی طرح مکروہ ہے، جس طرح بول وبراز کے وقت سلام اور جواب سلام مکروہ ہے؛ اس لئے کہ پانی سے استنجاء کے وقت کشف عورت لازم ہے، برخلاف ڈھیلے سے استنجاء کے وقت کہ اس کے لئے کشف عورت لازم نہیں اور کشف عورت کی حالت میں سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا مکروہ ہے۔ ←

کسی کے پَیر کو ہاتھ لگا کر چہرہ پر ملنا

سوال (۲۶۶۵): قدیم ۴/۲۷۹- پَیر میں ہاتھ لگا کر ہاتھ کو چہرے پر ملنا صاحب پَیر حالت قیام یا قعود میں ہوویں یا لیٹے ہوویں سنت یا مستحب یا مباح یا بدعت ہے؟

← **عن مهاجر بن قنفذ أنه أتى النبي صلى الله عليه وسلم وهو يبول فسلم عليه فلم يرد عليه حتى توضأ، ثم اعتذر إليه فقال: إني كرهت أن أذكر الله تعالى ذكره إلا على طهر أو قال على طهارة.** (أبوداؤد شريف، كتاب الطهارة، باب في الرجل يرد السلام وهو يبول، النسخة الهندية ١/ ٤، دارالسلام رقم: ١٧)

بخاري شريف، كتاب التيمم، باب التيمم في الحضر إذا لم يجد الماء، النسخة الهندية ١/ ٤٨، رقم: ٣٣٥، ف: ٣٣٧۔

سلامك مكروه علٰى من تسمع ☆ ومن بعدما أبدى يسنّ ويشرع

مصل وتال ذاكرو محدث ☆ خطيب ومن يصغى إليهم و يسمع

مكرر فقه جالس لقضائهٖ ☆ ومن بحثوا في العلم دعهم لينفعوا

مؤذن أيضاً أو مقيم مدرس ☆ كذا الأجنبيات الفتيات أمنع

ولعاب شطرنج وشبه بخلقهم ☆ ومن هو مع أهل له يتمتع

ودع كافرا أيضا ومكشوف عورة ☆ ومن هو في حال التغوط أشنع

ودع آكلا إلا إذا كنت جائعا ☆ وتعلم منه أنه ليس يمنع

النهرالفائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٢٧١۔

وأما السلام على من يستنجي من البول بالحجر أو المدر قائما أو قاعدا كما تعورف اليوم في بلادنا فلم يثبت فيه من القدماء شيء، وكان الشيخ رشيد أحمد الكنكوهي يقول: برد السلام عند ذلك، وكان الشيخ محمد مظهر النانوتوي يقول: بترك الرد. (معارف السنن، الطهارة، باب في كراهية رد السلام غير متوضئ، مكتبه أشرفيه ديوبند ١/ ٣١٧)

وفي الخانية: ويكره أن يسلم على من هو في الخلاء ولا يرد عليه السلام، وكذا الآكل والقاري والمشتغل بالعلم، وكذا في الحمام إن كان مكشوف العورة. (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣٨٠، كوئٹه ٨/ ٢٠٧) ←

الجواب: درمختار میں یہ جزئیہ ہے: **وكذا ما يفعله الجهال من تقبيل يدنفسه إذا لقى غيره فهو مكروه فلا رخصة فيه اهـ. قبيل فصل في البيع كتاب الحظر والإباحة.**

پس اگر چہرے پر ملنا مثل تقبیل کے ہوتب تو اس روایت سے مسئلہ کا جواب ظاہر ہے کہ مکروہ تحریمی ہے۔ **في ردالمحتار: أي تحريماً، ويدل عليه قوله بعد فلا رخصة فيه (١)۔**

اور اگر اس کے مثل نہیں ہے تو یہ روایت اس سے ساکت ہے، دوسری روایت نظر سے نہیں گذری، اور ظاہراً قواعد سے تفصیل معلوم ہوتی ہے کہ اگر ممسوح متبرک متقی ہو اور ماسح متبع سنت صحیح العقیدہ ہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز (٢)۔ واللہ اعلم ٢٦ رشوال ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۳)

← بزازية على هامش الهندية، كتاب الكراهية، نوع في السلام، قديم زكريا ٦/ ٥٥، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٣٠٠۔

(١) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٥٠، كراچى ٦/ ٣٨٣۔

(٢) **مستفاد: أما الكلام في تقبيل اليد فإن قدم يد نفسه لغيره فهو مكروه؛ لأن ذلك من فعل الفساق، وإن قبل يد غيره إن قبل يد عالم أو سلطان عادل لعلمه وعدله لا بأس به، هكذا ذكر في فتاوى أهل سمرقند، وقد صح أن عبدالله بن عباسؓ أخذ بركاب زيد بن ثابت فقال زيد: مهلا يا ابن عم رسول الله صلى الله عليه وسلم! فقال عبدالله: هكذا كنا نصنع بعلماء نا من أكابر أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما استوى زيد بن ثابت على بغلته، فقال لابن عباس: نالوني يدك فناوله فقبل زيد يده، وقال: هكذا نصنع بأهل بيت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فهذا يدل على أنه لا بأس بتقبيل يد غيره لعلمه أو شرفه، وقد حكي عن سفيان أنه سمى تقبيل يد العالم والسلطان العادل سنة، فقال له عبدالله بن المبارك: ومن يحسن هذا غيرك، وإن قبل يد غير العالم وغير السلطان العادل أراد به تعظيم المسلم وإكرامه فلا بأس به، وإن أراد به عبادة له أو يسأل منه شيئا من غرض الدنيا فهو مكروه.** (المحيط البرهاني، الكراهية، الفصل الثلاثون في ملاقاة المملوك، المجلس العلمي ٨/ ١١٨، رقم: ٩٧٢٤-٩٧٢٥)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل الثلاثون، مكتبه زكريا ديوبند ١٨/ ٢٥٥، رقم: ٢٨٦٩٨-٢٨٦٩٩۔ ←

کھانا کھانے والے کو سلام کرنا

سوال (۲۶۶۶): قدیم ۴/ ۲۸۰ - (۱) برآکل بوقت اکل سلام کردن چہ حکم دارد؟

الجواب: (۲) علت کراہت سلام برآکل عجزاو از جواب نوشتہ اند (۳) ونزدمن علّتِ دیگر احتمال

← **رخص الشيخ الإمام شمس الأئمة السرخسي وبعض المتأخرين تقبيل يد العالم أو المتورع على سبيل التبرك، وقبّل أبوبكر بين عيني النبي صلى الله عليه وسلم بعد ما قبض، وقال سفيان الثوري: تقبيل يد العالم أو يد السلطان العادل سنة فقام عبدالله بن المبارك فقبل رأسه، وما يفعله الجهال من تقبيل يد نفسه إذا لقي الغير فهو مكروه فلا رخصة فيه.** (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٥٦، إمداديه ملتان ٦/ ٢٥)

هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن والعشرون في ملاقاة الملوك والتواضع لهم، قديم زكريا ٥/ ٣٦٩، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤٢٥-٤٢٦۔

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ سوال:** کھانے کے وقت کھانے والے کو سلام کرنا کیسا ہے؟

(۲) **خلاصۂ ترجمۂ جواب:** فقہاء کرام نے کھانے والے کو سلام کرنے کے مکروہ ہونے کی علت اس کا جواب دینے سے عاجز ہونا لکھا ہے۔ اور میرے نزدیک اس کی دوسری علت اس کے تشویش میں مبتلا ہونے یا لقمہ کے حلق میں اٹک جانے کا احتمال ہے، پس جس جگہ یہ دونوں علتیں نہ ہوں وہاں کراہت بھی نہ ہوگی، اور یہ علت میں قواعد سے سمجھا ہوں، اس کی کوئی نقل صریح میرے پاس نہیں ہے۔

(۳) **يكره السلام على العاجز عن الجواب حقيقة كالمشغول بالأكل أو الاستفراغ أو شرعا كالمشغول بالصلاة وقراءة القرآن ولو سلم لا يستحق الجواب.** (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٣٧٥، كراچی ١/ ٦١٧)

وفي الخانية: ويكره أن يسلم على من هو في الخلاء ولا يرد عليه السلام، وكذا الآكل والقاري والمشتغل بالعلم، وكذا في الحمام إن كان مكشوف العورة. (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٨/ ٣٨٠، كوئٹه ٨/ ٢٠٧)

بزازية على هامش الهندية، كتاب الكراهية، نوع في السلام، قديم زكريا ٦/ ٥٥، جديد زكريا ديوبند ٣/ ٢٠٠۔

تشویش یا اختصاص بہ لقمہ ہم است، پس ہر کجا ہر دو علّت مرتفع باشد کراہت ہم نباشد و ایں علّت از قواعد فہمید ام نقل یاد ندارم (۱)۔ ۳ر محرم ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۰۷)

بدعتی کی تعظیم جائز نہیں

سوال (۲۶۶۷): قدیم ۴/۲۸۰- جو لوگ عرس وغیرہ بدعتوں میں شریک ہوتے ہیں اُن کی جو لوگ تعظیم وتکریم کرتے ہیں وہ اس حدیث: **من وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الإسلام. أو كما قال** (۲) کے مصداق ہیں یا نہیں؟

الجواب: اگر یہ تعظیم وتکریم کسی دینی مصلحت یا دنیوی ضرورت سے نہ ہو تو بیشک اس میں داخل ہے۔ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ ص ۸۴)

روضۂ مطہرہ وغیرہ کو بوسہ دینا

سوال (۲۶۶۸): قدیم ۴/۲۸۰- (۳) بر تصویر روضۂ منوّرہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ونقشہ مدینہ منوّرہ زادہا اللہ شرفاً ونقشہ مکّہ مکرمہ کہ در دلائل الخیرات واقع است بوسہ دادن وچشم مالیدن از روے شرع جائز است یا نہ؟

---

(۱) **الحكم يدور مع العلة وجودًا وعدمًا.** (شامي كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١١٧، كراچى ٣/ ٣٩۔

الحكم يدور مع العلة لا مع الحكم. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٢٣٢)

القاعدة المقررة أن الحكم يدور مع العلة وجودًا وعدمًا. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٩/ ٣٨٦۔

(۲) **عن إبراهيم بن ميسرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من وقّر صاحب بدع فقد أعان على هدم الإسلام.** (شعب الإيمان للبيهقي، فصل في مجانبة الفسقة والمبتدعة، دارالكتب العلمية بيروت ٧/ ٦١، رقم: ٩٤٦٤)

(۳) **خلاصۂ ترجمۂ سوال**: دلائل الخیرات نامی کتاب میں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ کی تصویر ہے اور مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کا نقشہ ہے، ان کو بوسہ دینا اور ان پر آنکھیں ملنا شرعا جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب: (۱) بوسہ دادن وچشم مالیدن بریں نقشہا ثابت نیست واگراز غایت شوق سرزد ملامت وعتاب ہم برجانباشد۔ کتبہ: احقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہٗ۔ الجواب صحیح: اشرف علی عفی عنہ۔

۲؍محرم ۱۳۲۲ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۴۰)

رسول اللہ ﷺ کی مدح نظم ونثر میں

سوال (۲۶۶۹): قدیم ۴/ ۲۸۰- آنحضرت سرور کائنات ﷺ کی مدح بطریق مشروع کہنا کیسا ہے؟ عام اس سے کہ نظم ہو یا نثر، دو ایک حدیثیں اس کے متعلق عنایت ہوں۔ **من أنشد فينا بيتا فله الجنة.** اس فقرہ کو لوگ حدیث کہتے ہیں، کیا کسی حدیث کی کتاب میں یہ حدیث یا ہم معنی اس حدیث کی آپ کی نظر پڑی ہے؟ دوسرے یہ کہ **قصيده بانت سعاد فقلبي اليوم مبتول.** آنحضرت ﷺ کی شان میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت نے پڑھا، تو آنحضرت ﷺ نے **سحبان هذه الأمة** فرمایا اور ردائے مبارک عنایت فرمائی، اس کی سند صحیح کس کتاب میں ہے؟

الجواب: ﴿۱﴾ جائز ہے نظماً ونثراً ہر طرح سے، بشرطیکہ حدود شرعیہ سے متجاوز نہ ہو، جیسا عام شعراء مبتلا ہیں۔ مشکوٰۃ میں بخاری سے حدیث روایت کی ہے:

عن عائشة رضي الله عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يضع لحسان رضي الله عنه منبرًا في المسجد يقوم عليه قائماً يفاخر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أو ينافح ويقول رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله يؤيد حسان بروح القدس ما نافح أو فاخر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم (۲)۔

---

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ جواب**: ان نقشوں کو بوسہ دینا اور ان پر آنکھ ملنا شرعاً ثابت نہیں۔ اور اگر غایت شوق کی بنا پر کسی سے یہ فعل سرزد ہوجائے تو اس فعل پر اس کو ملامت کرنا بھی درست نہیں ہوگا۔

(۲) مشكوة شريف، كتاب الآداب، باب البيان والشعر، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۴۱۰۔

ترمذي شريف، أبواب الأدب، باب ماجاء في إنشاد الشعر، النسخة الهندية ۲/ ۱۱۱، دارالسلام رقم: ۲۸۴۶۔

أبوداؤد شريف، كتاب الأدب، باب ماجاء في الشعر، النسخة الهندية ۲/ ۶۸۴، دارالسلام رقم: ۵۰۱۵۔ ←

وأما الإطلاق نظماً ونثراً فعن عائشةؓ قالت ذكر عند رسول الله ﷺ الشعر فقال رسول الله ﷺ: هو كلام فحسنه حسن و قبيحه قبيح. رواه الدارقطني كذا في المشكوٰة (۱)۔اورمن انشد الخ میری نظر سے کہیں نہیں گذرا۔

﴿۲﴾ یہ قصیدہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا نہیں ہے، کعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کا ہے، دیکھا تو ہے مگر یاد نہیں کہ کس کتاب میں دیکھا ہے، اور کتابیں پاس نہیں جو دیکھوں۔ اور سحبان فرمانا یہ کہیں نظر سے نہیں گذرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۲۹/رمضان ۱۳۲۳ھ (امداد، ج ۳،ص ۱۴۵)

سجدہ تعظیمی کی تحقیق

سوال (۲۶۷۰): قدیم ۴/۲۸۱- سوال میں شبہ کیا گیا تھا کہ شرائع من قبلنا میں اس کا وقوع بلا نکیر نصوص قطعیہ میں منقول ہے، پس ہماری شریعت میں بھی جائز ہوگا، اور ناسخ اس کا قطعی ہونا چاہئے اور وہ مفقود ہے؟

← **عن أبي سلمة بن عبدالرحمن بن عوف أنه سمع حسان بن ثابت الأنصاري: يستشهد أبا هريرةؓ فيقول: يا أبا هريرة! نشدتک بالله، هل سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: يا حسان أجب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، أللهم أيده بروح القدس، قال أبوهريرة: نعم.** (بخاري شريف، كتاب الأدب، باب هجاء المشركين، النسخة الهندية ۲/ ۹۰۹، رقم: ۵۹۱۳، ف: ۶۱۵۲)

(۱) مشكوة شريف، كتاب الآداب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۴۱۰-۴۱۱۔

عن عبدالله بن عمرو بن العاص، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الشعر بمنزلة الكلام حسنه كحسن الكلام، وقبيحه كقبيح الكلام. (سنن الدارقطني، كتاب الوكالة، خبر الواحد يوجب العمل، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۹۰، رقم: ۴۲۶۳)

عن أبي هريرة رضى الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: حسن الشعر كحسن الكلام، وقبيح الشعر كقبيح الكلام. (سنن الدارقطني، كتاب الوكالة، خبر الواحد يوجب العمل، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۹۰، رقم: ۴۲۶۴)

المعجم الأوسط للطبراني، دارالكتب العلمية بيروت ۵/ ۳۸۶، رقم: ۷۶۹۶۔

الجواب: جواب یہ دیا گیا کہ اس کی حرمت پر اجماع ہے(۱) اور اجماع گو ناسخ نہیں مگر علامت ہے وجود ناسخ کی، گو ناسخ معلوم نہ ہوا تھا اور یہ جواب علی سبیل التنزل ہے، ورنہ اگر نخبہ کی تحقیق پر نظر کی جاوے تو حدیث نہی عن السجدۃ التحیۃ (۲) کو متواتر کہہ سکتے ہیں گو تواتر معنوی ہو۔

---

(۱) كما أجمعوا على أن السجود لغير صنم ونحوه كأحد الجبابرة أو الملوك أو أي مخلوق آخر هو من المحرمات وكبيرة من كبائر الذنوب، فإن أراد الساجد بسجوده عبادة ذلك المخلوق كفر وخرج عن الملة بإجماع العلماء وإن لم يرد بها عبادة فقد اختلف الفقهاء، فقال بعض الحنفية: يكفر مطلقا سواء كانت له إرادة أو لم تكن له إرادة، وقال آخرون منهم: إذا أراد بها التحية لم يكفر بها وإن لم تكن إرادة كفر عند أكثر أهل العلم. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٤/ ٢١١)

قال الإمام أبو منصور: إذا قبل أحد بين يدي أحد الأرض أو أنحنى له أو طأطأ رأسه لا يكفر؛ لأنه يريد تعظيمه لا عبادته، وقال غيره من مشايخنا رحمهم الله تعالى: إذا سجد واحد لهؤلاء الجبابرة فهو كبيرة من الكبائر، وهل يكفر؟ قال: بعضهم يكفر مطلقا، وقال أكثرهم: هذا على وجوه، إن أراد به العبادة يكفر، وإن أراد به التحية لم يكفر ويحرم عليه ذلك، وإن لم تكن له إرادة كفر عند أكثر أهل العلم. (هندية، كتاب السير، الباب التاسع: في أحكام المرتدين، مطلب: موجبات الكفر أنواع، قديم زكريا ديوبند ٢/ ٢٨١، جديد زكريا ٢/ ٢٩٢)

ومن سجد للسلطان بنية العبادة أو لم يحضرها فقد كفر، وفي الخلاصة: ومن سجد لهم إن أراد به التعظيم أي كتعظيم الله سبحانه كفر، وإن أراد به التحية اختار بعض العلماء أنه لا كفر، أقول: وهذا هو الأظهر، وفي الظهيرية قال بعضهم يكفر مطلقا. (شرح الفقه الأكبر، مكتبه اشرفيه ديوبند ص: ٢٣٨)

والسجدة حرام لغيره سبحانه وتعالى. (شرح الفقه الأكبر، مكتبه اشرفيه ديوبند ص: ٢٣٠)

(٢) عن قيس بن سعد قال: أتيت الحيرة فرأيتهم يسجدون لمرزبان لهم، فقلت: رسول الله صلى الله عليه وسلم أحق أن يسجد له، قال: فأتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقلت: إني أتيت الحيرة فرأيتهم يسجدون لمرزبان لهم، فأنت يا رسول الله! أحق أن يسجد لك؟ قال: أ رأيت لو مررت بقبري أ كنت تسجد له، قال: قلت: لا، قال: فلا تفعلوا ←

وهو هذه إذا اجتمعت (أي الكتب) علىٰ إخراج حديث وتعددت طرقه تعدداً تحيل العادة تواطؤهم على الكذب إلىٰ آخر الشروط أفاد العلم اليقيني لصحة نسبته إلىٰ قائله، ومثل ذٰلك في الكتب المشهورة كثير (۱)۔

اورحدیث نہی سجدۂ تحیہ کی سندمیں جمع الجوامع للسيوطی میں حسب ذیل مذکور ہیں:

رواه أبو داؤد، والطبراني، والحاكم، والبيهقي عن قيس بن سعد، والترمذي عن أبي هريرةؓ، والدارمي، والحاكم عن بريدة، وأحمد عن معاذ، والطبراني عن سراقة بن مالك، وصهيب وعقبة ابن مالك، وغيلان بن مسلم ورواه ابن أبي شيبة عن عائشة والبيهقي أيضاً عن أبي هريرة (۲) اورممکن ہے کہ اہل اجماع کے نزدیک یہ حدیث لفظاً بھی متواتر ہو۔

۲۵ رمحرم ۱۳۵۰ھ (النور، شعبان ۱۳۵۰ھ ص ٦)

بادشاہ کو ''محی الملۃ والدین'' جیسے القاب سے ملقب کرنے کا حکم

سوال (۲٦۷۱): قدیم ۴/۲۸۰- کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین کہ ایک مسلمان والی ملک جس کی خصوصیات یہ ہیں کہ شراب پیتا ہے اور پی کر عالم بدمستی میں اپنے اعیان اور مصاحبین کی ہتک کرتا ہے، چار سے زائد بیبیاں کر کے علی الاعلان شریعت اسلامیہ کی مخالفت کرتا ہے، اُس کی مملکت میں شراب و زنا کے متعلق احکام شرعیہ جاری نہیں ہیں نہ عدالتہائے دیوانی وفوجداری میں مطابق شرع شریف تصفیہ ہوتا ہے اور نہ ان عدالتوں کے حاکم دیندار متقی اور علوم دینیہ سے واقف معین کئے جاتے ہیں، سوائے اس امر کے کہ زمانہ حال کی روش کے مطابق بعض مسلمانوں کی انجمنوں اور مدرسوں وغیرہ کو معقول مالی امداد اس والی ملک نے دی ہے اور کوئی فعل اس کا ایسا نہیں جو دین اسلام کی حقیقی خدمت کہی جاسکے، مگر ایک جماعت مسلمانوں کی جو کچھ ذاتی اغراض رکھتی ہے یا بعض قومی انجمنوں کے لئے مزید مالی امداد کی

← لو كنت آمرا أحدا أن يسجد لأحد لأمرت النساء أن يسجدن لأزواجهن لما جعل الله لهم عليهن من الحقوق. (أبوداؤد شريف، كتاب النكاح، باب في حق الزوج على المرأة، النسخة الهندية ۱/ ۲۹۱، دارالسلام رقم: ۲۱٤۰)

(۱) نزهة النظر شرح نخبة الفكر، مطبوعة الصباح دمشق ص: ٤٦۔

(۲) لم أظفر بهذا الكتاب.

فکر میں ہے اس والی ملک کو جس کے اوصاف مذکور ہو چکے محی الملّة والدین یا ناصر الملة والدین کا خطاب مسلمانان ہندوستان کی طرف سے دینا چاہتی ہے، کیا اس جماعت کا یہ فعل قابل تحسین ہے اور لائق تائید بھی، اگر نہیں تو کیا اس کی مخالفت ومزاحمت مسلمانوں پر یا اس میں سے بعض خاص لوگوں پر فرض ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: في الدرالمختار: ويكره تحريماً وصفه بما ليس فيه (۱)۔ اس سے حکم واقعہ کا معلوم ہوگیا، یہ تو خطاب دینے والوں کے متعلق تحقیق ہے باقی اگر کوئی خطاب دے تو اس کی مزاحمت و مخالفت سے بہتر یہ ہے کہ تاویل کر کے ساکت رہے کہ خود اہل اسلام میں فتنہ وتشویش نہ ہو (۲)۔ اور تاویل ظاہر ہے، آخر ملّت ودین کے کسی شعبہ کا تو احیاء ونصرت واقع ہی ہے۔

۳۰؍شعبان ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب في قول الخطيب، قال الله تعالى: أعوذ بالله من الشيطان الرجيم، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۲، كراچی ۲/ ۱۴۹۔

ويدعو للإمام بالصلاح والنصرة وإن كان فاسقا، ويكره تحريما وصفه بما ليس فيه من الصفات كالصالح والعادل كما يحرم أن يوصف بما لا يجوز وصف العباد به مثل شاهنشاه الأعظم، ومالک رقاب الناس؛ لأن الأول من صفات الله فلا يجوز وصف العباد به، والثاني: كذب. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۶/ ۲۲۷)

وجاز الدعاء للسلطان بالعدل والإحسان وكره تحريما وصفه بما ليس فيه. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دارالكتاب ديوبند ص: ۵۱۶)

(۲) **والفتنة أشد من القتل.** [سورة البقرة، رقم الآية: ۱۹۱]

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۲/ باب: مسائلِ متعلّقہ طاعون ووَباء

طاعون سے بھاگنے کی ممانعت

سوال (۲۶۷۲): قدیم ۴/ ۲۸۲- حدیث الطاعون کے جملہ فلا تخرجوا فرارا منہ کی مثال مثلاً آیت ولا تمش في الأرض مرحاً کی ہے تو جیسے مطلق مشی منع نہیں، ویسے حدیث سے مطلق خروج منع نہیں بخلاف دخول کے کہ ظاہر حدیث میں مطلقاً منع ہے، اور ظاہر ہے کہ فرار سے مراد ترک مکان ہے۔ اب رہا یہ کہ نہی فرار اگر مطلق غیر مخصوص وغیر معلل ہے، تو بغیر مجبوری مثلاً بدبو نا قابل برداشت غیر قابل دفع وغیرہ بقصد تبدیل آب وہَوا ایک کوٹھری سے دوسری کوٹھری میں یا ایک مکان سے دوسرے مکان میں کیا اندرون کیا بیرون شہر کیا دوسرے شہر میں جائز نہ ہونا چاہئے، تا کہ تفویض وتسلیم کے خلاف نہ ہو، مگر یہ کہا جائے کہ باعانت روایت ثانیہ ارض سے مراد بلد ہے، اور فناءِ بلد حکم میں بلد کے ہے، تو فناء بلد تک فرار جائز ہوگا، اور اگر نہی فرار بلد کی مخصوص ہے یعنی معتقدین تعدیہ کے لئے ہے، جیسا کہ درمختار کا مفہوم ہے، تو اوّل تخصیص کی دلیل کیا ہے، دوسرے شرط فناءِ بلد کی معتقدین عدم تعدیہ کے لئے نہیں ہوگی، یہ لوگ نہی میں داخل نہیں تو شرط کیسی؟ اور اگر حضرت عمرؓ کے قول کی وجہ سے معلل بعلّت تضیع مرضیٰ کہہ کے مشروط کہی جائے، تو اول تو انہوں نے نو وارد لشکریان کے بارے میں حکم صادر فرمایا تھا، دوسرے یہ کہ اگر قبل طاعون عسکر کا قیام مقام اردن میں کافی طریق سے ثابت ہو جاوے تو بھی اردن وجابیہ ملک شام کے دو شہر ہیں؛ لہٰذا قبیلہ قبیلہ بلد وبائی سے دوسرے بلد میں فرار کریں، یا چند اشخاص قریب کے موضع میں فرار کریں، اور بوقت ضرورت شریک اہل مصائب ہوا کریں، یا ایسے لڑکے دوسرے موضع میں بھیج دیئے جائیں جو شریک نہیں ہوا کرتے، تو جائز ہونا چاہئے۔ خلاصہ یہ کہ فلا تخرجوا فرارا منہ مذہب قوی میں مخصوص ہے یا غیر مخصوص، معلل ہے یا غیر معلل، اگر مخصوص ہے تو دلیل کیا ہے، اور مخصوص ہونے کی حالت میں کسی کو دوسرے شہر میں فرار جائز ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نو وارد کے بارے میں ہے یا مقیم کے اور اگر مقیم کے بارے میں ثابت ہو تو بصورت عدم خلل پذیر ہونے علت کے مثلاً صورۃ ثلاثہ مذکورہ میں معتقد تعدیہ یا غیر متعدیہ فرار دوسرے شہر میں جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر نا جائز ہے تو حضرت عمرؓ نے دوسرے شہر میں جانے کا حکم کیوں فرمایا؟

الجواب: میرے نزدیک محقق یہ ہے کہ نہی عن الفرار معتقد تعدیہ اور غیر تعدیہ کو تو عام ہے لإطلاق الأحادیث (۱)۔ لیکن مقیمین کے ساتھ خاص ہے۔ یدل علیہ قولہ علیہ السلام: فیمکث في بلد. رواہ البخاري (۲)۔

اور احکام میں وطن اصلی اور وطن اقامت یکساں ہے، حضرت عمرؓ کے فعل پر بھی شبہ نہ رہا (۳) البتہ بعض

---

(۱) **عن عامر بن سعد بن أبي وقاص عن أبيه أنه سمعه يسأل أسامة بن زيد ماذا سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم في الطاعون، فقال أسامة: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الطاعون رجس أرسل على طائفة من بني إسرائيل أو على من كان قبلكم، فإذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه، قال أبو النضر: لا يخرجكم إلا فرارا منه.** (بخاري شريف، كتاب الأنبياء، باب حديث الغار، النسخة الهندية ١/ ٤٩٤، رقم: ٣٣٥٤، ف: ٣٤٧٣)

مسلم شريف، كتاب السلام، باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها، النسخة الهندية ٢/ ٢٢٨، بيت الأفكار رقم: ٢٢١٨ـ

عن عبدالله بن عباس رضي الله عنهٗ قال: قال عبدالرحمن بن عوف سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه يعني الطاعون. (أبوداؤد شريف، كتاب الجنائز، باب الخروج من الطاعون، النسخة الهندية ١/ ٤٤٢، دارالسلام رقم: ٣١٠٣)

ترمذي شريف، أبواب الجنائز، باب ماجاء في كراهية الفرار من الطاعون، النسخة الهندية ١/ ٢٠٤، دارالسلام رقم: ١٠٦٥ـ

مسند أحمد بن حنبل ١/ ١٨٠، رقم: ١٥٥٤ـ

عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الطاعون، فأخبرني أنه عذاب يبعثه الله على من يشاء، وأن الله جعله رحمة للمؤمنين، ليس من أحد يقع الطاعون فيمكث في بلده صابرا محتسبا يعلم أنه لا يصيبه إلا ما كتب الله له إلا كان له مثل أجر شهيد. (بخاري شريف، كتاب الأنبياء، باب حديث الغار، النسخة الهندية ١/ ٤٩٤، رقم: ٣٣٥٥، ف: ٣٤٧٤)

(۲) حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ ذیل میں مکمل نقل کیا جاتا ہے، ملاحظہ فرمائیے: ←

محققین نے اس کو معلل کہا ہے، تضییع حقوق جیران کے ساتھ، اور اس سے صغائر کے نقل کا جواز لازم نہیں آتا؛ کیونکہ منجملہ حقوق جبر قلوب بھی ہے۔ اور نقل صغار میں بھی کسر قلوب یقینی ہے(۱) تقریر سوال کا جو حاصل میں نے سمجھا ہے اس کے لئے یہ جواب انشاء اللہ کافی ہے۔ اور اگر کوئی جز وہ رہ گیا ہو تو مکرر پوچھ لیا جاوے۔

۱۸؍شعبان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۱۴)

← عن عبدالله بن عباس رضي الله عنه أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه خرج إلى الشام حتى إذا كان بسرغ لقيه أمراء الأجناد أبوعبيدة بن الجراح وأصحابه، فأخبروه أن الوباء قد وقع بأرض الشام، قال ابن عباس: فقال عمر: ادع لي المهاجرين الأولين فدعاهم فاستشارهم وأخبرهم أن الوباء قد وقع بالشام، فاختلفوا فقال بعضهم قد خرجت لأمر ولا نرى أن ترجع عنه، وقال بعضهم: معك بقية الناس وأصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا نرى أن تقدمهم على هذا الوباء، فقال: ارتفعوا عني ثم قال: ادع لي الأنصار فدعوتهم فاستشارهم فسلكوا سبيل المهاجرين واختلفوا كاختلافهم فقال: ارتفعوا عني، ثم قال: ادع لي من كان هاهنا من مشيخة قريش من مهاجرة الفتح، فدعوتهم فلم يختلف منهم عليه رجلان، فقالوا: نرى أن ترجع بالناس ولا تقدمهم على هذا الوباء فنادى عمر رضى الله عنه في الناس: إني مصبح على ظهر فأصبحوا عليه، قال أبوعبيدة بن الجراح: أفرارا من قدر الله؟ فقال عمر: لو غيرك قالها يا أبا عبيدة! نعم نفر من قدر الله إلى قدر الله أرأيت لو كان لك إبل فهبطت واديا له عدوتان إحداهما خصبة والأخرى جدبة أليس إن رعيت الخصبة رعيتها بقدر الله، وإن رعيت الجدبة رعيتها بقدر الله، قال: فجاء عبدالرحمن بن عوف، وكان متغيبا في بعض حاجته، فقال: إن عندي في هذا علما سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه، قال: فحمد الله عمر، ثم انصرف. (بخاري شريف، كتاب الطب، باب ما ذكر في الطاعون، النسخة الهندية ۲/ ۸۵۳، رقم: ۵۵۰۵، ف: ۵۷۲۹)

مسلم شريف، كتاب السلام، باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها، النسخة الهندية ۲/ ۲۲۹، بيت الأفكار رقم: ۲۲۱۹۔

(۱) وقد ذكر العلماء في النهي عن الخروج حكما، منها أن الطاعون في الغالب يكون عاما في البلد الذى يقع به، فإذا وقع فالظاهر مداخلة سببه لمن بها فلا يفيده الفرار ←

حدیث "فلا تخرجوا فرارا منه" پر چند شبہات کا جواب

سوال بر جواب بالا (۲۶۷۳): قدیم ۴/۲۸۳- فقرۂ حدیث فلا تخرجوا فرارا منه سے شہر سے باہر کرنے کی ممانعت ہے؛ لہٰذا شہر کی حد میں فرار جائز ہو گا۔

﴿۱﴾ لیکن قریب کے دوسرے موضع میں یا دوسرے شہر میں کسی حالت میں فرار جائز ہے یا نہیں؟

﴿۲﴾ اور اگر معلل ہونے کی حالت میں بھی جائز نہیں ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہر اردن سے شہر جابیہ جانے کا حکم کیوں فرمایا تھا؟

﴿۳﴾ اور قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مخاطبین نے شہر اردن کو قبل طاعون زدہ ہونے کے وطن اقامت بنایا تھا، یا بعد طاعون ہونے کے؟ اگر بعد شروع طاعون کے کیا تو اس قول سے معللیت حدیث پر استدلال صحیح ہے یا نہیں؟

﴿۴﴾ اور اس قدر اضافہ کرتا ہوں کہ فقرہ حدیث: فلا تدخلوا فيه مطلق ہے تو مطلقاً۔

﴿۵﴾ دخول منع ہے یا جائز ہے؟

← **لأن المفسدة إذا تعينت حتى لا يقع الإنفكاک عنها كان الفرار عبثا فلا يليق بالعاقل، ومنها أن الناس لو تواردوا على الخروج لصار من عجز عنه بالمرض المذكور أو بغيره ضائع المصلحة لفقد من يتعهده حيا وميتا، وأيضا لو شرع الخروج فخرج الأقوياء لكان في ذلک كسر قلوب الضعفاء، وقد قالوا: إن حكمة الوعيد في الفرار من الزحف لما فيه من كسر قلب من لم يفر وإدخال الرعب عليه بخذلانه.** (فتح الباري، كتاب الطب، باب ما ذكر في الطاعون، مكتبه أشرفيه ديوبند ١٠/ ٢٣٢، دارالريان للتراث ١٠/ ٢٠٠)

قوله: (وإذا وقع الطاعون ببلد وأنتم منه فلا تخرجوا منه، وإذا وقع ببلد ولستم فيه فلا تدخلوا إليه) حكمة الأول أن أهل البلد لو مكنوا من ذلک لذهبوا وتركوا المرضى فيضيعون. والثاني: أن من قدم ربما أصابه فيسند ذلک إلى قدومه فيزل قدمه، ومحل الأمرين حيث لا ضرورة إلى الخروج أو الدخول وإلا فلا إثم كما هو الظاهر. (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، قبيل باب في الوسوسة، مكتبه إمداديه ملتان ١/ ١٣٢-١٣٣)

الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٨/ ٣٣٢۔

﴿۶﴾ اور ہے تو کسی مجبوری کی وجہ سے یا بغیر مجبوری بھی مثلاً دوسرے موضع سے طاعونی مواضع میں جا کر مریض کو دیکھنا یا جمعہ پڑھنا یا تکفین یا عبادت کرنا وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟

﴿۷﴾ اور اگر جائز ہے تو نہ کرنے والا ملام وگنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب عن السوال علی أصل الجواب: ﴿۱﴾ جائز نہ ہوگا لوجود الفرار (۱)۔

﴿۲﴾ کیونکہ نہی خاص ہے مقیمین کے ساتھ کما ذکر فی الجواب السابق (۲)۔

﴿۳﴾ محمول اس پر ہوگا کہ وطن اقامت نہ بنایا تھا جیسا کہ لشکر مغازہ میں رہتا ہے۔

﴿۴﴾ یہ جزو سوال کا سمجھ میں نہیں آیا، بوجہ اجمال عبارت کے پھر یہ مبنی ہے وطن اقامت بنانے پر اور وہ خود ثابت نہیں (الجواب عن الاضافہ)

﴿۵﴾ مطلقاً منع نہیں۔ **لأن الضرورة مستثناه بإطلاق الدلائل.**

﴿۶﴾ حاجت کے وقت جائز ہے، گو وہ درجہ مجبوری تک نہ پہنچی ہو (۳)۔

---

(۱) عن عامر بن سعد بن أبي وقاص عن أبيه أنه سمعه يسأل أسامة بن زيد ماذا سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم في الطاعون، فقال أسامة: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الطاعون رجس أرسل على طائفة من بني إسرائيل أو على من كان قبلكم، فإذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه، قال أبوالنضر: لا يخرجكم إلا فرارا منه. (بخاري شريف، كتاب الأنبياء، باب حديث الغار، النسخة الهندية ۱/ ۴۹۴، رقم: ۳۳۵۴، ف: ۳۴۷۳)

مسلم شريف، كتاب السلام، باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها، النسخة الهندية ۲/ ۲۲۸، بيت الأفكار رقم: ۲۲۱۸۔

(۲) عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الطاعون، فأخبرني أنه عذاب يبعثه الله على من يشاء، وأن الله جعله رحمة للمؤمنين، ليس من أحد يقع الطاعون فيمكث في بلده صابرا محتسبا يعلم أنه لا يصيبه إلا ما كتب الله له إلا كان له مثل أجر شهيد. (بخاري شريف، كتاب الأنبياء، باب حديث الغار، النسخة الهندية ۱/ ۴۹۴، رقم: ۳۳۵۵، ف: ۳۴۷۴)

(۳) حكمة الأول أن أهل البلد لو مكنوا من ذلك لذهبوا وتركوا المرضى فيضيعون. والثاني: أن من قدم ربما أصابه فيسند ذلك إلى قدومه فيزل قدمه، ومحل ←

﴿۷﴾ جائز ہے خواہ دوسرے دلائل سے واجب ہو یا نہ ہو، اگر واجب بھی ہوگا تو ترک پر ملامت ہوگی۔ والافلا۔ فقط۔ ۳؍ رمضان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۳۱۵)

حفظ ماتقدم کے لئے دفع طاعون کی دوا کرنا

سوال (۲۶۷۴): قدیم ۴/ ۲۸۴- قبل ابتلائے مرض بطور حفظ ماتقدم تدبیر تداوی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: تداوی بالمباح قبل سے بھی جائز ہے(۱) ۱۲؍ صفر ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۱۶)

← **الأمرين حيث لا ضرورة إلى الخروج أو الدخول وإلا فلا إثم كما هو الظاهر.** (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، قبيل باب في الوسوسة، مكتبه إمداديه ملتان ۱/ ۱۳۲-۱۳۳)

واتفق العلماء على جواز الخروج بشغل وغرض غير الفرار ودليله صريح الأحاديث. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۲۳۲)

وفى هذه الأحاديث منع القدوم على بلد الطاعون ومنع الخروج منه فرارا من ذلك، أما الخروج لعارض فلا بأس به. (شرح النووي على المسلم، كتاب السلام، باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها، النسخة الهندية ۲/ ۲۲۸)

(۱) **عن أبي الدرداء رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله أنزل الداء والدواء، وجعل لكل داء دواء، فتداووا ولا تداووا بحرام.** (أبوداؤد شريف، كتاب الطب، باب فى الأدوية المكروة، النسخة الهندية ۲/ ۵۴۱، دارالسلام رقم: ۳۸۷۴)

عن أسامة بن شريك قال: قالت الأعراب يا رسول الله! ألا نتداوىٰ؟ قال: نعم يا عباد الله! تداووا فإن الله لم يضع داء إلا وضع له شفاء أو قال دواء إلا داء واحدا قالوا يا رسول الله وما هو؟ قال: الهرم. (ترمذي شريف، أبواب الطب، باب ماجاء في الدواء والحث عليه، النسخة الهندية ۲/ ۲۴، دارالسلام رقم: ۲۰۳۸)

الاشتغال بالتداوي لا بأس به إذا اعتقد أن الشافي هو الله تعالى، وأنه جعل الدواء سببا، أما إذا اعتقد أن الشافي هو الدواء فلا. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر: في التداوي والمعالجات، قديم زكريا ۵/ ۳۵۴، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۴۰۹) ←

ٹیکہ طاعون کی تحقیق

سوال (۲۶۷۵): قدیم ۴/۲۸۴- باصول ڈاکٹری طاعونی ٹیکہ اندازی جس کا عرق بقول بعض موش وخرموش متاثرہ طاعون کا عصارہ کیمیاوی ہے، اور بقول بعض لحم خنزیر کا عصارہ بھی اس میں ممزوج ہونا بیان کیا جاتا ہے، بایں حال اجزائے نجسہ میتہ کا بذریعہ ٹیکہ جسم وخون میں بخلاف ارشاد **لاشفاء في الحرام** دائر وسائر کرنا درست ہوسکتا ہے یا کیا؟

الجواب: تیقن شفاء میں بعض متاخرین نے **تداوي بالحرام** کی رخصت دی ہے۔ **كذا في الدرالمختار** (۱)۔

۱۲/صفر ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۱۶ وحوادث اول وثانی ص ۵۰)

← **وفي الأحاديث الصحيحة الأمر بالتداوي وأنه لا ينافي التوكل كما لاينافيه دفع داء الجوع والعطش، والحر والبرد بأضدادها بل لا تتم حقيقة التوحيد إلا بمباشرة الأسباب التي نصبها الله مقتضيات لمسبباتها قدرا وشرعا.** (زاد المعاد، في هدي خير العباد، فصل الطب النبوي، فصل لكل داء دواء، مؤسسة الرسالة بيروت ٤/ ١٤)

المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل التاسع عشر: في التداوي والمعالجات، المجلس العلمي ٨/ ٨١، رقم: ٩٦٣٤۔

(۱) **اختلف في التداوي بالمحرم، وظاهر المذهب المنع كما في رضاع البحر، لكن نقل المصنف ثمة وهنا عن الحاوي، وقيل: يرخص إذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء آخر كما رخص الخمر للعطشان وعليه الفتوى.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، قبيل فصل في البئر، مطلب: في التداوي بالمحرم، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٣٦٥-٣٦٦، كراچی ١/ ٢١٠)

الاستشفاء بالمحرم إنما لاتجوز إذا لم يعلم فيه شفاء، أما إذا علم أن فيه شفاء، وليس له دواء آخر غيره يجوز الاستشفاء به. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل التاسع عشر: في التداوي والمعالجات، مكتبه زكريا ديوبند ١٨/ ٢٠٠، رقم: ٢٨٥٠٤)

المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل التاسع عشر الخ، المجلس العلمي ٨/ ٨٢، رقم: ٩٦٣٨۔ ←

ایام طاعون میں ایک گھر سے دوسرے گھر میں یا ایک محلّہ سے دوسرے محلّہ میں چلے جانے کا جواز

سوال (۲۶۷۶): قدیم ۴/۲۸۴- دوسرے طاعونی مقام سے تخلیہ ونقل مکان جو طباً ضروری خیال کیا گیا ہے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: انتقال بلد درست نہیں، ایک ہی بلد میں محلّہ یا دار کا نقل درست ہے(۱)۔

۱۲رصفر ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۱۶)

طاعون سے بھاگنے کی ممانعت منصوص ہے قیاس کی ضرورت نہیں

سوال (۲۶۷۷): قدیم ۴/۲۸۵- ایک فریق مسلمان کا طاعون سے فرار کو مثل فرار عن الزحف خیال کرتا ہے جس کی تائید آیۂ قرآنی (**قل لن ينفعكم الفرار ان فررتم من الموت او القتل واذاً لا تمتعون الا قليلا.** (۲) سے ہوتی ہے، دوسرا فریق فرمان نبوی (**فر من المجذوم كما تفر من الأسد**) کے احتجاج پر خلاف ارشاد سراپا ارشاد (**لا طيرة ولا عدوى**) مرض طاعون کے تعدیہ وسرایت کا قائل ہو کر فرار کو قرار پر اقدم سمجھتا ہے، ان دونوں میں کون صواب پر ہے؟

← **يجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن شفاءه فيه ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر: في التداوي والمعالجات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٥٥، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٤١٠)

شرط الحنفية لجواز التداوي بالنجس والمحرم أن يعلم أن فيه شفاء ولا يجد دواء غيره، قالوا: وما قيل إن الاستشفاء بالحرام حرام غير مجرى على إطلاقه، وإن الاستشفاء بالحرام إنما يجوز إذا لم يعلم أن فيه شفاء أما إذا علم وليس له دواء غيره فيجوز. (الموسوعة الفقهية الكويتية ١١/ ١١٩)

(۱) **عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الطاعون، فأخبرني أنه عذاب يبعثه الله على من يشاء، وأن الله جعله رحمة للمؤمنين، ليس من أحد يقع الطاعون فيمكث في بلده صابرا محتسبا يعلم أنه لا يصيبه إلا ما كتب الله له إلا كان له مثل أجر شهيد.** (بخاري شريف، كتاب الأنبياء، باب حديث الغار، النسخة الهندية ١/ ٤٩٤، رقم: ٣٣٥٥، ف: ٣٤٧٤)

(۲) سورة الأحزاب، رقم الآية: ١٦۔

الجواب: نهی عن الفرار من الطاعون منصوص ہے(۱)۔ اوراجازت اس کی فرار من المجذوم (۲) پر مقیس ہے، اورنص مقدم ہے قیاس پر؛ لہٰذا قول نہی صواب ہے۔

۱۲/صفر ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۱۶)

طاعون عمواس میں حضرت عمرؓ کے حکم نقل از بلدہ سے فرار پر استدلال درست نہیں

سوال (۲۶۷۸): قدیم ۴/۲۸۵- تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ مرض قرون سابقہ بلکہ زمانہ صحابہؓ میں بھی ہوا کیا ہے، آیا یہ روایت صحت کو پہنچی ہے کہ خلیفہ دوم جناب عمرؓ نے اس لشکر اسلام کو جو

---

(۱) **عن عامر بن سعد بن أبي وقاص عن أبيه أنه سمعه يسأل أسامة بن زيد ماذا سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم في الطاعون، فقال أسامة: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الطاعون رجس أرسل على طائفة من بني إسرائيل أو على من كان قبلكم، فإذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه، قال أبو النضر: لا يخرجكم إلا فرارا منه.** (بخاري شريف، كتاب الأنبياء، باب حديث الغار، النسخة الهندية ۱/ ۴۹۴، رقم: ۳۳۵۴، ف: ۳۴۷۳)

عن عبدالله بن عباس رضي الله عنهٗ قال: قال عبدالرحمن بن عوف سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه يعني الطاعون. (أبوداؤد شريف، كتاب الجنائز، باب الخروج من الطاعون، النسخة الهندية ۱/ ۴۴۲، دارالسلام رقم: ۳۱۰۳)

مسلم شريف، كتاب السلام، باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها، النسخة الهندية ۲/ ۲۲۸، بيت الأفكار رقم: ۲۲۱۸۔

ترمذي شريف، أبواب الجنائز، باب ماجاء في كراهية الفرار من الطاعون، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۴، دارالسلام رقم: ۱۰۶۵۔

(۲) **عن أبي هريرة رضي الله عنه يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا عدوى ولا طيرة ولا هامة ولا صفر، وفر من المجذوم كما تفر من الأسد.** (بخاري شريف، كتاب الطب، باب الجذام، النسخة الهندية ۲/ ۸۵۰، رقم: ۵۴۸۸، ف: ۵۷۰۷)

شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ

بامارت حضرت ابوعبیدۃ ابن الجراح معرکہ شام میں گیا تھا، بمقام عمواس یہ مرض طاعون شائع ہونے کی اطلاع ہونے پر تخلیہ وتبدیل مقام کا فرمان صادر فرمایا تھا؟

الجواب: منقول تو ہے(۱) اور وجہ صحت کی تحقیق نہیں؛ لیکن اگر مان بھی لیا جاوے تب بھی فرار کے جواز کی دلیل نہیں ہوسکتا؛ کیونکہ علّت نہی کی ضیاع حقوق مرضی وموتی ہے(۲) اور وہ بانتقال بعض میں ہے اور یہاں نقل کل کی ہوئی؛ لہٰذا اس پر قیاس نہیں ہوسکتا۔ ۱۲/صفر ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۱۷)

---

(۱) عن عبدالله بن عباس رضي الله عنه أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه خرج إلى الشام حتى إذا كان بسرغ لقيه أمراء الأجناد أبوعبيدة بن الجراح وأصحابه، فأخبروه أن الوباء قد وقع بأرض الشام، قال ابن عباس: فقال عمر: ادع لي المهاجرين الأولين فدعاهم فاستشارهم وأخبرهم أن الوباء قد وقع بالشام، فاختلفوا فقال بعضهم قد خرجت لأمر ولا نرى أن ترجع عنه، وقال بعضهم: معک بقية الناس وأصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا نرى أن تقدمهم على هذا الوباء، فقال: ارتفعوا عني ثم قال: ادع لي الأنصار فدعوتهم فاستشارهم فسلكوا سبيل المهاجرين واختلفوا كاختلافهم فقال: ارتفعوا عني، ثم قال: ادع لي من كان هاهنا من مشيخة قريش من مهاجرة الفتح، فدعوتهم فلم يختلف منهم عليه رجلان، فقالوا: نرى أن ترجع بالناس ولا تقدمهم على هذا الوباء، فنادى عمر رضى الله عنه في الناس: إني مصبح على ظهر فأصبحوا عليه، قال أبوعبيدة بن الجراح: أفرارا من قدر الله؟ فقال عمر: لو غيرک قالها يا أبا عبيدة! نعم نفر من قدر الله إلى قدر الله أرأيت لو كان لک إبل فهبطت واديا له عدوتان إحداهما خصبة والأخرى جدبة ألبس إن رعيت الخصبة رعيتها بقدر الله، وإن رعيت الجدبة رعيتها بقدر الله، قال: فجاء عبدالرحمن بن عوف، وكان متغيبا في بعض حاجته، فقال: إن عندي في هذا علما سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه، قال: فحمد الله عمر، ثم انصرف. (بخاري شريف، كتاب الطب، باب ما ذكر في الطاعون، النسخة الهندية ۲/ ۸۵۳، رقم: ۵۵۰۵، ف: ۵۷۲۹)

مسلم شريف، كتاب السلام، باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها، النسخة الهندية ۲/ ۲۲۹، بيت الأفكار رقم: ۲۲۱۹۔

(۲) وقد ذكر العلماء في النهي عن الخروج حكما، منها أن الطاعون في الغالب ←

فرار عن الطاعون کو سبب نجات سمجھنے والا کافر نہیں ہے ہاں سخت فاسق ہے

سوال (۲۶۷۹): قدیم ۴/ ۲۸۵ - اگر طاعونی مقام سے کوئی شخص فرار کرے، اور اس کا یہ عقیدہ ہو کہ اگر بھاگ جاؤں گا تو ضرور بچ جاؤں گا، اور اگر نہ بھاگوں گا تو ضرور مَر جاؤں گا، تو ایسے شخص کی طرف کفر کی نسبت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: نہیں، مگر گنہگار سخت ہے(۱)۔ (تتمہ اولیٰ ص ۲۱۷)

← **يكون عاما في البلد الذى يقع به، فإذا وقع فالظاهر مداخلة سببه لمن بها فلا يفيده الفرار لأن المفسدة إذا تعينت حتى لا يقع الإنفكاك عنها كان الفرار عبثا فلا يليق بالعاقل، ومنها أن الناس لو تواردوا على الخروج لصار من عجز عنه بالمرض المذكور أو بغيره ضائع المصلحة لفقد من يتعهده حيا وميتا، وأيضا لو شرع الخروج فخرج الأقوياء لكان في ذلك كسر قلوب الضعفاء، وقد قالوا: إن حكمة الوعيد في الفرار من الزحف لما فيه من كسر قلب من لم يفر وإدخال الرعب عليه بخذلانه.** (فتح الباري، كتاب الطب، باب ما يذكر في الطاعون، مكتبه أشرفيه ديوبند ١٠/ ٢٣٢، دارالريان للتراث ١٠/ ٢٠٠)

قوله: (وإذا وقع الطاعون ببلد وأنتم فيه فلا تخرجوا منه، وإذا وقع ببلد ولستم فيه فلا تدخلوا إليه) حكمة الأول أن أهل البلد لو مكنوا من ذلك لذهبوا وتركوا المرضى فيضيعون. (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، قبيل باب في الوسوسة، مكتبه إمداديه ملتان ١/ ١٣٢-١٣٣) الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٨/ ٣٣٢۔

(۱) **عن معاذة بنت عبدالله قالت: دخلت على عائشة رضي الله عنها فقالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تفنى أمتي إلا بالطعن والطاعون، قلت: يا رسول الله! هذا الطعن قد عرفناه فما الطاعون؟ قال: غدة كغدة البعير والمقيم بها كالشهيد والفار منها كالفار من الزحف.** (مسند أحمد بن حنبل ٦/ ١٤٥، رقم: ٢٥٦٣١)

عن جابر بن عبدالله يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في الطاعون: الفار منه كالفار يوم الزحف، ومن صبر فيه كان له أجر شهيد. (مسند أحمد بن حنبل ٣/ ٣٥٢، رقم: ١٤٨٥٣) ←

بلاعقیدہ مذکورہ بالا بھاگنا بھی گناہ کبیرہ ہے

سوال (۲۶۸۰): قدیم ۲۸۵/۴- اگر کوئی شخص طاعونی مقام سے بغیر عقیدۂ مذکورہ بالامحض بخوف طاعون بلالحاظ کسی دوسری ضرورت وعوارض کے بھاگ جائے تو وہ مرتکب کبیرہ کا ہے یا نہیں؟ اور شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ نے ''اشعۃ اللمعات'' میں حدیث **الفار من الطاعون كالفار من الزحف.** کی شرح میں جو فرمایا ہے کہ (ازیں حدیث معلوم می شود کہ گریختن از طاعون گناہ کبیرہ است) چنانکہ فرار از زحف، واگر اعتقاد کند کہ اگر نہ گریزد البتہ می میرد، واگر بگریزد بسلامت می ماند آں خود کفر است (۱) تو یہ حکم صحیح اور قابل تسلیم ہے یا نہیں؟

← **وإذا خرج من بلدة بها الطاعون، فإن علم أن كل شيء بقدر الله تعالىٰ فلا بأس بأن يخرج ويدخل وإن كان عنده أنه لو خرج نجا ولو دخل ابتلي به كره له ذلك فلا يدخل ولا يخرج صيانة لاعتقاده، وعليه حمل النهي في الحديث الشريف.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الخنثى، قبيل كتاب الفرائض، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۴۸۸، كراچی ۶/ ۷۵۷)

قوله: (كالفار من الزحف) شبه به في ارتكاب الكبيرة. (شرح الطيبي، الجنائز، قبيل باب تمني الموت وذكره، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۳۶)

منهم من قال: النهي فيه للتنزيه فيكره ولا يحرم وخالفهم جماعة فقالوا: يحرم الخروج منها لظاهر النهي الثابت في الأحاديث الماضية، وهذا هو الراجح عند الشافعية وغيرهم، ويؤيده ثبوت الوعيد على ذلك، فأخرج أحمد وابن خزيمة من حديث عائشة مرفوعا في أثناء حديث بسند حسن ''قلت: يا رسول الله! فما الطاعون؟ قال: غدة كغدة الإبل، المقيم فيها كالشهيد، والفار منها كالفار من الزحف'' وله شاهد من حديث جابرؓ رفعه ''الفار من الطاعون كالفار من الزحف والصابر فيها كالصابر في الزحف''، أخرجه أحمد أيضا وابن خزيمة، وسنده صالح للمتابعات. (فتح الباري، كتاب الطب، باب ما يذكر في الطاعون، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۰/ ۲۳۱، دارالريان للتراث ۱۰/ ۱۹۸)

مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، قبيل باب تمني الموت وذكره، مكتبه إمداديه ملتان ۳/ ۳۸۲۔

(۱) أشعة اللمعات شرح المشكوة، كتاب الجنائز، قبيل باب تمني الموت وذكره، مكتبه نوريه رضويه پاكستان ۱/ ۶۵۳۔

الجواب : یہ مرتکب کبیرہ کا ہے(۱)۔اور شیخ کا حکم کبیرہ کا بلا تاویل صحیح ہے اور کفر کا حکم اس تاویل سے صحیح ہے کہ جب وہ خدا تعالیٰ کو اس کے خلاف پر قادر نہ سمجھے جیسا کہ اہل سائنس کا اصل مذہب ہے۔

(تتمہ اولیٰ ص ۲۱۷)

---

(۱) **عن معاذة بنت عبدالله قالت: دخلت على عائشة رضي الله عنها فقالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تفنى أمتي إلا بالطعن والطاعون، قلت: يا رسول الله! هذا الطعن قد عرفناه فما الطاعون؟ قال: غدة كغدة البعير والمقيم بها كالشهيد والفار منها كالفار من الزحف.** (مسند أحمد بن حنبل ٦/ ١٤٥، رقم: ٢٥٦٣١)

عن جابر بن عبدالله يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في الطاعون: الفار منه كالفار يوم الزحف، ومن صبر فيه كان له أجر شهيد. (مسند أحمد بن حنبل ٣/ ٣٥٢، رقم: ١٤٨٥٣)

قوله: (كالفار من الزحف) شبه به في ارتكاب الكبيرة. (شرح الطيبي، الجنائز، قبيل باب تمني الموت وذكره، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٣٣٦)

قيل: شبه به في إبطال أجر الشهادة لا في أنه كبيرة، وقال الطيبي: شبه به في ارتكاب الكبيرة. (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، قبيل باب تمني الموت وذكره، مكتبه إمداديه ملتان ٣/ ٣٨٢)

منهم من قال: النهي فيه للتنزيه فيكره ولا يحرم وخالفهم جماعة فقالوا: يحرم الخروج منها لظاهر النهي الثابت في الأحاديث الماضية، وهذا هو الراجح عند الشافعية وغيرهم، ويؤيده ثبوت الوعيد على ذلك، فأخرج أحمد وابن خزيمة من حديث عائشة مرفوعا في أثناء حديث بسند حسن "قلت: يا رسول الله! فما الطاعون؟ قال: غدة كغدة الإبل، المقيم فيها كالشهيد، والفار منها كالفار من الزحف" وله شاهد من حديث جابرؓ رفعه "الفار من الطاعون كالفار من الزحف والصابر فيها كالصابر في الزحف"، أخرجه أحمد أيضا وابن خزيمة، وسنده صالح للمتابعات. (فتح الباري، كتاب الطب، باب ما يذكر في الطاعون، مكتبه أشرفيه ديوبند ١٠/ ٢٣١، دارالريان للتراث ١٠/ ١٩٨)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بغرض تبدیل آب وہوا بھی فرار جائز نہیں

سوال (۲۶۸۱): قدیم ۲۸۶/۴- اگرکوئی شخص کسی مقام سے بوقت شدت طاعون کسی دوسرے شہر میں چلا جائے اورظاہر کرے کہ میں بغرض تبدیل آب وہوا آگیا تھا، اوراس قسم کا نقل مکان جائز ہے تو ایسا شخص فرارمن الطاعون کا مصداق ہے یا نہیں؟ اوراگراس طرح نقل مکان جائز ہے تو فرارمن الطاعون کی کونسی صورت ہوگی؟ اورحدیث **الفار من الطاعون كالفار من الزحف** ونیز دیگراحادیث مشعر برحرمت فرارکس پرمحمول ہوں گی۔ **بينوا بالكتاب وتوجروا يوم الحساب.**

الجواب: جب عِلّت ذہاب کی طاعون ہے تو یہ بھی فرار ہے(۱)۔

۲۲/رجب ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۱۷)

---

(۱) **عن عامر بن سعد بن أبي وقاص عن أبيه أنه سمعه يسأل أسامة بن زيد ماذا سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم في الطاعون، فقال أسامة: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الطاعون رجس أرسل على طائفة من بني إسرائيل أو على من كان قبلكم، فإذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه، قال أبو النضر: لا يخرجكم إلا فرارا منه.** (بخاري شريف، كتاب الأنبياء، باب حديث الغار، النسخة الهندية ١/ ٤٩٤، رقم: ٣٣٥٤، ف: ٣٤٧٣)

عن عبدالله بن عباس رضي الله عنهٗ قال: قال عبدالرحمن بن عوف سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه يعني الطاعون. (أبوداؤد شريف، كتاب الجنائز، باب الخروج من الطاعون، النسخة الهندية ١/ ٤٤٢، دارالسلام رقم: ٣١٠٣)

مسلم شريف، كتاب السلام، باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها، النسخة الهندية ٢/ ٢٢٨، بيت الأفكار رقم: ٢٢١٨۔

ترمذي شريف، أبواب الجنائز، باب ماجاء في كراهية الفرار من الطاعون، النسخة الهندية ١/ ٢٠٤، دارالسلام رقم: ١٠٦٥۔

شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مقام طاعون میں داخل ہونے سے متعلق اشکال کا جواب

سوال (۲۶۸۲): قدیم ۲۸۶/۴- اس احقر سے ایک طبیب ماہر فن نے سوال کیا کہ جب حدیثوں سے عدوی یعنی تعدیہ مرض کی نفی ثابت ہوتی ہے، تو پھر مقام طاعون میں جانے کی ممانعت کی کیا وجہ ہے، البتہ اگر عدوی ثابت مانا جاوے تو وجہ اس نہی کی ظاہر ہے کہ مرض سے بچانے کے لئے ہے۔ انتہی بخلاصتہ؟

احقر نے اس کے جواب میں ایک تقریر عرض کی تھی، چونکہ مجمع حاضرین کو جن میں اکثر اہل علم تھے اس سے شفا ہوئی؛ اس لئے اس کا ضبط اور اشاعت کرنا مستحسن معلوم ہوا۔ **وهو هذه:**

قلتُ: اس کی تحقیق موقوف ہے اس پر کہ عدوی کے متعلق تحقیق کی جاوے کہ اس کی اصل ہے یا نہیں؟ سو اس باب میں دو قسم کی حدیثیں ہیں۔ اوّل وہ جن سے ظاہراً عدوی کی نفی ہوتی ہے، جیسے حدیث **لا عدوی** (۱)۔ اور دوسری وہ جن سے اس کے وجود کا شبہ پڑتا ہے، جیسے حدیث **فر من المجذوم کما تفر من الأسد** (۲)۔ یعنی جذامی سے ایسا بھاگ جیسے شیر سے بھاگتا ہے، اور بھی حدیثیں اس مضمون کی آئی ہیں، چونکہ ظاہراً اس میں صورت تعارض کی معلوم ہوتی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو

---

(۱) **عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا عدوى، ولا طيرة ولا هامة، ولا صفر.** (بخاري شريف، كتاب الطب، باب لا هامة ولا صفر، النسخة الهندية ۲/ ۸۵۷، رقم: ۵۵۳۳، ف: ۵۷۵۷)

عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا عدوى ولا طيرة ولا غول. (مسلم شريف، كتاب السلام، باب لا عدوى ولا طيرة ولا هامة، النسخة الهندية ۲/ ۲۳۰، بيت الأفكار رقم: ۲۲۲۲)

ترمذي شريف، أبواب السير، باب ماجاء في الطيرة، النسخة الهندية ۱/ ۲۹۰، دارالسلام رقم: ۱۶۱۵۔

(۲) **عن أبي هريرة رضي الله عنه يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا عدوى ولا طيرة ولا هامة ولا صفر وفر من المجذوم كما تفر من الأسد.** (بخاري شريف، كتاب الطب، باب الجذام، النسخة الهندية ۲/ ۸۵۰، رقم: ۵۴۸۸، ف: ۵۷۰۷)

ارشادوں میں بوجہ آپ ؐ کے صادق ومصدوق ہونے کے حقیقتاً تعارض ہونہیں سکتا۔ **لأن المتعارضين يستلزم صدق أحدهما كذب الآخر والكذب ينا في النبوة.** اس لئے اِن حدیثوں میں جمع کرنا ضرور ہوا، پس جمع کے باب میں علماء نے دو مختلف مسلک اختیار کیئے، بعض نے لا عدوی کو اپنے ظاہر پر رکھ کر **فر من المجذوم** وغیرہ میں تاویل کی، اور بعض نے **فر من المجذوم** کو ظاہر پر رکھ کر لا عدوی کو ظاہر سے منصرف کیا، چنانچہ اہل مسلک اوّل نے یہ کہا کہ عدویٰ مطلقاً ورأساً منفی ہے، اس کا کسی درجہ میں بھی وجود نہیں، اور جذامی سے بچنے کا جو امر فرمایا ہے، نہ کہ احتمال عدوی سے بلکہ سدِّ ذرائع کے طور پر اعتقاد عدوی سے حفاظت کرنے کے لئے، یعنی اگر جذامی سے اختلاط کیا، اور اتفاق سے ابتداء اس کو بھی مستقل سبب سے جذام ہوگیا، تو اس شخص کو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ شاید جذام کا تعدیہ ہوا ہے، اور اس میں فساد اعتقاد ہے، پس اس سے دور ہی رہنا چاہئے، تاکہ کسی حال میں تعدیہ کا احتمال پیدا نہ ہو۔

اور اہل مسلک ثانی نے یہ کہا کہ عدوی کی نفی سے مطلقاً نفی کرنا مقصود نہیں؛ کیونکہ اس کا مشاہدہ ہے، گو اس مشاہدہ کا اہل مسلک اول یہ جواب دے سکتے ہیں کہ مشاہدہ اگر ہے تو صرف اس قدر ہے کہ ایک مریض کے اختلاط کے بعد دوسرا شخص مریض ہوگیا، مگر اس تسبب اول کا ثانی کے لئے اور ترتب ثانی کا اول پر، یہ کیسے ثابت ہوا، اقتران فی الوجود دلیل تاثیر نہیں ہوسکتی، مگر اہل مسلک ثانی نے اس کو خلافِ ظاہر سمجھ کر یہ کہا کہ مطلق عدوی کی نفی اس سے مقصود نہیں؛ بلکہ اس عدوی کی نفی مقصود ہے جس کے قائل اہل جاہلیت تھے اور جس کے معتقدین سائنس اب بھی قائل ہیں، یعنی بعض امراض میں خاصیت طبعی لازمی ہے، کہ ضرور متعدی ہوتے ہیں، تخلف کبھی ہوتا ہی نہیں، سو اس کی نفی فرمائی گئی ہے، اور یہ معنی جس طرح نص سے منفی ہیں، اسی طرح مشاہدہ سے بھی منفی ہیں، چنانچہ مثلاً کسی مقام پر طاعون ہی پھیلتا ہے، بعد ارتفاع کے جب دیکھا جاتا ہے تو اموات کی تعداد محفوظین کی تعداد سے بہت کم ہوتی ہے، اگر عدوی ضروری ہوتا تو اس کا عکس ہوتا؛ بلکہ کوئی بچتا ہی نہیں، غرض تعدیہ کے طبعی ولازمی ہونے کی نفی فرمائی گئی ہے۔ اور اگر مثل دوسرے اسباب محتملہ کے اس کو بھی مفضی فی الجملہ ومؤثر فی وقتٍ دون وقتٍ مان لیا جاوے، جیسے محققین اطباء جس جگہ افعال وخواص قویٰ طبعیہ واعضاء کے یا اغذیہ وادویہ کے بیان کرتے ہیں، وہاں **باذن خالقها** کی قید بھی لگادیتے ہیں۔ اس طرح سے عدوی کے قائل ہونے میں کچھ حرج نہیں۔ اور **فرار من المجذوم** کی علّت اسی درجہ

کے احتمال عدوی کو قرار دیا ہے (۱)۔ اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سائل کے جواب میں (جس نے ایک اونٹ کے خارشتی ہونے کے بعد دوسرے اونٹوں کے خارشتی ہوجانے کا، اشکال پیش

(۱) وفي طريق الجمع مسالک أخرى: أحدها: نفي العدوي جملة وحمل الأمر بالفرار من المجذوم على رعاية خاطر المجذوم؛ لأنه إذا رأى الصحيح البدن السليم من الآفة تعظم مصيبته وتزداد حسرته. وثانيها: حمل الخطاب النفي والإثبات على حالتين مختلفتين، فحيث جاء لا عدوى كان المخاطب بذلک من قوى يقينه وصح توكله بحيث يستطيع أن يدفع عن نفسه اعتقاد العدوى كما يستطيع أن يدفع التطير الذي يقع في نفس كل أحد لكن القوى اليقين لا يتأثر، وهذا مثل ما تدفع قوة الطبعية العلة فتبطلها ...... وحيث جاء "فر من المجذوم" كان المخاطب بذلک من ضعف يقينه ولم يتمكن تمام التوكل فلا يكون له قوة على دفع اعتقاد العدوى، فأريد بذلک سد باب اعتقاد العدوى عنه بأن لا يباشر ما يكون سببا لإثباتها ...... ثالث المسالک: قال قاضي أبوبكر الباقلاني: إثبات العدوى في الجذام ونحوه مخصوص من عموم نفي العدوى، قال: فيكون معنى قوله: "لاعدوى" أي إلا من الجذام والبرص والجرب مثلا، قال: فكأنه قال لا يعدي شيء شيئا إلا ما تقدم تبييني له أن فيه العدوى، وقد حكى ذلک ابن بطال. رابعها: أن الأمر بالفرار من المجذوم ليس من باب العدوى في شيء بل هو لأمر طبعي وهو انتقال الداء من جسد لجسد بواسطة الملامسة والمخالطة، وشم الرائحة، ولذلک يقع في كثير من الأمراض في العادة انتقال الداء من المريض إلى الصحيح بكثرة المخالطة، وهذه طريقة ابن قتيبة فقال: المجذوم تشتد رائحته حتى يسقم من أطال مجالسته ومحادثته ومضاجعته، وكذا يقع كثيرا بالمرأة من الرجل وعكسه، وينزع الولد إليه، ولهذا يأمر الأطباء بترک مخالطة المجذوم لا على طريق العدوى بل على سبيل التأثر بالرائحة؛ لأنها تسقم من واظب اشتمامها ...... المسلک الخامس: أن المراد بنفي العدوى أن شيئا لا يعدي بطبعه نفيا لما كانت الجاهلية تعتقده أن الأمراض تعدي بطبعها من غير إضافة إلى الله، فأبطل النبي صلى الله عليه وسلم اعتقادهم ذلک، وأكل مع المجذوم ليبين لهم أن الله هو الذي يمرض ويشفي، ونهاهم عن الدنو منه ليبين لهم أن هذا من الأسباب التي أجرى الله العادة بأنها تفضي إلى مسبباتها ففي نهيه إثبات الأسباب، وفي فعله إشارة إلى أنها لا تستقل بل هو الله الذي إن شاء سلبها قواها فلا تؤثر ←

کیا تھا) یہ فرمانا کہ **فمن اعدی الأول** (ا)۔ یعنی پہلے اونٹ کو کس نے بیماری لگادی تھی، اس مسلک کے مزاحم نہیں؛ کیونکہ ممکن ہے کہ مقصود اسی تعدیہ کی نفی ہو، جس کا قائل وہ سائل تھا، غرض عدویٰ کے باب میں یہ تحقیق ہے جس پر جواب مقصود موقوف ہے۔

اب اس کے بعد جواب اصل سوال کا معلوم ہوجاوے گا، یعنی **نهی عن الدخول في مكان الطاعون** کی علّت ان دونوں مسلکوں پر جدا جدا ہوگی، پس اہل مسلکِ اول جو کہ عدویٰ کو رأساً واساساً منفی کہتے ہیں، یہ کہیں گے کہ یہ نہی بوجہ احتمال عدویٰ کے نہیں؛ بلکہ اس لئے ہے کہ شاید مقام طاعون میں جانے سے کسی مستقل سبب سے اس کو بھی طاعون ہوجاوے، اور اس کو یا دوسروں کو یہ وسوسہ ہو کہ دوسروں کا طاعون اس کو لگ گیا، اور خواہ مخواہ اعتقاد خراب ہو؛ اس لئے خود جانے ہی سے جس میں احتمال تھا، فساد اعتقاد کا منع فرمادیا، اور اہل مسلکِ ثانی جو کہ مرتبہ سبب غیر لازم التاثیر میں عدویٰ کو ثابت مانتے ہیں یہ کہیں گے کہ اسی واسطے جانے سے منع فرمادیا کہ شاید وہاں کے طاعون کا اس میں بھی اثر ہوجاوے، گو دوسرا بھی احتمال ہے کہ

← **شيئا، وإن شاء أبقاها فأثرت ...... المسلك السادس: العمل بنفي العدوى ورأسا، وحمل الأمر بالمجانبة على حسم المادة وسد الذريعة لئلا يحدث للمخالط شيء من ذلك فيظن أنه بسبب المخالطة فيثبت العدوى التي نفاها الشارع وإلى هذا القول ذهب أبوعبيدة وتبعه جماعة، فقال أبوعبيد: ليس في قوله: "لا يورد ممرض على مصح" إثبات العدوى بل لأن الصحاح لو مرضت بتقدير الله تعالى ربما وقع في نفس صاحبها أن ذلك من العدوى، فيفتتن ويتشكك في ذلك، فأمر باجتنابه الخ.** (فتح الباري، كتاب الطب، باب الجذام، مكتبه أشرفيه ديوبند ١٠/ ١٩٧-١٩٨، دارالريان للتراث ١٠/ ١٦٩-١٧٠)

الكوكب الدري، أبواب الجنائز، البحث في العدوى، المكتبة اليحيوية سهارنپور ١/ ٣١٠-٣١١۔

تكملة فتح الملهم، الطب، باب لا عدوى ولا طيرة ولا هامة ولا صفر الخ، مسألة تعدية الأمراض، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ٣٧٠-٣٧١۔

(ا) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا عدوى ولا صفر ولا هامة، فقال أعرابي: يا رسول الله فما بال الإبل تكون في الرمل كأنها الظباء فيخالطها البعير الأجرب فيجربها، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فمن أعدى الأول.

(بخاري شريف، كتاب الطب، باب لا هامة، النسخة الهندية ٢/ ٨٥٩، رقم: ٥٥٤٥، ف: ٥٧٧٠)

یہ اثر نہ ہو، غرض بلاضرورت خطرہ ہلاکت میں کیوں پڑے گو وہ یقینی نہ ہو، مگر ہلاکت کے اسباب مثل تناول سم وغیرہ کا ارتکاب بھی تو قصداً بلاضرورت نقلاً وعقلاً ممنوع ہے (۱) گو اس سے کبھی بچ بھی جاتا ہے؛ البتہ جس کی مضرت اس سے بھی کم محتمل ہو جیسے معمولی بد پرہیزی وہ داخل نہی نہ ہوگی۔ اور اس پر اگر یہ شبہ ہو کہ جب عدوی اسباب مشکوکہ میں سے ہے تو نہی عن الدخول تو موجّہ ہوگیا، لیکن **نهی عن الخروج** کیوں ہے، چاہئے کہ خروج جائز ہو؛ کیونکہ خطرہ محتمل الضرر میں واقع ہونے کے بعد اس سے خارج ہو جانا عقلاً اور بدلائل نصوص نقلاً بھی جائز؛ بلکہ اولیٰ ہے، جیسے مرض کہ اسباب مشکوکہ موت سے ہے، اور تداوی سے غرض **خروج عن المرض** ہوتا ہے، اور اجماعاً جائز ہے (۲)۔ اسی طرح یہاں بھی خروج جائز ہونا چاہئے تھا، تو جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ بیشک اس کا مقتضا فی نفسہ تو یہی تھا، جیسا صاحب شبہ نے کہا ہے؛ لیکن عقل اور نقل نے ایک دوسرا قاعدہ بھی مقرر و مسلم رکھا ہے کہ جہاں ایک شخص کے ضرر مشکوک سے بچنے میں دوسرے شخص کا جس کا اس کے ذمہ حق اعانت ہو یقینی ضرر لازم آوے وہاں اس کو ضرر مشکوک سے بچنے کی اجازت نہیں، مثلاً کسی گھر میں آگ لگ گئی اگر پڑوسی نہیں بُجھاتے ہیں تو درجہ شک میں احتمال ہے کہ شاید اس آگ

---

(۱) لاخلاف بين الفقهاء في حرمة تناول ما يقتل من السم بلا حاجة إليه لقوله تعالىٰ: (ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة) وقال عز من قائل: (ولا تقتلوا أنفسكم). (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۵/ ۲۵۵)

(۲) عن أبي الدرداء رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله أنزل الداء والدواء، وجعل لكل داء دواء، فتداووا ولا تداووا بحرام. (أبوداؤد شريف، كتاب الطب، باب فى الأدوية المكروهة، النسخة الهندية ۲/ ۵۴۱، دارالسلام رقم: ۳۸۷۴)

عن أسامة بن شريک قال: قالت الأعراب يا رسول الله! ألا نتداوىٰ؟ قال: نعم يا عباد الله! تداووا فإن الله لم يضع داء إلا وضع له شفاء أو قال دواء إلا داء واحدا قالوا يا رسول الله وما هو؟ قال: الهرم. (ترمذي شريف، أبواب الطب، باب ماجاء في الدواء والحث عليه، النسخة الهندية ۲/ ۲۴، دارالسلام رقم: ۲۰۳۸)

الاشتغال بالتداوي لا بأس به إذا اعتقد أن الشافي هو الله تعالى، وأنه جعل الدواء سببا، أما إذا اعتقد أن الشافي هو الدواء فلا. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر: في التداوي والمعالجات، قديم زكريا ۵/ ۳۵۴، جديد زكريا ديوبند ۵/ ۴۰۹)

کا صدمہ اُن بجھانے والوں کو بھی پہنچے، مگر شک ہی شک ہے، ممکن ہے کہ کچھ صدمہ نہ پہنچے، تو کیا اِن پڑوسیوں کو یہ اجازت ہوگی کہ کھڑے دیکھا کریں، اور بجھانے کی کوشش نہ کریں، غرض قاعدۂ سابقہ کہ خطرہ مشکوکہ سے خارج ہونا جائز ہے، مقید ہوا اس قید کے ساتھ کہ جب اس خروج میں دوسرے کا ضرر یقینی نہ ہو، اور طاعون سے فرار کرنے میں دوسرے لوگ جو باقی رہ جاتے ہیں اُن کا کسرِ قلب اور زیادہ توحش و ضیاع ہے جو کہ مضار یقینیہ ہیں؛ اس لئے اثقل المضرتین کے دفع کے لئے أخف المضرتین کو گوارا کیا جاوے گا اور خروج کو ناجائز کہا جاوے گا (۱) اور یہ حکم کچھ خروج ہی کے ساتھ خاص نہیں، اگر کسی طور معلوم ہو جاوے کہ مقام طاعون میں میرے نہ جانے سے کسی کا یقینی ضرر ہے، وہاں بھی اس کے ضرر یقینی کے دفع کے واسطے اس کے ضرر مشکوک پر جو کہ دخول میں تھا نظر نہ کی جاوے گی، مثلاً مقام طاعون میں کوئی عورت بیوہ ہوگئی، اور اس جگہ سب اس کے مخالف ہیں اور بضرورت عدت و نیز اس لئے کہ اموال و امتعہ کا نقل وہاں سے اس کو متعذر رہے، وہاں اس کا قیام ضروری ہے۔ اور دوسرے شہر میں اس عورت کا کوئی محرم

---

(۲) وقد ذكر العلماء في النهي عن الخروج حكما، منها أن الطاعون في الغالب يكون عاما في البلد الذى يقع به، فإذا وقع فالظاهر مداخلة سببه لمن بها فلا يفيده الفرار لأن المفسدة إذا تعينت حتى لا يقع الإنفكاك عنها كان الفرار عبثا فلا يليق بالعاقل، ومنها أن الناس لو تواردوا على الخروج لصار من عجز عنه بالمرض المذكور أو بغيره ضائع المصلحة لفقد من يتعهده حيا وميتا، وأيضا لو شرع الخروج فخرج الأقوياء لكان في ذلك كسر قلوب الضعفاء، وقد قالوا: إن حكمة الوعيد في الفرار من الزحف لما فيه من كسر قلب من لم يفر وإدخال الرعب عليه بخذلانه. (فتح الباري، كتاب الطب، باب ما ذكر في الطاعون، مكتبه أشرفيه ديوبند ١٠/ ٢٣٢، دارالريان للتراث ١٠/ ٢٠٠)

قوله: (وإذا وقع الطاعون ببلد وأنتم فيه فلا تخرجوا منه، وإذا وقع ببلد ولستم فيه فلا تدخلوا إليه) حكمة الأول أن أهل البلد لو مكنوا من ذلك لذهبوا وتركوا المرضى فيضيعون. والثاني: أن من قدم ربما أصابه فيسند ذلك إلى قدومه فيزل قدمه، ومحل الأمرين حيث لا ضرورة إلى الخروج أو الدخول وإلا فلا إثم كما هو الظاهر. (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، قبيل باب في الوسوسة، مكتبه إمداديه ملتان ١/ ١٣٢-١٣٣)

الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٨/ ٣٣٢۔

ہے کہ اس کے پاس رہنے سے وہ اس کی جان و مال و آبرو کی حفاظت کر سکتا ہے تو اس صورت میں اس کے لئے نهی عن الدخول نہ رہے گا۔ اور اس ضرورت سے اس کو اس جگہ جانے کی اجازت بلکہ بشرط عدم حرج تاکید ہوگی، اور کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ جیسے خروج میں دوسروں کا ضرر یقینی ہے اسی طرح عدم خروج میں اس کا ضرر یقینی ہے کہ ہلاک ہو جاوے گا تو دونوں ضرر برابر ہوئے اور حق نفس مقدم ہے حق غیر پر۔ سو اس شبہ کی گنجائش اس لئے نہیں کہ گفتگو اس تقدیر پر ہو رہی ہے کہ عدوی یقینی نہیں جو اوپر سمع و مشاہدہ سے ثابت ہو چکا ہے، پس دونوں مسلکوں میں سے کسی مسلک کے جواب پر کوئی غبار نہیں رہا۔

رہی یہ بات کہ ان دونوں مسلکوں میں ارجح کون مسلک ہے، سو اس میں اپنے مذاق و اجتہاد کے موافق ہر شخص کو اختیار ہے جس مسلک کا چاہے قائل ہو اختلاف أمتي رحمة ایسے ہی امور میں وارد ہے تو جس طرح احکام فرعیہ کا اختلاف رحمت ہے، اسی طرح حکم متفق علیہ کے دلائل و علل کا اختلاف بھی رحمت ہے (۱) جس کو جو مسلک اقرب معلوم ہو اس کو اختیار کر سکتا ہے، اور ہر مسلک میں ایک خاص حکمت ہے، چنانچہ جن پر تفویض کا غلبہ ہے اُن کے مناسب مسلکِ اوّل ہے اور جن پر اسباب کا غلبہ ہے ان کے مناسب مسلک ثانی ہے، یا غلو فی التفویض کا علاج مسلکِ ثانی ہے اور غلو فی الاسباب کا علاج مسلکِ اوّل ہے، یہ تو ذوق و حکمت کے اعتبار سے ہے۔ باقی اقرب إلى التحقيق مجھ کو مسلکِ ثانی معلوم ہوتا ہے۔ ولكل وجهة هو موليها. والله أعلم بالصواب، وعنده أم الكتاب، وإليه يرجع الحقائق في كل باب. ۲۵ رمحرم ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۱۷)

---

(۱) المشهور أن اختلاف مجتهدي الأمة في الفروع رحمة لها وسعة، والذين صرحوا بذلك احتجوا بما رواه ابن عباس مرفوعا مهما أوتيم من كتاب الله فالعمل به لا عذر لأحد في تركه، فإن لم يكن في كتاب الله فسنة مني ماضية، فإن لم تكن سنة مني فما قال أصحابي: إن أصحابي بمنزلة النجوم في السماء، فأيما أخذتم به اهتديتم، واختلاف أصحابي لكم رحمة، وفي الحديث أيضا، وجعل اختلاف أمتي رحمة، وكان فيمن كان قبلنا عذابا. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲/ ۲۹۵)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

طاعون کی تمنا اور اس کے علاج کا حکم

سوال (۲۶۸۳): قدیم ۴/۲۹۰- اگر یہ تمنا ہو کہ جب موت آئے تو مرض طاعون سے آئے جائز ہے یا نہیں؟ اگر طاعون ہو جائے تو علاج کرے یا نہیں؟

الجواب: بعض بزرگوں سے ایسی دُعا منقول ہے اور ایسے ہی بزرگوں سے تدبیر کی ممانعت بھی منقول ہے، مگر محققین کے نزدیک خصوصیت کے ساتھ اس کی دُعا نہ کرے؛ البتہ شہادت کی دُعا کی اجازت ہے(۱) پھر وہ خواہ طاعون سے ہو یا اور کسی طریق سے، اور طاعون ہونے پر دُعا و دَوا سب جائز ہے(۲) جیسے **قتل في سبيل الله** کہ اسباب شہادت سے ہے اور باوجود اس کے اس سے بچنے کی تدبیر اور اس کے اسباب کا دفع جائز ہے۔ **فكذا هذا.** ۲۲/رجب ۱۳۲۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۵۷۸)

---

(۱) **عن عمر رضي الله عنه قال: اللهم ارزقني شهادة في سبيلك، واجعل موتي في بلد رسولك صلى الله عليه وسلم.** (بخاري شريف، كتاب فضائل المدينة، باب كراهية النبي صلى الله عليه وسلم أن تعرى المدينة، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۳، رقم: ۱۸۵۱، ف: ۱۸۹۰)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: والذى نفسي بيده لولا أن رجالا يكرهون أن يتخلفوا بعدي ولا أجد ما أحملهم ما تخلفت، لوددت أني أقتل في سبيل الله ثم أحيا، ثم أقتل، ثم أحيا، ثم أقتل، ثم أحيا، ثم أقتل. (بخاري شريف، كتاب التمني، باب ماجاء في التمني ومن تمني الشهادة، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۷۳، رقم: ۶۹۳۶، ف: ۷۲۲۶)

(۲) **عن أبي الدرداء رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله أنزل الداء والدواء، وجعل لكل داء دواء، فتداووا ولا تداووا بحرام.** (أبوداؤد شريف، كتاب الطب، باب فى الأدوية المكروة، النسخة الهندية ۲/ ۵۴۱، دارالسلام رقم: ۳۸۷۴۰)

ترمذي شريف، أبواب الطب، باب ماجاء في الدواء والحث عليه، النسخة الهندية ۲/ ۲۴، دارالسلام رقم: ۲۰۳۸۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مسائل متعلّقہ طاعون

سوال (۲۶۸۴): قدیم ۴/۲۹۰- رسالہ مرسلہ خدمت الماعون میں صفحہ۳ سے صفحہ۴ کے شروع تک جوفتویٰ مندرج ہے جس کی شرح رسالہ مرسلہ خدمت **اعاذۃ الناس** میں صفحہ۴ سے صفحہ ۸ تک اور صفحہ ۲۸ سے ۳۴ تک بیان کی گئی ہے۔ آیا اس زمانۂ حیلہ جوئی میں زید کو اس قسم کا فتوی لکھنا صحیح ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: میں نے دونوں رسالے مع اُن کے لواحق کے سرسری نظر سے دیکھے مؤیدات زائدہ سے قطع نظر کر کے اصل مقصود میں نزاع لفظی معلوم ہوتا ہے اور اختلاف یا شرط سے تناقض حقیقی نہیں، چنانچہ اعاذہ کے صفحہ ۳۵ میں مصرح ہے: ''اگر کوئی اس نیت سے بھاگے کہ طاعونی مقام میں ٹھہرنے اور طاعون میں مبتلا ہونے سے کہیں یہ اعتقاد پیدا نہ ہوجائے کہ طاعون کے مقام میں رہنا طاعون ہونے کا سبب ہوا ہے تو ایسے بھاگنے کی ممانعت حدیث سے ہرگز مفہوم نہیں ہوتی اھ''۔

اور صفحہ ۷ میں ہے: ''اگر طاعون سے بچنے کی نیت ہوتو ممنوع اھ'' اس سے صاف معلوم ہوا کہ جس فرار کا منشاء یہ غرض اور اعتقاد ہو کہ خروج موجب نجات ہوگا۔ صاحب اعاذہ کے نزدیک بھی ممنوع ہے اور مانعین اسی کو منع کررہے ہیں، اور جس خروج کا منشاء یہ غرض اور اعتقاد نہ ہو صاحب اعاذہ اس کو جائز بتلارہے ہیں اور مانعین بھی اس کو منع نہیں کرتے، پس جائز اور چیز ہوئی اور منہی عنہ دوسری چیز۔ پس نفس مسئلہ میں اختلاف نہ رہا، اور اسی تفصیل کی تائید عبارت درمختار واقعہ آخری مسائل شتی سے ہوتی ہے(۱)۔

اب صرف محل نزاع یہ رہ گیا کہ آیا فارین کی غرض فاسد ہے یا صحیح ہے' سو یہ کوئی مسئلہ شرعیہ نہیں ہے جس میں اس قدر کلام کیا جاوے محض ایک واقعہ جزئیہ ہے جس کی تحقیق تجربہ ومشاہدہ وتتبع احوال ناس سے بآسانی کر کے نزاع مرتفع ہوسکتا ہے، سو جہاں تک استقراء صحیح سے کام لیا گیا یہی ثابت ہوا کہ اکثر میں جہل

---

(۱) وإذا خرج من بلدة بها الطاعون، فإن علم أن كل شيء بقدر الله تعالىٰ فلا بأس بأن يخرج ويدخل وإن كان عنده أنه لو خرج نجا ولو دخل ابتلي به كره له ذلك فلا يدخل ولا يخرج صيانة لاعتقاده، وعليه حمل النهي في الحديث الشريف. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الخنثى، قبيل كتاب الفرائض، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ٤٨٨، كراچی ٦/ ٧٥٧)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ومعصیت کے غلبہ سے اور بعض میں الحاد و دہریت کے اثر سے فساد غرض متیقن ہے۔ إلا نادراً والنادر کالمعدوم بل عسی أن یکون في زماننا إلا المفهوم. لہٰذا بمقتضاءِ انتظام احکام منع عام ہے جو مانعین کا حاصل کلام وملخص مرام ہے۔ واللہ اعلم ۱۵/ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ

سوال (۲۶۸۵): قدیم ۴/ ۲۹۱- ایک مقام میں طاعون واقع ہوا اور چوہے کثرت سے مکانوں میں مرنے لگے اور کچھ لوگ بستی کے محض بغرض تبدیل آب وہوا مکان چھوڑ کر محلّہ کے بالکل متصل چند بیگہ کے فاصلہ پر میدان صاف وپُر فضا میں اقامت پذیر ہوگئے۔ آیا خروج بایں نیت جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: چونکہ فناء آبادی حکم میں آبادی کے ہے؛ لہٰذا مجموعہ کو مکان واحد کہا جائے گا؛ اس لئے صورت مسئولہ میں میدان میں رہنا جائز ہے۔

والدلیل علیه ما أری نظري أن بعض الأحادیث ذکر فیه لفظ أرض کما رواه مسلم. وفي بعضها بلد کما حکاه النووي (۱)۔ ولما کان الحدیث یفسر بعضه بعضاً علم أن المراد بالأرض هي البلدة، ویؤیده ما في الدرالمختار: إذا خرج من بلده (۲)

---

(۱) عن عامر بن سعد بن أبي وقاص عن أبیه أنه سمعه یسأل أسامة بن زید ماذا سمعت من رسول الله صلی الله علیه وسلم في الطاعون، فقال أسامة: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: الطاعون رجس أرسل علی طائفة من بني إسرائیل أو علی من کان قبلکم، فإذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا علیه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه، قال أبو النضر: لا یخرجکم إلا فرارا منه. (مسلم شریف، کتاب السلام، باب الطاعون والطیرة والکهانة ونحوها، النسخة الهندیة ۲/ ۲۲۸، بیت الأفکار رقم: ۲۲۱۸)

عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي صلی الله علیه وسلم قالت: سألت رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الطاعون، فأخبرني أنه عذاب یبعثه الله علی من یشاء، وأن الله جعله رحمة للمؤمنین، لیس من أحد یقع الطاعون فیمکث في بلده صابرا محتسبا یعلم أنه لا یصیبه إلا ما کتب الله له إلا کان له مثل أجر شهید. (بخاري شریف، کتاب الأنبیاء، باب حدیث الغار، النسخة الهندیة ۱/ ۴۹۴، رقم: ۳۳۵۵، ف: ۳۴۷۴)

(۲) وإذا خرج من بلدة بها الطاعون، فإن علم أن کل شيء بقدر الله تعالیٰ فلا بأس بأن یخرج ویدخل وإن کان عنده أنه لو خرج نجا ولو دخل ابتلي به کره له ذلک ←

حيث قيد الحكم بالبلدة ولما ثبت كون متعلق الحكم هي البلدة، وهي بجميع أجزائها محل واحد كما اعتبر في أحكام الجمعة والعيد (۱) لم يكن الخروج إلى الفناء خروجاً من البلدة، فتفكر نعم نقل في بعض الرسائل عن الفتاوى الكبرىٰ لابن حجر المكي أن المراد بالأرض محل الإقامة وقع به الطاعون، سواء كان بلداً أم قرية أم محلة أم غيرها لا جميع الإقليم الخ (۲)۔ لكنه من العلماء الشافعية فلا يكون قوله حجة علينا لأنا لم نلتزم اتباعه. والله أعلم ۲۰/ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ

شبہ متعلق جواب مندرجہ بالا

طاعونی مقام سے فناء بلد میں خروج کے جواز کی دلیل حضرت نے جو لکھی ہے مطالعہ کی؛ لیکن تھوڑی تشریح کے لئے اور مکلّف خدمت ہوں:

← فلا يدخل ولا يخرج صيانة لاعتقاده، وعليه حمل النهي في الحديث الشريف. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الخنثى، قبيل كتاب الفرائض، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۴۸۸، كراچی ۶/ ۷۵۷)

(۱) ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر أو فناءه وهو ما حوله اتصل به أولا كما حرره ابن الكمال وغيره لأجل مصالحه كدفن الموتى وركض الخيل الخ. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۵ تا ۷، كراچی ۲/ ۱۳۷-۱۳۸)

لا تصح الجمعة إلا بستة شروط: المصر أو فناءه الخ. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، الصلاة، باب الجمعة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۴۴)

تجب صلاتهما -العيدين- في الأصح على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدمة سوى الخطبة، فإنها سنة بعدها. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۴۵، كراچی ۲/ ۱۶۶)

تجب صلاة العيد وشرائطها كشرائط الجمعة وجوبا وأداء سوى الخطبة. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، الصلاة، باب صلاة العيدين، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۵۴)

(۲) لم أظفر بهذه العبارة.

(۱) عبارت درمختار کے جواب میں جو مرقوم ہے بہت تھوڑی ہے، یعنی اس قدر إذا خرج من البلدة الخ سے معلوم نہیں یہ کہاں کی عبارت ہے، میں نے اپنی مظنونہ مقامات میں تلاش کیا نہ ملی، تا کہ مجھے معلوم ہو جاتا کہ یہ عبارت خروج من البلد الطاعون ہی کی بابت ہے۔

(۲) یہ کہ اصل محاورات عرب میں تو بلد قطعة من الأرض عامرة كانت أو غامرة کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔قال اللّٰہ تعالیٰ: سقناه إلى بلد ميت (۱)۔ قال الشاعر:

وبلدة ليس بها أنيس ☆ إلا اليعافير وإلا العيس

اس لئے مجھے خیال ہوتا ہے کہ کلام نبوی میں محض قدیم استعمال کے بموجب ارادہ معنی بہتر ہوگا۔

فلا ضرورة إذاً في إدخال الفناء الغير المعمور في حكم العمران.

(۳) تیسرے یہ کہ فناء کی بابت خروج للسفر و قصر صلوٰۃ کی بحث میں شامی میں ہے:

أما الفناء: وهو المكان المعد لمصالح البلد كركض الدواب، ودفن الموتى، وإلقاء التراب، فإن اتصل بالمصر اعتبر مجاوزته، وإن انفصل بغلوة أو مزرعة فلا كما يأتي بخلاف الجمعة فتصح إقامتها في الفناء ولو منفصلا بمزارع؛ لأن الجمعة من مصالح البلد بخلاف السفر (۲)۔

پس خروج از بلد للسفر اور جمعہ کے لئے فناء کے اعتبار میں فرق ہوا، اس مسئلہ مسئول عنہا میں کیا معتبر ہوگا، ارض متصل ہے یا منفصل بمزارع بھی داخل ہے۔وعلى كل حال كيف تقدير الفناء وتحديده. ونیز اس میں ہے: بخلاف البساتين ولو متصلة بالبناء؛ لأنها ليست من البلدة (۳)۔ فما حالها في هذه المسئلة ؟

جواب سوال اول: درمختار میں کتاب الفرائض سے چند سطر پہلے یہ عبارت ہے (۴)۔

---

(۱) سورة الفاطر، رقم الآية: ۹۔

(۲) شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۵۹۹-۶۰۰، کراچی ۲/ ۱۲۱۔

(۳) شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۵۹۹، کراچی ۲/ ۱۲۱۔

(۴) وإذا خرج من بلدة بها الطاعون، فإن علم أن كل شيء بقدر الله تعالىٰ ←

جواب سوال دوم: اگر بلدہ میں تعمیم لے لی جاوے تب بھی مضر نہیں؛ کیونکہ اس تقدیر پر بھی ہر ہر جزوِ ارض پر تو اطلاق نہ کیا جاوے گا تا کہ بیوت ومحلات کو شمول ثابت ہو بلکہ ایک قطعہ محدودہ کے ساتھ خاص ہوگا، چنانچہ قاموس میں قطعہ کے بعد مستحیزۃ کی قید مصرح ہے(۱) اور تعیین حدود کا مبنی عرف پر ہے سو ظاہر ہے کہ عرفاً معنے خاص کے اعتبار سے حقیقۃً مجموعہ اجزاء معمورہ پر اور حکماً اجزاء تابعہ غیر معمورہ پر بھی اور معنی عام کے اعتبار سے حقیقۃً ولغۃً اجزاء معمورہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، پس خروج عن العمارات کا خروج عن البلد ہونا پھر بھی ثابت نہ ہوگا، اور فناء غیر معمور تقدیر اوّل پر حکماً اور تقدیر ثانی پر لغۃً بلد میں داخل ہوگا، سو بتقدیر ثانی تعمیم کسی قدر مدعا میں مقید ہوگئی۔

جواب سوال سوم: فناء کو حکم جمعہ متصل ومنفصل دونوں کے لئے عام اور وسیع ماننے کی اور سفر میں وسیع نہ ماننے کی جو علّت بیان کی ہے: **لأن الجمعة من مصالح البلد بخلاف السفر** (۲) خود بتلا رہی ہے کہ خروج متکلم فیہ کو حکم جمعہ میں کہنا چاہئے؛ کیونکہ سکنیٰ بھی مثل جمعہ کے یقیناً مصالح سے ہے پس اندر اور باہر کا سکنی یکساں ہوا اور ارض متصل ومنفصل بمزارع سب اس میں داخل ہوگئے اور عبارت **بخلاف البساتین الخ** سے بساتین کا فناء بلد سے خارج کرنا مقصود نہیں؛ بلکہ ابنیۂ بلد سے خارج کرنا مقصود ہے، چنانچہ سباق وسیاق سے یہ امر صاف ظاہر ہے، اس سے سابق یہ عبارت ہے:

وأشار إلى أنه يشرط مفارقة ماكان من توابع مواضع الإقامة كربض المصر وهو ماحول المدينة من بيوت ومساكن، فإنه في حكم المصر، وكذا القرى المتصلة بالربض في الصحيح بخلاف البساتين الخ (۳)۔

← **فلا بأس بأن يخرج ويدخل وإن كان عنده أنه لو خرج نجا ولو دخل ابتلي به كره له ذلک فلا يدخل ولا يخرج صيانة لاعتقاده، وعليه حمل النهي في الحديث الشريف.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الخنثى، قبيل كتاب الفرائض، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ٤٨٨، كراچی ٦/ ٧٥٧)

(۱) القاموس المحيط، دارالحديث القاهره، ص: ١٥٤۔

(۲) شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٦٠٠، كراچی ٢/ ١٢١۔

(۳) شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٥٠٠، كراچی ٢/ ١٢١۔

اوراس کے بعد یہ عبارت ہے: **وأما الفناء الخ.** پس معلوم ہوا کہ **أما الفناء** سے پہلے غیر فناء کا ذکر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ قصر سفر میں تو عمارات **ولو احقها** معتبر ہیں، پس بساتین چونکہ سکنٰے اوراس کے مرافق کے لئے موضوع نہیں؛ لہٰذا ابنیہ سے خارج ہیں، اور جمعہ میں فناء معتبر ہے اوراس میں زیادہ عموم ووسعت ہے جیسا خود سوال میں مصرّح ہے، پس بساتین کا قصر میں خارج عن البلد ہونا مستلزم نہیں کہ جمعہ **وما یماثلها کا لخروج المتکلم فیه** میں بھی خارج ہو اور لفظ بلدہ کے محلات ومنازل کو عام ہونے اور بساتین اور مزارع ونحوہا کے داخل بلد ہونے کے لئے اتنا امر کافی ہے کہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں کسی کی ملاقات کے لئے یا بساتین ومزارع کے لئے جو کہ ضرورت شدید نہ ہونے کی وجہ سے مجوز خروج عن محل الطاعون نہیں ہوسکتا جانا بالاتفاق جائز سمجھا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ **خروج عن البلد الی بلد آخر** نہیں ہے۔ فتامل وانصف واللہ اعلم ۱۱؍صفر ۱۳۲۲ھ

فرار عن الطاعون کا حکم

سوال (۲۶۸۶): قدیم ۴/۲۹۳- طاعون شہر میں داخل ہونے کے بعد یہاں سے کچھ لوگوں نے بستی چھوڑ دی ان میں سے بعض دوسری بستیوں میں چلے گئے اور بعض بستی کے نزدیک ہی چھپّروں میں قصبہ میں جاگزیں ہیں، فریق ثانی بھی مرضی کی عیادت اور نماز جنازہ وتکفین کی محنت وغیرہ میں شریک نہیں ہوتے، جی میں آئی تو شہر سے باہر مدفن میں آکر مٹی دے دی، ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ ہم نے گنگوہ سے اور تھانہ بھون سے فتویٰ منگایا ہے، تبدیل آب وہوا کے لئے بستی سے زمانہ طاعون میں نکلنا درست ہے، ایک شخص نے الہ آباد سے شاید حضور کے پاس یہیں کے لئے اپنے عزیزوں کے اشارہ سے استفتاء کیا، اور بستی کے باہر قریب میدان میں جانے کی اجازت کا سوال تھا، کہتے ہیں کہ جواز کا فتویٰ مولانا نے دیا ہے بہر کیف طالب علم کے استفتاء کا خیال حضور کو ہو یا نہ ہو ان دونوں فریقوں کا جو حال حکم شرعی سے ہو اور جیسا کچھ پہلے کبھی لکھا گیا تحریر فرمائیے؛ کیونکہ ہمارے یہاں کے علماء کل اس جواز کے مخالف مجھ سے کم مایہ شخص کی فہم میں بھی ہر دو فریق گناہ گار معلوم ہوتے ہیں اور سخت مجرم، اہل محلّہ کو مبتلائے متعدد اموات ہوتے اور ایک روز میں پانچ پانچ سات سات مُردوں کی تجہیز وتکفین کی محنت شاقہ اٹھاتے ہوئے دیکھتے ہیں اور شرکت نہیں کرتے، نماز جنازہ وپنجگانہ باوجود سماعتِ اذان محلّہ میں پڑھنے نہیں آتے، تبدیل آب وہوا کا بہانہ کرتے ہیں اور طاعونی مریضوں کے پاس اور طاعونی مکان بلکہ اپنی بستی میں جانے سے نہایت ڈرتے ہیں، کیا یہ عدوی وفرار من الطاعون میں داخل نہیں؟

الجواب: چونکہ جواب تابع سوال ہوتا ہے اور اُس سوال میں اُن مفاسد سے تعرض نہ تھا جو اِس سوال میں مذکور ہیں؛ لہٰذا جواب اُس کا جواز سے دیا گیا، چنانچہ نقل جواب یہ ہے؛ لیکن جب اس کے ساتھ یہ مفاسد بھی ہیں جو اس سوال میں مذکور ہیں جس میں عقیدہ کا فساد اور فرائض اور واجبات وسنن ہدیٰ کا ترک لازم آتا ہے، اس عارض کی وجہ سے یہ خروج جائز نہ ہوگا (۱)۔ واللہ اعلم ۱۸/محرم ۱۳۲۲ھ

---

(۱) **وإذا خرج من بلدة بها الطاعون، فإن علم أن كل شيء بقدر الله تعالیٰ فلا بأس بأن يخرج ويدخل وإن كان عنده أنه لو خرج نجا ولو دخل ابتلي به كره له ذلک فلا يدخل ولا يخرج صيانة لاعتقاده، وعليه حمل النهي في الحديث الشريف.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الخنثى، قبيل كتاب الفرائض، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۴۸۸، كراچی ۶/ ۷۵۷)

كل ما أدى إلى ما لا يجوز لايجوز. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۱۹، كراچی ۶/ ۳۶۰)

نیز صورت مسئولہ فی السوال میں ضیاع حقوق جیران اور ضیاع حقوق مرضی وموتی بھی ہے، جو مستقل وجہ ہے نہی کی؛ لہٰذا یہ خروج جائز نہ ہوگا۔

(۲) **وقد ذكر العلماء في النهي عن الخروج حكما، منها أن الطاعون في الغالب يكون عاما في البلد الذى يقع به، فإذا وقع فالظاهر مداخلة سببه لمن بها فلا يفيده الفرار لأن المفسدة إذا تعينت حتى لا يقع الإنفكاک عنها كان الفرار عبثا فلا يليق بالعاقل، ومنها أن الناس لو تواردوا على الخروج لصار من عجز عنه بالمرض المذكور أو بغيره ضائع المصلحة لفقد من يتعهده حيا وميتا، وأيضا لو شرع الخروج فخرج الأقوياء لكان في ذلک كسر قلوب الضعفاء، وقد قالوا: إن حكمة الوعيد في الفرار من الزحف لما فيه من كسر قلب من لم يفر وإدخال الرعب عليه بخذلانه.** (فتح الباري، كتاب الطب، باب ما يذكر في الطاعون، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۰/ ۲۳۲، دارالريان للتراث ۱۰/ ۲۰۰)

قوله: (وإذا وقع الطاعون ببلد وأنتم فيه فلا تخرجوا منه، وإذا وقع ببلد ولستم فيه فلا تدخلوا إليه) **حكمة الأول أن أهل البلد لو مكنوا من ذلک لذهبوا وتركوا المرضى فيضيعون.**

(مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، قبيل باب في الوسوسة، مكتبه إمداديه ملتان ۱/ ۱۳۲-۱۳۳)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

فرار عن الطاعون سے متعلق چند سوالات

سوال (۲۶۸۷): قدیم ۴/۲۹۴- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) طاعون سے بھاگنا جائز ہے یا نہیں؟ خواہ بیماری لگ جانے کے اندیشہ سے ہو یا موت کے خوف سے۔ اور بھاگنا ایک بستی سے دوسری بستی میں ہو یا بستی سے باغوں کی جانب ہو۔

(۲) اگر سارا مکان چوہوں کے مرنے کے سبب سڑ جاوے اور اس میں سکونت دشوار ہو تو نقل مکان جائز ہے یا نہیں؟ ایک مکان سے دوسرے مکان میں ہو یا مکان سے باغوں کی جانب ہو یا بستی سے دوسری بستی کی جانب ہو۔

(۳) اگر ساری بستی کے لوگ بھاگ گئے ہوں اور بستی کے خالی ہو جانے کے سبب وحشت ہو خواہ چوروں کے خوف سے یا محض تنہائی کے سبب تو نقل مکان بمواضع مذکورہ جائز ہے یا نہیں؟

(۴) اگر بستی کے خالی ہو جانے کے سبب حوائج ضروریہ نہ پورے ہوتے ہوں اور تکلیف ہونے لگے تو اس حالت میں دوسری بستی میں یا جہاں حوائج پورے ہوتے ہوں چلا جانا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) مرض طاعون سے یا موت سے کسی کو اگر وحشت ہو تو اُس کے لئے تبدل مکان بمواضع مذکورہ جائز ہے یا نہیں؟

(۶) اگر بستی بالکل خالی نہ ہو اور حوائج ضروریہ برابر پورے ہوتے ہوں اور کوئی تکلیف پیش نہ آتی ہو تو اس وقت بستی کا چھوڑنا کیسا ہے؟

(۷) اگر کسی کے بستی کے چھوڑنے سے ضرر متعدی ہو اور عوام سندِ جواز پکڑیں تو اس کے لئے فرار جائز ہے یا نہیں؟

(۸) اگر بعض مکان سڑ گیا ہو اور بعض نہ سڑا ہو اور اس وجہ سے سکونت دشوار نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

(۹) اگر مکان بالکل سڑ گیا ہو اور اس وجہ سے مکان میں سکونت دشوار ہو تو تبدیل مکان صرف بستی ہی کے اندر کسی مکان میں کر سکتا ہے یا بستی کے باہر باغوں میں یا کسی دوسری بستی میں جا سکتا ہے؟

(۱۰) قصہ حضرت سیدنا عمر فاروقؓ سے جواز مفرورین پر استدلال کرتے ہیں جو بعض مؤرخین نے نقل کیا ہے، چنانچہ الفاروق میں مولوی شبلی لکھتے ہیں: ''مصر اور عراق میں سخت وبا پھیلی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اوّل جب خبر پہنچی تو اس کی تدبیر اور انتظام کے لئے خود روانہ ہوئے سرغ پر پہنچ کر حضرت ابو عبیدہؓ وغیرہ سے جو اُن کے استقبال کو آئے تھے معلوم ہوا کہ بیماری کی شدت بڑھتی جاتی ہے، مہاجرین اوّلین اور انصار کو بلایا اور رائے طلب کی، مختلف لوگوں نے مختلف رائیں دیں؛ لیکن مہاجرین فتح نے یک زبان ہو کر کہا کہ

آپ کا ٹھہرنا یہاں مناسب نہیں، حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ پکار دیں کہ کل کوچ ہے۔ حضرت ابوعبیدہؓ چونکہ تقدیر کے مسئلہ پر نہایت سختی کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے، ان کو نہایت غصہ آیا اور طیش میں آکر کہا: **أفرار من قدر الله؟** حضرت عمرؓ نے اُن کی سخت کلامی کو گوارا کرلیا اور کہا: **نعم أفر من قضاء الله إلى قضاء الله.** غرض مدینہ چلے آئے۔ یہ مضمون الفاروق حصہ اول صفحہ ۱۶۲، ۱۶۳ میں مذکور ہے۔ (**أفر من قضاء الله إلى قضاء الله**) کا صحیح مطلب کیا ہے؟ اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۶۴ میں ہے: ''معاذؓ کے مرنے کے ساتھ انہوں نے یعنی عمرو بن العاصؓ نے عام مجمع میں خطبہ پڑھا اور کہا کہ وبا جب شروع ہوتی ہے تو آگ کی طرح پھیل جاتی ہے؛ اس لئے تمام فوج کو یہاں سے اُٹھ کر پہاڑوں پر جا رہنا چاہئے''۔ اگرچہ اُن کی رائے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو معاذؓ کے ہم خیال تھے ناپسند آئی، یہاں تک کہ ایک بزرگ نے علانیہ کہا کہ تو جھوٹ کہتا ہے، تاہم عمروؓ نے اپنی رائے پر عمل کیا، فوج اُن کے حکم کے مطابق اِدھر اُدھر پہاڑوں پر پھیل گئی اور وبا کا خطرہ جاتا رہا۔

(۱۱) بخاری شریف اور مسند امام احمد بن حنبلؒ کی احادیث سے استدلال عدم جواز پر مطلقاً کرتے ہیں خواہ ایک بستی سے دوسری بستی میں ہو یا بستی سے باغوں کی جانب ہو، بخاری کی حدیث یہ ہے:

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا سمعتم بالطاعون بأرض فلا تدخلوها، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا منها (۱)۔

اور مسند مطبوعہ مصر جلد نمبر ۵، صفحہ ۲۰۱ میں طاعون کے متعلق جو حدیث ہے اس کا اخیر ٹکڑا یہ ہے:

فإذا وقع بأرض فلا تدخلوا عليه، وإذا وقع بأرض فلا تخرجوا فرارا منه (۲)۔

اور نیز اسی مسند میں ہے: **الفار من الطاعون كالفار من الزحف (۳)۔**

(۱۲) فرار من الطاعون اگر گناہ ہے تو کبائر میں سے ہے یا صغائر میں سے اور فرار کو جائز سمجھے اور جواز کا حکم کرے وہ کیسا ہے؟

---

(۱) بخاري شريف، كتاب الأنبياء، باب حديث الغار، النسخة الهندية ۱/ ۴۹۴، رقم: ۳۳۵۴، ف: ۳۴۷۳۔

(۲) مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۲۰۱، رقم: ۲۲۰۹۴۔

(۳) مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۱۴۵، رقم: ۲۵۶۳۱، ۳/ ۳۵۲، رقم: ۱۴۸۳۵۔

(۱۳) اگر بھاگنے کو سبب حفاظت از موت سمجھا جاوے تو کیسا ہے؟

(۱۴) جس مقام پر طاعون ہو وہاں جانا منع ہے یا نہیں؟ اگر ممنوع ہے تو مطلقاً ممنوع ہے یا ضرورت کے وقت اجازت ہے؟

(۱۵) احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون مسلمانوں کے لئے رحمت ہے اور شہادت ہے مسندِ مذکور میں حضرت ابو مسیّب رضی اللہ عنہ کی روایت: **فالطاعون شهادة لأمتي ورحمة لهم** (۱) مروی ہے، پس اس سے تعوذ اور دعا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: طاعون سے بھاگنا جائز نہیں۔ **لقوله عليه السلام: وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرار منه. متفق عليه كذا في المشكوٰة** (۲)۔ اور اطلاقِ حدیث ہر فرار کو شامل ہے جو طاعون سے خواہ بخوف موت ہو خواہ بخوف بیماری لگ جانے کے البتہ یہ امر کہ یہ حکم خود اس بستی کے میدان و باغ وغیرہ کو بھی شامل ہے یا نہیں؟ تصریحاً کتب مذہب میں نہیں گذرا؛ لیکن ظاہرا یہ خروج منہی عنہ میں داخل نہیں؛ کیونکہ فناءِ مصر احکامِ شرعیہ میں حکمِ مصر میں قرار دیا گیا ہے۔

---

(۱) مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٨١، رقم: ٢١٠٤٨۔

(۲) **عن عامر بن سعد بن أبي وقاص عن أبيه أنه سمعه يسأل أسامة بن زيد ماذا سمعت من سول الله صلى الله عليه وسلم في الطاعون، فقال أسامة: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الطاعون رجس أرسل على طائفة من بني إسرائيل أو على من كان قبلكم، فإذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه، قال أبو النضر: لا يخرجكم إلا فرارا منه.** (بخاري شريف، كتاب الأنبياء، باب حديث الغار، النسخة الهندية ١/ ٤٩٤، رقم: ٣٣٥٤، ف: ٣٤٧٣)

مسلم شريف، كتاب السلام، باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها، النسخة الهندية ٢/ ٢٢٨، بيت الأفكار رقم: ٢٢١٨۔

عن عبدالله بن عباس رضي الله عنهٗ قال: قال عبدالرحمن بن عوف سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه يعني الطاعون. (أبوداؤد شريف، كتاب الجنائز، باب الخروج من الطاعون، النسخة الهندية ١/ ٤٤٢، دارالسلام رقم: ٣١٠٣) ←

كـمـا فـي الـجمعة والعيدين (۱)۔ ويـؤيـده مـا وقـع فـي الـحديث من قوله عليه السـلام: فيمكث في بلده الحديث. رواه البخاري كذا في المشكوٰة (۲)۔ حيث علق الحكم بالبلد وبالخروج إلى الفناء لم ينتف مكثه في البلد، وأما ما وقع من لفظ الأرض

← تـرمـذي شـريف، أبواب الجنائز، باب ماجاء في كراهية الفرار من الطاعون، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۴، دارالسلام رقم: ۱۰۶۵۔

مشكوة شـريف، كتـاب الجنائز، باب عيادة المريض، قبيل الفصل الثاني، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۱۳۵۔

(۱) ويشتـرط لـصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر أو فناءه وهو ما حوله اتصل بـه أولا كـما حرره ابن الكمال وغيره لأجل مصالحه كدفن الموتى ركض الخيل الخ. (الـدرالـمـختـار مـع الشـامـي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۵ تا ۷، كراچی ۲/ ۱۳۷-۱۳۸)

لا تـصـح الـجـمعة إلا بستة شروط: المصر أو فناءه الخ. (ملتـقـى الأبحر مع مجمع الأنهر، الصلاة، باب الجمعة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۴۴)

تـجـب صـلاتـهـمـا -الـعيـديـن- فـي الأصـح عـلى من تجب عليه الجمعة بشرائطها الـمتـقـدمة سـوى الـخطبة، فإنها سنة بعدها. (الـدرالـمـختـار مـع الشامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۴۵، كراچی ۲/ ۱۶۶)

تجب صلاة الـعيـد وشـرائطها كشرائط الجمعة وجوبا وأداء سوى الخطبة. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، الصلاة، باب صلاة العيدين، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۵۴)

(۲) عـن عـائشة رضـي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت: سألت رسول الله صـلـى الله عـليـه وسـلـم عن الطاعون، فأخبرني أنه عذاب يبعثه الله على من يشاء، وأن الله جعله رحمة للمؤمنين، ليس من أحد يقع الطاعون فيمكث في بلده صابرا محتسبا يعلم أنه لا يـصيبـه إلا مـا كتـب الله لـه إلا كان له مثل أجر شهيد. (بـخـاري شـريف، كتاب الأنبياء، باب حديث الغار، النسخة الهندية ۱/ ۴۹۴، رقم: ۳۳۵۵، ف: ۳۴۷۴)

مشكوة شـريف، كتـاب الـجـنـائز، باب عيادة المريض، قبيل الفصل الثاني، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۱۳۵۔

فيفسر بالبلدة، فإن الحديث يفسر بعضه بعضاً (۱)۔ ويؤيده أيضاً ماروى عن أنس قال: قال رجل: إنا كنا في دار كثير فيها عددنا وكثير فيها أموالنا فتحو لنا إلى دار أخرى قل فيها عددنا وأموالنا فقال ذروها ذميمة. رواه أبو داؤد، وكذا في المشكوٰة باب الفال (۲)۔ والحديث وإن حملوه على الفال والشوم لكنه يعارض بالأحاديث الأخر والذي يميل إليه القلب أن تلك الدار للضيق أولقربها من النتن ونحوه كانت فاسدة الهواء مورثة للأمراض، وبهذه الأمراض كثر الموت وبكثرة الموت وقلة عدد الكاسبين وكثرة الصرف إلى الأدوية والتدبير قل الأموال والتائيد مبنى على هذا الوجه. والله أعلم. وإن قال قائل قد ورد الإذن في مايلى ذٰلك الحديث في المشكوٰة بترك البلدة للوباء (۳)۔ يقال قد ضعف هذا الحديث، وأوّل في الشرح الفارسى للمشكوٰة فانظر فيه (۴)۔ والله اعلم بحقيقة الحال.

---

(۱) الحديث يفسر بعضه بعضا. (البناية، كتاب الصلاة، باب في الإمامة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۳۲۷)

فتح الباري، كتاب الأذان، باب إذا حضر الطعام وأقيمت الصلاة، وكان ابن عمر يبدأ بالعشاء، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۲۰۳، تحت رقم الحديث: ۶۷۱۔

(۲) أبوداؤد شريف، كتاب الطب، باب في الطيرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۴۷، دارالسلام رقم: ۳۹۲۴۔

مشكوة شريف، كتاب الطب، باب الفال والطيرة، الفصل الثاني، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۳۹۲۔

(۳) عن فروة بن مسيك قال: قلت يا رسول الله! أرض عندنا يقال لها أرض أبين هي أرض ريفنا وميرتنا، وإنها وبئة أو قال: وباؤها شديد، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: دعها عنك، فإن من القرف التلف. (أبوداؤد شريف، كتاب الطب، باب في الطيرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۴۷، دارالسلام رقم: ۳۹۲۳)

مشكوة شريف، كتاب الطب، باب الفال والطيرة، الفصل الثاني، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۳۹۲۔

(۴) أشعة اللمعات شرح المشكوة، الطب، باب الفال والطيرة، الفصل الثاني، مكتبه رضويه نوريه پاكستان ۳/ ۶۲۵-۶۲۶۔

(۲) جو خروج کسی عارض کی وجہ سے ہو وہ فرار من الطاعون نہیں ہے، اگر وہ عارض قوی و معتبر ہے تو خروج جائز ہے۔

يدل عليه ما في الدر المختار قبيل كتاب الفرائض: وإذا خرج من بلدة بها الطاعون فإن علم أن كل شيء بقدر الله تعالىٰ فلا بأس بأن يخرج و يدخل الخ (۱)۔

اب یہ امر باقی رہا کہ کون عارض قوی ہے کون نہیں، پس چوہوں کا سڑ جانا اس طور پر کہ سکونت دُشوار ہو جائے عارض قوی معلوم ہوتا ہے اور دوسری بستی اور اس بستی کے اجزاء کا حکم اُوپر لکھا گیا۔

(۳) صرف وحشت یا خوف قلیل عارض قوی نہیں اور خوف شدید عارض قوی ہے۔

يؤيده ما في قاضيخان: المعتدة إذا كانت في منزل ليس معها أحد، وهي لا تخاف من اللصوص، ولا من الجيران، ولكنها تفزع من أمر البيت إن لم يكن الخوف شديدا ليس لها أن تنتقل من ذلک الموضع؛ لأن قليل الخوف يكون بمنزلة الوحشة، وإن كان الخوف شديدا كان لها أن تنتقل؛ لأنها لو لم تنتقل يخاف عليها من ذهاب العقل و نحوه. (ص ۲۷۲ (۲)۔

(۴) یہ عارض قوی معلوم ہوتا ہے۔

(۵) وحشت کا غیر معتبر ہونا جواب سوال سوم میں مذکور ہو چکا ہے۔

(۶) یہاں عارض قوی نہیں ہے۔

(۷) مباحات موہمہ لضرر العوام سے بچنے کا وجوب اُس وقت ہے جب کہ کوئی ضرورت شرعی یا طبعی معتبر اس مقتدا کو لاحق نہ ہو ورنہ دوسرے کے عدم تضرر کے واسطے اس کا تضرر گوارا نہ ہوگا۔ وہذا ظاہر جدًا۔

(۸) یہاں عارض قوی نہیں ہے۔

(۹) عارض قوی ہے اور دوسری بستی کے جمیع اجزاء میں فرق جواب سوال اوّل میں بیان ہو چکا ہے۔

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الخنثى، قبيل كتاب الفرائض، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۴۸۸، كراچی ۶/ ۷۵۷۔

(۲) خانية على هامش الهندية، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل فيما يحرم على المعتدة، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۵۵۴، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۳۵۰-۳۵۱۔

(۱۰) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قصہ سے کچھ استدلال نہیں ہوسکتا؛ کیونکہ خروج عن محل الطاعون نہیں ہوا؛ بلکہ عدم الدخول فی محل الطاعون ہوا (۱) جس کے جواز بلکہ وجوب میں بھی کلام ہے، چنانچہ حدیث شیخین میں ہے:

---

(۱) حضرت والا تھانویؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جس قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

عن عبدالله بن عباس رضي الله عنه أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه خرج إلى الشام حتى إذا كان بسرغ لقيه أمراء الأجناد أبوعبيدة بن الجراح وأصحابه، فأخبروه أن الوباء قد وقع بأرض الشام، قال ابن عباس: فقال عمر: ادع لي المهاجرين الأولين فدعاهم فاستشارهم وأخبرهم أن الوباء قد وقع بالشام، فاختلفوا فقال بعضهم قد خرجت لأمر ولا نرى أن ترجع عنه، وقال بعضهم: معك بقية الناس وأصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا نرى أن تقدمهم على هذا الوباء، فقال: ارتفعوا عني ثم قال: ادع لي الأنصار فدعوتهم فاستشارهم فسلكوا سبيل المهاجرين واختلفوا كاختلافهم فقال: ارتفعوا عني، ثم قال: ادع لي من كان هاهنا من مشيخة قريش من مهاجرة الفتح، فدعوتهم فلم يختلف منهم عليه رجلان، فقالوا: نرى أن ترجع بالناس ولا تقدمهم على هذا الوباء فنادى عمر رضى الله عنه في الناس: إني مصبح على ظهر فأصبحوا عليه، قال أبوعبيدة بن الجراح: أفرارا من قدر الله؟ فقال عمر: لو غيرك قالها يا أبا عبيدة! نعم نفر من قدر الله إلى قدر الله أرأيت لو كان لك إبل فهبطت واديا له عدوتان إحداهما خصبة والأخرى جذبة أ ليسإن رعيت الخصبة رعيتها بقدر الله، وإن رعيت الجذبة رعيتها بقدر الله، قال: فجاء عبدالرحمن بن عوف، وكان متغيبا في بعض حاجته، فقال: إن عندي في هذا علما سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه، قال: فحمد الله عمر، ثم انصرف. (بخاري شريف، كتاب الطب، باب ما يذكر في الطاعون، النسخة الهندية ۲/ ۸۵۳، رقم: ۵۵۰۵، ف: ۵۷۲۹)

مسلم شريف، كتاب السلام، باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها۔ النسخة الهندية ۲/ ۲۲۹، بيت الأفكار رقم: ۲۲۱۹۔

فإذا سمعتم بأرض فلا تقدموا عليه كذا في المشكوٰة (۱)۔ ومعنى الفرار إلى القضاء إنا لم نعتمد في ذهابنا هذا على سبب غير قدر اللّٰه تعالىٰ بل نتوكل على اللّٰه تعالىٰ، ونمتثل في الذهاب لأمره فليس هٰذا من الفرار من القضاء في شيء.

البتہ حضرت عمرؓو بن العاص کی اس مسئلہ میں یہ رائے معلوم ہوتی ہے کہ نہی عن الفرار من الطاعون معلل ہے علت فسادِ اعتقاد کے ساتھ کہ خروج کو طبعاً مؤثر فی النجات سمجھے جیسا اہل سائنس کا خیال ہے، اور جو صرف اسباب عادیہ میں سمجھے اُس کے لئے جائز ہے (۲) سو اوّل تو یہ اُن کا اجتہاد ہے جو دوسرے مجتہد پر جو کہ ظاہر حدیث مرفوع سے تمسّک کرتا ہو حجت نہیں، دوسرے اب اکثر فارین میں بوجہ اختلاط معتقدین سائنس کے فساد اعتقاد یقینی ہے، پس اس میں کسی کے نزدیک بھی گنجایش نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں مخالفت ہے شریعت کی جو نافی ہے تاثیر طبعی لازم کی۔

---

(۱) عن عامر بن سعد بن أبي وقاص عن أبيه أنه سمعه يسأل أسامة بن زيد ماذا سمعت من سول الله صلى الله عليه وسلم في الطاعون، فقال أسامة: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الطاعون رجس أرسل على طائفة من بني إسرائيل أو على من كان قبلكم، فإذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه، قال أبو النضر: لا يخرجكم إلا فرارا منه. (بخاري شريف، كتاب الأنبياء، باب حديث الغار، النسخة الهندية ۱/ ۴۹۴، رقم: ۳۳۵۴، ف: ۳۴۷۳)

مسلم شريف، كتاب السلام، باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها، النسخة الهندية ۲/ ۲۲۸، بيت الأفكار رقم: ۲۲۱۸۔

مشكوة شريف، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض، قبيل الفصل الثاني، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۱۳۵۔

(۲) وعن أبي موسى الأشعري ومسروق والأسود بن هلال أنهم فروا من الطاعون، وقال عمرو بن العاص: فروا عن هذا الرجز في الشعاب والأودية، فقال معاذ: بل هو شهادة ورحمة، ويتأولون هولاء النهي على أنه لم ينه عن الدخول عليه والخروج منه مخافة أن يصيبه غير المقدر لكن مخافة الفتنة على الناس لئلا يظنون أن هلاک القادم إنما حصل بقدومه وسلامة الفار، إنما كانت بفراره قالوا: وهو من نحو النهي عن الطيرة والقرب من المجذوم. (شرح النووي على هامش المسلم، كتاب الصلاة، النسخة الهندية ۲/ ۲۲۸)

(۱۱) ان کے معانی کی تحقیق جواب سوالِ اوّل میں گذر چکی ہے۔

(۱۲) شیخ عبدالحق محدّثؒ نے شرح مشکوٰۃ فارسی میں تحت حدیث الفار من الطاعون کالفار من الزحف کے لکھا ہے: ''ازیں حدیث معلوم می شود کہ گریختن از طاعون گناہ کبیرہ است چنانکہ فرار از زحف اھ''(۱)۔ اور جائز سمجھنے والا اگر احادیث کو رد کرتا ہے کفر ہے اور اگر خلاف قواعد شرعیہ تاویل کرتا ہے مبتدع ہے، اور اگر باوجود رعایت قواعد کے کسی شبہ سے غلطی کرتا ہے۔ امید ہے کہ معذور ہے۔

(۱۳) شیخ عبدالحقؒ نے تو عبارت مذکورہ کے بعد اس اعتقاد کو کفر لکھا ہے؛ لیکن تفصیل حق معلوم ہوتی ہے کہ اگر مؤثر حقیقی سمجھے تو کفر ہے اور جو سبب عادی سمجھے تو بوجہ ورود نہی کے معصیت ہے۔

(۱۴) اُوپر جواب سوال دوم میں گذر چکا ہے کہ ضرورت وعارض قوی سے خروج اور اسی طرح دخول جائز ہے۔

(۱۵) باجود یہ کہ مطلق امراض وبلیات کا موجب رحمت ہونا احادیث میں آیا ہے پھر بھی اُن کے لئے دعا وتعوذ قولاً وفعلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ بحیثیت مصیبت فی الحال ہونے کے دعا ودوا کی اجازت ہے۔ اور بحیثیت رحمت فی المآل ہونے کے صبر ورضا وتسلیم کا امر ہے۔ فلا منافاۃ اور جس نے منع کیا ہے اُس کی غلطی ہے۔ واللہ اعلم ۲۹ محرم ۱۳۲۲ھ

فرار عن الطاعون کی ممانعت سے متعلق احادیث پر ہونے والے چند شبہات کا ازالہ

سوال (۲۶۸۸): قدیم ۲۹۸/۴- مرض طاعون سے جو تقریباً نو سال سے بلاد ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے فرار کرنا کیسا ہے؟ کیونکہ اس مسئلہ میں اختلاف عظیم واقع ہے، بعض جواز وبعض عدم جواز فرار کے قائل ہیں، مدعیان جواز فرار میں چند دلائل پیش کرتے ہیں اوّل یہ کہ جب طاعون عمواس واقع ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو طلب کیا جو امیر لشکر دمشق تھے جہاں کہ طاعون کا زور تھا؛ لیکن جب وہ نہ آئے تو آپ نے ان کو لکھ بھیجا کہ اس مقام کو چھوڑ کر جابیہ نامی مقام پر جو بلند ہے چلے جاؤ چنانچہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد عمرو بن العاصؓ نے امیر المومنین کے اس حکم کی تعمیل کی۔ ھکذا في روضة الأحباب. پس درصورت عدم جواز فرار ان حضرات کے متعلق کیا خیال رکھنا چاہئے کہ اُن کا یہ فعل صواب پر ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ لوگ وقت نمود طاعون موضع طاعون کے مضافات

---

(۱) أشعة اللمعات شرح المشكوة، الجنائز، قبيل باب تمني الموت وذكره، مكتبه رضويه نوريه پاكستان ۱/ ۶۵۳۔

وباغات وصحرا میں نکل کر مقیم ہوتے ہیں اور وہ فناء شہر ہے تو گویا من وجہ شہر ہے، پس جو حدیث کہ حرمتِ فرار میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جس کا آخری جملہ یہ ہے: **ولا تخرجوا منها فراراً** (۱)۔ یعنی موضع طاعون سے نہ بھاگو) کے یہ فعل مخالف نہیں ہے؛ کیونکہ ارض موضع طاعون ومقام قیام فارین واحد ہے، پس اس موضع سے فرار نہ ہوا، اور نیز اس وقت علل ممانعت فرار میں سے صرف ایک وجہ یعنی عدم صبر واستقامت موجود ہے۔ وإلَّا سب مفقود جیسا کہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ **رجز من السماء** کی تفسیر میں فتح العزیز میں ارشاد فرماتے ہیں کہ حرمت فرار بوجہ اس کے ہے کہ درصورتِ فرار علاج وتدابیر دُشوار ہے اور اصحاء کے فرار پر مرضاء کے مزید تکلیف کا گمان ہے، پس یہ صعوبتیں فی زمانناد ُور ہیں کیونکہ باغوں اور صحرا میں علاج بھی ممکن ہے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے اور ان کی دل شکنی کا پورا لحاظ کیا جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ جس گھر میں آگ لگی ہو یا کوئی دیوار گر رہی ہو وہاں ٹھہرنا خلاف عقل ہے بلکہ **ولا تلقوا بأيدكم إلى التهلكة** (۲) کے نہی کو امر کے ساتھ ادا کرنا ہے پس درصورت عدم جواز فرار دلائل مسطورۂ بالا کا کیا جواب ہے؟ عقلاً ونقلاً عدم جواز ثابت کرنا چاہئے؟

سوال دوم: درصورت عدم جواز فرار جو لوگ فرار کو جائز قرار دیتے ہیں اور فرار کرتے ہیں عندالشرع کیسے ہیں؟

سوال سوم: جابیہ دمشق کا کوئی محلّہ ہے یا دوسرا مقام، اگر محلّہ ہے تو کیا ایک محلّہ سے دوسرے محلّہ میں فرار کرنا جائز ہے اور درصورت دوسرا مقام ہونے کے تو فرار کا پورا ثبوت ہے اس کا کیا جواب ہے، مدعیان عدم جواز فرار اپنے دعوی پر اُن احادیث کو پیش کرتے ہیں جو اس کی ممانعت میں صحاح میں پائی جاتی ہیں، جیسے **الفار من الطاعون كالفار من الزحف** (۳) وغیرہ، بہرحال جواز وعدم جواز عندالشرع جو کچھ ثابت ہو بالتفصیل والدلیل عقلاً ونقلاً بیان کرنا چاہئے۔ بینوا توجروا۔

---

(۱) **عن عبدالله بن عباس رضي الله عنهٗ قال: قال عبدالرحمن بن عوف سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه يعني الطاعون.** (أبوداؤد شريف، كتاب الجنائز، باب الخروج من الطاعون، النسخة الهندية ١/ ٤٤٢، دارالسلام رقم: ٣١٠٣)

(۲) سورة البقرة، رقم الآية: ١٩٥۔

(۳) **عن جابر بن عبدالله يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول** ←

الجواب: احادیث صحیحہ میں تنصیصاً فرار عن الطاعون کی ممانعت آئی ہے(۱) اور شبہات جو اس پر کئے گئے ہیں ان کا یہ جواب ہے:

(۱) قاعدہ کلیہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اگر کسی اُمّتی کے قول وفعل کے معارض ہو تو آپ کے ارشاد کو ترجیح ہوگی اور اُمّتی کے قول وفعل میں اگر وہ مقبولین سے ہو تاویل کی جاوے گی، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل اگر معارض مان لیا جاوے تو حدیث مرفوع صحیح پر مقدم نہیں ہوسکتا، دو وجہ سے اوّلاً سند اس کی صحاح کے برابر نہیں دوسرے شارع غیر شارع برابر نہیں، پس لابد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول و فعل میں کوئی تاویل ضروری ہوگی، مثلاً اسی لشکر کو دوسری جگہ بھیجنے کی ضرورت ہوگی اور یہ مسلّم ہے کہ مقام طاعون سے اور کسی ضروری کام کے لئے سفر کرنا جائز ہے (۲) یا اگر علّت یہ قرار دی جاوے کہ اصحاء

← **في الطاعون: الفار منه كالفار يوم الزحف، ومن صبر فيه كان له أجر شهيد.** (مسند أحمد بن حنبل ٣/ ٣٥٢، رقم: ١٤٨٥٣)

(۱) عن عامر بن سعد بن أبي وقاص عن أبيه أنه سمعه يسأل أسامة بن زيد ماذا سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم في الطاعون، فقال أسامة: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الطاعون رجس أرسل على طائفة من بني إسرائيل أو على من كان قبلكم، فإذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه، قال أبو النضر: لا يخرجكم إلا فرارا منه. (بخاري شريف، كتاب الأنبياء، باب حديث الغار، النسخة الهندية ١/ ٤٩٤، رقم: ٣٣٥٤، ف: ٣٤٧٣)

مسلم شريف، كتاب السلام، باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها، النسخة الهندية ٢/ ٢٢٨، بيت الأفكار رقم: ٢٢١٨۔

أبوداؤد شريف، كتاب الجنائز، باب الخروج من الطاعون، النسخة الهندية ١/ ٤٤٢، دارالسلام رقم: ٣١٠٣۔

ترمذي شريف، أبواب الجنائز، باب ماجاء في كراهية الفرار من الطاعون، النسخة الهندية ١/ ٢٠٤، دارالسلام رقم: ١٠٦٥۔

(۲) ومحل الأمرين حيث لا ضرورة إلى الخروج أو الدخول وإلا فلا إثم كما هو الظاهر. (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، قبيل باب في الوسوسة، مكتبه إمداديه ملتان ١/ ١٣٣) ←

کے چلے جانے سے مرضیٰ کی خرابی ہے تو اس صورت میں سارا لشکر کا لشکر سفر کرے تو یہ علت نہ پائی جاوے گی؛ اس لئے اجازت دیدی ہوگی، چنانچہ بعض محققین قائل ہیں کہ اگر کسی بستی کے کل آدمی دوسری جگہ چلے جاویں تو کچھ حرج نہیں یا ان کے نزدیک یہ بھی معلل ہوگی علت احتمال فساد اعتقاد فارین کے ساتھ اور یہ علّت مفقود تھی اس لئے اجازت دیدی (۱) بہرحال یہ امر ان کا اجتہادی سمجھا جاوے گا جو دوسرے پر حجت نہیں اور درصورت حجیت اس زمانہ کے طبائع کو مفید بھی نہیں؛ کیونکہ اب خاص طاعون کی وجہ سے بھاگتے ہیں اور ساری بستی کے لوگ کہیں نہیں جاتے، اور فساد اعتقاد بھی اگر کسی خاص میں نہ ہو تب بھی اُس

← **واتفقوا على جواز الخروج بشغل وغرض غير الفرار ودليله صريح الأحاديث.** (شرح النووي على هامش المسلم، النسخة الهندية ٢/ ٢٢٩)

واتفق العلماء على جواز الخروج بشغل وغرض غير الفرار ودليله صريح الأحاديث. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٨/ ٣٣٢)

(۱) **قوله: (فلا تخرجوا منها) لئلا يتحرج الناس الذين أنتم واردون عليهم بظن منهم أنكم أتيتم من مكان مرض فلستم خالين منه، ولئلا يتفرد المرضى الذين مرضوا ههنا فيتوحشوا إذ ليس يبقى لهم من يخدمهم ويقوم بأمرهم أو لأن في الفرار منه إيهام الفرار من المقدر مع أن المقدور واقع لا محالة، فلا ينبغي أن يكل في أموره وما ينوبه من الأمراض والعلل إلا إلى الله سبحانه.** (الكوكب الدري، الجنائز، باب ماجاء في كراهية الفرار من الطاعون، المكتبة اليحيوية سهارنپور ١/ ٣٢٢-٣٢٣)

وإذا خرج من بلدة بها الطاعون، فإن علم أن كل شيء بقدر الله تعالىٰ فلا بأس بأن يخرج ويدخل وإن كان عنده أنه لو خرج نجا ولو دخل ابتلي به كره له ذلك فلا يدخل ولا يخرج صيانة لاعتقاده، وعليه حمل النهي في الحديث الشريف. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الخنثى، قبيل كتاب الفرائض، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/ ٤٨٨، كراچى ٦/ ٧٥٧)

في الدرالمختار في مسائل الشتى، قبيل الفرائض: الخروج عن البلدة المطعونة جائز، ولكن الحديث ينهى والنهى محمول على موضع فساد الاعتقاد، وزعم العدوى وغرض الحديث الرضا بما قضى الله تعالى، ويجوز الخروج والدخول لحوائج أخرى. (العرف الشذي على هامش الترمذي، النسخة الهندية ١/ ٢٠٢)

کا فعل موجب فساد اعتقاد عامی کا ہے؛ اس لئے اس کے لئے بھی **منھی عنہ للغیر** (۱) ہے۔ یہ سب جب ہے جب کہ تعارض ظاہری مان لیا جاوے، اگر تعارض نہ ہو تو ان تکلفات کی حاجت نہیں چنانچہ قاموس میں جابیہ کو دمشق کا قریہ لکھا ہے اور دمشق کا بلد عظیم ہونا مشہور ہے اور بلد عظیم کا فناء بعض جگہ میں نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ گرد ونواح کے قریٰ تک ہوتا ہے، چنانچہ کانپور کے فوجی لوگ موضع جاجموٴ تک جو کہ مستقل آبادی اور کانپور سے کئی میل کے فاصلہ پر واقع ہے اکثر اوقات نشانہ مشق وغیرہ کرنے کے واسطے جاتے ہیں، پس جابیہ اگر فناء دمشق میں داخل کر لیا جائے تو کیا بعید ہے۔

(۲) فناء شہر میں جانا جائز ہے جیسا نمبر ا میں بیان ہوا، اور یہ جو لکھا ہے کہ اس وقت علل فرار میں سے ایک ہی علت ممانعت کی ہے اگر اس کو تسلیم کر لیا جاوے تب تو جواز کا احتمال ہی نہیں پھر جواز میں سعی کرنا فضول ہے؛ کیونکہ ممانعت کے لئے ایک ہی علّت کافی ہے جیسا کہ اہل علم پر ظاہر ہے۔

(۳) یہ قیاس مع الفارق ہے گرتی ہوئی دیوار یا لگتی ہوئی آگ میں عادۃً ہلاک ہونا متیقن ہے اور یہاں متیقن نہیں، پس ایک کا قیاس دوسرے پر صحیح نہیں، ورنہ قتالِ کفار تہلکہ میں داخل ہو کر ممنوع ہوگا، اور طاعون کو زحف کے ساتھ تشبیہ خود حدیث میں وارد ہے (۲) اور من وخز الجن بھی آیا ہے (۳)۔

---

(۱) **كل ما أدى إلى ما لا يجوز لايجوز.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۱۹، كراچی ٦/ ٣٦٠)

(۲) **عن معاذة بنت عبدالله قالت: دخلت على عائشة رضي الله عنها فقالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تفنى أمتي إلا بالطعن والطاعون، قلت: يا رسول الله! هذا الطعن قد عرفناه فما الطاعون؟ قال: غدة كغدة البعير والمقيم بها كالشهيد والفار منها كالفار من الزحف.** (مسند أحمد بن حنبل ٦/ ١٤٥، رقم: ٢٥٦٣١)

عن جابر بن عبدالله يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في الطاعون: الفار منه كالفار يوم الزحف، ومن صبر فيه كان له أجر شهيد. (مسند أحمد بن حنبل ٣/ ٣٥٢، رقم: ١٤٨٥٣)

(۳) **عن أبي موسى قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فناء أمتي بالطعن والطاعون، فقيل: يا رسول الله! هذا الطعن قد عرفناه فما الطاعون؟ قال: وخز أعدائكم من الجن، وفي كل شهداء.** (مسند أحمد بن حنبل ٤/ ٣٩٥، رقم: ١٩٧٥٧)

جواب سوال دوم: ناجائز کو جائز قرار دینا ظاہر ہے کہ فساد اعتقاد ہے اور اس کا فعلاً اختیار کرنا فساد عمل ہے۔

جواب سوال سوم: جواب سوال 1 میں گذر چکا۔ واللہ اعلم ۲۳ / جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ

ایضاً

سوال: (۲۶۸۹): قدیم ۴/۳۰۱- طاعون سے بھاگنے کی نسبت ہمارے علمائے کرام یہ فرماتے ہیں کہ طاعون سے فرار خواہ اندیشۂ موت سے ہو یا اندیشۂ مرض سے، طاعون سے بھاگنے والا لشکرِ اسلام سے بھاگنے والا ہے، طاعون سے بھاگنا خدا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے، اگر بھاگنے کو کوئی شخص گناہ نہ سمجھے، اُس کے ایمان میں خرابی ہوگی، اور اگر یہ اعتقاد کرے کہ بھاگے گا تو نہ مریگا ورنہ مرجائے گا، تو کافر ہوگا۔ اس بارے میں چند شکوک مندرجہ ذیل ہیں، ان کا جواب مرحمت فرمایئے؟

(۱) جب کہ یہ مسلّم ہے کہ علاج کرنا مسنون ہے اور ہر شخص استعلاج کا مجاز ہے اور ہر صاحبِ علم جانتا ہے کہ فن طب دو مقصدوں پر مبنی ہے، ایک حفظِ صحت دوسرے استرداد صحت پس جب کہ علاج مسنون اور عام ٹھیرا تو کیا سبب ہے کہ تدابیر حفظِ صحت جو شامل تدبیر مکان اور تصفیہ آب وہَوا اور نقل شہر وغیرہ کو ہیں گناہ کبیرہ یا کفر متصور ہوں۔

(۲) جو اختلاج قلب میں جو کہ سوءِ مزاج حار سے ہو مریض کا شہر بارد میں جانا، مستسقی کو حجاز جانا' صاحب امراض باردہ کو ملک حار میں اور بالعکس جانا اب تک گناہ کبیرہ اور کفر کیوں نہ تجویز کیا گیا۔

(۳) اگر کہیں جنگ معمولی تیر وتفنگ ہو اور بخوف جان کوئی شخص وہاں نہ جائے یا وہاں سے علیٰحدہ ہو جاوے یا سنکھیا بخوف مرنے کے نہ کھائے یا سنکھیا کھانا مہلک اور نہ کھانا باعث امن تصور کرے تو اب تک ایسا شخص کافر کیوں نہ قرار پایا اور طاعون سے مہلک مرض سے یہ خیال کیوں کفر ہوا۔

(۴) اس حدیث شریف کا یعنی جہاں وبا ہو نہ جاؤ اور جہاں ہو وہاں سے نہ بھاگو، اگر یہ مطلب تصور کیا جائے یعنی جہاں وبا ہو جا کر مبتلا ہوگے؛ لہٰذا نہ جاؤ اور وبا سے بھاگ کر دوسرے شہر کو تہلکہ میں نہ ڈالو بلکہ اپنی ہی آبادی کے کنارے ویرانی میں رہو تو کیا عیب ہے گویا باعتبار شرع شریف کے کوئی مرض متعدی یعنی ایک مریض دوسرے تندرست کو بیمار کرے نہیں؛ بلکہ آلودگی اجزائے سمیّہ دوسرے مقام کی اچھی ہوا کو اپنی صفت ذمیمہ سے موصوف کرے گی، اس کے ماننے میں کیا قباحت ہے۔

(۵) درحالیکہ طاعون واسہال ودردزہ وپانی میں ڈوب کر مرنا دیوار یا مکان میں دب کر اور مسلول ہوکر مرنا، جل مرنا، یہ سب شہادتیں ہیں، پس تخصیص طاعون کی کیا ہے، گرتے ہوئے مکان ٹوٹی ہوئی کشتی میں بھی

رہنا چاہئے۔ مضرات رئیہ بشوق شہادت استعمال فرمانا چاہئے دیگر شہادتیں نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔

(۶) یہ حدیث شریف کہ طاعون سے مرنا شہادت ہے اس کا یہ نتیجہ نکالنا کہ طاعون سے بھاگنا شہادت اور لشکر اسلام سے بھاگنا ہے کیا ضرور ہے بلکہ اکثر کفار کا یہ قول بالعموم سنا گیا ہے کہ وبا آسیب وبلا ہے اور اس کا مُردہ بھی اسی گروہ میں شامل ہو جاتا ہے اور مغفور نہیں ہوتا ہمارے حضرت ﷺ اپنی اُمّت کے واسطے اس خیال کی نفی فرماتے ہیں اور ماجور فرماتے ہیں نہ یہ کہ حصول طاعون کی ترغیب فرماتے ہیں۔

(۷) درحالیکہ طبیب حاذق حرام دوا کو یہ سمجھ کر کہ بجز اس دوا کے کوئی مفید اور مزیل مرض نہیں کھانا تجویز کرے تو شریعت اجازت دیتی ہے، پس تمام حذاق بھاگنے کو مفید بتلاتے ہیں تو یہ امر کفر و گناہ کبیرہ کیوں قرار پائے حالانکہ حرام چیز کھانا اور بھاگنا اس میں تفاوت ہر شخص جانتا ہے۔

(۸) ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے کہ میری اُمّت کے لوگ طاعون میں مریں، یہ حدیث شریف پوری پوری نقل فرمائی جاوے۔

(۹) درصورتیکہ طاعون سے بھاگنا منع ہے تو اُس آبادی کی ویرانی کی اجازت کیوں دی جاتی ہے، جب بھاگنا منع ہے تو پچاس قدم اور پچاس کوس سب برابر ہے اس کا ثبوت کیا ہے؟

(۱۰) درصورتیکہ ٹیکہ جو بغرض حفظ شہادت طاعون کے مفید سمجھا گیا ہے مشروع فرمایا گیا، بھاگنا کیوں گناہ کبیرہ و کفر قرار دیا گیا حالانکہ غرض متحد ہے، چونکہ خلائق کی جانوں سے متعلق ہے؛ لہٰذا امید ہے کہ کریمانہ توجہ خاص مبذول فرمائی جاوے، گو قیمتی وقت صرف ہو؟

الجواب: (۱) نفس معالجہ کی اجازت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر علاج جائز ہو اور کسی خاص علاج کی ممانعت سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلق علاج کی ممانعت ہو، پس جس طرح شراب و دیگر اشیاء محرمہ تجربہ سے بعض امراض کا علاج ثابت ہوئی ہیں اور پھر بھی ناجائز ہیں، اسی طرح اگر فرار باوجود علاج ہونے کے ناجائز ہو تو کیا استبعاد ہے۔

(۲) چونکہ ان امراض میں نقل کی ممانعت نہیں آئی اور طاعون میں ممانعت آئی ہے؛ اس لئے دونوں میں جواز ناجواز کا تفاوت ہو گیا۔ اور اگر یہ شبہ صاحب شرع پر ہے تو اُس کا جواب اس وقت ضروری ہے جب سائل غیر مسلم ہو۔ جواب مذکور اس بنا پر دیا گیا ہے کہ شبہ علماء پر ہے تو اس بنا پر جواب کافی ہے۔

(۳) اگر ان تدابیر کو مؤثر حقیقی سمجھے جس سے تخلف محال ہے جیسے دہریوں کا مذہب ہے تو یہ اعتقاد ہی کفر ہے، اور فرار من الطاعون کو موجب سلامت سمجھنا بھی کفر اسی وقت ہے، جب کہ اس کو مؤثر حقیقی سمجھے اور اگر

اسباب عادیہ سے سمجھے تو نہ یہاں کفر ہے نہ وہاں کفر ہے؛ البتہ طاعون میں ممانعت شرعی کی وجہ سے یہ فرار گناہ ہوگا(۱) اور دوسری تدابیر بوجہ ماذون فیہ ہونے کے جائز ہوں گی۔

(۴) اگر صرف یہ حدیث ہوتی تو فی نفسہ اس کی گنجائش تھی گو بوجہ اس کے کہ سلف کے خلاف خلف کا اجتہاد جائز نہیں یہ معنی مقبول نہ ہوتے؛ لیکن صحیح مسلم میں یہ لفظ ہیں: **عن أسامة قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم: إن هذا الطاعون رجز سلط على من كان قبلكم أو على بني اسرائيل، فإذا كان بأرض فلا تخرجوا منها فرارا منه. الخ (۲)**۔

---

(۱) **عن عامر بن سعد بن أبي وقاص عن أبيه أنه سمعه يسأل أسامة بن زيد ماذا سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم في الطاعون، فقال أسامة: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الطاعون رجس أرسل على طائفة من بني إسرائيل أو على من كان قبلكم، فإذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه، قال أبو النضر: لا يخرجكم إلا فرارا منه.** (بخاري شريف، كتاب الأنبياء، باب حديث الغار، النسخة الهندية ۱/ ۴۹۴، رقم: ۳۳۵۴، ف: ۳۴۷۳)

مسلم شريف، كتاب السلام، باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها، النسخة الهندية ۲/ ۲۲۸، بيت الأفكار رقم: ۲۲۱۸۔

عن جابر بن عبدالله يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في الطاعون: الفار منه كالفار يوم الزحف، ومن صبر فيه كان له أجر شهيد. (مسند أحمد بن حنبل ۳/ ۳۵۲، رقم: ۱۴۸۵۳)

منهم من قال: النهي فيه للتنزيه فيكره ولا يحرم وخالفهم جماعة فقالوا: يحرم الخروج منها لظاهر النهي الثابت في الأحاديث الماضية، وهذا هو الراجح عند الشافعية وغيرهم. (فتح الباري، كتاب الطب، باب ما يذكر في الطاعون، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۰/ ۲۳۱، دارالريان للتراث ۱۰/ ۱۹۸)

قوله: (كالفار من الزحف) شبه به في ارتكاب الكبيرة. (شرح الطيبي، الجنائز، قبيل باب تمني الموت وذكره، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۳۶)

(۲) مسلم شريف، كتاب السلام، باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها، النسخة الهندية ۲/ ۲۲۸، بيت الأفكار رقم: ۲۲۱۸۔

اس حدیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص سے معلوم ہو گیا کہ علت نہی کی **فرار من الطاعون** کا قصد ہے، سو اگر دوسری بستی کے کنارہ پر کوئی شخص جا ٹھہرے تب بھی **فرار من الطاعون** تو صادق آ گیا، اب وہ علت نہیں چل سکتی جو سوال میں لکھی ہے کہ دوسرے شہر کو تہلکہ میں نہ ڈالو۔

(۵) اول تو اس شبہ میں قیاس مع الفارق سے کام لیا گیا ہے؛ کیونکہ مقیس تو طاعون حادث کی جو مہلک ظنی ہے ایک تدبیر خالص نہ کرنا ہے، اور امور مقیس علیہا میں سے بعض میں آفات حادثہ مہلکہ بالیقین کی تدبیر نہ کرنا ہے جیسے دار منہدم یا سفینہ منکسرہ میں رہنا اور بعض میں خود آفات کا احداث ہے جیسے مضرات ردیہ کا قصداً استعمال کرنا البتہ اس دوسری قسم کے مقیس علیہ کے مشابہ وہ صورت ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص اشیاء واسباب مورثہ طاعون کا قصداً استعمال کرے تو غایۃ مافی الباب جب اضرار یقینی ہوگا، اس کی اجازت نہ دی جاوے گی (۱) دوسرے طاعون میں فرار سے نہی آئی ہے اور مکان منہدم وغیرہ میں قرار سے نہی ہے، پس دونوں جگہ منہی عنہ کو منع کریں گے۔

(۶) اس سے کس نے نتیجہ نکالا ہے اس مضمون کی تو صریح حدیث وارد ہے: **في المشكوٰة قبيل باب تمنى الموت: عن جابر أن رسول الله ﷺ قال: الفار من الطاعون كالفار من الزحف، والصابر فيه له أجر شهيد. رواه احمد** (۲)۔ آگے جو لکھا ہے وہ مبنی ہے اس حدیث کے معلوم نہ ہونے پر؛ اس لئے قابل التفات نہیں۔

(۷) اوّل تو اسی میں کلام ہے کہ شریعت نے ادویہ محرمہ کی اجازت دی ہے۔ حدیث میں تو صاف نہی آئی ہے (۳) آگے امام ابوحنیفہ کا مذہب منع ہی کا ہے، صرف بعد کے بعض علماء نے اجازت دیدی ہے تو

---

(۱) **وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ.** (سورة البقرة، رقم الآية: ۱۹۵)

(۲) مسند أحمد بن حنبل ۳/ ۳۵۲، رقم: ۱۴۸۵۳۔

مشكوة شريف، كتاب الجنائز، قبيل باب تمني الموت وذكره، مكتبه اشرفيه ديوبند ۱/ ۱۳۹۔

(۳) **عن أبي الدرداء رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله أنزل الداء والدواء، وجعل لكل داء دواء، فتداووا ولا تداووا بحرام.** (أبوداؤد شريف، كتاب الطب، باب فى الأدوية المكروهة، النسخة الهندية ۲/ ۵۴۱، دارالسلام رقم: ۳۸۷۴)

وقال الزهري لا يحل شرب بول الناس لشدة تنزل؛ لأنه رجس قال الله تعالى: (وأحل لكم الطيبات) وقال ابن مسعود في السكر إن الله لم يجعل شفاء كم فيما حرم عليكم.

(بخاري شريف، كتاب الأشربة، باب شراب الحلواء والعسل، النسخة الهندية ۲/ ۸۴۰)

اس کوشریعت کی اجازت کہنا خود واجب التسلیم نہیں (۱)۔ دوسرے اگر ان علماء کے قول کو حجتِ شرعیہ سمجھا جاوے تو فقہاء نے رسم المفتی وتفصیل طبقاتِ فقہاء میں یہ بات طے کردی ہے کہ ہمارے زمانہ کے لوگوں کو اجتہاد کی اجازت نہیں تو ان کے استنباط پر اپنے استنباط کو قیاس کرنا غلط ہوگا (۲)۔

(۸) یہ حدیث میری نظر سے نہیں گذری۔

(۹) بعض علماء کے نزدیک تو یہ بھی منع ہے، اُن پر تو شبہ ہی نہیں، بعض نے البتہ اجازت دی ہے، اُن کی دلیل جو اَب تک مجھ کو معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ فناء مصر حکم مصر میں ہے بدلیل احکام جمعہ وغیرہا (۳)

---

(۱) اختلف في التداوي بالمحرم، وظاهر المذهب المنع كما في رضاع البحر، لكن نقل المصنف ثمة وهنا عن الحاوي، وقيل: يرخص إذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء آخر كما رخص الخمر للعطشان وعليه الفتوى. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، قبيل فصل في البئر، مطلب: في التداوي بالمحرم، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٣٦٥-٣٦٦، كراچى ١/ ٢١٠)

(۲) وقد ذكروا أن المجتهد المطلق قد فقد، وأما المقيد فعلى سبع مراتب مشهورة، وأما نحن يعني أهل الطبقة السابعة فعلينا اتباع ما رجحوه وماصححوه كما لو أفتوا في حياتهم، أي كما تتبعهم لو كانوا أحياء افتونا بذلك، فإنه لا يسعنا مخالفتهم.
(الدرالمختار مع الشامي، المقدمة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ١٧٩ تا ١٨١، كراچى ١/ ٧٧)

منحة الخالق على البحرالرائق، كتاب القضاء، فصل في التقليد، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٤٥٣، كوئٹه ٦/ ٢٦٩۔

(۳) ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر أو فناءه وهو ما حوله اتصل به أولا كما حرره ابن الكمال وغيره لأجل مصالحه كدفن الموتى وركض الخيل الخ.
(الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٥ تا ٧، كراچى ٢/ ١٣٧-١٣٨)

لا تصح الجمعة إلا بستة شروط: المصر أو فناءه الخ. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، الصلاة، باب الجمعة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٤٤)

تجب صلاتهما –العيدين– في الأصح على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدمة سوى الخطبة، فإنها سنة بعدها. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٤٥، كراچى ٢/ ١٦٦) ←

اور مصر بجمیع اجزاء شے واحد ہے تو اس بناء پر تبدل مکان ہی نہیں ہوا؛ لہٰذا یہ فرار نہیں ہے، اس سے زیادہ کوئی تصریح میں نے نہیں دیکھی۔

(۱۰) اگر ایک مرض کے دو علاج ہوں ایک ماذون فیہ دوسرا منہی عنہ تو اس میں کیا محال ہے، اور یہ کیا ضرور ہے کہ اگر ایک ماذون فیہ ہو تو دوسرا بھی ماذون فیہ ہو، اور اگر ایک منہی عنہ ہو تو دوسرا بھی منہی عنہ ہو، مثال اس کی جواب سوال اوّل میں گذر چکی، آخر میں اسقدر التماس ہے کہ مسائل شرعیہ دریافت کرنے میں معاندانہ عنوان سے احتراز واجب ہے، ان سوالات میں ان کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ واللہ اعلم

۱۱/ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ

ایضاً

سوال (۲۶۹۰): قدیم ۴/۳۰۴- اردو کے رسالہ میں چند احادیث منقول دیکھیں ان کی اسانید اور متون کے متعلق جو شبہات واقع ہوئے تسکین قلب کے لئے ان کا دریافت کرنا بہتر معلوم ہوا۔

اوّل حدیث: یہ ہے کہ مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت ابو بردہؓ بن قیس سے جو کہ حضرت ابوموسی اشعری کے بھائی ہیں روایت کرتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''یا اللہ! میری اُمّت کا خاتمہ اپنے راستہ میں طعن وطاعون سے فرما''(۱)۔

دوسری حدیث: یہ ہے جو کہ منتخب کنز العمال میں ہے: ''حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ طاعون ہم لوگوں کے لئے رحمت اور تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے، اور موت صلحاء کی ہے جو تم سے پیشتر گزرے ہیں۔ اور یہ شہادت ہے(۲)۔

← ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، الصلاة، باب صلاة العيدين، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٥٤۔

(۱) **عن أبي بردة بن قيس أخي أبي موسىٰ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اللهم اجعل فناء أمتي قتلا في سبيلك بالطعن والطاعون.** (مسند أحمد بن حنبل ٤/ ٢٣٨، رقم: ١٨٢٤٨)

(۲) **إن الطاعون رحمة ربكم ودعوة نبيكم وموت الصالحين قبلكم وهو شهادة "الشيرازي في الألقاب عن معاذ".** (كنزالعمال في سنن الأقوال والأفعال، حرف الطاء، كتاب الطب والرقى والطاعون من قسم الأقوال، قبيل كتاب الطب من قسم الأفعال، مؤسسة الرسالة بيروت ١٠/ ٧٩، رقم الحديث: ٢٨٤٤٢)

تیسری حدیث: یہ ہے اُسی مسند میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وبائے طاعون عذاب ہے کہ ہلاک کیا اللہ تعالیٰ نے اس سے اگلی اُمتوں کو اور تحقیق موجود ہے یہ زمین میں کہ آجاتا ہے کبھی اور دفع ہو جاتا ہے کبھی، پس جب کبھی یہ کسی مقام پر نازل ہو تو مت نکلو وہاں سے اور جب سنو کہ یہ کسی مقام پر ہے تو وہاں مَت جاؤ(۱)۔

چوتھی حدیث: یہ ہے، بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کی کیفیت پوچھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ طاعون عذاب تھا کہ نازل فرماتا تھا اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا تھا، اور اب جل جلالہٗ نے مؤمنین کے لئے اس کو رحمت بنایا ہے جو بندہ اس میں مبتلا ہو صبر کرے اور ثابت قدم رہے اپنی جگہ پر یعنی بھاگے نہیں اور یقین رکھتا ہو اس بات کا کہ نہیں پہونچے گا، اس کو کچھ مگر جو کہ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے اس کے لئے تو ملتا ہے اُس کو ثواب شہیدوں کا(۲)۔

پانچویں حدیث: یہ ہے اُسی مسند میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمّت کا خاتمہ طعن اور طاعون میں ہوگا، عرض کیا گیا کہ طعن تو معلوم ہے مگر طاعون نہیں معلوم کہ کیا شے ہے؟ فرمایا کہ جنوں میں سے جو تمہارے دشمن ہیں اور تم سے عداوت رکھتے ہیں اُن کا نیزہ ہے، اور طعن و طاعون دونوں میں شہادت ملتی ہے(۳)۔

---

(۱) عن عامر بن سعد قال: جاء رجل يسئل سعدا عن الطاعون، فقال أسامة بن زيد: أنا أحدثك عنه، سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن هذا عذاب أو كذا أرسله الله على ناس قبلكم أو طائفة من بني إسرائيل فهو يجيىء أحيانا ويذهب أحيانا، فإذا وقع بأرض فلا تدخلو عليه، وإذا وقع بأرض فلا تخرجوا فرارا منه. (مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٢٠١، رقم: ٢٢٠٩٤)

(۲) عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الطاعون، فأخبرني أنه عذاب يبعثه الله على من يشاء، وأن الله جعله رحمة للمؤمنين، ليس من أحد يقع الطاعون فيمكث في بلده صابرا محتسبا يعلم أنه لا يصيبه إلا ما كتب الله له إلا كان له مثل أجر شهيد. (بخاري شريف، كتاب الأنبياء، باب حديث الغار، النسخة الهندية ١/ ٤٩٤، رقم: ٣٣٥٥، ف: ٣٤٧٤)

(۳) عن أبي موسى قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فناء أمتي بالطعن ←

احادیث بالا کے متعلق سوالات

(۱) یہ احادیث باعتبار اسانید صحیح ہیں یا نہیں؟

(۲) پہلی اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے طاعون کی دعا کی ہے۔ آپ رحمۃ للعالمین اور مؤمنین پر رؤف ورحیم تھے، چند خاص کفار کے سوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کافر کے لئے بھی بد دُعا نہیں کی؛ بلکہ دُعائے رحمت ہی کی، پھر آپ خود اللہ تعالیٰ سے دنیا وآخرت کی عافیت طلب کیا کرتے تھے اور اُمّت کو بھی دعائے طلب عافیت دنیا وآخرت تعلیم فرمایا کرتے تھے جیسا کہ صحاح کی بعض روایتوں میں عافیت طلب کرنے کی دعائیں موجود ہیں (۱)۔ اور آپ کی حالت یہ تھی کہ جب کبھی بادِتُند دیکھتے تو چہرہ متغیر ہوجاتا (۲) اس حالت پر آپ طاعون کی بددعا کیوں فرماتے۔

← **والطاعون، فقيل: يا رسول الله! هذا الطعن قد عرفناه فما الطاعون؟ قال: وخز أعدائكم من الجن، وفي كل شهداء.** (مسند أحمد بن حنبل ٤/ ٣٩٥، رقم: ١٩٧٥٧)

(۱) عن العباس بن المطلب قال: قلت: يا رسول الله! علمني شيئا أسأله الله عز وجل قال: سل الله العافية، فمكثت أياما، ثم جئت فقلت: يا رسول الله! علمني شيئا أسأله الله؟ فقال لي: يا عباس يا عم رسول الله صلى الله عليه وسلم! سل الله العافية في الدنيا والآخرة. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ٢/ ١٩١، دارالسلام رقم: ٣٥١٤-٣٥١٥)

بخاري شريف، كتاب التمني، باب كراهية تمني لقاء العدو، النسخة الهندية ٢/ ١٠٧٤، رقم: ٦٩٤٧، ف: ٧٢٣٧-

(۲) عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم أنها قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا عصفت الريح قال: اللهم إني أسئلک خيرها وخير ما فيها، وخير ما أرسلت به، وأعوذ بک من شرها وشر ما فيها وشر ما أرسلت به، قالت: وإذا تخيلت السماء تغير لونه وخرج ودخل وأقبل وأدبر، فإذا مطرت سري عنه فعرفت ذلک في وجهه، قالت عائشة: فسألته، فقال: لعله يا عائشة كما قال قوم عاد (فلما رأوه عارضا مستقبل أوديتهم قالوا هذا عارض ممطرنا. (مسلم شريف، كتاب صلاة الاستسقاء، باب التعوذ عند رؤية الريح والغيم والفرح بالمطر، النسخة الهندية ١/ ٢٩٤، بيت الأفكار رقم: ٨٩٩)

(۳) دوسری حدیث میں جو یہ ہے کہ موت صلحاء کی ہے کہ تم سے پیشتر گزرے ہیں، یہ الفاظ تیسری حدیث کے ان الفاظ کے خلاف ہیں کہ وبائے طاعون عذاب ہے کہ ہلاک کیا اللہ تعالیٰ نے اس سے اگلی امتوں کو۔ زمانہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم وزمانہ صحابہؓ سے پہلے کونسے صحابہ گزرے ہیں جن کی موت طاعون سے ہوئی ہے؛ البتہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بعض ظالم وفاسق بنی اسرائیل کی موت طاعون سے ہوئی ہے، وہ ان کے فسق کے سبب سے ہوئی ہے، نہ اُن کی صلاحیت کی وجہ سے، جیسا کہ **اَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ** (۱) کی تفسیر میں لکھا ہے۔

(۴) میرا عقیدہ یہ ہے کہ طاعون کو جو بعض احادیث میں رحمت کہا گیا وہ باعتبار اجر اُخروی کے لکھا گیا ہے نہ باعتبار صورت دنیوی کے، اگر وہ باعتبار صورت دنیوی رحمت ہوتا تو پھر اِن الفاظ کے کچھ معنی نہ ہوتے جو چوتھی حدیث میں مذکور ہے کہ جو بندہ اس میں مبتلا ہو صبر کرے؛ کیونکہ رحمت پر صبر نہیں کیا جاتا بلکہ مصیبت پر صبر کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ طاعون میں نقل مکان کی اجازت ہے، رحمت کو چھوڑ کر نقل مکان کرنا عاقل کا کام نہ تھا، جاہل کا کام تھا' پھر ممانعت ہے کہ جہاں طاعون ہو وہاں نہ جاؤ، رحمت میں جانے کی ممانعت خلافِ عقل ونقل ہے، غرض جس وجہ سے دیکھا جاتا ہے طاعون صورت دنیوی کے اعتبار سے رحمت نہیں بلکہ اجر اُخروی کے لحاظ سے انشاء اللہ تعالیٰ ہوگا، میرا یہ عقیدہ خلاف سنّت تو نہیں ہے۔

(۵) تیسری حدیث کے ان الفاظ سے ''اور تحقیق موجود ہے یہ زمین میں کہ آجاتا ہے کبھی اور دفع ہوجاتا ہے کبھی معلوم ہوتا ہے کہ طاعون زمین سے آتا ہے، مگر اسی حدیث کے ان الفاظ سے ''اور جب کبھی کسی مقام پر یہ نازل ہو'' معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمین سے نہیں؛ بلکہ زمین پر نازل ہوتا ہے، اور قرآن مجید کے الفاظ **أنزلنا** اور **رجزا من السماء** سے تو بہت صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ زمین سے نہیں آتا؛ بلکہ آسمان سے نازل ہوتا ہے، زمین میں موجود ہونے اور آسمان سے نازل ہونے میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

(۶) کتب طب میں طاعون کی جو حقیقت وماہیت لکھی ہے وہ اور ہی کچھ ہے اور یہاں پانچویں حدیث سے اور ہی کچھ ثابت ہوتا ہے، حدیث کے سامنے قول اطباء مردود ہے، مگر یہ معلوم ہوجانا ضروری ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے طاعون کو جنوں کا نیزہ کہا گیا ہے اور نیزہ مارنے کا سبب دشمنی وعداوت کو بتایا گیا ہے تو

---

(۱) سورة البقرة، رقم الآية: ٥٩۔

جنوں کو تو دشمنی وعداوت ہمیشہ ہی سے تھی اور انسان پر نیزہ مارنے کی قدرت بھی ان کو ہر وقت حاصل ہے؛ کیونکہ وہ انسان کو دیکھتے ہیں اور انسان ان کو اور ان کے نیزہ کو نہیں دیکھتا، پھر خاص خاص وقتوں میں اور خاص خاص مقاموں میں طاعون کے ظاہر نہ ہونے کی کیا وجہ ہے، کہیں نہ کہیں بلکہ سب کہیں ہر وقت طاعون موجود رہنا چاہئے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عذاب ہے بصورت مرض طاعون بہ سبب فسق وفجور نازل کیا جاتا ہے اور وہ عام ہو جاتا ہے تو مومنین اور اہل تقویٰ کو بھی لے لیتا ہے، تاکہ ان کے مراتب آخرت میں اور عالی کئے جاویں۔ جنوں کی دشمنی اور عداوت اور نیزہ مارنے کا حال صحیح حدیث سے معلوم ہو جاوے تو اسی بات کا یقین اور عقیدہ رکھنا ضروری ہے خواہ وہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ اتنا لکھنے کے بعد رسالہ **علاج القحط** کی بہت سی عبارتیں اس رسالہ کی عبارتوں کے خلاف معلوم ہوئیں۔ دو باتوں کو بطور نمونہ عرض کرتا ہوں:

(۱) اس رسالہ کی پہلی اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون کے لئے آپ نے دعا کی اور علاج القحط سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون سے آپ نے پناہ مانگی جیسا علاج القحط کی اس عبارت سے واضح ہے ”ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ دس آدمی مہاجرین میں سے حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر تھے جن میں سے ایک میں تھا، آپؐ نے فرمایا کہ اے مہاجرین پانچ باتیں ہیں اور میں تمہارے لئے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ تم ان میں نہ پڑو۔ نہیں ظاہر ہوئیں بے حیائی کی باتیں کسی قوم میں حتیٰ کہ کھلم کھلا کرنے لگیں مگر مبتلا ہوئے طاعون میں اور ایسی بیماریوں میں کہ جو اُن کے باپ دادوں میں کبھی نہ ہوئی ہوں گی“ (۱)۔ علاج القحط صفحہ ۵ و ۶ سطر ۱۷۔

---

(۱) **عن عبدالله بن عمر قال: أقبل علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا معشر المهاجرين! خمس إذا ابتليتم بهن، وأعوذ بالله أن تدركوهن لم تظهر الفاحشة في قوم قط حتى يعلنوا بها إلا فشافيهم الطاعون والأوجاع التي لم تكن مضت في أسلافهم الذين مضوا، ولم ينقصوا المكيال والميزان إلا أخذوا بالسنين وشدة المؤنة وجور السلطان عليهم، ولم يمنعوا زكاة أموالهم إلا منعوا القطر من السماء، ولو لا البهائم لم يمطروا ولم ينقضوا عهد الله وعهد رسوله إلا سلط الله عليهم عدوا من غيرهم فأخذوا بعض ما في أيديهم، وما لم تحكم أئمتهم بكتاب الله ويتخيروا مما أنزل الله إلا جعل الله بأسهم بينهم.** (ابن ماجه شريف، أبواب الفتن، باب العقوبات، النخسة الهندية ص: ۲۹۰، دارالسلام رقم: ۴۰۱۹)

(۲) اس رسالہ کی چوتھی حدیث میں یہ لفظ ہیں: ''یہ طاعون عذاب تھا کہ نازل فرماتا تھا اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا تھا''۔ اور چوتھی حدیث کے علاوہ ایک جگہ یہ لفظ ہیں: ''اور امتوں کے لئے یہ طاعون عذاب تھا اور اس امت کے لئے رحمت وشہادت ہے''۔ تھا کے لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ اب اس زمانہ میں جو چار طرف طاعون پھیل رہا ہے وہ عذاب نہیں ۔۔۔۔۔۔ علاج القحط کی یہ عبارت ہے۔ ''وہ فرماتی ہیں (یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا) کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کی نسبت سوال کیا، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ایک عذاب ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے بھیجتا ہے'' ہے کے لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ اب اس زمانہ میں جو طاعون پھیل رہا ہے وہی عذاب ہے۔ رہا اس کا مومنین کے لئے رحمت ہونا تو وہ باعتبار اجر اخروی پہلے زمانہ میں بھی تھا اور اب بھی ہے، دونوں میں فرق کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی؟

الجواب: ﴿۱﴾ اوّل مسند اور کنز العمال یا اُس کے منتخب میرے پاس نہیں؛ اس لئے ان احادیث کی صحت کی تحقیق نہیں کرسکتا، علیٰ تقدیر الثبوت جواب شبہات کے لکھوں گا؛ البتہ بخاری کی جو حدیث اس میں موجود ہے وہ صحیح ہے۔

﴿۲﴾ ایک شے میں مختلف اعتبارات اور حیثیات ہوتی ہیں، اگر رحمت ہونے کی حیثیت دُعا ہو تو کیا حرج ہے اور اس حیثیت سے عافیت کے بھی منافی نہیں جیسے حدیثوں میں تمنّائے شہادت بھی ہے اور سوال عافیت بھی (۱)۔ اور بادتند پر قیاس مع الفارق ہے؛ کیونکہ اس کا رحمت ہونا کہیں وارد نہیں۔

---

(۱) **عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: والذي نفسي بيده لو لا أن رجالا يكرهون أن يتخلفوا بعدي ولا أجد ما أحملهم ما تخلفت، لوددت أن أقتل في سبيل الله، ثم أحيا، ثم أقتل، ثم أحيا، ثم أقتل، ثم أحيا، ثم أقتل.** (بخاري شريف، كتاب التمني باب ما جاء في تمني ومن تمني الشهادة، النسخة الهندية ٢/ ١٠٧٣، رقم: ٦٩٣٦، ف: ٧٢٢٦)

مسلم شريف، كتاب الإمارة، باب فضل الجهاد والخروج في سبيل الله، النسخة الهندية ٢/ ١٣٣، بيت الأفكار رقم: ١٨٧٦۔

عن سالم أبي النضر مولى عمر بن عبدالله وكان كاتبا له، قال: كتب إليه عبدالله بن أبي أوفى فقرأته فإذا فيه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا تتمنوا لقاء العدو واسلوا الله العافية. (بخاري شريف، كتاب التمني، باب كراهية تمني لقاء العدو، النسخة الهندية ٢/ ١٠٧٤، رقم: ٦٩٤٧، ف: ٧٢٣٧) ←

﴿۳﴾ اگر سابقین میں سے اشرار کے لئے عذاب اور ابرار کے لئے رحمت کہا جاوے تو دونوں حدیثوں میں تعارض نہ ہوگا اور صلحاء امم سابقہ میں بھی بہت گذرے ہیں گو اُن میں سے اہل طاعون کا قِصّہ ہم کو بالتعین معلوم نہ ہو۔

﴿۴﴾ ٹھیک عقیدہ ہے لیکن تعبیر کے لئے یہ عنوان زیادہ واضح ہے کہ رحمت اور مصیبت دونوں دنیا ہی میں ہیں لیکن رحمت باعتبار اثر یعنی استحقاق اجر کے ہے اور مصیبت باعتبار صورت ظاہری کے۔

﴿۵﴾ اگر دونوں طرح ہوتا ہے یا اسباب سماویہ و اسباب ارضیہ دونوں کو کچھ کچھ دخل ہو تو کیا بعید ہے؟

﴿۶﴾ اگر دونوں طرح ہوتا ہو یا مجموعہ کو دخل ہو، اطباء نے ظاہری اسباب کو بیان کر دیا ہے اور شارع علیہ السلام نے باطنی سبب کو یا ان اسباب میں خود ایک دوسرے کے لئے سبب ہو، سب احتمالات ممکن اور دفع تعارض کے لئے کافی ہیں، مثلاً کسی کو مٹھائی کھانے سے صفرا کا ہیجان ہوا اور اس سے بخار ہو گیا تو دونوں کو بخار کا سبب قرار دیا جاسکتا ہے، یا جیسے حکماء حال نے آثار طاعون کا سبب کیڑوں کو بتلایا ہے، اور قدماء نے مادّہ کو، اور دونوں میں کچھ تدافع نہیں۔ اور جنوں کی دشمنی پر جو شبہ کیا ہے، اس کا یہ مقدمہ کہ ہر وقت نیزہ مارنے کی قدرت حاصل ہے مسلّم نہیں، ممکن ہے کہ حفاظت خداوندی مانع دوام قدرت ہو اور گاہ گاہ ابتلا کے واسطے حفاظت اٹھالی جاتی ہو اور اس کے لئے فسق و فجور کا سبب ہونا اس کے منافی نہیں، ممکن ہے کہ سزا کا یہی طریقہ ہو۔

اب شبہات متعلقہ علاج القحط کا جواب سنئے

(۱) جب معصیت کی سزا میں عقوبت ہے اس ترتب کے مرتبہ میں پناہ مانگے جو درحقیقت معصیت سے پناہ مانگنا ہے اور بلا ترتب علی المعصیت رحمت ہے اس درجہ میں دُعا مانگے' پس کچھ تعارض نہیں' کیونکہ لوگوں کے حالات معصیت و طاعت میں خود مختلف ہیں پس ایک جگہ عقوبت ہے دوسری جگہ رحمت۔

(۲) جس حدیث کے ترجمہ میں لفظ ہے واقع ہے' یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں بایں لفظ ہے انہ عذاب یبعثہ اللّٰہ. الخ (۱)۔ اگر اشرار کے لئے پہلے بھی عذاب ہو اور اب بھی تو تھا اور ہے دونوں

← مسلم شریف، كتاب الجهاد والسير، باب كراهية تمني لقاء العدو والأمر بالصبر عند اللقاء، النسخة الهندية ٢ / ٨٤، بيت الأفكار رقم: ١٧٤١۔

(۱) عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت: سألت ←

درست ہوگئے رہا یہ کہ پھر دونوں امتوں میں فرق نہ ہوا حالانکہ ظاہر الفظ حدیث سے فرق مقصود معلوم ہوتا ہے سووہ فرق یہ ہوسکتا ہے کہ ابتداء اس کی امم سابقہ سے بطور عذاب کے ہوئی چنانچہ صحیح مسلم میں مرفوعاً یہ حدیث ہے: ''**الطاعون رجز أرسل علی بني إسرائيل. الخ** (ا)۔ اس لئے عذاب کی حیثیت کو بعض احادیث میں صرف ان کے ساتھ نسبت فرمانے میں خاص فرمادیا، باجودیکہ دونوں امتیں رحمت وعذاب ہونے میں شریک ہیں کیونکہ ابتداء عرفاً محاورۃً اعظم اسباب تخصیص ذکری سے ہے یا یوں کہا جاوے کہ امم سابقہ میں حیثیت عذاب غالب تھی اور حیثیت رحمت مغلوب اوراس اُمّت میں **بالعکس وللأکثر حکم الکل.** اس لئے وہاں عذاب کی اور یہاں رحمت کی تخصیص ذکری بعض احادیث میں کردی گئی اور بعض میں دوسری حیثیت کی بھی دونوں امتوں کے لئے تصریح کردی۔ واللہ اعلم۔

۱۵/ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ

ایضاً

سوال (۲۶۹۱): قدیم ۴/ ۳۰۹- زید کہتا ہے کہ جب طاعون میں چوہے وغیرہ سڑیں تو جس دالان یا کوٹھری میں سڑیں، اُسے چھوڑ دیں اور دوسرے دالان یا کوٹھری میں آ رہیں، اور جب اُس دالان اور کوٹھری میں بھی بوآنے لگے تو اس دوسری کوٹھری کو بھی چھوڑ دے اور صحن وغیرہ میں رہے غرض ہر پھر

← **رسول الله صلی الله عليه وسلم عن الطاعون، فأخبرني أنه عذاب يبعثه الله علی من يشاء، وأن الله جعله رحمة للمؤمنين، ليس من أحد يقع الطاعون فيمكث في بلده صابرا محتسبا يعلم أنه لا يصيبه إلا ما كتب الله له إلا كان له مثل أجر شهيد.** (بخاري شريف، كتاب الأنبياء، باب حديث الغار، النسخة الهندية ١/ ٤٩٤، رقم: ٣٣٥٥، ف: ٣٤٧٤)

مشكوة شريف، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض، قبيل الفصل الثاني، مكتبه أشرفيه ديوبند ١/ ١٣٥۔

(ا) **عن عامر بن سعد بن أبي وقاص عن أبيه أنه سمعه يسأل أسامة بن زيد ماذا سمعت من سول الله صلی الله عليه وسلم في الطاعون، فقال أسامة: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: الطاعون رجز أو عذاب أرسل علی بني إسرائيل أو علی من كان قبلكم، فإذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه.** (مسلم شريف، كتاب السلام، باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها، النسخة الهندية ٢/ ٢٢٨، بيت الأفكار رقم: ٢٢١٨)

کے گھر ہی کے اندر رہے یا زیادہ سے زیادہ گھر کے دروازہ کمرہ وغیرہ میں رہے اُس محلّہ کے یا دوسرے محلہ کے گھر میں اپنا گھر چھوڑ کے نہ جاوے ورنہ فرار میں داخل ہو جائے گا، اور اس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ آخر گھر چھوڑنے کی کیا وجہ ہے؟ موت سے بچنے کے لئے گھر چھوڑتا ہے تو جس کی موت نہیں آئی وہ مر نہیں سکتا چاہے گھر چھوڑے یا نہ چھوڑے، اور جان بچانے کے لئے گھر چھوڑنا یہی تو فرار ہے، اگر دفع وحشت کے لئے چھوڑتا ہے تو وحشت کیسی؟ کس چیز سے وحشت؟ موت سے تو وحشت ہو نہیں سکتی، جب موت سے پہلے کوئی مر نہیں سکتا، اور یہی عقیدہ ہے تو پھر وحشت کیوں؟ جو لوگ طاعون زدہ بستی کے باہر اسی بستی کے متعلق باغوں یا کھیتوں میں یا عیدگاہ یا اور کہیں جا بسے ہیں یا اسی بستی کے اندر ایک محلّہ سے دوسرے محلّہ میں یا اسی بستی بلکہ اسی محلّہ کے اندر ایک گھر سے دوسرے گھر میں جا بسے ہیں ان کو زید صف جہاد سے بھاگنے والوں کے برابر خیال کرتا ہے اور ارتکاب گناہ کبیرہ کا الزام لگاتا ہے اور مجمع عام میں ملامت کرتا ہے اور بڑے زور وشور سے بیان کرتا ہے کہ نہ بستی کے اندر بھاگنا درست ہے، نہ بستی کے متعلق باغوں کھیتوں عیدگاہوں یا اور کسی جگہ نہ بستی کے باہر، اور بستی کے خلاف دوسری بستی میں؛ کیونکہ طاعون سے بھاگنے کی حدیث شریف میں سخت ممانعت آئی ہے اور بستی اور غیر بستی کی قید حدیث میں نہیں، پس جس طرح دوسری بستی میں جان بچانے کے لئے بھاگ جانا درست نہیں اسی طرح بستی کے اندر اور بستی کے متعلقات میں بھی جائز نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب طاعون نہ تھا تو کوئی بھی بھاگا نہ تھا، سب اپنے اپنے گھروں میں تھے، جب طاعون آیا اور لوگ بھاگے تو ضرور طاعون سے بھاگے اور جان بچانے کے لئے بھاگے اور ضرور اس خیال سے بھاگے کہ اگر بستی میں رہیں گے تو مر جائیں گے، اور بھاگ جائیں گے تو بچ جائیں گے اور اگر اللہ تعالیٰ ہی کو مارنے جلانے والا سمجھتے تو اپنا اپنا گھر چھوڑ کے تکلیف کے ساتھ کبھی بستی کے باہر رہنا گوارا نہ کرتے، بھاگنے والوں کی ظاہری حالت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ بھاگنے کو زندگی میں دخیل سمجھتے ہیں۔ جب لوگوں کی یہ حالت ہے تو بستی کے اندر اور بستی کے باہر اس کے متعلقات میں بھاگ کر جا کر رہنا کسی طرح جائز نہ ہوگا؛ بلکہ یہ فرار میں داخل ہوگا، پس جن لوگوں نے حدیث مطلق کو بستی کے اندر یا متعلقات کی قیدیں لگا کر مقید کیا ہے اور اس کو فلاں فلاں حالتوں پر محمول کیا ہے یہ سب غلط اور حدیث میں اصلاح دینا ہے جو کسی مسلمان کے نزدیک جائز نہیں ہو سکتا، جو لوگ یہ قید لگاتے ہیں کہ مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھے تو جانا درست ہے یا دفع وحشت یا علاج کرنے یا تجارت کرنے یا اور کسی ضرورت سے چلا جائے تو درست ہے، یہ سب قیدیں غلط اور من گھڑت ہیں، اگر اسی طرح ہر شخص کہنے لگے تو بھاگنا ہی درست ہو جائے گا اور ایک کے جانے اور

بھاگنے سے دوسرا بھی حیلہ نکال کر بھاگنا چاہے گا اور ضرر ونقصان متعدی ہوگا، پس کوئی صورت ایسی نہیں جس سے گناہ متعدی نہ ہوتا ہو یا کم ازکم گناہ لازمی نہ لازم آتا ہو؛ اس لئے اس وقت بلکہ ہر زمانہ میں مطلقاً بستی سے نکلنے بلکہ گھر چھوڑنے ہی سے ممانعت کرنا ضروری ہے' اب دریافت طلب یہ ہے کہ زید کا یہ اعتقاد وعمل جو اوپر مذکور ہوا موافق شریعت کے ہے یا نہیں اور زید کو کیسا سمجھنا اور اس کی بات کو ماننا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: احکام شرعیہ بعض معلل ہوتے ہیں اور اس علّت کو مجتہدین اپنے ذوق اجتہادی سے سمجھ جاتے ہیں، اور یہ اجتہاد وہ رائے نہیں ہے جس کی مذمت وارد ہے؛ کیونکہ اجتہاد کا استعمال بلا نکیر صحابہؓ سے قاطبۃً ثابت ہے (۱) اور وہ علّت کبھی مصرحاً منقول ہوتی ہے کبھی اشارۃً مفہوم ہوتی ہے، اس تمہید کے بعد جاننا چاہئے کہ راحت المحزون میں کنز العمال سے یہ روایت نقل کی ہے:

فكتب إليه (أبي عبيدة) عمرؓ إن الأردن أرض وبيئة عمقة وأن الجابية أرض نزهة فاذهب بالمهاجرين إليها. اه (٢)۔

باوجودیکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حدیث مرفوع نہی عن الفرار پر اطلاع تھی، اس سے مفہوم ہوا کہ علت

---

(١) عن أناس من أهل حمص من أصحاب معاذ بن جبل أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما أراد أن يبعث معاذا إلى اليمن قال كيف تقضي إذا عرض لك قضاء، قال: أقضي بكتاب الله، قال: فإن لم تجد في كتاب الله، قال: فبسنة رسول الله صلى الله وسلم قال: فإن لم تجد في سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا في كتاب الله، قال: أجتهد رأيي ولا آلو، فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم صدره وقال: الحمدلله الذى وفق رسول رسول الله لما يرضى رسول الله. (أبوداؤد شريف، كتاب الأقضية، باب اجتهاد الرأى في القضاء، النسخة الهندية ٢/ ٥٠٥، دارالسلام رقم: ٣٥٩٢)

ترمذي شريف، أبواب الأحكام، باب ماجاء في القاضي كيف يقضي؟ النسخة الهندية ١/ ٢٤٧، دارالسلام رقم: ١٣٢٧۔

سنن الدارمي، المقدمة، باب الفتيا وما فيه من الشدة، دارالمغني الرياض ١/ ٢٦٧، رقم: ١٧٠۔

(٢) كنز العمال، حرف الجيم، كتاب الجهاد من قسم الأفعال، الشهادة الحكمية، مؤسسة الرسالة بيروت ٤/ ٥٩٩، رقم الحديث: ١١٧٤٩۔

نہی کی آپ نے مریضوں اور مصیبت زدوں کا ضائع ہوجانا سمجھا تھا، اسی بنا پر چونکہ سب کے منتقل ہونے میں ضیاع مذکور نہ تھا؛ اس لئے آپ نے اجازت دیدی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجتہد ہیں اس لئے یہ علت معتبر ہوگی، چونکہ **نقل عن المکان** یا **خروج إلیٰ الفناء** میں یہ علت نہیں ہے؛ اس لئے نہی نہ ہوگی۔ دوسرے حدیث میں **بأرض** اور **بلدة** الفاظ آئے ہیں (۱) اور حدیث ایک دوسرے کی مفسر ہوتی ہے، معلوم ہوا کہ ارض سے مراد بلد ہی ہے اور فناء بلد احکام میں مثل بلد کے ہے، پس **فرار في البلد** کو فرار کہنا حدیث کے مقابلہ میں رائے لگانا ہے۔ اس تقریر سے سب شبہات کا جواب ہوگیا۔

۱۲؍ شعبان ۱۳۲۲ھ

ایضاً

سوال (۲۶۹۲): قدیم ۴/۳۱۱- نقل مکان میں اگر نقل بلد کے ساتھ نہ ہو مجھ کو شبہ ہے کیونکہ حکم تو عام اور مطلق ہے جو مشتمل ہے تمام افراد خروج ودخول کو پس مخصص کونسا حکم ہے جو نقلِ مکان کے فرد کو خاص ہے اور جو علت نقل بلد میں متحقق ہے وہی نقل مکان میں، جواب شافی مرحمت ہو؟

الجواب: في المشکوٰة عن البخاري عن عائشة رضی اللہ عنہا قال رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم لیس من أحد یقع الطاعون فیمکث في بلد الخ (۲)۔ وفیها عن الشیخین عن

---

(۱) عن عامر بن سعد بن أبي وقاص عن أبیه أنه سمعه یسأل أسامة بن زید ماذا سمعت من رسول الله صلی الله علیه وسلم في الطاعون، فقال أسامة: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: الطاعون رجس أرسل علی طائفة من بني إسرائیل أو علی من کان قبلکم، فإذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا علیه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه، قال أبو النضر: لا یخرجکم إلا فرارا منه. (بخاري شریف، کتاب الأنبیاء، باب حدیث الغار، النسخة الهندیة ۱/ ۴۹۴، رقم: ۳۳۵۴، ف: ۳۴۷۳)

عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي صلی الله علیه وسلم قالت: سألت رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الطاعون، فأخبرني أنه عذاب یبعثه الله علی من یشاء، وأن الله جعله رحمة للمؤمنین، لیس من أحد یقع الطاعون فیمکث في بلده صابرا محتسبا یعلم أنه لا یصیبه إلا ما کتب الله له إلا کان له مثل أجر شهید. (بخاري شریف، کتاب الأنبیاء، باب حدیث الغار، النسخة الهندیة ۱/ ۴۹۴، رقم: ۳۳۵۵، ف: ۳۴۷۴)

(۲) عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي صلی الله علیه وسلم قالت: سألت ←

أسامة قال رسول الله ﷺ: إذ وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فراراً منه (۱)۔ چونکہ طبعًا وعرفاً وشرعاً لازم ہے کہ ترغیب اُسی امر پر ہوتی ہے جس کے ترک پر ترہیب ہو۔ اور ترغیب میں **مکث في البلد** کا عنوان ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اسی ترکِ **مکث في البلد** پر ترہیب ہوگی، پس یہ قرینہ ہے کہ ارض کی تفسیر بلد ہے ونیز احکام شرعیہ فقہیہ میں تمام بلد و مایلحق بہ کو حکم موضع واحد میں ٹھہرایا ہے جیسے اقامت جمعہ میں فناء مصر حکم مصر میں ہے (۲) اس لئے تمام امکنہ بلد واحد کو حکم مکان واحد میں کہا جاوے گا،

← **رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الطاعون، فأخبرني أنه عذاب يبعثه الله على من يشاء، وأن الله جعله رحمة للمؤمنين، ليس من أحد يقع الطاعون فيمكث في بلده صابرا محتسبا يعلم أنه لا يصيبه إلا ما كتب الله له إلا كان له مثل أجر شهيد.** (بخاري شريف، كتاب الأنبياء، باب حديث الغار، النسخة الهندية ۱/ ۴۹۴، رقم: ۳۳۵۵، ف: ۳۴۷۴)

(۱) عن عامر بن سعد بن أبي وقاص عن أبيه أنه سمعه يسأل أسامة بن زيد ماذا سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم في الطاعون، فقال أسامة: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الطاعون رجس أرسل على طائفة من بني إسرائيل أو على من كان قبلكم، فإذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه، قال أبو النضر: لا يخرجكم إلا فرارا منه. (بخاري شريف، كتاب الأنبياء، باب حديث الغار، النسخة الهندية ۱/ ۴۹۴، رقم: ۳۳۵۴، ف: ۳۴۷۳)

مسلم شريف، كتاب السلام، باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها، النسخة الهندية ۲/ ۲۲۸، بيت الأفكار رقم: ۲۲۱۸۔

مشكوة شريف، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض، قبيل الفصل الثاني، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۱۳۵۔

(۲) ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر أو فناءه وهو ما حوله اتصل به أولا كما حرره ابن الكمال وغيره لأجل مصالحه كدفن الموتى وركض الخيل الخ. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۵ تا ۷، كراچی ۲/ ۱۳۷-۱۳۸)

لا تصح الجمعة إلا بستة شروط: المصر أو فناءه الخ. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، الصلاة، باب الجمعة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۴۴)

یہ کلام تو متعلق نص کے ہے رہی علّت سو وہ محققین کے نزدیک ضیاع حقوق مرضی واموات ہے(۱) اور نقل مکان فی البلد الواحد میں یہ علّت نہیں؛ لہٰذا معلول یعنی نہی بھی نہیں۔ واللہ اعلم۔ ۱۰/ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

طاعون سے بھاگ کر طاعون ہی سے مرنے والا شہید شمار ہوگا؟

سوال (۲۶۹۳): قدیم ۴/ ۳۱۲- مقامِ طاعون سے بخوف طاعون بھاگنا کیسا ہے؟ جو مسلمان طاعون سے بھاگ کر دوسری جگہ چلے گئے اور پھر وہاں جاکر بھی طاعون سے نہ بچے اور اسی عارضہ میں مبتلا ہوکر مرے تو ان کا شمار شہیدوں میں ہوگا یا نہیں؟

الجواب: یہ بھاگنا حرام ہے(۲)۔ اور قاعدہ ہے کہ جو شخص معصیت کے سبب مرے وہ شہید نہیں ہوتا اور جو شخص معصیت میں کسی سببِ شہادت سے مرجاوے وہ شہید ہے، اور گناہ کا وبال جُدا رہا، پس گو معصیت کی حالت میں مرا ہے مگر مرا ہے سبب شہادت سے اس لئے شہید ہوگا۔

---

(۱) **وقد ذكر العلماء في النهي عن الخروج حكما، منها أن الطاعون في الغالب يكون عاما في البلد الذى يقع به، فإذا وقع فالظاهر مداخلة سببه لمن بها فلا يفيده الفرار لأن المفسدة إذا تعينت -حتى لا يقع الإنفكاك عنها- كان الفرار عبثا لا يليق بالعاقل، ومنها أن الناس لو تواردوا على الخروج لصار من عجز عنه -بالمرض المذكور أو بغيره- ضائع المصلحية لفقد من يتعهده حيا وميتا، وأيضا لو شرع الخروج فخرج الأقوياء لكان في ذلك كسر قلوب الضعفاء، وقد قالوا: إن حكمة الوعيد في الفرار من الزحف لما فيه من كسر قلب من لم يفر وإدخال الرعب عليه بخذلانه.** (فتح الباري، كتاب الطب، باب ما ذكر في الطاعون، مكتبه أشرفيه ديوبند ١٠/ ٢٣٢، دارالريان للتراث ١٠/ ٢٠٠)

قوله: (وإذا وقع الطاعون ببلد وأنتم فيه فلا تخرجوا منه، وإذا وقع ببلد ولستم فيه فلا تدخلوا إليه) حكمة الأول أن أهل البلد لو مكنوا من ذلك لذهبوا وتركوا المرضى فيضيعون. والثاني: أن من قدم ربما أصابه فيسند ذلك إلى قدومه فيزل قدمه. (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، قبيل باب في الوسوسة، مكتبه إمداديه ملتان ١/ ١٣٢)

الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٨/ ٣٣٢۔

(۲) **عن عامر بن سعد بن أبي وقاص عن أبيه أنه سمعه يسأل أسامة بن زيد ماذا سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم في الطاعون، فقال أسامة: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الطاعون رجس أرسل على طائفة من بني إسرائيل أو على من كان قبلكم،** ←

في ردالمحتار، قبيل باب الصلوٰة في الكعبة: من غرق في قطع الطريق فهو شهيد وعليه إثم معصيته، وكل من مات بسبب معصية فليس بشهيد، وإن مات في معصية بسبب من أسباب الشهادة فله أجر شهادته، وعليه إثم معصيته، وكذٰلك لو قاتل علىٰ فرس مغصوب أو كان قوم في معصية فوقع عليهم البيت فلهم الشهادة وعليهم إثم المعصية. اھ(۱)۔فقط۔ ۶/شعبان ۱۳۲۲ھ

← فإذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه، قال أبو النضر: لا يخرجكم إلا فرارا منه. (بخاري شريف، كتاب الأنبياء، باب حديث الغار، النسخة الهندية ۱/ ٤٩٤، رقم: ۳۳٥٤، ف: ۳٤٧۳)

مسلم شريف، كتاب السلام، باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها، النسخة الهندية ۲/ ۲۲۸، بيت الأفكار رقم: ۲۲۱۸۔

عن جابر بن عبدالله يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في الطاعون: الفار منه كالفار يوم الزحف، ومن صبر فيه كان له أجر شهيد. (مسند أحمد بن حنبل ۳/ ۳٥۲، رقم: ۱٤۸٥۳)

قوله: (كالفار من الزحف) شبه به في ارتكاب الكبيرة. (شرح الطيبي، الجنائز، قبيل باب تمني الموت وذكره، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۳٦)

منهم من قال: النهي فيه للتنزيه فيكره ولا يحرم وخالفهم جماعة فقالوا: يحرم الخروج منها لظاهر النهي الثابت في الأحاديث الماضية، وهذا هو الراجح عند الشافعية وغيرهم. (فتح الباري، كتاب الطب، باب ما يذكر في الطاعون، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۰/ ۲۳۱، دارالريان للتراث ۱۰/ ۱۹۸)

(۱) شامي، كتاب الصلاة، قبيل باب الصلاة في الكعبة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱٦٦، کراچی ۲/ ۲٥۳۔

المعصية والشهادة: المعصية لا تمنع الاتصاف بالشهادة فيكون الميت شهيدا عاصيا؛ لأن الطاعة لا تلغى المعصية إلا في الصغائر، قال تعالى: (إن الحسنات يذهبن السيئات) أي إن الحسنات بامتثال الأوامر خصوصا في العبادات التي أهمها الصلاة يذهبن السيئات، قال صلى الله عليه وسلم: واتبع السيئة الحسنة تمحها. قال بعض الفقهاء: ←

فناء شہر میں منتقل ہونے سے فرار عن الطاعون میں داخل نہ ہوگا

سوال (۲۶۹۴): قدیم ۴/ ۳۱۲- بخوف طاعون مقامِ طاعون کی آبادی سے فرار کر کے اس کے مضافات میں یعنی آبادی سے کم وبیش ایک میل کے ایسے فاصلہ پر چلا جانا جو آبادی کی اکثر ضروریات کو پورا کرتا ہو، کیا داخل فرار عن الطاعون ہوگا، جس کی ممانعت وحرمت حدیث عبدالرحمٰنؓ سے جو بخاری کی جلد رابع باب مایذکر فی الطاعون میں مروی ہے ثابت ہے اگر داخل فرار طاعون ہوگا تو کیونکر؟ جب کہ مسافر کو رباعی نماز میں موضع اقامت کی عمارات سے نکلنے سے فوراً قصر واجب ہوجاتا ہے جیسا کتب فقہ سے ثابت ہے کہ شہر کا اطلاق محض عمارات پر ہوتا ہے نہ کہ فناء عمارات پر؟

الجواب: فناء مصر حکمِ مصر میں ہے درباب مصالح بلد کے اور سکنیٰ مصالح بلد سے ہے مثل اقامتِ جمعہ کے اس لئے فناء شہر میں آکر رہنا مثل شہر میں رہنے کے ہے بخلاف سفر کے کہ وہ مصالح بلد میں سے نہیں؛ بلکہ مقابل ہے مصلحت بلد یعنی سکنیٰ کا۔ اس کے بارے میں فناء حکم بلد میں نہیں اور فناء ہی سے قصر شروع ہوجاتا ہے۔

في الشامية عن الشرنبلالي: بخلاف الجمعة فتصح إقامتها في الفناء ولو منفصلا بمزارع؛ لأن الجمعة من مصالح البلد بخلاف السفر. ج ا، ص ۸۱۸ (ا)۔ واللہ اعلم

۶ رصفر ۱۳۲۵ھ

← من غرق في قطع الطريق فهو شهيد وعليه إثم معصيته، وكل من مات بسبب معصية فليس بشهيد، وإن مات في معصية بسبب من أسباب الشهادة فله أجر شهادته، وعليه إثم معصيته، ولو قاتل على فرس مغصوب أو كان قوم في معصية فوقع عليهم البيت، فلهم الشهادة وعليهم إثم المعصية، وهذا يعني أنه إذا مات في حالة من حالات الشهادة في أثناء معصية فهو شهيد عاص، وإذا مات بسبب المعصية فليس بشهيد، فالمرأة التي تموت بالولادة من الزنا الظاهر أنها شهيد، أما لو تسببت امرأة في إلقاء حملها فليست بشهيد للعصيان بالسبب، ومن ركب البحر لمعصية أو سافر آبقا أو ناشزة فمات فليس بشهيد.

(الفقه الإسلامي وأدلته، المطلب الرابع: الشهادة في سبيل الله، شهداء غير المعركة، قبيل الباب الثالث: في الصيام والاعتكاف، مكتبه هدى انٹر نيشنل ديوبند ۲/ ۴۹۳-۴۹۴)

(ا) شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۶۰۰، كراچى ۲/ ۱۲۱۔ ←

دفع وباء کے واسطے اذان دینے کا حکم

سوال (۲۶۹۵): قدیم ۴/۳۱۳- اذان دیناواسطے دفع وبا کے جائز ہے یا ناجائز؟ اور جولوگ جوازاستدلال میں حصن حصین **إذا تغولت الغيلان نادوا بالأذان** پیش کرتے ہیں یہ استدلال ان کا درست ہے یا نہیں؟ اور اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ اور ایسے ہی یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ شیطان اذان سے اس قدر دُور بھاگ جاتا ہے جیسے روحا اور طاعون اثر شیاطین سے ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: اس میں دو حدیثیں معروف ہیں: ایک حصن حصین کی مرفوع **إذا تغولت الغيلان نادوا بالأذان** (۱)۔ دوسری صحیح مسلم کی موقوف حضرت سہل سے:

قال: أرسلني أبي إلى بني حارثة قال: ومعي غلام لنا أو صاحب لنا فناداه مناد من حائط باسمه، قال: وأشرف الذي معي على الحائط فلم يرشيئا -إلى قوله- إذا سمعت صوتا فناد بالصلوٰة، فإني سمعت أبا هريرة يحدث عن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم أنه قال: إن الشيطان إذا نودي بالصلوٰة ولى الشيطان وله حصاص (۲)۔

حصن حصین میں مسلم کا جو حوالہ دیا ہے وہ یہی حدیث ہے اور دونوں حدیثیں مقید ہیں۔ **إذا تغولت** اور **إذا سمعت صوتا** کے ساتھ اور تغول کے معنی حرز ثمین میں نہایہ سے منقول ہیں **يتغول تغولاً أى يتلون تلونا**. اور حاصل اس حدیث کا لکھا ہے:

← **ولا يلحق فناء المصر بالمصر في حق السفر، ويحلق الفناء بالمصر لصحة صلاة الجمعة، والفرق أن الجمعة من مصالح المصر، وفناء المصر ملحق بالمصر فيما هو من حوائج المصر، وأداء الجمعة منها، وقصر الصلاة ليس من حوائج أهل المصر فلا يلحق فناء المصر بالمصر في حق هذا الحكم، أي قصر الصلاة.** (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دارالكتاب ديوبند ص: ۴۲۳-۴۲۴)

(۱) **عن أبي هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا تغولت لكم الغول فنادوا بالأذان، فإن الشيطان إذا سمع النداء أدبر وله حصاص.** (المعجم الأوسط للطبراني، دارالكتب العلمية بيروت ۵/ ۳۰۹، رقم: ۷۴۳۶)

(۲) مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب فضل الأذان وهرب الشيطان عند سماعه، النسخة الهندية ۱/ ۱۶۷، بيت الأفكار رقم: ۳۸۹۔

إذا رأى أشياء منكرة أو تخيلت له خيالات مستنكرة أو تلونت له أجسام مكروهة. اه (۱)۔

اور جو حکم مقید ہوتا ہے کسی قید کے ساتھ اس میں قائلین بمفہوم المخالف کے نزدیک تو عدم القید مفید ہوتی ہے عدم الحکم کو اور غیر قائلین بالمفہوم کے نزدیک گو عدم الحکم کو مفید نہ ہو مگر حکم کو بھی مفید نہیں؛ بلکہ عدم القید کی صورت میں حکم اپنے وجود میں محتاج دلیل مستقل کا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ طاعون میں دونوں قیدیں منتفی ہیں؛ کیونکہ اس میں نہ شیاطین کا تشکل اور تمثل ہے اور نہ اُن کی آواز مسموع ہوتی ہے صرف کوئی اثر مبطن ہے جس کے بارہ میں یہ حدیث مرفوع آئی ہے۔

فما الطاعون قال رسول الله ﷺ: وخز أعداء كم من الجن أخرجه أحمد عن أبی موسیٰؓ لحذا في بعض الرسائل عن فتح الباري للحافظ ابن حجر (۲)۔

پس جب اس میں قیدیں منتفی ہیں تو حدیثین مذکورین سے اس میں حکم اذان کا بھی ثابت نہ ہوگا، پس دوسری دلیل شرعی کی حاجت ہوگی، اور چونکہ بوجہ اشتمال اذان کے حی علی الصّلوٰۃ اور حی علی الفلاح پر غیر صلوٰۃ کے لئے اذان کہنا حکم غیر قیاسی ہے اور ایسے حکم کا تعدیہ قیاس سے صحیح نہیں (۳) اس لئے وہ دلیل شرعی کوئی نص ہونا چاہئے محض قیاس کافی نہیں اور طاعون میں کوئی نص موجود نہیں، اگر کہا جاوے کہ حدیث مسلم میں صحابی کا سماع صوتِ شیطان کے وقت حکم بالاذان کو معلل کرنا علت تولی شیطان بالأذان کے ساتھ متقضی ہے صحت تعدیہ اس حکم کو دوسرے محل پر بھی جہاں دفع شیطان کی حاجت ہو اور طاعون میں اس کی حاجت ہے، پس اُسی علت سے طاعون کو بھی سماع صوت پر قیاس کرلیا جاوے گا،

---

(۱) لم أظفر بهذا الكتاب.

(۲) عن أبي موسى قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فناء أمتي بالطعن والطاعون، فقيل: يا رسول الله! هذا الطعن قد عرفناه فما الطاعون؟ قال: وخز أعدائكم من الجن، وفي كل شهداء. (مسند أحمد بن حنبل ٤/ ٣٩٥، رقم: ١٩٧٥٧)

(۳) لأن النص ورد بخلاف القياس فيقتصر على مورده. (هداية، كتاب البيوع، فصل فيما يكره، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٦٧۔

البناية، كتاب الطهارة، فصل في نواقض الوضوء، مكتبه أشرفيه ديوبند ١/ ٢٩٤۔

جواب یہ ہے کہ اول تو بدلیل مذکور یعنی بوجہ اشتمال اذان کے **حی علی الصلوٰۃ وحی علی الفلاح** پر غیر نماز کے لئے اذان کہنا حکم مخالف قیاس ہے اور ایسے حکم کا تعدیہ قیاس سے جائز نہیں ہوتا؛ بلکہ مورد نص پر مقتصر رہا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ غیر صلوٰۃ کے جن مواقع پر اذان وارد ہوئی ہے اُن میں احادیث سے استدلال کیا گیا ہے، چنانچہ ردالمحتار میں ایسے مواقع نقل کر کے کہا ہے:

لأن ماصح الخبر فيه بلا معارض فهو مذهب للمجتهد. اور آگے کہا ہے: **ونقل الأحاديث الواردة في ذٰلک.** اور یہی وجہ ہے کہ جس میں نص نہ تھی اس کو علماء نے رد کر دیا ہے۔ چنانچہ شامی نے موقع مذکور میں کہا ہے:

قيل؛ وعند إنزال الميت القبر قياساً على أول خروجه للدنيا، لكن رده ابن حجر في شرح العباب (۱)۔

اور احادیث بالا میں ممکن ہے کہ صحابیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالخصوص یہ حکم سُنا ہو جیسا غیر مدرک بالرائے میں حدیث موقوف کو مرفوع حکمی کہا جاتا ہے، اور حدیث تولی کو ذکر کرنا تعلیل کے لئے نہ ہو بلکہ بیان حکمت منصوص کے لئے ہو، اور اگر اس سے غض بصر کر کے اس حکم کو قیاس ہی مان لیا جاوے تب بھی صحت قیاس کے لئے اوّل تو مجتہد ہونا قائس کا شرط ہے، اور طاعون میں اذان کہنا کسی مجتہد سے منقول نہیں، اور اب قیاس مفقود ہے، دوسرے قیاس کی صحت کے لئے اشتراک علّت موثرہ کا درمیان مقیس اور مقیس علیہ کے شرط ہے اور یہاں علّت مؤثرہ اگر محض الی دفع الشیطان ہو تو لازم آتا ہے کہ جتنے امور از قسم تصرفات خفیہ شیطانیہ ہیں سب کے لئے اذان مشروع ہو، مثلاً استحاضہ کی نسبت حدیث میں ہے (**ركضة من ركضات الشيطان** (۲)۔ تو اس کا علاج بھی اذان سے مشروع ہونا چاہئے ولا قائل بہ۔ اس سے معلوم

---

(۱) شامي، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في المواضع التي يندب لها الأذان فی غير الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۰، كراچی ۱/ ۳۸۵۔

(۲) **عن حمنة بنت جحش قالت: كنت أستحاض حيضة كثيرة شديدة، فأتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم استفتيه وأخبره فوجدته في بيت أختي زينب بنت جحش فقلت يا رسول الله! إني امرأة أستحاض حيضة كثيرة شديدة فما ترى فيها قد منعتني الصلاة والصوم؟ فقال: أنعت لک الكرسف، فإنه يذهب الدم، قالت هو أكثر من ذلک، قال: فاتخذي ثوبا، فقالت: هو أكثر من ذلک إنما أثج ثجا، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:** ←

ہوا کہ یہاں علّت مؤثرہ میں کوئی اور وصف بھی معتبر ہے سوممکن بلکہ غالب یہ ہے جیسا کہ اُن مواقع میں تأمل کرنے سے جہاں اذان بہیئت اذان صلوٰۃ وارد ہوئی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ وصف یہ ہو کہ وہ حادثہ دفعۃً پیش آجائے اور فی الفور ہی اس کے علاج کی احتیاج ہو، چنانچہ وہ مواقع یہ ہیں:

عند مزدحم الجيش، وعند الحريق، وعند تغول الغيلان، وخلف المسافر، ولمن ضل الطريق في أرض قفر، كذا في ردالمحتار.

ان سب مواقع میں وصف مذکور مشترک ہے، اور جواذان بہیئت اذان صلوٰۃ نہ ہواس میں بحث نہیں۔

كالأذان في أذن المولود، والمهموم، والمصروع، والغضبان، ومن ساء خلقه من إنسان أو بهيمة كما في ردالمحتار أيضًا (۱)۔

اور ظاہر ہے کہ طاعون میں یہ وصف نہ وقوعاً ہے، چنانچہ اس کا عروض و معالجہ دونوں اس قدر متدرج اور ممتد ہیں کہ عین اُس کے دوران میں خود نماز کی متعدد اذانیں ہوجاتی ہیں جو دفع اثر جنّات کے لئے کافی ہے، خود اُس کے لئے مستقل اذان کی کچھ حاجت نہیں، اور یہی سرّ ہے وصف مذکور کے علّت مؤثرہ ہونے میں؛ کیونکہ جو امر فوری نہ ہو اس کے لئے اذان صلوٰۃ کافی ہوسکتی تھی؛ البتہ جہاں کان میں اذان کہی جاوے، چونکہ اذان صلوٰۃ کان سے منھ قریب کرکے نہیں ہوتی؛ لہٰذا اُس میں یہ علت نہ ہوگی، اور نہ طاعون میں یہ وصف عملاً ہے؛ کیونکہ جب مریض کو عین عروض مرض کا وقت ہو اُس وقت کوئی بھی اذان نہیں کہتا؛ بلکہ شب و روز میں **كيف ما اتفق** یا کسی وقت کی تعیین کے ساتھ اذان کا معمول ہے خواہ عروض مرض اس کے قبل ہو یا بعد ہو سو اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ بلا وصف فور پانچ وقت کی اذان ہی کافی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اذان میں جو علاوہ خاصیت تولی شیطان کے اور خواص حدیثوں سے ثابت ہوئے ہیں مثل اجابت دُعا

← **سآمرک بأمرين أيهما فعلت أجزى عنک من الآخر، فإن قويت عليهما فأنت أعلم، قال لها: إنما هذه ركضة من ركضات الشيطان، فتحيضي ستة أيام أو سبعة أيام في علم الله تعالى، ثم اغتسلي الحديث.** (أبوداؤد شريف، كتاب الطهارة، باب إذا أقبلت الحيضة تدع الصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۳۸، دارالسلام رقم: ۲۸۷)

(۱) شامي، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في المواضع التي يندب لها الأذان فى غير الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۰، كراچی ۱/ ۳۸۵۔

عنداللہ اور شہادت اشیاء علی ایمان المؤذن (۱) اُن کی تحصیل کے لئے مستقل اذان کی کسی نے اجازت نہیں دی؛ کیونکہ اذان نماز کی اس کے لئے کافی ہے، ورنہ چاہئے کہ جب دُعا کرنا ہو پہلے اذان کہہ لینا جائز ہو، خواہ کوئی وقت ہو، یا اسی طرح جب اشیاء کو شاہد ایمان بنانا ہو، ولا قائل بہ، اور جاننا چاہئے کہ جواب ثانی میں جو کہ علی سبیل التنزل ہے تبرعاً غض بصر کرلیا گیا ہے تا کہ طاعون میں اذان کا ثبوت اس تقدیر پر بھی نہ ہو سکے، ورنہ نفس الامر میں یہ حکم غیر قیاسی ہے، پس اس قیاس سے زلزلہ وغیرہ کے وقت بھی اذان کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ تیسرے خود یہی امر معرض کلام میں ہے کہ آیا یہ طاعون مسبب وخز جن سے ہے جیسا کہ اطلاق حدیث اس کا مرجح ہے یا بعض طاعون اس کا مسبب ہے جیسا کہ مہملہ کا قوت جزئیہ میں ہونا اس کا مصحح ہے جب خود مبنی یعنی وخز جن ہی مشکوک فیہ ہے تو مبنی یعنی اذان کا کیسے ثبوت ہو جاوے گا۔ چوتھے اس میں بہت سے مفاسد لازم آتے ہیں، مثلاً التباس مصلین بوجہ غلبہ جہل اہل زمانہ کے اور توحش ضعیف القلب لوگوں کا کہ وہ ان کے ذہن میں تخیل ہجوم مرض کی تجدید کر دیتا ہے اور عوام الناس کا اذان کے بھروسے اصلاح اعمال واستغفار ودعاء الٰہی سے بے فکر ہو جانا اور اس کو احکام مقصودہ سے سمجھنے لگنا وغیرہ وغیرہ تو ایسی حالت میں

---

(۱) **عن أنس بن مالک رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يرد الدعاء بين الأذان والإقامة.** (أبوداؤد شريف، الصلاة، باب الدعاء بين الأذان والإقامة، النسخة الهندية ۱/ ۷۷، دارالسلام رقم: ۵۲۱)

ترمذي شريف، أبواب الأذان، باب ماجاء في أن الدعاء لا يرد بين الأذان والإقامة، النسخة الهندية ۱/ ۵۱، دارالسلام رقم: ۲۱۲۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: المؤذن يغفر له مدى صوته، ويشهد له كل رطب ويابس، وشاهد الصلاة يكتب له خمس وعشرون صلاة، ويكفر عنه ما بينهما. (أبوداؤد شريف، الصلاة، باب رفع الصوت بالأذان، النسخة الهندية ۱/ ۷۶، دارالسلام رقم: ۵۱۵)

عن عبدالله بن عبدالرحمن بن أبي صعصعة عن أبيه، وكان أبوه في حجر أبي سعيد قال: قال لي أبوسعيد: إذا كنت في البوادي فارفع صوتک بالأذان، فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا يسمعه جن ولا إنس ولا شجر ولا حجر إلا شهد له. (ابن ماجه شريف، أبواب السنة، باب فضل الأذان وثواب المؤذنين، النسخة الهندية ص: ۵۳، دارالسلام رقم: ۷۲۳)

تو جائز بھی ناجائز ہوجاتا ہے(۱) چنانچہ تغول وغیرہ کے مواقع میں جواذان وارد ہے اس میں بھی عدم لزوم مفسدہ شرط، پس تقریر مذکور سے ثابت ہوگیا کہ حدیث تغیل سے استدلال کرنا اس باب میں درست نہیں، اور یہ اذان محض **إحداث في الدين** ہے اور یہی وجہ ہے کہ طاعون عمواس میں باوجود شدت احتیاج کے کسی صحابی سے منقول نہیں کہ طاعون کے لئے اذان کا حکم دیا ہو یا خود عمل کیا ہو، اور سوال ثانی میں حدیث کا مدلول تو ظاہر، اگر اس کے متعلق کوئی خاص امر پوچھنا ہو تو تصریح اور تعیین کرنا چاہئے، اور سوال ثالث میں جس حدیث کی طرف اشارہ ہے اس کے تحقق کی صورت قریب الی الفہم یہ ہوسکتی ہے کہ وخز جن سے مادہ سمیہ کا حدوث ہوجاتا ہو جس سے ہیجان دم یا انصباب دم عارض ہوتا ہو خواہ ہمیشہ یا کبھی کبھی، جیسا کہ اوپر گذرا، باقی حقیقت حال اللہ کو معلوم ہے۔ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ

دفع طاعون کے لئے دعا کا جواز

سوال (۲۶۹۶): قدیم ۴/۳۱۶- مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ آیا مرض طاعون کے دفعیہ کے واسطے خاص طور پر دعاء کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے(۲)۔

---

(۱) **كل ما أدى إلى ما لا يجوز لايجوز.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۱۹، كراچی ۶/ ۳۶۰)

(۲) **عن عبدالله بن عمر قال: أقبل علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا معشر المهاجرين! خمس إذا ابتليتم بهن، وأعوذ بالله أن تدركوهن لم تظهر الفاحشة في قوم قط حتى يعلنوا بها إلا فشافيهم الطاعون والأوجاع التي لم تكن مضت في أسلافهم الذين مضوا، ولم ينقصوا المكيال والميزان إلا أخذوا بالسنين وشدة المؤنة وجور السلطان عليهم. الحديث.**

(ابن ماجه شريف، أبواب الفتن، باب العقوبات، النخسة الهندية ص: ۲۹۰، دارالسلام رقم: ۴۰۱۹)

عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال النبي صلى الله عليه وسلم: اللهم حبب إلينا المدينة كما حببت إلينا مكة أو أشد وانقل حماها إلى الجحفة، اللهم بارک لنا في مدنا وصاعنا. (بخاري شريف، كتاب الدعوات، باب الدعاء برفع الوباء، والوجع، النسخة الهندية ۲/ ۹۴۳، رقم: ۶۱۲۷، ف: ۶۳۷۲)

المستدرك على الصحيحين، كتاب الفتن والملاحم، مكتبه نزار مصطفى الباز ۸/ ۳۰۸۰-۷۳۹، رقم: ۸۶۲۳- شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۳/ باب: مسائل متفرقہ

اُدھار سودا گراں بیچنا

سوال (۲۶۹۷): قدیم ۴/ ۳۱۷ - اکثر لوگ دوکان دار اُدھار سودا لینے والے کو گراں دیتے ہیں، مثلاً قیمت نقد دینے والے کو روپیہ کا ۲۰ سیر غلّہ دیتے ہیں اور جو شخص ۶ ماہ میں قیمت دے گا اُس کو ۱۸ سیر دیتے ہیں۔ صفائی معاملات میں آپ نے اس کو جائز لکھ دیا ہے، مجھے کچھ شک نہیں رہا، مگر بعض علماء بوجہ اُدھار گراں فروخت کرنے کو خلافِ مروّت بتلاتے ہیں، آپ کے نزدیک بھی خلاف مروّت ہے یا نہیں؟ آپ کے فرمانے سے میری تسکین ہو جاوے گی، ازراہِ عنایت جواب مرحمت فرمائیے، ایسا معاملہ کرنے میں کچھ نقصان ہے یا نہیں؟

الجواب: خلاف مروّت اُس وقت ہے جب زیادہ گراں فروخت کرے ورنہ خلاف مروّت کچھ بھی نہیں (۱)۔ ۲۸/ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ

---

(۱) **عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين في بيعة ...... حديث أبى هريرة حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند أهل العلم، وقد فسر بعض أهل العلم، قالوا: بيعتين في بيعة أن يقول: أبيعک هذا الثوب بنقد بعشرة بنسيئة بعشرين ولا يفارقه على أحد البيعين، فإذا فارقه على أحدهما فلا بأس إذا كانت العقدة على واحد منهما.** (ترمذی شريف، كتاب البيوع، باب ماجاء في النهي عن بيعتين في بيعة، النسخة الهندية ١/ ٢٣٣)

وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا، أو قال: إلى شهر بكذا أو إلى شهرين بكذا فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم ونهى النبى صلى الله عليه وسلم عن شرطين في بيع ...... وهذا إذا افترقا على هذا، فإن كان يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتى قاطعه على ثمن معلوم وأتما العقد عليه فهو جائز؛ لأنهما مافترقا إلا بعد تمام شرط صحة العقد. (المبسوط للسرخسي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت ١٣/ ٨)

ألا يرى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل. (هداية، البيوع، باب المرابحة والتولية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٣/ ٧٤) ←

وعدہ میں لفظ انشاء اللہ کہنے سے وعدہ باطل نہیں ہوتا

سوال (۲۶۹۸): قدیم ۴/۳۱۷- وعدۂ معلق بالمشیۃ میں طبع کو تسکین نہیں ہوئی درمختار باب الا ستثناء کی روایت سے بھی یوں معلوم ہوتا ہے کہ تعلیق مبطل ہے، پس یوں خیال ہے کہ وقت وعدہ اگر ایفاء کا قصد پختہ ہو اور پھر تبدیل مصلحت سے ایفاء نہ ہو تو گو تقویٰ کے خلاف ہوگا مگر بحیثیت فتوی خلف وعدہ نہیں، مثلاً کوئی شخص حلف کرے کہ وعدہ خلافی کبھی نہ کروں گا، اور وعد معلّق بالمشیۃ میں حلف ہو تو حالف پر بندہ کے خیال میں کفارہ واجب نہ ہوگا، یہ دل ضرور مانے ہوئے ہے کہ انشاء اللہ کو حیلۂ خلف وعد بنانا معصیت مستقلہ ہے، مگر جب وقت وعدہ عزم ایفاء ہو اور بعد میں کسی خفیف مصلحت سے بھی ایفاء نہ ہو سکے تو خلف وعد جو حرام اور معصیت کبیرہ ہے تو وہ لازم نہ آوے گا۔ واللہ اعلم بالصواب؟

الجواب: في الدرالمختار: ولو بالأمر والنهي كاعتقوا عبدي بعد موتي إنشاء الله لم يصح الاستثناء، وفي ردالمحتار: والفرق أن الإيجاب يقع ندباً إلى قوله والأمر لايقع لازمًا الخ. وفي ردالمحتار: إذا وصل المشية بالتلفظ بالنية لاتبطل؛ لأنها لطلب التوفيق. حموی ج۳ص ۱۰۹، ۱۱۰ (۱)۔

ان روایات سے ایک قاعدہ ثابت ہوا کہ جو چیز لازم نہ ہو یا جہاں انشاء اللہ طلب توفیق کے لئے ہو وہاں مبطل نہیں ہوتا، پس وعدہ نہ تو لازم ہے؛ کیونکہ لازم کے معنی یہ ہیں کہ بدون وقوع اس کے یا اُس کی موت کے دنیا میں اُس سے تخلص ممکن نہ ہو، اور وعدہ عذر قوی سے ساقط ہو جاتا ہے، پس لازم نہ ہوا، اور نیز اس میں انشاء اللہ تعالیٰ محض طلب توفیق کے لئے ہوتا ہے، پس اس بناء پر وعدہ میں انشاء اللہ تعالیٰ کہنے کا وہی اثر ہوگا جو بدون کہے ہوتا ہے۔ ۲۹ر رمضان ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۰۴)

← من اشترى ثوبا بعشرة نسيئة وباعه بربح واحد حالا ولم يبين ذلك فعلم المشترى خيانته يصير مخيرا إن شاء رده وإن شاء قبله؛ لأن للأجل شبها بالمبيع، ألا ترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل والشبهة في هذا ملحقة في هذا ملحقة بالحقيقة. (مجمع الأنهر، البيوع، باب المرابحة والتولية، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۱۲)

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأيمان، قبيل باب اليمين في الدخول والخروج والسكنى الخ، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۵۲۷، كراچى ۳/ ۷۴۲۔

کفار کا نام لکھنا اگرچہ ان میں معبوداتِ باطلہ کی تعظیم ہو بضرورت جائز ہے

سوال (۲۶۹۹): قدیم ۴/ ۳۱۸- یہاں کے اکثر مسلمان مختلف اشیاء کے تاجر ہیں اور اُن کی زیادہ تر خرید وفروخت ہندوؤں کے ہاتھ ہے کبھی معاملہ بیع تعاطی کے مثل کرتے ہیں اور بسا اوقات نسیۃً بغیر سُود؛ اس لئے ہندوؤں کا نام ہندی میں اپنی بہی میں یادداشت اور معاملہ فہمی کے لئے لکھا کرتے ہیں اور بدون ہندی میں لکھے مفر نہیں، اور بغیر اُس کے کام کا ہونا دشوار ہے؛ کیونکہ ہندی کا رواج ہے اور اکثر ہندوؤں کے نام ایسے ہوتے ہیں کہ جس کے شروع میں یا آخر میں اُن کے اصنام یا دیوتا اور ان کے بزرگوں کے نام جیسے مہادیو، رام، نرائن، پرمیشور، لچھمن وغیرہ ہوتے ہیں، مسلمانوں کو اپنی بہی میں ان کا نام ہندی یا اردو میں خصوصاً اُس شخص کو کہ جو مسائل دینیہ سے کچھ واقف ہو لکھنا جائز ہے یا نہیں؟ وجہ شبہ یہ ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے عتمہ کا نام عشاء رکھا، تو آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو عشاء کو عتمہ کہنے سے منع فرمایا (۱) لہٰذا خطرہ یہ گزرتا ہے کہ یہ بھی اسی قبیل سے ہو؟

الجواب: وہاں تو ضرورت نہیں عشاء بھی کہہ سکتے ہیں، اور یہاں ضرورت ہے؛ کیونکہ یہ اعلام ہیں اور کوئی طریقہ سہل امتیاز کا نہیں۔

وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم: أنا ابن عبد المطلب (۲)۔ ولا يجوز التسمية بعبد المطلب. ۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ (حوادث ۱، ۲ ص ۱۴۱)

---

(۱) عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تغلبنكم الأعراب علم اسم صلاتكم، فإنما هي العشاء، وإنما يقولون العتمة لاعتقاهم بالإبل. (ابن ماجه شريف، الصلاة، باب النهي أن يقال صلاة العتمة، النسخة الهندية ص: ۱، دارالسلام رقم: ۷۰۵)

أبوداؤد شريف، كتاب الأدب، باب في صلاة العتمة، النسخة الهندية ۲/ ۶۸۱، دارالسلام رقم: ۴۹۸۵۔

(۲) عن أبي إسحاق قيل للبراء، وأنا أسمع أو ليتم مع النبي صلى الله عليه وسلم يوم حنين فقال أما النبي صلى الله عليه وسلم فلا كانوا رماة فقال: أنا النبي لاكذب ...... أنا ابن عبدالمطلب. (بخاري شريف، كتاب المغازي، باب قول الله تعالىٰ: يوم حنين إذا أعجبتكم كثرتكم فلم تغن عنكم شيئا، النسخة الهندية ۲/ ۶۱۷، رقم: ۴۱۴۷، ف: ۴۳۱۶) ←

کتابۃ النساء کے ممنوع ہونے سے متعلق حدیث کی تحقیق

سوال (۲۷۰۰): قدیم ۴/ ۳۱۸ - ایک امر مجھ کو آپ سے ضروری دریافت کرنا ہے بطور تحقیق، وہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے رسالہ بہشتی زیور میں خط وکتابت لکھنے کی بابت رغبت دلائی ہے، حالانکہ حدیث **وعن عائشة رضی اللّٰه عنها أنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا تعلموا نساء کم سورة یوسف ولا الکتابة** (۱) سے ممانعت معلوم ہوتی ہے؛ لہٰذا مہربانی فرما کر وہ حدیث جس سے آپ نے کتابت کی رغبت دلائی ہے، ضرور مرحمت فرماویں تا کہ ہمارا خیال بھی کتابت کے جواز پر مستحکم ہوجاوے؟

الجواب: ابوداؤد میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو کتابت سیکھنے کی اجازت مروی ہے (۲) لامحالہ تطبیق کے واسطے کہا جاویگا کہ نہی بصورت خوف فتنہ ہے اور اذن بصورت امن خود حدیث نہی میں اس کا قرینہ موجود ہے کہ اس میں سورۂ یوسف کی تعلیم سے بھی نہی ہے، تو کیا علی الاطلاق عورتوں کے لئے اس سورۃ کے پڑھنے کا ناجائز ہونے کا حکم کیا جاسکتا ہے۔

۲۲ / ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۲۴)

← **الضرورات تبيح المحظورات، أي أن الأشياء الممنوعة تعامل كالأشياء المباحة وقت الضرورة.** (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٣٩، رقم المادة: ٢١)

الضرورات تبيح المحظورات. (قواعد الفقه، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٨٩)

(۱) المعجم الأوسط للطبراني، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٠١، رقم: ٥٧١٣ ـ

(۲) **عن الشفاء بنت عبدالله قال دخل علي رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنا عند حفصة فقال لي: ألا تعلمين هذه رقية النملة كما علمتيها الكتابة.** (أبوداؤد شريف، كتاب الطب، باب ماجاء في الرقى، النسخة الهندية ٢/ ٥٤٢، دارالسلام رقم: ٣٨٨٧)

مسند أحمد بن حنبل، بيروت ٦/ ٣٧٢، رقم: ٢٧٦٣٥ ـ

وفيه دليل على جواز تعلم النساء الكتابة، وأما حديث "لا تعلموهن الكتابة" فمحمول على من يخشى في تعليمها الفساد. (بذل المجهود، كتاب الطب، باب ماجاء في الرقى، مكتبه يحيوي سهارنپور ٥/ ٨)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تجمل اور بذاذات (سادگی) میں منافات نہیں

سوال (۲۷۰۱): قدیم ۴/ ۳۱۹- (۱)وردان البذاذة من الإيمان (۲)۔ وأيضاً قال من لبس لبس شهرة في الدنيا ألبسه اللّٰه ثوب مذلة يوم القيامة (۳)۔ وفي رواية الترمذي: إن اللّٰه يحب أن يرى أثر نعمته على عبده (۴)۔ فإن كانت في إراء ة أثر النعمة شهرة فكيف التوفيق، وإن كان اللباس لباس شهرة، ولم يرد اللابس الشهرة بل إراء ة أثر النعمة فقط فيجوز في حقه أم لا؟

الجواب: (۵) معنى قوله عليه السلام ثوب شهرة، أي الثوب لشهره فما لم

---

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ سوال**: حدیث میں وارد ہوا کہ ''سادگی ایمان کا ایک حصہ ہے'' اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''جس نے دنیا میں شہرت والا لباس پہننا قیامت کے دن اللہ اس کو ذلت والا لباس پہنائیں گے'' اور ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھنے کو پسند فرماتے ہیں''، لیکن اگر نعمت کا اثر دکھلانے میں شہرت ملتی ہو تو دونوں حدیثوں میں تطبیق کی کیا شکل ہوگی؟ اور اگر لباس تو شہرت والا ہے، مگر پہننے والے نے شہرت کا ارادہ نہیں کیا ہے؛ بلکہ محض نعمت کا اظہار مقصود ہے، تو یہ پہننا اس کے حق میں جائز ہوگا یا نہیں؟

(۲) **عن عبدالله بن أبي أمامة الحارثي عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: البذاذة من الإيمان، قال: البذاذة القشافة يعني التقشف.** (ابن ماجه شريف، أبواب الزهد، باب من لا يؤبه له، النسخة الهندية ۳۰۳، دارالسلام رقم: ۴۱۱۸)

(۳) **عن عبدالله بن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من لبس لبس شهرة في الدنيا ألبسه الله ثوب مذلة يوم القيامة، ثم ألهب فيه نارا.** (ابن ماجه شريف، أبواب اللباس، باب من لبس شهرة من الثياب، النسخة الهندية ص: ۲۵۷، دارالسلام رقم: ۳۶۰۷)

(۴) **عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله يحب أن يرى أثر نعمته على عبده.** (ترمذي شريف، أبواب الأدب، باب ماجاء في إن اللّٰه تعالى يحب أن يرى أثر نعمته على عبده، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۹، دارالسلام رقم: ۲۸۱۹)

(۵) **خلاصۂ ترجمۂ جواب**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ''ثوب شهرة'' کا ←

يقصد به الشهرة، لايدخل في هٰذا الوعيد، والبذاذة مقابل للتكلف، والاهتمام لا التجمل المتوسّط، فقد وردان الله يحب الجمال (۱)۔

۲۲/ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۱۹)

حدیث میں لفظ ''استکثروا من النعال'' کے معنی کی تحقیق

سوال (۲۷۰۲): قدیم ۳۱۹/۴- جو کہ تعلیم الدین میں حضرت نے فرمایا ہے کہ جوتے بکثرت بنوائے جائیں، یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: تعلیم الدین میں جس لفظ کا یہ ترجمہ ہے وہ استکثروا ہے (۲) اس کے معنی میں دو احتمال ہیں وہی جو میں سمجھا یعنی کئی کئی جوڑے رکھنا۔ دوسرے وہ جو اہلِ علم سمجھے ہیں یعنی اکثر اوقات جوتہ

← مطلب یہ ہے کہ کپڑا شہرت کی غرض سے پہنا گیا ہو؛ لہٰذا جب کپڑا پہننے کا مقصد شہرت کا حصول نہ ہو تو وہ پہننا اس وعید کے تحت داخل نہ ہوگا، اور سادگی تکلف اور بلاضرورت اہتمام کے مقابل میں ہے نہ کہ اعتدال کے ساتھ زینت اختیار کرنے کے؛ بلکہ حدیث میں تو آیا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ زینت اور خوبصورتی کو پسند فرماتے ہیں''۔

(۱) **عن عبدالله بن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال ذرة من كبر، قال رجل إن الرجل يحب أن يكون ثوبه حسنا ونعله حسنا، قال: إن الله جميل يحب الجمال الكبر بطر الحق وغمط الناس.** (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب تحريم الكبر وبيانه، النسخة الهندية ۱/ ٦٥، بيت الأفكار رقم: ۹۱)

ترمذي شريف، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في الكبر، النسخة الهندية ۲/ ۲۰، دارالسلام رقم: ۱۹۹۹۔

(۲) **عن جابر رضي الله عنه قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول في غزوة غزوناها استكثروا من النعال، فإن الرجل لا يزال راكبا ما انتعل.** (مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب استحباب لبس النعال وما في معناها، النسخة الهندية ۲/ ۱۹۷، بيت الأفكار رقم: ۲۰۹٦)

أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في الانتعال، النسخة الهندية ۲/ ۵۷۰، دارالسلام رقم: ۴۱۳۳۔

پہننا، اور ننگے پاؤں نہ رہنا اور ظاہراً یہ دوسرے معنی ہی زیادہ صحیح ہیں (۱)۔ (ترجیح الراجح، جلد ۵ ص ۱۰۹)

ایضاً

سوال (۲۷۰۳): قدیم ۴/ ۳۱۹ - کتاب تعلیم الدین باب پوشش وزینت میں ادب، جوتی کئی کئی جوڑی رکھو، یہ ادب ماخوذ ہے حدیث جابرؓ سے **قال: سمعت النبي ﷺ في غزوة غزاها يقول: استكثروا من النعال، فإن الرجل لا يزال راكباً ما انتعل. رواه مسلم** (۲)۔

---

(۱) **معناه أنه شبه بالراكب في خفة المشقة عليه، وقلة تعبه وسلامة رجله مما يعرض في الطريق من خشونة وشوك وأذى ونحو ذلك، وفيه استحباب الاستظهار في السفر بالنعال وغيرها مما يحتاج إليه المسافر واستحباب وصية الأمير أصحابه بذلك.** (شرح النووي على المسلم، النسخة الهندية ۲/ ۱۹۷)

(فقال أكثروا النعال) أي من لبسها (فإن الرجل لا يزال راكبا ما انتعل) قال ابن رسلان: هذا كلام بليغ، ولفظ فصيح بحيث لا ينسج على منواله ولا يوتى على مثاله، وفيه إشارة إلى مصلحة الماشي وتنبيه على تخفيف المشقة عنه، فإن الحافي يلقى من التعب والمشقة والألم والعثار ما يقطعه عن المشي ويمنعه من الوصول إلى مقصوده، بخلاف المنتعل، فإنه يكون كالراكب في قلة التعب ووجود الراحة والتخلص من أذى خشونة الأرض، والتأذي بما يطأ عليه من سيول وحجارة ونحوها، ويصل إلى مقصوده سريعا كالراكب فلذلك شبه بالراكب. (بذل المجهود، اللباس، باب في الانتعال، مكتبه يحيوي سهارنپور ۵/ ۶۵)

(استكثروا) أي اتخذوا كثيرا (من النعال فإن الرجل لا يزال راكبا ما انتعل) أي ما دام الرجل لابس النعل يكون كالراكب. (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، باب النعال، الفصل الأول، مكتبه إمداديه ملتان ۸/ ۲۸۴)

(۲) مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب استحباب لبس النعال وما في معناها، النسخة الهندية ۲/ ۱۹۷، بيت الأفكار رقم: ۲۰۹۶۔

أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في الانتعال، النسخة الهندية ۲/ ۵۷۰، دارالسلام رقم: ۴۱۳۳۔

اس حدیث کا موقع بتا رہا ہے کہ سفر اور جہاد میں چلنا پھرنا بہت ہوتا ہے، ایک جوڑا کافی نہیں ہوتا ہے، اور ٹوٹ جائے تو بسا اوقات خریدنا دشوار ہے؛ لہٰذا جناب نے ارشاد فرمایا کہ کئی کئی جوڑے لے لو، تا کہ سہولت رہے اور برہنہ پَیر چلنا نہ پڑے، پس اگر ایسی ہی ضرورت ہو تو جوڑے رکھنے مسنون ہیں اور اگر بلا ضرورت محض فیشن کے لحاظ سے ابنائے زمانہ کی تقلید سے رکھے تو ناجائز اور یورپ کے ساتھ تشبہ ہے۔ اور اگر بڑائی شان کا لحاظ ہے تو تکبر میں داخل اور حرام اس قسم کی حرکتوں سے اجتناب لازم ہے۔ اور احتمال یہ بھی ہے کہ من النعال سے مراد من استعمال النعال ہو، جیسا کہ بیان فائدہ سے ظاہر ہے، تب تو فرمان شریف کا صرف یہ مطلب ہے کہ کثرت سے جوتی پہن کر چلا پھرا کرو، اگر ایک جوڑا کافی ہو تو ایک ورنہ زائد۔ واللہ اعلم بالصواب؟

الجواب: میری مراد بھی یہی ہے کہ جب مقتضے یعنی حاجت متحقق ہو اور مانع یعنی عوارض مواجبہ کراہت مثل تفاخر وتشبہ مرتفع ہوں اور محمل ثانی یعنی کثرت استعمال بھی محتمل ہے(۱)۔

۱۲؍ محرم ۱۳۴۱ھ (ترجیح خامسہ ص ۱۲۶)

---

(۱) **معناه أنه شبه بالراكب في خفة المشقة عليه، وقلة تعبه وسلامة رجله مما يعرض في الطريق من خشونة وشوك وأذى ونحو ذلك، وفيه استحباب الاستظهار في السفر بالنعال وغيرها مما يحتاج إليه المسافر واستحباب وصية الأمير أصحابه بذلك.** (شرح النووي على المسلم، النسخة الهندية ٢/ ١٩٧)

(فقال أكثروا النعال) أي من لبسها (فإن الرجل لا يزال راكبا ما انتعل) قال ابن رسلان: هذا كلام بليغ، ولفظ فصيح بحيث لا ينسج على منواله ولا يوتى على مثاله، وفيه إشارة إلى مصلحة الماشي وتنبيه على تخفيف المشقة عنه، فإن الحافي يلقى من التعب والمشقة والألم والعثار ما يقطعه عن المشي ويمنعه من الوصول إلى مقصوده، بخلاف المنتعل، فإنه يكون كالراكب في قلة التعب ووجود الراحة والتخلص من أذى خشونة الأرض، والتأذي بما يطأ عليه من سيول وحجارة ونحوها، ويصل إلى مقصوده سريعا كالراكب فلذلك شبه بالراكب. (بذل المجهود، اللباس، باب في الانتعال، مكتبه يحيوي سهارنپور ٥/ ٦٥) ←

حضرت غوث اعظم کی بعض کرامات اوران کی تصدیق کی شرط

سوال (۲۷۰۴): قدیم ۴/۳۲۰- مولانا مفتی عنایت احمد صاحب نے اپنی کتاب الکلام المبین میں امام شافعیؒ کی کتاب مرأة الشیطان سے کرامات غوث الثقلین قدس سرہ العزیز میں لکھا ہےاوروہ یہ ہے کہ ایک بڑھیا کے بیٹے کو جناب حضرت غوث الثقلین سے بہت محبت تھی، آپ ہی کی خدمت میں حاضر ہوتا، دنیا کے کاروبار میں کم مشغول ہوتا، ایک دن اس بُڑھیا نے آپ کے حضور میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں نے اس بیٹے کو آپ کی نذر کیا، اور لِلّٰہ اپنا حق اس سے معاف کیا، آپ اسے تعلیم باطن فرمایئے، اس لئے کہ میرے گھر کے کام میں تو یہ رہتا ہی نہیں، ہر گھڑی یہیں حاضر رہتا ہے، اوراس لڑکے کو خانقاہ مبارک میں چھوڑ آئی، آپ نے اس کو ریاضت اور سبق باطن میں مشغول کیا، کبھی کبھی وہ بُڑھیا اپنے بیٹے کو دیکھنے آتی تھی، ایک دن آئی تو دیکھا کہ وہ بیٹا چنے چبا رہا ہے، اور بہت حقیر وناتواں ہوگیا ہے، پھر وہ حضرت غوث الثقلینؒ کے پاس گئی تو دیکھا کہ آپ مرغی کا گوشت کھا رہے ہیں، اُس نے کہا کہ حضرت آپ مرغی کا گوشت کھاتے ہیں اور میرے لڑکے کو چنے کھلاتے ہیں، آپ نے مرغی کی ہڈیوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اُٹھ کھڑی ہو اُس خدا کے حکم سے جو بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کریگا، فوراً وہ مرغی زندہ ہوگئی اور آواز کرنے لگی، سبحان اللہ! کیا رتبہ ہے اولیائے محمدیہ کا، جناب مفتی صاحب کے نزدیک قابل اعتبار نہ ہوتی تو اپنی تحریر میں ہرگز نہ لاتے، تاہم حضور والا سے عرض یہ ہے کہ سند قابل ماننے کے ہے یا نہیں؟

الجواب: کرامات اولیاء سے صادر ہوسکتی ہیں؛ اس لئے اس قصہ کے مان لینے میں کوئی شرعی خرابی نہیں ہے (۱) بشرطیکہ اس قصہ سے کوئی اور نتیجہ خلاف شریعت اپنی رائے سے مستنبط نہ کرلیں۔

(تتمہ رابعہ ص ۳۹)

← (استكثروا) أي اتخذوا كثيرا (من النعال فإن الرجل لا يزال راكبا ما انتعل) أي ما دام الرجل لابس النعل يكون كالراكب. (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، باب النعال، الفصل الأول، مكتبه إمداديه ملتان ٨/ ٢٨٤)

(١) وقد ذهب أهل السنة والجماعة من الفقهاء والأصولين والمحدثين وغيرهم -خلافا للمعتزلة ومن وافقهم- إلى أن ظهور الكرامة على الأولياء جائز عقلا؛ لأنها من جملة الممكنات، وأنها واقعة نقلا مفيدا لليقين من جهة مجيء القرآن بها، وقوع التواتر ←

آیت کریمہ ”وما علّمناهُ الشعر“ پر وارد ہونے والے اشکال کا جواب

سوال (۲۷۰۵): قدیم ۴/۳۲۰- مجادلات معدلت کے نمبر:۳۰ میں قرآن اور تغنی کے ضمن میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ قرآن مجید اور حدیث شریف کے بعض جملوں میں مصراعیت کی شان ہے، اور بعض بالکل موزون ہیں؛ لیکن چونکہ وہ بلا قصد ہیں اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ **مَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ** کے خلاف ہیں، شعر وہ ہے کہ جس میں قصد وزن کا ہو، نہ کہ اتفاقاً وزن ہو گیا ہو اور ما حصل آپ کی تقریر کا یہ ہے کہ کلام موزوں بلا قصد شعر نہیں اور جب شعر نہیں تو **ما علمناه الشعر** کا خلاف لازم نہیں آتا، مگر اساتذہ فن نے لکھا ہے کہ شعر اصطلاح میں کلام موزوں مناسب الالفاظ کو کہتے ہیں، قصد موزونیت اگرچہ داخل صفت شعر ہے؛ لیکن وجود شعر میں اس کو دخل نہیں، جو شعر بلا قصد منہ سے نکل جاتا ہے اس کو فی البدیہہ کہتے ہیں، اس صراحت کا نتیجہ یہ ہے کہ کلام موزوں بلا قصد شعر ہے، اور آورد پر آمد کو ترجیح ہے، اگر بر سبیل تنزّل مان بھی لیا جائے کہ کلام موزون بلا قصد شعر نہیں تب بھی یہ شبہ باقی رہتا ہے کہ قصد موزونیت نہ تھا، تو یہ موزونیت کہاں سے آگئی، قصہ مختصر اللہ پاک کی شان سے یہ بعید ہے کہ باوصف اہتمام نیز اتفاقاً بعض کلامِ

← **عليها قرنا بعد قرن وجيلا بعد جيل، وبعد ثبوت الوقوع لا حاجة إلى إثبات الجواز، قال ابن تيمية: وكرامات الأولياء حق باتفاق أهل الإسلام والسنة الجماعة، وقد دل عليها القرآن في غير موضع، والأحاديث الصحيحة والآثار المتواترة عن الصحابة والتابعين وغيرهم، وإنما أنكرها أهل البدع من المعتزلة والجهمية ومن تابعهم، ولكن كثيرا ممن يدعيها أو تدعى له يكون كذابا وأو ملبوسا عليه.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٥/ ١٨٠)

وكرامات الأولياء حق ...... والدليل على حقية الكرامة ما تواتر من كثير من الصحابة ومن بعدهم بحيث لا يمكن إنكاره خصوصا الأمر المشترك، وإن كانت التفاصيل آحادا، وأيضا الكتاب ناطق بظهورها من مريم ومن صاحب سليمان عليه السلام وبعد ثبوت الوقوع لا حاجة إلى إثبات الجواز الخ. (شرح العقائد النسفية، مكتبه نعميه ديوبند ص: ١٤٤-١٤٥)

وفيه إثبات كرامات الأولياء وهو مذهب أهل الحق. (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب البر والصلة، الفصل الثالث، مكتبه إمداديه ملتان ٩/ ٢٠٨)

موزوں ایسا صادر ہو جاوے کہ اوزانِ متعارفہ پر بے تکلّف تقطیع کیا جا سکے، امید ہے کہ آپ اس شبہ کے

دور کرنے میں جواب تحریر فرماویں گے؟

الجواب: شعر اصطلاحی وہ کلام موزوں ہے جس کے ایراد میں موزونیت من حیث الشعر العرفی کا قصد کیا گیا ہو، پس اس تعریف سے ایسی آیات واحادیث خارج ہوگئیں جو اوزان شعریہ پر منطبق پائی جاتی ہیں، احادیث تو اس لئے کہ ان میں موزونیت کا قصد ہی نہیں، اور آیات اس لئے کہ اُن میں موزونیت من حیث الشعریۃ کا قصد نہیں، پس صرف قصد کا التزام قول بالاضطرار سے بچنے کے لئے مضر نہیں۔ اور **فی البدیهه** شعر میں عدم قصد کا شبہ نہ کیا جاوے؛ کیونکہ عدم قصد اس کے ورود میں ہے تو اس مرتبہ میں اس کے شعر ہونے پر کوئی دلیل نہیں' اور شعر ہونا اس کا مرتبہ ایراد میں ہے تو اس مرتبہ میں وہ شعر بھی ہے اور کلام نفسی باری تعالیٰ میں خود عدم قصد سے جواب ہو جاوے گا، کیونکہ وہ مرتبہ صفت کا ہے جو ارادہ کا متعلق نہیں ہے، اور تعریف مذکور میں عرفی کی قید سے دور کا شبہ جاتا رہا، اب جوابِ مذکور کی تائید کے لئے اہل مہارت کی کچھ نقل پیش کی جاتی ہے۔

في كشاف اصطلاحات الفنون للقاضي محمد على التهانوي وهو (أى الشعر) الكلام الموزون المقفى الذي قصد إلى وزنه وتقفيته قصدا أوليا إلى قوله يعنى ليس مقصوده تعالىٰ أن يكون هذا الكلام شعرا على حسب اصطلاح الشعراء. ص ۷۴۴ (۱)۔

اور مجادلات کی عبارت میں جو بلا قصد واقع ہے، مراد اس سے خاص قصد کی نفی ہے، یعنی قصد وزن **من حيث الشعرية** اور اسی لفظ کو اتفاق سے تعبیر کیا ہے **ولا مشاحة في الاصطلاح** اور جب ماہرین نے تعریف میں قصد وزن کی تصریح کر دی تو کسی دوسرے کی تصریح نہ کرنا معارض اس کے نہیں ہوسکتا۔ **لأن الناطق يقضى على الساكت.** اس تقریر میں تامل کرنے سے تمام شبہات مذکورہ فی السوال مرتفع ہو جاویں گے۔ ۳۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۳۷)

---

(۱) كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، حرف الشين، مكتبة لبنان ناشرون بيروت ۱/ ۱۰۳۰۔

الشعر في الاصطلاح: الكلام المقفى الموزون على سبيل القصد. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۶/ ۱۱۲)

الشعر: اصطلاحا: كلام مقفى موزون قصدا فلا يدخل فيه نحو قوله: "الذي أنقض ظهرك- ورفعنا لك ذكرك"، فإنه موزون ومقفى لكن ليس بشعر لفقد القصد. (معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية، دار الفضيلة ۲/ ۳۳۸)

اعانت علی المعصیۃ کی چند جزئیات

سوال (۲۷۰۶): قدیم ۴/ ۳۲۲- ﴿۱﴾ اعانت علی المعصیۃ کی نسبت جزئیات عجب متعارض ہیں، مکان کا بُت خانہ وغیرہ بنانے کے لئے کرایہ پر دینا ذمی کے لئے خمر باجرۃ لے جانا امام صاحب کے نزدیک جائز ہے، اوراس کی وجہ ہدایہ وغیرہ میں یہ لکھی ہے کہ معصیت عین کے ساتھ قائم نہیں؛ بلکہ درمیان میں فعل فاعل مختار حائل ہے؛ اس لئے نسبت منقطع ہوجاوے گی (۱) حالانکہ اس وجہ کا مقتضی یہ ہے کہ بیع سلاح کی اہل فتنہ کے ہاتھ جائز ہو، شامی نے اس مقام پر خود اپنا تردد ظاہر کر کے چھوڑ دیا ہے۔ کتاب الحظر والإباحة فصل في البيع (۲) وغیرہ اس کی نسبت کچھ اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا، بحرالرائق میں لکھا ہے کہ اگر کوئی

---

(۱) ومن آجر بيتا ليتخذ فيه بيت نار أو كنيسة أو بيعة أو ياع فيه الخمر بالسواد، فلا بأس به، وهذا عند أبي حنيفة، وقالا: لا ينبغي أن يكريه لشيء من ذلك؛ لأنه إعانة على المعصية، وله أن الإجارة ترد على منفعة البيت؛ ولهذا تجب الأجرة بمجرد التسليم، ولا معصية فيه، وإنما المعصية بفعل المستأجر وهو مختار فيه فقطع نسبته عنه ...... ومن حمل لذمي خمرا، فإنه يطيب له الأجر عند أبي حنيفة، وقال أبويوسف ومحمدؒ: يكره له ذلك؛ لانه إعانة على المعصية، وقد صح أن النبي صلى الله عليه وسلم لعن في الخمر عشرا حاملها والمحمول إليه له أن المعصية في شربها وهو فعل فاعل مختار، وليس الشرب من ضرورات الحمل ولا يقصد به، والحديث محمول على الحمل المقرون بقصد المعصية. (هداية، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه اشرفيه ديوبند ٤/ ٤٧٢-٤٧٣)

(۲) أقول: هو صريح أيضا في أنه ليس مما تقوم المعصية بعينه، ولذا كان ما في الفتاوى مشكلا كما مر عن النهر إذ لا فرق بين الغلام وبين البيت والعصير، فكان ينبغي للمصنف التعويل على ما ذكره الشراح، فإنه مقدم على ما في الفتاوى، نعم على هذا التعليل الذي ذكره الزيلعي يشكل الفرق بين ما تقوم المعصية بعينه وبين ما لا تقوم بعينه، فإن المعصية في السلاح والمكعب المفضض ونحوه، إنما هي بفعل الشاوي فليتأمل في وجه الفرق، فإنه لم يظهر لي ولم أر من نبه عليه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٦٢-٥٦٣، كراچی ٦/ ٣٩٢)

راستہ بیعہ یا کنیسہ کا پوچھے تو بتلانا درست نہیں کہ **اعانت علی المعصیة** ہے(۱) کہاں تو یہ احتیاط اور کہاں مکان کے کرایہ پر دینے کی اجازت، غرضکہ اس کا قاعدہ کلیہ امام صاحبؒ کے مذہب پر کیا ہے؟

﴿۲﴾ ایک شخص نے سوال کیا ہے کہ ایک آدمی پھولوں کی تجارت کرتا ہے، چند پجاریوں سے معاہدہ کیا، وہ روز پھول لے کر اپنے دیوتاؤں پر چڑھاتے ہیں، آیا اس کے ہاتھ بیچنا درست ہے یا نہیں؟ علیٰ ہذا جانور کا ایسے آدمی کے ہاتھ بیچنا جو معلوم ہے کہ بُت پر چڑھائے گا اور اس کے نام پر ذبح کرے گا یا اور چیزیں جو چڑھائی جاتی ہیں ان کا خاص ایسے لوگوں کے ہاتھ بیچنا جن کا تقرب الیٰ غیر اللہ کے لئے استعمال کرنا یقینی طور پر معلوم ہے، اگر چہ ان مسائل میں صاحبینؒ کے نزدیک تو حکم ظاہر ہے، شبہ امام صاحبؒ کے مذہب پر ہے، قیاس علےٰ بیع السلاح کا مقتضی ممانعت اور دیگر مسائل کا مقتضی جواز ہے، یہ بھی اگر لحاظ رکھا جائے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آج کل حتی المقدور دائرہ اجازت کو وسیع کرنا مناسب ہے؟

الجواب: اس مسئلہ میں اصل مذہب اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر درمیان میں کسی فاعل مختار کا فعل متخلل ہو جائے بشرطیکہ انتفاع اس شئے سے وجہ محرم میں منحصر نہ ہو تو اس کی بیع وغیرہ **اعانت علی المعصیة** نہیں ہے، گو کراہت بمعنی خلاف اولیٰ سے خالی نہیں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فتویٰ سے جائز ہے تقویٰ کے خلاف ہے، اور واقعی اس بناء پر سلاح میں وسعت معلوم ہوتی ہے؛ لیکن اس میں جواز منقول نہ ہونا غالباً احد الامرین کی وجہ سے ہے، یا تو امام صاحبؒ کے حکم بکونہ خلاف الاولیٰ کو کراہت پر اور پھر کراہت کو تحریم پر محمول سمجھ لیا ہے اور یا جزئیات میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے اقوال مختلط ہو گئے ہیں، یا میرے جی کو یہ لگتا ہے کہ معصیت لازمہ اور معصیت متعدیہ مضرہ للغیر میں فرق کیا ہے، یعنی تخلل فعل مختار کو معصیت لازمہ میں قاطع نسبت قرار دیا ہے اور معصیت متعدیہ میں غایت اہتمام کے لئے قاطع نہیں قرار دیا جیسا دیانات میں جبکہ خواص کا فعل سبب ہو جائے افساد عقیدہ عوام کا تو خواص کے لئے بھی مکروہ ہو جاتا ہے، اور گو امام صاحبؒ سے یہ کلیہ منقول نہ ہو لیکن جزئیات سے کلیات مستخرج کئے گئے ہیں۔ **وهٰذا أقرب الوجوه عندي.** اس تقریر پر پھولوں وغیرہ کا بیچنا صورتِ مسئولہ میں جائز معلوم ہوتا ہے، اگر یہ تقریر مان لی جائے تو امید ہے کہ کسی جزئی میں اشکال نہ رہے گا۔ ۷/ رجب ۱۳۲۴ھ

---

(۱) **ومن سأل من أهل الذمة المسلم طريق البيعة لا ينبغي له أن يد له عليها الخ.**

(البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۳۷۲، كوئٹه ۸/ ۲۰۳)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳۶/ کتاب الوصایا

موصی لہ کے وصیت کو رد کرنے کے بعد موصی کا وصیت سے رجوع کرنا

سوال (۲۷۰۷): قدیم ۴/ ۳۲۳ - زید نے مرض الموت میں ایک وصیّت نامہ لکھا کہ میرے ترکہ سے ایک ثلث میں وصیت ہے کہ ایک سو روپیہ میں تجہیز و تکفین و ایصال ثواب، اور ایک سو روپیہ فلاں عمرو کو اور بقیہ فلاں فلاں پانچ شخصوں کو جو وارث شرعی نہیں بحصّہ مساوی دیا جاوے اور دو ثلث ورثہ شرعیہ کو تقسیم کیا جاوے، اس وصیت نامہ کو سن کر اور لوگوں نے اپنے اپنے دستخط کر دیئے، مگر پانچویں موصی لہ نے دستخط کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ مجھ کو لینا منظور نہیں ہے یہ سمجھ کر کہ یہ مال زکوٰۃ ہے، اس پر زید موصی نے کہا کہ تم منظور کر لو، پھر لوٹ کر میرے ہی اوپر لگا دینا، اور دوسرے موصی لہ نے بھی سمجھایا کہ تم منظور کر لو یہ زکوٰۃ نہیں ہے سب کو ملا ہے، اور میں نے بھی لیا ہے، کیا میں تمہارے نزدیک زکوٰۃ کھانے والا ہوں، تب بھی نہیں مانا، تب زید موصی نے سمجھانے والے سے کہا کہ تم کیوں اصرار کرتے ہو، وہ نہیں منظور کرتے ہیں نہ لیں تم ان کا نام کاٹ دو اور چار ہی نام رہنے دو تب دوسرے شخص نے کہا کہ نام کاٹنے سے کاغذ مشکوک ہو جاوے گا تو زید موصی نے کہا کہ ان کے نام پر (ص) بنا دو پھر کہا گیا کہ ص کا مطلب بھی مشکوک رہے گا تب زید موصی نے کہا کہ ان کے نام پر اُن سے انکار لکھوا لو چنانچہ زید موصی نے خود منکر کے ہاتھ اس کے نام پر اس کاغذ پر یہ الفاظ لکھوائے مجھ کو لینا منظور نہیں فلاں بقلم خود پھر زید موصی نے اس وصیت نامہ پر اپنے دستخط کر کے اپنے پاس رکھ لیا اور اپنے مرنے سے کچھ پیشتر (منجملہ ان چار اشخاص کے جن کو تقسیم بین الشرکاء کے لئے بموجب وصیت نامہ کے مقرر کیا تھا) ایک شخص کے پاس بھیج دیا اس شخص نے اپنے پاس رکھ لیا اب بعد انتقال زید موصی کے وہ شخص منکر کہتا ہے کہ میں نے زکوٰۃ کا مال سمجھا تھا اس لئے میں نے انکار کیا تھا اب مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ زکوٰۃ کا مال نہیں ہے اور میں نے مولویوں سے پوچھ لیا ہے اور مجھے لینا درست ہے

تو علمائے دین سے سوال یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں بعد انکار ورد وبدل منکر کے حق میں یہ وصیت رہی یا کالعدم ہوگئی اوراس کا یہ عذر کہ میں نے مال زکوٰۃ سمجھ کرانکار کیا تھا قبول ہوسکتا ہے یانہیں؟ اور مالِ وصیت بعد ادائے دوسو (۲۰۰) روپے مصارف تجہیز وتکفین ووصیت درحق شخص واحد بقیہ اِن پانچوں پر تقسیم ہوگا یانہیں؟ اگر کوئی شخص بلا رضا مندی دیگر شرکاء کے تقسیم کر کے پانچویں شخص کو دیوے تو اس کو حلال ہے یا حرام؟ اور ایسی تقسیم کرنے والا گنہگار ہوگا یانہیں؟ بینوا توجروا

الجواب : **الرواية الاولىٰ فى الهداية: ص: ۶۴۱. وقبو ل الوصية بعد الموت فإن قبلها الموصى له فى حال حيٰوته أوردها فذٰلک باطل (۱). الرواية الثانية فى الهداية: ص: ۶۴۴. ويجوز للموصى الرجوع عن الوصية وإذا صرح بالرجوع أو فعل مايدل على الرجوع كان رجوعاً(۲). الرواية الثالثة في الدرالمختار: باب الوصية بثلث المال وأصله المعول عليه أنه متى دخل فى الوصية، ثم خرج لفقد شرط لايوجب الزيادة في حق الاٰخر ومتى لم يدخل فى الوصية لفقد الأهلية كان الكل للاٰخر كذا ذكره الزيلعي.(۳)**

صورت مسئولہ میں اگر موصی بعد ردموصی لہ کے اس باب میں کچھ دخل نہ دیتا تو یہ ردّ انکار جو حیات موصی میں ہوا قابل اعتبار نہ ہوتا؛ بلکہ موت موصی کے بعد جب وہ قبول کر لیتا تو یہ وصیّت بحال خود رہتی بشرطیکہ بعد موت موصی کے نوبت انکار موصی لہ کی نہ آئی ہو **تدل عليه رواية الاولىٰ** لیکن جب ردّ انکار موصیٰ لہ کے بعد موصی نے کہا کہ ان کے نام پر ان سے انکار لِکھوا لو تو موصی نے اس ردّ کو منظور کرلیا جو کہ فعل دال علی الرجوع عن الوصیۃ ہے؛ چنانچہ ظاہر ہے اس رجوع سے حق موصی لہ کا باطل ہوگیا **تدل عليه رواية الثانية** لیکن اس شخص کا حصّہ یعنی موصی بہ کا خمس ان چار باقی کو نہ ملے گا؛ بلکہ حق ورثہ کا ہے؛ البتہ اگر موصی اس کے بعد کہہ دیتا ہے کہ اب یہ مجموعہ ان چار کو ملے تو یہ خمس بھی علی السواء ان چاروں کو مل جاتا؛

---

(۱) الهداية، كتاب الوصايا، باب في صفة الوصية الخ، مكتبه اشرفيه ديوبند ٤/٦٥٧ـ

(۲) الهداية، كتاب الوصايا، باب في صفة الوصية الخ، مكتبه اشرفيه ديوبند ٤/٦٦٠ـ

(۳) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوصايا، باب الوصية بثلث المال،مكتبه زكريا ديوبند ١٠/٣٧٠ـ

تبيين الحقائق، كتاب الوصايا، باب الوصية بثلث المال، امداديه ملتان ٦/١٩٠، مكتبه زكريا ديوبند ٧/٣٩٢ـ

لیکن اگر نہ کہا ہو تو ان اربعہ کا اس خمس کا مستحق ہونا محتاج وصیّت ہے اور وہ پائی نہیں گئی **تدل علیہ الروایة الثالثة** البتہ اگر سب ورثہ بالغ ہوں اور اپنی رضا سے اس کو یہ خمس دیدیں یا جو بالغ ہوں وہ اپنا حصّہ اس خمس میں سے اس کو دیدیں تو اس کا لینا جائز ہے(۱) ورنہ دینا اور لینا دونوں ناجائز ہیں۔(۲) واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

۷/شوال المکرّم ۱۳۲۳ھ (امداد ج۳ص۱۰۸)

وارث کے لئے وصیت کا حکم

سوال (۲۷۰۸): قدیم ۴/۳۲۵- وارث کے لئے وصیت کی اور ورثہ نے بعد موت موصی اس کو رد کردیا پھر اگر اجازت دیں تو وصیت صحیح ہوجائے گی؟ اور لازم یا کہ جدید تبرّع ہوگا اور دینے نہ دینے کا اختیار ہوگا اسی طرح موصی لہ نے وصیت کو قبول نہیں کیا تو وصیت صحیح ہوجاوے گی یا نہیں؟

---

(۱) **المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كف شاء من الملك.** (بيضاوي شريف، مكتبه رشيد ۱/۷)

المالک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في تعريف المال، مكتبه زكريا ديوبند ۷/۲۳۵، كراچي ۵/۵۰)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/۶۵٤، رقم المادة: ۱۱۹۲)

(۲) **أما تصرفات الصبي فما كان منها نافعًا له نفعا محضا صح منه بغير إذن وليه وما كان ضارا به ضررا محضا فلا يصح ولو أذن وليه الخ.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱٤/۳۵)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا لاتظلموا؟ ألا لاتظلموا؟ ألا لاتظلموا؟ إنه لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه. (مسند أحمد بن حنبل، بيروت ۵/۷۲، رقم: ۲۰۹۷۱)

سنن الدار قطني، دارالكتب العلمية بيروت ۳/۲۲، رقم: ۲۸۶۳۔

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (شامي، كتاب الحدود، باب التعذير، مطلب في التعزير بأخذ المال، مكتبه زكريا ديوبند ۶/۱۰۶، كراچي ٤/۶۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: تصریح تلاش کرنے کا وقت نہیں ملا لیکن قواعد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صورت اول میں یہ تبرّع جدید ہوگا کیونکہ تصرف موقوف قبول یارد پر منتہی ہوجاتا ہے "**ولاحکم للشيئ بعد انتهائه**" جیسا کہ بیع موقوف ونکاح موقوف میں کہ بعدرد اصلاً اعتبار نہیں رہتا (۱) اور صورت ثانیہ میں بھی اسی طرح وہ وصیت معتبر نہ ہوگی۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

۱۳/ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (امداد ج۳ ص۱۱۰)

اجنبی اور وارث کے لئے وصیت کا حکم

سوال (۲۷۰۹): قدیم ۴/ ۳۲۶- ایک مسئلہ کی نسبت یہاں پر بڑا تردد ہے وصیت کی نسبت فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ اگر دو شخصوں کے لئے وصیت کرے اور ایک کو مل نہ سکے تو اگر اس کو ملنے کا احتمال ہی نہ ہو تو کل مال موصی لہ ثانی کو مل جاوے گا اور اگر احتمال ہے تو نصف ملے گا مثلاً زید اور وارث کے لئے وصیت کی اور وارث کو نہ ملا تو جس قدر مال کی وصیت کی ہے اس کا نصف ملے گا اور اگر زید وعمرو کے لئے

---

(۱) صاحب فتح القدیر علامہ کمال ابن ہمامؒ نے معراج الدرایہ کے حوالہ سے امام شافعیؒ کے مسلک کی توجیہ میں عبارت پیش کی ہے، جو حضرت والاؒ کی توجیہ کی مؤید ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

فالأولى في بيان وجه الشافعي هنا ماذكر في معراج الدراية من أن الشارع أبطل الوصية بمازاد على الثلث وللوارث وللقاتل والإجازة لا تعمل في الباطل فتكون هبة مبتدأة؛ لأنها تمليك بلا عوض. (فتح القدير، كتاب الوصايا، باب في صفة الوصية، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ٤٥١، كوئٹه ۹/ ۳٥۰)

(۲) **ولابد في الوصية من القبول؛ لأن الإصياء تمليك فلابد من القبول ويعتبر القبول بعد موت الموصى ولا اعتبار بالرد والقبول في حياته أي حياة الموصى ...... وبه أي بالقبول تمليك الوصية.** (مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٤٢۰-٤٢۱)

اعلم أن قبول الموصى له شرط لإفادة الملك للموصى له حتى لا يملك قبل القبول ...... قبول الموصى له ورده إنما يكون بعد موت الموصى ولا ينظر إلى رده ولا إلى إجازته قبل الموت. (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الوصايا، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۳۸۰، امداديه ملتان ٦/ ۱۸٤) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وصیت کی اور زید میت ہے تو کل مال عمرو کو مل جاویگا سوال یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے کل مال کی زید اور وارث کے لئے وصیت کی اور بقیہ ورثہ نے اس کو جائز نہ رکھا تو آیا یہ سمجھا جاوے گا کہ چونکہ کل مال کی وصیت نادرست ہے تو گویا ثلث مال کی وصیت کی تھی زید ووارث کے لئے حتی کہ زید کو ثلث کا نصف یعنی سدس ملے یا یہ نہ سمجھا جاویگا بلکہ اگر ورثہ راضی نہ ہوئے تو اجنبی کو ثلث مال دلایا جاویگا فقہاء کے قاعدہ سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جہاں تنصیف کی جاتی ہے وہاں وجہ یہ ہے کہ موصی کو کل دلانا مقصود نہیں بلکہ تنصیف کرنا مقصود ہے اسی لئے اگر کسی وجہ سے ایک شخص کو نہ مل سکا تو دوسرے کو اس کا حصہ نہ دیا جاوے گا اور صورت مسئولہ میں یہ امر مفقود ہے کیونکہ بہر حال اجنبی کو نصف کل مال بلکہ اس سے بھی کم ملے گا اور اگر ورثہ راضی نہ ہوئے پھر ثلث کے نصف کرنے کی کیا وجہ؟ بادب تمام التماس ہے کہ اس کی نسبت جو اعلیٰ حضرت کی رائے ہو اس سے مطلع فرمایا جاوے اور اگر بنظر توجہات اعلیٰ حضرت کوئی روایت بھی تحریر فرمائی جاوے تو اور بھی اطمینان قلب ہو جاوے گا؟

الجواب: ہدایہ میں ہے۔

ومن أوصى لأجنبي ولوارثه فللأجنبي الوصية وتبطل وصية الوارث: لأنه أوصى بما يملك الإيصاء به، وبما لا يملك فصح في الأول وبطل في الثاني. (۱)

اس روایت سے مسئول عنہا کا جواب ظاہر ہے کہ اس میں زید کو نصف ثلث ملے گا کیونکہ تعلیل ہدایہ کی اس میں جاری ہے۔ **أوصىٰ بما يملك وبما لا يملك الخ** کیونکہ روایت مذکورہ میں ما یملک سے مراد ظاہر ہے کہ وصیت للاجنبي ہے اور "**مالایملک**" سے مراد وصیت للوارث ہے قطع نظر مقدار موصیٰ بہ سے کہ وہ دوسری دلیل مستقل سے ثابت ہے کہ ثلث سے متجاوز نہ ہوگا اور اگر ثلث سے زائد ہو تو وہ بھی بمنزلہ ثلث کے ہوگا (۲) اور وصیت مسئول عنہا میں تفضیل **أحدهما على الآخر** مقصود نہیں

---

(۱) الهداية، كتاب الوصايا، باب الوصية بثلث المال، مكتبه اشرفيه ديوبند ٤/٦٦٧-٦٦٨۔

إذا أوصىٰ لأجنبي ووارثه كان للأجنبي نصف الوصية وبطلت للواث؛ لأنه أوصى بما يملك وبما لا يملك فصح فيما يملك وبطل في الآخر. (البحر الرائق، كتاب الوصايا، باب الوصية بثلث المال، كوئٹه ٨/٤٢٢، مكتبه زكريا ديوبند ٩/٢٤٥)

(۲) عن عامر بن سعد عن أبيه رضي الله عنه قال: مرضت فعادني النبي صلى الله عليه وسلم ←

پس تساوی کا کیا جاوے گا اس بناء پر صورت مسئول عنہا بھی روایت مذکورہ کی ایک جزئی ہوگئی پس حکم مذکورہ بھی اس کے لئے ثابت ہوگا **قولکم** وہاں وجہ یہ ہے کہ موصی کو کل دلانا مقصود نہیں **إلی قولکم** یہ امر مفقود ہے **قلت** کل سے مراد کل متروکہ ہے یا کل موصٰی بہ اگر شقِ اوّل ہے تو مسلّم نہیں کہ یہ وجہ ہے کہ اس کے لئے حاجت نقل ہے اور اگر شقِ ثانی ہے تو مسلم ہے؛ لیکن یہ کہنا کہ مقصود ہے مسلم نہیں؛ کیونکہ جب دو کے لئے وصیت کی تو زید کو کل موصٰی بہ دلانا مقصود نہیں بلکہ دونوں کی تساوی مقصود ہے اور کل مال معنی میں ثلث مال کے ہے پس لوازم تساوی سے زید کو نصف ثلث مِلنا ہے آپ مکرر غور فرمائیے اگر کچھ شبہ رہے پھر لکھئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم وحکم

۲۵/محرم الحرام ۱۳۲۴ھ (امداد ج ۳ ص ۱۱۰)

وصیت کی تعلیق واضافت کا حکم

سوال (۲۷۱۰): قدیم ۴/ ۳۲۶- مسائل ذیل مدرسہ میں آئے ہوئے ہیں اور کوئی قابل تسکین جواب خدام کی نظر سے نہیں گزرا اس لئے اعلیٰ حضرت کو تکلیف دی جاتی ہے امید کہ تکلیف فرما کر رفع تردد فرمایا جاوے سوال سوم کی نسبت تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ درحقیقت وصیت انتفاع کی ہے نہ عین شئے کی اور انتفاع حین حیات تک کی وصیت درست ہے اس لئے یہ جائز ہوجاوے وہ سوالات یہ ہیں:

← **-إلی- قلت: أريد أن أوصیٰ بالنصف؟ قال: النصف كثير. قلت: فالثلث؟ قال: الثلث كثير أو كبير؟ قال: فأوصیٰ الناس بالثلث فجاز ذلک لهم.** (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب الوصية الثلث، النسخة الهندية ۱/ ۳۸۳، رقم: ۲٦٦۳، ف: ۲۷٤٤)

وتصح بمازاد على الثلث ...... قال بعض المتأخرين يعني لا يجوز بمازاد على الثلث حتى لا يجوز في حق الفاضل على الثلث بل في حق الثلث فقط؛ لأنه لاتجوز هذه الوصية أصلا. (البحر الرائق، كتاب الوصايا، كوئٹه ۸/ ٤٠٤، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۱٤)

ألايكون الموصیٰ به زائدا على ثلث التركة إذا كان للموصى وارث لإجماع العلماء على وجوب الاقتصار في الوصية على الثلث بمقتضى الثابت بالسنة في حديث سعد بن أبي وقاص: الثلث والثلث كثير. (الفقه الإسلامي وأدلته، الباب الرابع الوصايا، الفصل الأول: الوصية، المبحث الثاني، المطلب الثالث، الهدىٰ انٹرنيشنل ديوبند ۸/ ۵۷) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) وصیت میں کسی قسم کی شرط میعاد انتقالِ ذات شئ میں کرے تو وہ وصیت جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر زید ایک ثلث عین کی وصیت بحق اجنبی کرے اور شرط میعاد کی اس طرح کرے کہ بعد میرے پانچ سال تک مثلاً قابض نہ ہوگا بلکہ ورثہ قابض رہیں گے اور بعد پانچ سال کے موصی لہ قابض ہوگا یہ میعاد شرط قابل پابندی ہوگی یا نہیں اور وصیت جائز ہوگی؟

(۳) اگر وصیت زید کل مال کی کرے بنام اجنبی کے اور شرط میعاد تا حیات کرے یعنی بعد وفات موصی لہ میرے ورثہ پائیں گے اور حالت حیات میں اجنبی قابض رہے گا تو یہ وصیت جائز ہوگی یا نہیں؟ اور ورثہ موصی بعد مرنے کے اس پر راضی ہوگئے؟

الجواب: وصیت کی تفسیر درمختار میں ہے۔

تمليک مضاف إلى ما بعد الموت.(۱)

اور اس کے شرائط میں سے یہ بیان کیا ہے۔

وكون الموصى به قابلا للتمليک بعد موت الموصى بعقد من العقود مالا أونفعًا موجودا للحال أم معدوماً أي وهو قابل للتمليک بعقد من العقود. قال فى النهاية: ولهٰذا قلنا بأن الوصية بما تثمر نخيله العام أوأبداً تجوز وإن كان الموصى به معدومًا؛ لأنه يقبل التمليک حال حياة الموصي بعقد المعاملة. وقلنا: بأن وصيته بما تلد أغنامه لاتجوز استحسانا؛ لأنه لا يقبل التمليک حال حياة الموصي بعقد من العقود الخ ردالمختار.(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ سوال اول ودوم میں یہ اشتراط ناجائز ہے کیونکہ حیات میں عین کی تملیک اس طرح ناجائز ہے پس وصیت میں موت موصی کے بعد معًا موصی لہ مالک ہوگا اور جب یہ نہیں تو وصیت باطل ہے اور سوال سوم میں وہی جواب صحیح ہے جو آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم اتم واحکم

۲/ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ج ۳ ص ۱۱۱)

---

(۱) الدر المختر مع رد المحتار، كتاب الوصايا، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/۳۳۵، كراچي ۶/۶۴۸۔

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوصايا، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/۳۳۸، كراچي ۶/۶۴۹۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

متعلق جواب بالا

سوال (۲۷۱۱): قدیم ۴/ ۳۲۷- وصیت کی نسبت جواعلیٰ حضرت نے ترمیم فرمائی ہے صحیح ہے؛ لیکن شبہ صرف اس قدر ہے کہ فی نفسہ وصیت ثلث جائز ہے باقی شرط غایۃ مافی الباب فاسد ہے اور وصیت شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتی۔

وما لا يبطل بالشرط الفاسد القرض، والهبة، والصدقة، والنكاح، والإيصاء، والوصية، والشركة. اه درمختار: مختصرا قوله: "الوصية" كأوصيت لک بثلث مالي أن جاز فلان عيني وفيه نظر؛ لأنه مثال تعليقها بالشرط وليس الكلام فيه. وفي البزازية: وتعليقها بالشرط جائز؛ لأنها في الحقيقة إثبات الخلافة عند الموت. اه ومعنى صحة التعليق أن الشرط إن وجد كان للموصى له المال وإلا فلا شئى له بجراح الخ شامی. (۱)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وصیت شرط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتی بلکہ شرط لغو ہوجاتی ہے اور تعلیق بالشرط وصیت میں صحیح ہے یہاں چونکہ شرط فاسد ہے اس لئے لغو ہوجاوے اور وصیت صحیح ہوآگے درمختار میں ہے:

وما تصح إضافته إلى الزمان المستقبل الإجارة وفسخها والمزارعة والمعاملة والمضاربة والوكالة والكفالة والإيصاء والوصية والقضاء والإمارة. الخ والإيصاء أي جعل الشخص وصيا والوصية بالمال فإنهما لا يفيدان إلا بعد الموت فيجوز تعليقهما وإضافتهما. رواه شامي (۲)

اگرصوت مسئولہ اس میں داخل مانی جاوے اور یہ سمجھا جاوے کہ دراصل یہاں بھی **إضافت إلى الزمان المستقبل** ہے تو یہ اضافت بھی صحیح ہوجانا چاہئے خلاصۃ الامر یہ ہے کہ اس میں تشفی نہیں ہوتی اس لئے اگر خدامِ اعلیٰ حضرت دوبارہ توجہ فرمائیں تو یقین ہے کہ رفع اشتباہ ہوجاوے؟

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات، ما يبطل بالشرط الفاسد ولا يصح تعليقه، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۵۰۸ تا ۵۱۰، كراچي ۵/ ۲۴۹-۲۵۰۔

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات، ما يصح إضافته وما لا يصح، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۵۱۷-۵۱۸، كراچي ۵/ ۲۵۵-۲۵۶۔

الجواب: اضافت اور تعلیق دونوں کا صحیح ہونا ان عبارات سے مفہوم ہوا لیکن مراد اس سے وہ صورت معلوم ہوتی ہے جہاں وہ مضاف الیہ یا معلق بہ قبل موت موصی پایا جاوے کہ اس وقت موصی میں قابلیت تملیک ہو جیسا اصولیین نے تعلیقات میں کہا ہے کہ تکلم بالجزاء تقدیراً وجود شرط کے وقت ہوتا ہے (۱) پس یوں سمجھیں گے کہ موصی نے اب وصیت کی ہے بخلاف مسئلہ متکلم فیہما کے وہ شرط ایسے وقت پائی گئی جب موصی میں تملیک کی صلاحیت نہیں اور ایصاء کے وقت کا صیغہ تملیک کے لئے کافی نہیں یہ فرق ہے مقیس ومقیس علیہ میں اور شرط فاسد سے مراد وہ ہے کہ بعد صحت تملیک کے ہو مثلاً یوں کہے کہ میرے مرنے کے بعد یہ چیز فلاں کی ہو جاوے؛ لیکن پانچ سال تک دی جاوے اس میں یہ شرط فاسد اور وصیت صحیح ہو جاوے گی اور جب یہ کہا کہ یہ چیز فلاں شخص کی پانچ سال کے بعد ہوگی یہاں تملیک ہی صحیح نہیں ہوئی فاتضح الفرق آپ روایات درمختار وردالمحتار سے اس تقریر کو ملا کر دیکھئے اگر شبہ رہے تو ان عبارتوں کا پتہ بھی لکھئے تا کہ میں بھی دیکھ سکوں جو عبارتیں آپ نے لکھی ہیں معلوم نہیں کہاں ہوں گی زیادہ فرصت ہوئی نہیں کہ تلاش کروں واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

۲۸/ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ج ۳ ص ۱۱۲)

متعلق جواب بالا

سوال (۲۷۱۲): قدیم ۴/ ۳۲۷- سوال اوّل کی نسبت جو عبارت نقل کی گئی ہے وہ شامی جلد ثالث کی ہے **باب السلم** کے بعد **باب المتفرقات** میں بعنوان **ما یبطل بالشرط الفاسد ولا یصح تعلیقه به** درج ہے حضرت والا ملاحظہ فرمالیں جس قدر جوابات اعلیٰ حضرت نے ترمیم فرمائے ہیں سب کی نسبت اطمینان ہو گیا البتہ جواب اول (وصیت) کی نسبت اب تک کچھ پوری تشفی نہیں ہوئی؟

الجواب: میں نے آج شامی میں وہ مقام دیکھا اس میں ایک جزئیہ مل گیا جس سے سارا اشتباہ صاف ہو گیا۔

---

(۱) **عندنا المعلق بالشرط لا ينعقد سببا حقيقة، وإن انعقد صورة فإذا قال: إن دخلت الدار فأنت طالق، فكأنه لم يتكلم بقوله: أنت طالق قبل دخول الدار فحين يوجد دخول الدار يوجد التكلم بقوله أنت طالق.** (نور الأنوار، بحث دخول شرط التعليقات في السبب والحكم، مكتبه نعمانية ديوبند ص:۱۵۶-۱۵۷) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وفی رد المحتار: قوله: والوصية الخ. وفی الخانية: لو أوصى بثلثه لأم ولده، إن لم تتزوج فقبلت ذٰلک، ثم تزوجت بعد إنقضاء عدتها بزمان فلها الثلث بحكم الوصية (إلى قوله) ووجهه أنه إذا مضت مدة بعد العدة ولم تتزوج فيها تحقق الشرط. الخ (ج:۲،ص:۳۵۵) (۱)

ظاہر ہے کہ معلق بہ عدم تزوج فی العدۃ تو ہے نہیں بلکہ عدم تزوج بعد العدۃ ہے اور اس وقت موصی زندہ نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ تعلیق وصیت کی ایسی شے کے ساتھ بھی جائز ہے جو مدّت موصی کے بعد متحقق ہو اور تائید اس کی اسی کلیہ سے ہوتی ہے۔

الإضافة تصح فيما لايمكن تمليكه للحال شامی قبيل باب الصرف. (۲)

اس کلیہ میں کوئی قید نہیں لگائی پس اس جزئیہ اور اس کلیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موصی کا یہ کہنا قابل عمل ہوگا کہ میرے بعد پانچ سال تک قابض نہ ہو اور پھر موصی قابض ہو۔اھ. اب میں تحریرات سابقہ سے رجوع کرتا ہوں واللہ تعالیٰ اعلم

۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۴ھ (امداد ج:۳،ص:۱۱۳)

خاص جگہ دفن کرنے کی وصیت کرنا

سوال (۲۷۱۳): قدیم۴/ ۳۲۹ - ایک شخص نے وصیت کی کہ مرجانے کے بعد اس گھر میں جہاں میں عبادت کرتا تھا دفن کرنا اب اس شخص کو بعد مرجانے کے اس کے عبادت خانہ میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) شامي، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مطلب قال لمديونه إذا مت فأنت برئ، مكتبه زكريا ديوبند ۵۱۰/۷، كراچي ۲۵۰/۵۔

خانية على هامش الهندية، كتاب الهبة، فصل في هبة المرأة مهرها من الزوج، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۲۸۲/۳، جديد ۱۹۶/۳۔

البحر الرائق، كتاب البيع، باب المتفرقات، مكتبه زكريا ديوبند ۳۰۵/۶، كوئٹه ۱۸۳/۶۔

(۲) شامي، كتاب البيوع، قبيل باب الصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۵۱۹/۷، كراچي ۲۵۷/۵۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في الدرالمختار: ولا ينبغي أن يدفن الميت في الدار، ولو كان صغيرا لاختصاص هذه السنة بالأنبياء. اه وفى ردالمحتار: ومقتضاه أنه لا يدفن فى مدفن خاص كما يفعله من يبنى مدرسة ونحوها ويبنى له بقربها مدفنا تأمل. ج:۱، ص:۹۳۵. (۱) وفى الدر المختار: قبيل باب الوصية بالخدمة فينبغي أن يكون القول ببطلان الوصية بالتطيين مبنيا على القول بالكراهة: لأنها حينئذ وصية بالمكروه قاله المصنف. (۲)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ یہ وصیت باطل ہے(۳) اس پر عمل جائز نہیں۔(۴)

۷/صفر ۱۳۲۵ھ (امداد ج ۳ ص ۱۱۴)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱٤۰، كراچي ۲/ ۲۳۵۔

البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۳۹، كوئٹه ۲/ ۱۹۳۔

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوصايا، باب الوصية للأقارب، قبيل باب الوصية بالخدمة، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۳۹۵، كراچي ٦/ ٦۹۰۔

(۳) **ولو أوصىٰ بأن يدفن في داره فوصيته باطلة.** (هندية، كتاب الوصايا، الباب الثاني، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٦/ ۹۵، جديد ٦/ ۱۱۲)

الفقه على المذاهب الأربعة، مباحث الوصية، مبحث الوصية بالحج والقراءة، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۳۳۰۔

البحر الرائق، كتاب الوصايا، باب الوصية بالخدمة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۳۰۱، كوئٹه ۸/ ٤۵٤۔

(۴) **ولا يدفن الميت في داره وإن كان صغيرا بل يدفن في مقابر المسلمين كما كان يفعل رسول الله صلى الله عليه وسلم بأصحابه وخصت الأنبياء بذلك.** (البناية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الدفن، مكتبه اشرفيه ديوبند ۳/ ۲٦۰)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون، المجلس العلمي ۳/ ۱۰۹، رقم: ۲۵۲٤۔ شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ

وارث یا اجنبی کے لئے وصیت اور رد کے بعد وارث کا اجازت دینا

سوال (۲۷۱۴): قدیم ۴/ ۳۲۹- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی مورث نے وصیت کیا ہو قبل تین دن موت کے حالت بے ہوشی میں اپنی کل جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کے بیچ تین وارث اور چوتھے محجوب الارث کے بہ خلاف شرع محمدی کے اور انکار کیا ہو کسی وارث نے اس وصیت سے کہ جس کی حق تلفی ہوتی ہو بعد موت مورث کے اور پھر اقرار کرے وہی وارث بسبب جبر ودباؤ کے تو ایسی حالت میں کہ جب اُس نے پہلے انکار کیا ہو وصیت سے وصیت منسوخ ہو چکی یا نہیں؟ اور اگر وہ منسوخ ہو چکی تو دوبارہ اس کے اقرار سے پھر جواز اس کا ہو سکے گا یا نہیں؟

الجواب: اگر موصی وقت وصیت بالکل بے ہوش لایعقل ہے تو وصیت صحیح نہیں کیونکہ موصی کا عاقل بالغ ہونا ضرور ہے۔

وشرائطها كون الموصى أهلاً للتمليك درمختار. (۱)

اور اگر اس قدر ہوش ہے کہ قصد کر کے اور سمجھ کے کلام کرتا ہے تو اگر کسی وارث کے لئے کچھ وصیت اس کے حق سے زیادہ کی ہے تو باطل ہے ہاں اگر سب ورثہ بالغ ہوں اور راضی ہو جاویں تو جائز ہے۔

ولا لوارثه وقاتله مباشرة إلا بإجازة ورثته وهم كبار درمختار. (۲)

اور اگر بعض بالغ ہوں اور بعض نابالغ اور بالغین جائز رکھیں یا نابالغین میں سے بعض جائز رکھیں بعض رد کر دیں تو بقدر حصہ بالغین ومجوزین کے جائز ہے۔

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوصايا، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/۳۳۷، كراچي ۶/۶۴۹۔

البناية شرح الهداية، كتاب الوصايا، مكتبه اشرفيه ديوبند ۱۳/۳۸۷۔

مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۴۱۷۔

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوصايا، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/۳۴۶، كراچي ۶/۶۵۵-۶۵۶۔

ولا لوارثه شيئًا ما إلا بإجازة الورثة ...... وهم كبار عقلاء. (سكب الأنهر على هامش المجمع الأنهر، كتاب الوصايا، دارالكتب العلمية بيروت ۴/۴۱۸-۴۱۹)

ولو أجاز البعض وردّ البعض جاز على المجيز بقدر حصته درمختار. (۱)

اور اگر اجنبی غیر وارث کے لئے وصیت کی ہے تو ثلث تک جائز ہے اگرچہ کوئی وارث راضی نہ ہو اور ثلث سے زیادہ باجازت ورثہ بالغین مع تفصیل مذکور بلوغ بعض وعدم بلوغ بعض وقبول بعض وردّ بعض جائز ہے۔

وتجوز بالثلث للأجنبي وإن لم يجز الوارث ذٰلك لا الزيادة عليه إلا أن تجيز ورثته بعد موته وهم كبار. درمختار. (۲)

اور اگر بعد اجازت کے رد کرے تو جائز نہیں۔

بخلاف ما إذا أوصى بالزيادة على الثلث أو لقاتله أو لوارثه فأجازتها الورثة حيث لا يكون لهم المنع بعد الإجازة بل يجبروا على التسليم. درمختار. (۳)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوصايا، مكتبه زكريا ديوبند ۳۴۷/۱۰، كراچي ۶۵۶/۶۔

وإن أجاز البعض دون البعض يجوز على المجيز بقدر حصته دون غيره لولايته على نفسه فقط. (مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، دارالكتب العلمية بيروت ۶۵۶/۶)

الفتاوى الهندية، كتاب الوصايا، الباب الأول، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۹۱/۶، جديد ۱۰۷/۶۔

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوصايا، مكتبه زكريا ديوبند ۳۳۹/۱-۳۴۰، كراچي ۶۵۰/۶-۶۵۱۔

ثم تصح للأجنبي في الثلث من غير إجازة الورثة ...... ولاتجوزر بما زاد على الثلث لقول النبي صلى الله عليه وسلم في حديث سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه. الثلث والثلث كثير ...... إلا أن يجيزها الورثة بعد موته وهم كبار؛ لأن الامتناع لحقهم وهم أسقطوه. (الهداية، كتاب الوصايا، باب صفة الوصية بثلث المال، قبيل باب العتق في المرض، مكتبه زكريا ديوبند ۳۷۸/۱۰، كراچي ۶۷۸/۶)

(۳) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوصايا، باب الوصية بثلث المال، قبيل باب العتق في المرض، مكتبه زكريا ديوبند ۳۷۸/۱۰، كراچي ۶۷۸/۶

بخلاف ما إذا أوصىٰ بالزيادة على الثلث وأجازت الورثة ثم أرادوا أن يمتنعوا من التسليم لا يكون لهم ذلك. (البناية شرح الهداية، كتاب الوصايا، باب الوصية بثلث المال، مكتبه اشرفيه ديوبند ۴۳۷/۱۳) ←

اوراگر بعد رد کے اجازت دی جیسا صورت مسئولہ میں ہوا تو جائز ہے۔

لأن المرء يوخذ بإقراره. (۱)

اورشرعاً اکراہ وہ ہوتا ہے جو قتل یا قطع یا حبس مدید یا ضرب شدید کے ساتھ ہو اس میں مکرہ بالفتح اپنے اقرار سے رجوع کرسکتا ہے اور یہاں کوئی صورت اکراہ کی معتبر نہیں اس لئے اقرار لازم نہ ہوجاوے گا۔

فلو أكره بقتل أوضرب شديد أو حبس أو قيد مديدين حتى باع أو اشترى أو أقر أو اجر أوفسخ أو أمضى. درمختار (۲)

تنبیہ چونکہ صورت سوال بوجہ انتشار بیان سائل متعین نہیں اور محتمل وجوہ کثیر کو ہے اس لئے جواب شقوق کے ساتھ تحریر ہوا واللہ اعلم

۲۶/ ربیع الثانی دوشنبہ ۱۳۱۳ھ (امداد ج ۳ ص ۱۱۴)

بعد معافی مہر کسی جائیداد کی نسبت یہ لکھنا کہ یہ بعوض مہر کے ہے

سوال (۲۷۱۵): قدیم ۴/ ۳۳۰- اگر ہندہ زوجہ زید اپنے خاوند زید کو مہر معینہ معاف کردے اور پھر خاوند ہندہ زید کسی جائیداد کی نسبت اپنے وصیت نامہ میں لکھ دے کہ فلاں جائیداد جو میں نے اپنی

← الفتاوى الهندية، كتاب الوصايا، الباب الثالث، قبيل الباب الرابع، مكتبه جديد ۱۲۴/۶، قديم ۱۰۷/۶۔

(۱) قواعد الفقه، مكتبه اشرفي ص: ۱۲۰، رقم المادة: ۳۱۴۔

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الإكراه، مكتبه زكريا ديوبند ۱۷۸/۹ تا ۱۸۰، كراچي ۱۲۹/۶-۱۳۰۔

فلو أكره على بيع أو شراء أو إجارة أو إقرار أو استئجار بقتل أو قطع أو ضرب شديد أو حبس مديد أو قيد كذلك خيّر بعد زوال الإكراه بين الفسخ والإمضاء لفقد الرضي وهو شرط لصحة هذه العقود فخيّر. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الإكراه، دار الكتب العلمية بيروت ۴۰/۴)

الفتاوى الهندية، كتاب الإكراه، الباب الأول، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۳۵/۵، جديد ۴۴/۵. شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

زوجہ ہندہ کے نام براہ راست لی تھی وہ بعوض دین مہر ہے اوراس میں اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں تو اس کی بابت کیا حکم ہوگا حالانکہ اصلی مہر پانچ سو روپیہ کا تھا اور وہ تقریباً ۲۸ سال قبل معاف بھی ہو چکا تھا اور اب اس کی حویلی جو ہندہ کے نام سے خریدی گئی اس کو زید بعوض دین مہر قرار دیتا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب : اگر اس لکھنے سے یہ مقصود ہے کہ میں نے یہ جائیداد بالفعل زوجہ کو دیدی ہے تو یہ ہبہ ہے(۱) پس اگر مرض الموت کے قبل ہے تو اس کی صحت موقوف ہے وجود جمیع شرائط ہبہ پر حتی کہ ہبہ بالعوض میں بھی وہ شرائط ضروری ہیں اور اگر مرض الموت میں ہے تو حکم وصیت میں ہے(۲). اور وصیت وارث کے لئے جائز نہیں (۳). اور اگر اس لکھنے سے یہ مقصود ہے کہ میرے مرنے کے بعد ہندہ کو یہ جائیداد

---

(۱) **هي (الهبة) تمليك المال بلا عوض في الحال.** (فتح القدير، كتاب الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۰، كوئٹه۷/۴۷۹)

الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۲/ ۱۲۰۔

(۲) **والهبة والصدقة من المريض لوارثه نظير الوصية؛ لأنه وصية حكمًا حتى تعتبر من الثلث.** (مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، قبيل باب الوصية بثلث المال، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۴۲۴)

تبيين الحقائق، كتاب الوصايا، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۳۷۷، امداديه ملتان ۶/ ۱۸۲

الهبة من المريض للوارث في هذا نظير الوصية؛ لأنها وصية حكمًا حتى تنفذ من الثلث. (الهداية، كتاب الوصايا، مكتبه اشرفيه ديوبند ۴/ ۶۵۷)

(۳) **عن أبي أمامة الباهلي رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: في خطبته عام حجة الوداع إن الله تبارك وتعالىٰ قد أعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث. (الحديث)** (سنن الترمذي، أبواب الوصايا، باب ما جاء لا وصية لوارث، النسخة الهندية ۲/ ۳۲، دار السلام رقم: ۲۱۲۰)

سنن أبي داؤد، كتاب الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث، النسخة الهندية ۲/ ۳۹۶، دارالسلام رقم: ۲۸۷۰۔

لاتجوز الوصية للوارث. (الجوهرة النيرة، كتاب الوصايا، دارالكتاب ديوبند ۲/ ۳۶۹)

مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۴۱۸۔

دیدی جاوے تو بھی وصیت ہے (۱) اور وصیت وارث کے لئے ناجائز ہے جیسا ابھی بیان ہوا اور اس لکھنے سے کہ بعوض دین مہر ہے شبہ بیع کا نہ کیا جاوے کیونکہ مطلب اس کا یہ ہے کہ چونکہ اس نے میرے ساتھ احسان کیا ہے میں بھی احسان کرتا ہوں اس سے بیع لازم نہیں آتی کیونکہ لوازم بیع سے ہے وجوب الثمن بعد البیع اور یہ یہاں منتفی ہے۔

۲۱/ رجب ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص:۱۹۶)

موصی کی زندگی میں موصی لہ کے رد سے وصیت کا باطل نہ ہونا

سوال (۲۷۱۶): قدیم ۴/ ۳۳۱- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی جائیداد جس کی آمدنی چونتیس روپے ماہوار تھی اس میں سے اپنی ایک حقیقی بہن اور دو رشتہ داروں کے لئے صرف ایسی مقدار کی جائیداد کی وصیت کی کہ وہ جائیداد موصیٰ بہا رقبہ زمین کے اعتبار سے تو ثلثِ کل سے کم ہے مگر آمدنی کے اعتبار سے ثلث سے زیادہ ہے کیونکہ جائیداد موصیٰ بہا کی آمدنی (۱۲) ہے اور کل کی آمدنی چونتیس روپے ہے اس جائیداد کی قیمت رقبہ زمین کے اعتبار سے کم وبیش نہیں ہوتی بلکہ آمدنی کے اعتبار سے مثلاً وہ جائیداد جو پانچ گز زمین پر ہے اور ماہوار کرایہ پر ہے اس جائیداد سے جو پندرہ گز زمین پر ہے اور ماہوار کرایہ پر ہے زیادہ قیمت کی ہوگی جائیداد موصیٰ بہا ایک دوکان ہے (۱۰) ماہوار کرایہ کی اور اس کی چھت پر ایک کمرہ ہے ماہوار کا ہندہ نے اس میں سے (۱۰) ماہوار کرایہ کی دوکان دو رشتہ داروں کو اور ماہوار کا کمرہ ہمشیرہ حقیقی کو دلانا چاہا تھا۔

دونوں رشتہ داروں نے محض اس خیال سے کہ حقیقی بہن سے نزاع ہوگا کیونکہ دُوکان کی چھت یعنی کمرہ بہن کو ملے گا ہندہ سے (وقت وصیت) کہا کہ ہم نہیں قبول کرتے ہندہ نے پھر کچھ نہ کہا چہرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ ردّ وصیت ہندہ کی مرضی کے خلاف ہے اور مرضی یہی ہے کہ وصیت قبول کرلی جائے اور ہمشیرہ حقیقی نے

---

(۱) **هي (الوصية) تمليك مضاف إلى ما بعد الموت عينا كان أو دينا.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوصايا، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۳۳۵، كراچي ٦/ ٦٤٨)

مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٤١٧۔

الموسوعة الفقهية الكويتية ٤/ ١٨٤. شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بھی محض اس زعم سے کہ ہمیں نصف جائیداد وراثۃً پہونچتی ہے (حالانکہ ہندہ کا پوتا حاجب ہے) ہم کم کو کیوں قبول کریں نیز اگر قبول بھی کرلیں تو ہماری وجہ سے ان دونوں رشتہ داروں کو بھی نفع پہنچ جائیگا وصیت کو قبول نہ کیا بعد وفات ہندہ کے وارث (حقیقی پوتہ) تمام جائیداد پر قبضہ کرکے چندروز کے بعد پانچ ہزارروپے کو فروخت کرکے تمام روپیہ خود ہی خرچ کرڈالا اور حقیقی بہن اور دونوں رشتہ داروں کو اس زعم سے کہ وصیت باطل ہوگئی کچھ نہ دیا اور انہوں نے بھی مطالبہ نہ کیا مگر صراحۃً رد بھی نہیں کیا البتہ صرف دونوں رشتہ داروں نے کبھی کبھی انہیں الفاظ کا کہ ہم نے ہندہ سے کہہ دیا کہ ہم وصیت قبول نہیں کرتے اعادہ کیا اور ہمشیرہ حقیقی نے بالکل سکوت اختیار کیا آیا صورت مسئولہ میں وارث ان موصیٰ لہم کا بنابراس روایت کے کہ **بطل قبولها وردها في حياته** مفروض ہے یا رشتہ داروں کا ان الفاظ کا اعادہ کرنا اور ہمشیرہ ورشتہ داروں کا بطلان وصیت کے گمان پر ساکت رہنا مبطل وصیت ہے مکرر آنکہ دونوں رشتہ داروں نے جو الفاظ مذکورہ اَمام الہندہ کا اعادہ کیا وہ محض اسی خیال سے کیا کہ یہ بطلانِ وصیت میں مؤثر ہوچکے ہیں ورنہ عدم بطلان معلوم ہونے پر ہرگز نہ کرتے اور اعادہ اس واسطے کیا تاکہ ہمشیرہ حقیقی کو رنج پہونچے اعادہ سے انشاء رد نہ تھا بلکہ اخبار رد جواُن کے زعم کی بناپر صحیح ہوچکا تھا گو بعد کو پشیمانی ہوئی مگر اپنی زبان سے قبول وصیت کا ذکر محض اس وجہ سے نہ کیا کہ یہ سمجھتے رہے کہ وصیت تو باطل ہوہی چکی ہے اب ہمارے اس کہنے سے کیا ہوگا بجزاس کے کہ خودکو تو ندامت ہوگی اور وارث جائز سے نزاع ہوگا۔

الجواب: في الدرالمختار: كتاب الوصايا، وإنما يصح قبولها بعد موته؛ لأن أوان ثبوت حكمها بعد الموت فبطل قبولها وردها قبله وإنما تملك بعد القبول. اه وفي رد المحتار: فإن لم يقبل بعدالموت فهي موقوفة علىٰ قبوله ليست في ملك الوارث ولا في ملك الموصى له حتى يقبل أو يموت، ثم قال بعد أسطر أنها تمت من جهة الموصى تمامًا لا يلحقه الفسخ ووقفت على خيار الموصى له فصار كالبيع بالخيار للمشتري لو مات في الثلاث قبل الإجازة يتم. الخ(۱)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوصايا، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/۳۴۹، كراچي ٦/٦٥٧-٦٥٨۔

ان روایات سے ثابت ہوا کہ وصیت رد نہیں ہوئی موصٰی لھم کا حق باقی ہے؛ البتہ یہ حق ثلث کے اندر اندر ہے۔(۱)

۱۹/ رجب ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص: ۵۷)

---

(۱) **وقبولها بعد موته وبطل ردها وقبولها في حياته أي قبول الوصية بعد موت الموصى؛ لأن أوان ثبوت حكمها بعد الموت فلا يعتبر قبوله ولارده قبله كما لا يعتبر أن قبل عقد الوصية ...... وملك بقبوله أي الموصىٰ له يملك بالقبول إن الوصية من جانب الموصىٰ قد تمت بموته تماما لا يلحقه الفسخ من جهته وإنما يتوقف لحق الموصى له، فإذا مات دخل في ملكه كما في البيع المشروط فيه الخيار للمشتري أوالبائع ثم مات من له الخيار قبل الإجازة.** (تبيين الحقائق، كتاب الوصايا، مكتبه زكريا ديوبند ۷/۳۷۹ تا ۳۸۱، امداديه ملتان ۶/۱۸۴)

مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، دارالكتب العلمية بيروت ۴/۴۲۱۔

قال الكرخي في مختصره: قبول الموصى له ورده إنما يكون بعد موت الموصى ولاينظر إلى رده ولا إلى إجازته قبل الموت وإذا قبل الموصى له بعد الموت ملك ما أوصىٰ له به إذا كان قدر الثلث، فإن لم يقبل بعد الموت فالوصية موقوفة على قبوله لا تصير في ملكه حتى يقبل، وهي خارجة عن الموصي بموته ليست في ملك الوارث ولا في ملك الموصى له حتى يقبل أو يموت. (حاشية الشلبي على التبيين، كتاب الوصايا، مكتبه زكريا ديوبند ۷/۳۸۰، امداديه ملتان ۶/۱۸۴)

عن عامر بن سعد عن أبيه رضي الله عنه قال: مرضت فعادني النبي صلى الله عليه وسلم –إلى– قلت: أريد أن أوصى بالنصف؟ قال: النصف كثير، قلت: فالثلث؟ قال: الثلث كثير أو كبير، قال: فأوصىٰ الناس بالثلث فجاز ذلك لهم. (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب الوصية بالثلث، النسخة الهندية ۱/۳۸۳، رقم:۲۶۶۳، ف:۲۷۴۴)

ولاتجوز بما زاد على الثلث. (هداية، كتاب الوصايا، باب في صفة الوصية، مكتبه اشرفيه ديوبند ۴/۶۵۴)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں

سوال (۲۷۱۷): قدیم ۴/۳۳۲- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّی علیم الدین عرف المو نے اپنی حیات میں انتقال سے تین چار سال قبل ایک وصیت نامہ مرتب کرا کر رجسٹری کرایا اس طرح پر کہ ایک ثلث اپنے چھوٹے بیٹے مسمّٰے عبداللہ کے نام اور ایک ثلث اپنے دونوں پوتوں کے نام کہ جو بیٹے عبداللہ مذکور کے ہیں اس وجہ سے کہ عبداللہ مذکور نے اپنی بیوی اور بیٹوں کے خلاف مرضی دوسرا نکاح کرلیا تھا اور دونوں بیٹوں اوران کی ماں کے پاس کوئی اسباب معاش کا نہ تھا اور ایک ثلث اپنے بڑے بیٹے مسمّٰی عبدالرحیم کی زوجہ مسماۃ راج بی بی کے نام وصیت لکھی اور زبانی علیم الدین مورث اعلیٰ کے سُنا کہ میں نے اس شرط پر یہ وصیت مسماۃ راج بی بی کے نام کرائی ہے کہ اگر میرے گھر کو آباد رکھے اور نکاح ثانی کر کے دوسری جگہ نہ جاوے تو وصیت راج بی بی کے نام جاری رہے ورنہ ساقط ہو۔ اب مسمّٰی علیم الدین کا انتقال ہوگیا اور جن کے واسطے وصیت کی تھی وہ سب زندہ ہیں شرعاً یہ وصیت کس طرح تقسیم ہوگی اور جو ترکہ بلا وصیت ہے وہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ بینوا توجروا!

الجواب: عبداللہ وارث ہے اور وارث کے لئے وصیت باطل ہے(۱) اور عبداللہ کے دونوں بیٹوں اور عبدالرحیم کی بیوی کے لئے گو وصیت جائز ہے لیکن ثلث سے زائد باطل ہے (۲) بلکہ ایک ہی ثلث میں

---

(۱) **عن أبي أمامة الباهلي رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في خطبته عام حجة الوداع: إن الله تبارك وتعالىٰ قد أعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث. (الحديث)** (سنن الترمذي، أبواب الوصايا، باب ما جاء لا وصية لوارث، النسخة الهندية ۲/ ۳۲، دار السلام رقم: ۲۱۲۰)

سنن أبي داود، كتاب الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث، النسخة الهندية ۲/ ۳۹۶، دارالسلام رقم: ۲۸۷۰۔

لاتجوز الوصية للوارث. (الجوهرة النيرة، كتاب الوصايا، دارالكتاب ديوبند ۲/ ۳۶۹)

مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۴۱۸

(۲) **عن عامر بن سعد عن أبيه رضي الله عنه قال: مرضت فعادني النبي صلى الله عليه وسلم**←

یہ تینوں اس نسبت سے شریک ہوں گے جو کہ موصی نے تجویز کی ہے جس کی تفصیل آگے آتی ہے پس تقسیم ترکہ کی اس طرح ہوگی کہ ایک ثلث میں سے آدھا تو زوجہ عبدالرحیم کو اور آدھا عبداللہ کے دونوں بیٹوں کو برابر ملے گا اور دوثلث جو بچا وہ میراث میں عبداللہ کو دیا جائے گا اور یہ جواب اس صورت میں ہے کہ الموکی وصیت پر سب ورثہ رضامند نہ ہوں اور بجز عبداللہ کے کوئی وارث نہ ہو ورنہ سوال مکرر کیا جاوے اور الموکی یہ شرط لغو ہے کہ راج بی بی نکاح ثانی نہ کرے اس کا وصیت سے جو حق ہے نکاح ثانی کرنے پر بھی ساقط نہ ہوگا۔

فی الدرالمختار: وما یصح ولا یبطل بالشرط الفاسد (إلی قوله) والإیصاء والوصیة. فی رد المختار: قوله: الوصیة لو أوصی بثلثه ولأم ولده إن لم تتزوج فقبلت ذٰلک، ثم تزوجت بعد انقضاء عدتها بزمان فلها الثلث بحکم الوصیة. ۱۵ ج: ۴، ص: ۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵. (۱) ۲۰/ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۷۳)

دوسرے ورثاء کی اجازت کے بغیر وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں

سوال (۲۷۱۸): قدیم ۴/ ۳۳۳ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ زینب نے اپنے انتقال سے ۱۲-۱۳ سال قبل اپنا مکان مسکونہ اور اسباب خانہ جو خالص اس کی ملکیت تھا بموجودگی ورضامندی اپنی دختر مسماۃ کلثوم مکان مذکور کو مع دیگر سامان اپنے لڑکے کے مسمّٰی

← **-إلی- قلت: أرید أن أوصیٰ بالنصف؟ قال: النصف کثیر. قلت: فالثلث؟ قال: الثلث کثیر أو کبیر؟ قال: فأوصیٰ الناس بالثلث فجاز ذلک لهم.** (صحیح البخاري، کتاب الوصایا، باب الوصیة الثلث، النسخة الهندیة ۱/ ۳۸۳، رقم: ۲۶۶۳، ف: ۲۷٤٤)

وتجوز بالثلث للأجنبي عند عدم المانع وإن لم یجز الوارث ذلک لا الزیادة علیه.

(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوصایا، مکتبه زکریا دیوبند ۱۰/ ۳۳۹، کراچي ٦/ ٦٥٠)

تبیین الحقائق، کتاب الوصایا، مکتبه زکریا دیوبند ۷/ ۳۷۵، امدادیة ملتان ٦/ ۱۸۲۔

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب البیوع، باب المتفرقات مطلب قال لمدیونه إذا مت فأنت بریء، مکتبه زکریا دیوبند ۷/ ۵۰۸ تا ۵۱۰، کراچي ۵/ ۲٤۹-۲۵۰۔

خانیه علی هامش الهندیة، کتاب الهبة، فصل في هبة المرأة مهرها من الزوج، مکتبه زکریا دیوبند قدیم ۳/ ۲۸۲، جدید ۳/ ۱۹٦۔

البحر الرائق، کتاب البیع، باب المتفرقات، مکتبه زکریا دیوبند ٦/ ۳۰۵، کوئٹه ٦/ ۱۸۳.

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بکر کو بذریعہ وصیت نامہ منتقل کردیا اب بعد انتقال مسماۃ زینب کے مسماۃ کلثوم اپنے شرعی حصہ مکان کو اپنے بھائی مسمّٰی بکر سے طلب کرتی ہے از روئے شرع شریف بعد ایسی وصیت کے مسماۃ کلثوم کچھ پانے کی مستحق ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس قدر؟

الجواب: یہ وصیت للوارث ہے جو بدون اجازت دوسرے ورثہ کے جائز نہیں (۱) اور دوسرے ورثہ کی اجازت وہ معتبر ہے جو بعد موت موصی کے ہو اور وقت وصیت کی اجازت معتبر نہیں؛ لہٰذا یہ وصیت کالعدم ہے۔

فی مجمع الأنہر ولا تعتبر إجازة الورثة فی حال حیوٰة الموصي حتی کان لهم أن یرجعوا بعد موت الموصي. ج:۲، ص:۲۶۴. (۲)

اور یہ حکم اس وقت ہے کہ جب یہ وصیت نامہ شرعاً ہو اور اگر محض عرفاً ہو اور شرعاً کوئی دوسرا عقد ہو تو دوسرا حکم ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس وصیت نامہ کی نقل دکھلا کر سوال کیا جائے۔

۱۵/شوال ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۶۶)

---

(۱) **عن عمرو بن خارجة قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا وصیة لوارث إلا أن یجیز الورثة.** (السنن الکبری للبیهقي، کتاب الوصایا، باب نسخ الوصیة للوالدین والأقربین الوارثین، دارالفکر بیروت ۹/۳۵۸، رقم:۱۲۸۰۳)

سنن الدار قطني، کتاب الوصایا، دارالکتب العلمیة بیروت ۴/۸۶، رقم:۲۴۵۲۔

ولا تجوز لوارثة ...... إلا أن یجیزها الورثة. (هدایة، کتاب الوصایا، باب في صفة الوصیة، مکتبه اشرفیه دیوبند ۴/۶۵۷)

ولاتجوز الوصیة للوارث عندنا إلا أن یجیزها الورثه. (هندیة، کتاب الوصایا، الباب الأول، مکتبه زکریا دیوبند قدیم ۶/۹۰، جدید ۶/۱۰۶)

(۲) مجمع الأنهر، کتاب الوصایا، دارالکتب العلمیة بیروت ۴/۴۱۹۔

ولا معتبر بإجازتهم في حال حیاته؛ لأنها قبل ثبوت الحق إذا الحق یثبت عند الموت فکان لهم أن یردوه بعد وفاته. (هدایة، کتاب الوصایا، باب في صفة الوصیة، مکتبه اشرفیه دیوبند ۴/۶۵۵)

تکون الإجازة بعد موت الموصي عند جمهور الفقهاء، فلا عبرة بإجازة الورثة حال حیاة الموصي فلو أجازوها حال حیاته ثم ردوها بعد وفاته صح الرد وبطلت الوصیة.

(الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۴۳/۲۴۷) ←

وصایا میں میراث کا جاری نہ ہونا

سوال (۲۷۱۹): قدیم ۴/۳۳۴- بعد سلام علیک عرض ہے کہ جناب والدہ صاحبہ کی یہ وصیت ہے کہ جو آمدنی پانچ حصّہ لکھنؤ پیپر مِل سے ہو وہ خیرات کی جایا کرے اور دونوں میرے بیٹے نصف نصف خیرات کیا کریں اب برادر عزیز عبدالحفیظ صاحب کا انتقال ہوگیا اور کل پانچوں حصہ مذکورہ کی آمدنی میرے پاس آتی ہے اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا کل پانچوں حصّہ کی آمدنی میں خود خیرات کیا کروں یا نصف کی اور بقیہ نصف کی مولوی عبدالحفیظ صاحب کے ورثاء خیرات کیا کریں؟

الجواب: السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وصایت میں میراث جاری نہیں ہوتی یعنی وصی کی اولاد و ورثہ یہ ضروری نہیں کہ وصی ہوں اس لئے کل پانچوں حصّے آپ ہی خیرات کر سکتے ہیں۔(۱)

۳۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۳۸)

بالغ ونابالغ کے مشترکہ مال سے صدقہ کے جواز کی صورت

سوال (۲۷۲۰): قدیم ۴/۳۳۴- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا شوہر انتقال کر گیا اور اولاد نابالغ چھوڑ گیا شوہر کی کچھ جائیداد غیر منقولہ ہے اور وہ غیر منقسم ہے۔اب اس کی زوجہ اس جائیداد کی آمدنی سے کیا خیرات وصدقات کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور زوجہ ہی یتیم بچّوں کی مربی اور متکفل ہے اگر وہ صدقہ وخیرات نہیں کر سکتی ہے تو کوئی ایسی صورت بتلائیے کہ جس سے وہ عورت جائیداد کے غیر منقسم ہونے کی حالت میں صدقہ وخیرات کر سکے اور اپنے شوہر کی روح کو ثواب مالی پہونچا سکے؟

← الفقه الإسلامي وأدلته، الباب الرابع الوصايا، الفصل الأول، المبحث الثاني، المطلب الثاني، الهدیٰ انٹرنیشنل دیوبند ۸/ ۴۸.

(۱) **الحقوق المجردة لا تورث.** (شامي، كتاب البيوع، باب خيار الشرط، مطلب في الفرق بين القيمة والثمن، مكتبه زكريا ديوبند ۷/ ۱۳۲، كراچي ۴/ ۵۸۱)

(قوله: لأن الأوصاف لا تورث) قال العلامة نوح: لأن وصف شخص لا يمكن فيه ذلک والإرث فيما يمكن فيه انتقال وهو الأعيان لا فيما لا يمكن فيه الانتقال وهو الأوصاف انتهیٰ. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع، باب خيار الشرط، كوئٹه ۳/ ۳۵) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) یہ بھی بتلائیے کہ وہ عورت اپنے خرچ میں کس قدر آمدنی اس مال غیر منقسم میں سے لا سکتی ہے؟ بینوا اجرکم علی اللہ عزوجل

الجواب : (۱) فرائض کی رُو سے اس زوجہ کے اور اس کی اولاد کے حصّوں میں جو نسبت ہے اس کو دیکھ کر جس قدر خیرات دے اس کو اپنا حصّہ قرار دے کر اُسی نسبت سے اور رقم جدا کر کے اُسے اولاد کے لئے بطور امانت کے محفوظ رکھ دے بعد بلوغ ان کو دیدے (۱) مثلاً زید متوفٰی کے صرف زوجہ اور دو بیٹے ہیں تو اگر آمدنی مشترک سے دو آنے خرچ کرے تو چودہ آنے اُن دو بیٹوں کے لئے محفوظ رکھ دے۔

(۲) خاص اس عورت کا حصّہ اگر اتنا ہو کہ اس کے سب اخراجات کے لئے کافی ہو سکے تو اپنے حصّہ کی قدر تک اس کو خرچ کرنے کا اختیار ہے (۲) اور اس صورت میں اگر اولاد کا حصّہ ان کے ضروری اخراجات کے بعد بچتا ہو تو اس بچے ہوئے کو بطور امانت رکھے اور اگر عورت کا حصہ اس کے ضروری اخراجات کے لئے کافی نہ ہو تو اپنی اولاد کے حصہ سے بھی بقدر ضرورت مختصرہ لے کر اس کو بھی خرچ کر سکتی ہے۔ (۳)

۲۱/ شوال ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص: ۶۷)

---

(۱) **ولا تقربوا مال اليتيم إلا بالتي هي أحسن أي بالفعل التي هي أحسن ما يفعل بما له كحفظه وتثميره ...... والخطاب للأولياء والأوصياء لقوله تعالىٰ: حتى يبلغ أشده فإنه غاية لما يفهم من الاستثناء لا للنهي كأنه قيل احفظوه حتى يبلغ فإذا بلغ فسلموه إليه كما في قوله سبحانه: فإن آنستم منهم رشدا فادفعوا إليهم أموالهم.** [النساء:٦] (روح المعاني، سورة الأنعام، تفسير الآية: ١٥٢، مكتبه زكريا ديوبند ٥/٨٢)

(۲) **المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء من الملک.** (بيضاوي شريف، مكتبه رشيد ١/٧)

الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في تعريف المال، مكتبه زكريا ديوبند ٧/٢٣٥، كراچي ٥/٥٠)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ١/٦٥٤، رقم المادة:١١٩٢)

(۳) **ومن كان من الأولياء والأوصياء فقيرا فليأكل بالمعروف بقدر حاجته الضرورية من سد الجوعة وستر العورة قاله عطاء وقتادة.** (روح المعاني، سورة النساء تفسير الآية:٦، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٣٢٥)

مقدار وصیت سے کم مال ہو تو کیا کریں؟

سوال (۲۷۲۱): قدیم ۴/ ۳۳۵- کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مَرا اور اُس نے اپنے مرنے سے دو ماہ قبل ایک شخص کو بلایا اور اس سے تنہائی میں کہا کہ میں نے اس قدر رقم اپنی زوجہ کے پاس رکھ دی ہے اور اس سے حسب ذیل وصیت کر دی ہے احتیاطاً تجھ سے بھی کہے دیتا ہوں خیال رکھنا اور وہ وصیت یہ ہے وہ رقم جو میں نے اپنی زوجہ کے پاس رکھ دی ہے اس میں سے اس قدر رقم اپنی ہمشیرہ کی شادی کے واسطے اور اس قدر رقم اپنی بیوی کے واسطے اور اتنی رقم حج بدل کے واسطے اور اتنی رقم چھوٹے بھائی کے واسطے اور اس قدر رقم اپنے لڑکے کی تعلیم وغیرہ میں صرف کرنے کے واسطے وصیت کر دی ہے اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا اور تیسرے روز ایک مجمع عام میں اس کی بیوی سے دریافت کیا گیا کہ تیرے شوہر نے تجھ سے کچھ وصیت کی تھی؟ تو اس نے بھی وہی تفصیل کسی قدر کمی بیشی کے ساتھ بیان کی جب رقم کو دیکھا گیا تو جتنی رقم متوفی نے بیان کی تھی اُتنی رقم نہ نکلی بلکہ نصف رقم کے قریب نکلی اب اس صورت میں از روئے وصیت بہن اور بھائی کو ثلث مال سے حصہ مل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: زوجہ اور پسر کے لئے تو وصیت باطل ہے۔(۱)

وصي يخرج في عمل اليتيم استأجر دابة بمال اليتيم وينفق على نفسه من مال اليتيم كان له ذلك فيما لابد له استحسانا وعن نصير رحمة الله تعالىٰ للوصى أن يأكل من مال اليتيم ويركب دوابه، إذا ذهب في حوائج اليتيم قال الفقيه ابو الليثؒ هذا إذا كان الوصي محتاجا وقال بعضهم: لا يجوز له أن يأكل ويركب دابته وهو القياس وفي الاستحسان: يجوز له أن يأكل بالمعروف إذا كان محتاجا بقدر ما يسعى في ماله. (هندية، كتاب الوصايا، الباب التاسع في الوصي وما يملكه، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٦/ ١٥٠، جديد ٦/ ١٧٢)

(۱) عن أبي أمامة الباهلي رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: في خطبته عام حجة الوداع إن الله تبارك وتعالىٰ قد أعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث. (الحديث) (سنن الترمذي، أبواب الوصايا، باب ما جاء لا وصية لوارث، النسخة الهندية ٢/ ٣٢، دار السلام رقم: ٢١٢٠) ←

اور بھائی بہن کے لئے ثلث مابقی بعد التجہیز والتکفین اداء الدیون میں وصیت جائز ہے (۱) اب دیکھنا چاہئے کہ آیا زوجہ نے صراحۃً یہ بھی اقرار کیا ہے کہ میرے پاس اتنی رقم رکھی ہے یا یہ اقرار نہیں کیا فقط حساب ہی بتلایا اگر یہ اقرار نہیں کیا تو زوجہ پر ضمان نہیں ہے اور اگر اس کا اقرار کیا ہے تو پھر اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر زوجہ نے حفاظت میں کمی کی ہے تو اس پر ضمان ہے (۲) اور اگر کمی نہیں کی تو اس پر ضمان نہیں ہے۔ (۳)

← سنن أبي داؤد، كتاب الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث، النسخة الهندية ۳۹۶/۲، دارالسلام رقم: ۲۸۷۰۔

لاتجوز الوصية للوارث. (الجوهرة النيرة، كتاب الوصايا، دارالكتاب ديوبند ۳۶۹/۲ مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، دارالكتب العلمية بيروت ۴۱۸/۴۔

(۱) تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة. الأول: يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تفيتر ثم تقضى ديونه من جميع ما بقي من ماله ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقي بعد الدين ثم يقسم الباقي بين ورثته. (السراجي في الميراث ص: ۲-۳)

التركة تتعلق بها حقوق أربعة: جهاز الميت ودفنه والدين والوصية والميراث فيبدأ أولا بجهازه وكفنه ...... ثم بالدين ...... ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما يبقى بعد الكفن والدين ...... ثم يقسم الباقي بين الورثة. (هندية، كتاب الفرائض، الباب الأول، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۴۴۷/۶، جديد ۴۴۰/۶)

(۲) قال الموفق فأما إن تعدي المستودع فيها، أو فرط في حفظها فتلفت ضمن بغير خلاف نعلمه؛ لأنه متلف مال غيره فضمنه. (إعلاء السنن، كتاب الوديعة، باب لاضمان على المؤتمن، دارالكتب العلمية بيروت ۷۶/۱۶، مكتبه اشرفيه ديوبند ۶۵/۱۶)

والمعتبر في ضمان المودع التقصير في الحفظ الخ. (شامي، كتاب الإيداع، مكتبه زكريا ديوبند ۴۶۹/۸، كراچي ۶۷۳/۵)

(۳) الوديعة أمانة في يد الوديع فإذا هلكت بلا تعد منه وبدون صنعه وتقصيره في الحفظ لا يضمن. (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبه اتحاد ديوبند ۴۳۱/۱، رقم المادة: ۷۷۷)

إعلاء السنن، كتاب الوديعة، باب لا ضمان على المؤتمن، دارالكتب العلمية بيروت ۷۵/۱۶، مكتبه اشرفيه ديوبند ۶۵/۱۶۔

اوراس میں زوجہ ہی کا قول مع الیمین معتبر ہے (۱) غرض جس قدر رقم زوجہ کے ذمہ قرار پاوے وہ اگر ثلث سے زائد نہ ہو اس میں بھائی وبہن کے لئے وصیت کی جاوے گی لیکن اگر زوجہ اقرار کرے کہ مال زیادہ تھا اور باوجود حفاظت کے وہ ضائع ہوگیا ہے تو اس خاص صورت میں اس مجموعہ کو دیکھیں گے کہ ثلث سے کم بھی ہے اگر وہ مجموعہ زیادہ ہوا تو پھر ثلث میں وصیت ہوگی اور باقی ماندہ میں سے اسی نسبت سے لیں گے باقی ورثاء کا حق ہے مثال اس کی یہ ہے کہ کسی کا ترکہ کل ساٹھ روپیہ ہے اوراس نے تیس کی وصیت کی اور وہ زوجہ اس مقدار کا اقرار کرتی ہے مگراس میں سے پندرہ روپیہ باوجود احتیاط کے ضائع ہوگئے جس سے زوجہ پر ضمان لازم نہیں آیا تو اب ظاہر میں تو یہ پندرہ نصف ہے اس تیس باقی کا اور ثلث ہے مجموعہ کا لیکن چونکہ واقع میں کُل ترکہ کا ثلث نہیں ہے بلکہ اس کا ثلث بیس تھا اور یہ دس روپے زائد ورثہ کے تھے اس لئے مقدار گم شدہ میں سے بھی اسی نسبت سے دونوں کی رقموں کو گم کہا جاوے گا یعنی پانچ روپے ورثاء کے گئے اور دس وصیت میں سے گئے پس باقی پندرہ میں سے پانچ روپے ورثاء کو واپس کردیئے جائیں گے اور دس روپے میں وصیت جاری ہوگی خوب سمجھ لیا جاوے۔

۲۱/ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۲۴)

---

(۱) إن المودَع مع المودِع إذا اختلفا، فقال المودَع هلكت أو قال: رددتها إليك وقال المالك؛ بل استهلكتها فالقول قول المودَع؛ لأن المالك يدعى على الأمين أمراً عارضا وهو التعدي، والمودع مستصحب لحال الأمانة، فكان متمسكا بالأصل، فكان القول قوله؛ لكن مع اليمين؛ لأن التهمة قائمة، فيستحلف دفعا للتهمة.

(بدائع الصنائع، كتاب الوديعة، بيان حال الوديعة، مكتبه زكريا ديوبند ۵/۳۱۴، كراچي ۶/۲۱۳)

المبسوط للسرخسي، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بيروت ۱۱/۱۱۳۔

إعلاء السنن، كتاب الوديعة، باب لا ضمان على المؤتمن، دارالكتب العلمية بيروت ۱۶/۷۷، مكتبه اشرفيه ديوبند ۱۶/۶۶۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مورث کی طرف سے بعض ورثہ کے حقوق مختص کر لینے کی چند جائز اور ناجائز تدبیریں

سوال (۲۷۲۲): قدیم ۴/ ۳۳۶- (اوّل یہ خط آیا) جناب من آج کل ایک انتظام درپیش ہے اس میں جناب والا کی رائے عالی کو اپنی اصلاح و بہبودی کا باعث سمجھتا ہوں اس لئے حسب ذیل عرضِ خدمت ہے جناب دادا صاحب کی جائیداد مطابق حصہ شرعی لڑکے اور لڑکیوں میں تقسیم ہوئی تھی مگر بہنوں کے انتقال کر جانے کے بعد سے والد صاحب کو اُن کے بہنوئیوں نے اس قدر پریشان کر رکھا ہے کہ مار پیٹ تک کی بھی نوبت آ گئی اس لئے اب بھی اور اس سے قبل بھی اکثر کہا کرتے ہیں اپنے لڑکوں سے کہ کل جائیداد تم لوگ اپنے نام کرالو پھر اپنی بہنوں کو کسی طرح راضی کر لینا ورنہ تم لوگ بھی اسی زحمت میں مبتلا ہو گے مگر میں ہمیشہ یہی جواب دیتا رہا کہ یہ شرعاً بالکل ناجائز ہوگا اور قیامت میں آپ مواخذ ہوں گے اسی لئے جس طرح آپ کی خیر خواہی مقتضی ہے ہم لوگوں کو اس زحمت سے بچانے کی اسی طرح ہم لوگوں کی خیر خواہی مقتضی ہے کہ ہرگز خلاف شرع امر کا ارتکاب کرا کے آپ کو مواخذۂ اخروی میں مبتلا نہ کریں؛ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اگر آپ صرف لڑکوں کا نام چڑھانا چاہیں تو لڑکیوں و نیز والدہ صاحبہ کے حصوں کی قیمت کر کے بالقسط ادا کرنے کو وصیت کر جاویں اور اگر لڑکے قیمت بالقسط حسب تحریر آپ کے ادا نہ کریں تو لڑکیاں اپنا حصہ شرعی جائیداد میں سے لے لیویں مگر ان سب امور کے لئے دستاویز قانونی کا بھی ہونا ضروری ہے تاکہ آئندہ کسی کو کسی قسم کی درنگی نہ ہو سکے لہذا جناب والا کی خدمت میں گذارش ہے کہ آیا یہ صورت جو اُوپر بیان کی گئی اس میں کوئی شرعی خرابی تو نہیں ظاہراً تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کہ لڑکیوں کا حصہ گو قیمتاً ہو پورا پورا ادا کر دیا جاوے تو والد صاحب مواخذ نہ ہوں گے؛ کیونکہ بالمعاوضہ پورا حق دلایا گیا ہے صرف مصلحت متذکرۂ بالا باعث اس صورت کے اختیار کرنے کی ہوئی ورنہ کوئی عذر بھی نہیں یہ بھی تحریر فرماویں کہ آیا والد صاحب کی حیات میں لڑکیوں کو راضی کرنا اور اس امر کی اطلاع کرنا بھی والد صاحب کے ذمہ ضروری ہوگا والد صاحب کی درخواست سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ ایسی صورت کے اختیار کرنے سے والد صاحب مواخذۂ اخروی سے بری ہوں گے یا نہیں؟ ورنہ بندہ تو خود اپنے حصہ شرعی سے زیادہ تجاوز کرنا مطلق نہیں چاہتا گو کوئی بھی مصلحت ہو۔ فقط

اس کا یہ جواب گیا

یہ صورت قواعد شرعیہ پر منطبق نہیں ہوتی۔

پھر اس جواب پر یہ خط آیا

اگر تکلیف جناب کو نہ ہو تو کوئی صورت ایسی تحریر فرمائی جاوے جو شرعی قواعد پر بھی منطبق ہو اور جس میں زحمت مذکورہ کا بھی دفعیہ ہو۔

پھر یہ جواب گیا

وفي رد المحتار: قال القهستاني: واعلم أن الناطفي ذكر عن بعض اشياخه أن المريض إذا عين لواحد من الورثة شيئاً كالدار على أن لا يكون له فى سائر التركة حق يجوز وقيل هذا إذا رضي ذلك الوارث به بعد موته فحينئذ يكون تعيين الميت كتعيين باقي الورثة معه كما فى الجواهر. اه قلت: وحكى القولين فى جامع الفصولين، فقال: قيل: جاز وبه أفتى بعضهم وقيل لا. اه ص:۶۴۴، ج:۵.(۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر مورث اپنے ترکہ میں اسی طرح وصیت کر جاوے کہ فلاں وارث کو فلاں چیز دی جاوے اور فلاں وارث کو فلاں چیز بشرطیکہ وہ انداز سے اس کے حصہ شرعی سے کم نہ ہو تو جائز ہے اور اگر کم ہو تو ناجائز ہے کہ وصیت لوارث ہے جو کہ ناجائز ہے۔(۲)

---

(۱) شامي، كتاب الوصايا، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/۳۴٦، كراچي ٦/٦٥٥۔

(۲) عن أبي أمامة الباهلي رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في خطبته عام حجة الوداع: إن الله تبارك وتعالىٰ قد أعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث. (الحديث) (سنن الترمذي، أبواب الوصايا، باب ما جاء لا وصية لوارث، النسخة الهندية ۲/۳۲، دار السلام رقم: ۲۱۲۰)

سنن أبي داؤد، كتاب الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث، النسخة الهندية ۲/۳۹٦، دارالسلام رقم: ۲۸۷۰۔

اور بطریق مذکورہ تعیین کردینا یہ تقسیم ہے اوراس کی ولایت مورث کودی گئی ہے اور یہی وجہ تطبیق کی ہے دونوں قولوں میں جوکہ روایت مذکورہ میں ہیں پس اس بناء پر آپ کے والد صاحب ایسا کریں کہ سب ورثہ کے لئے موافق ان کے حقوق شرعیہ کے الگ الگ ایسے قرعے بنا کر کہ لڑکیوں کے ساتھ لڑکوں کی شرکت نہ ہو وصیت لکھ دیں کہ اس کے موافق تقسیم ہو۔(۱)

۲۷/ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۷۰)

مرض الموت کی تعریف

سوال (۲۷۲۳): قدیم ۴/ ۳۳۷- ''صفائی معاملات'' میں اس کی تعریف میں جو عبارت ہے وہ ناتمام ہے اس میں اتمام کی ضرورت ہے وہ عبارت ناتمام یہ ہے: مرض الموت میں یعنی جس بیماری میں یہ شخص جانبر نہ ہو الخ؟

الجواب: اور ہونا چاہئے اس طرح کہ ''مرض الموت یعنی جس حالت میں اس شخص کے جانبر ہونے کی امید غالب نہ ہو بلکہ غالب موت ہو الخ پس جو امراض مدت دراز تک ایک حالت میں رہتے ہیں جیسے فالج وغیرہ وہ اس سے خارج ہیں۔

كذا فى الدر المختار: كتاب الوصايا.(۲)

۵/ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ (ترجیح خامس ص: ۲۴)

← **لاتجوز الوصية للوارث.** (الجوهرة النيرة، كتاب الوصايا، دارالكتاب ديوبند ۳۶۹/۲)

مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، دارالكتب العلمية بيروت ۴۱۸/۴۔

(۱) وأما إذا أراد الرجل أن يقسم أملاكه فيما بين أولاده في حياته لئلا يقع بينهم نزاع بعد موته، فإنه وإن كان هبة في الاصطلاح الفقهي؛ ولكنه في الحقيقة والمقصود استعجال لما يكون بعد الموت وحينئذٍ ينبغي أن يكون سبيله سبيل الميراث. (تكمله فتح الملهم، كتاب الهبات، مذهب الجمهور، التسوية بين الذكر والأنثى، مكتبه اشرفيه ديوبند ۷۵/۲)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) هبة مقعد ومفلوج وأشل ومسلول ...... من كل ماله إن طالت مدته سنة ولم يخف ←

مصرف خیر میں صرف کرنے کی وصیت یعنی کسی مقروض کا قرض ادا کرنا یا یونیورسٹی میں دینا

سوال (۲۷۲۴): قدیم۴/ ۳۳۷-(۱) ایک شخص حج کو گئے تھے اتفاقاً مدینہ شریف کے قریب انتقال ہوگیا انتقال سے قبل جو روپیہ ان کے پاس تھا وہ اپنے ہمراہی کو دیا کہ اس کو نیک کام میں صرف کر دینا۔ جس جگہ تمہاری طبیعت چاہے اور چار سو روپے اپنے گھر گڑے ہوئے بتلائے اس کی بابت ایسا ہی کہا جب اُن کے ساتھی کھتولی آئے انہوں نے بیان کیا میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ اس روپے سے بغرض ثواب کسی مقروض کو کہ قرضہ کی وجہ سے نہایت پریشان ہو پچاس روپے دیئے جاویں کہ وہ قرضہ سے چھوٹ جائے تو شرعاً درست ہے یا نہیں اور جو روپیہ گڑا ہوا ہے وہ بدون مدد کسی عہدہ دار کے قبضہ میں آنا دشوار ہے جو شخص وصول کرنے کے درمیان واسطہ ہے وہ علی گڑھ کے خیال والوں میں ہیں روپیہ وصول ہونے پر ضرور یونیورسٹی کے لئے اس میں سے طلب کریں گے اس صورت میں اس مَد کے اندر دینا کچھ حصہ کا اور باقی کسی صدقہ جاریہ میں لگا دینا جائز ہے یا نہیں؟

← **موته منه وإلا تطل وخيف موته فمن ثلثه؛ لأنها أمراض مزمنة لا قاتلة قبل مرض الموت أن لا يخرج لحوائج نفسه وعليه اعتمد في التجريد والمختار، أنه ماكان الغالب منه الموت، وإن لم يكن صاحب فراش (الدر) وفي الشامية: تحت قوله: لأنها أمراض مزمنة: وأما المقعد والمفلوج قال في الكتاب: إن لم يكن قديما فهو بمنزلة المريض، وإن كان قديما فهو بمنزلة الصحيح؛ لأن هذه علة مزمنة وليست بقاتلة.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوصايا، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۳۵۳-۳۵٤، كراچي ٦/ ٦٦٠-٦٦١)

الحاصل: أن مرض الموت هو الذي يخاف منه الموت غالبًا ...... وإن كان يحم فلا يكون ذلك مرض الموت وكذلك صاحب الفالج والسل والنقرس ونحوها إذا طال به ذلك فهو في حكم الصحيح؛ لأن ذلك إذا طال لا يخاف منه الموت غالبًا، فلم يكن مرض الموت. (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، شرائط وجوب الإحداد، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۵۳-۳۵٤، كراچي ۳/ ۲۲٤) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

(۲) اور یونیورسٹی علی گڑھ میں کسی کا چندہ دینا کیسا ہے اگر کسی صورت میں بھی ناجائز ہوگا تو میں حتی الوسع اس قصبہ میں اس میں چندہ نہ دینے کی کوشش بذریعہ وعظ کے کروں گا۔

الجواب : (۱) اس مقروض کو بھی دینا درست ہے (۱) اور ایسی اضطرار کی حالت میں یونیورسٹی میں دینا بھی درست ہے۔ (۲)

(۲) یونیورسٹی میں درست نہیں مگر میری رائے میں آپ اس زحمت میں نہ پڑیئے۔ (۳)

۷/ ربیع الاوّل ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۰۹)

---

(۱) **وإذا أوصى بثلث ماله لله تعالیٰ فالوصية باطلة في قول أبي حنيفةؒ وفي قول محمدؒ الوصية جائزة وتصرف إلى وجوه البر وبقول محمد يفتىٰ وتصرف إلى الفقراء (وقوله) ولو أوصى بالثلث في وجوه الخير يصرف إلى القنطرة وبناء المسجد وطلب العلم.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوصايا، الفصل الثالث، مكتبه زكريا ديوبند ۱۹/۳۹۲-۳۹۳، رقم: ۳۱۹۰۲-۳۱۹۰۷)

الفتاوى الهندية، كتاب الوصايا، الباب الثاني، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۶/۹۷، جديد ۶/۱۱۴۔

المحيط البرهاني، كتاب الوصايا، الفصل الثالث، المجلس العلمي ۲۲/۲۶۴، رقم: ۲۰۳۹۲۔

الوصية لله تعالیٰ ولإعمال البر بدون تعيين جهة، تصرف في وجوه الخير. (الفقه الإسلامي وأدلته، الباب الرابع، الوصايا، المبحث الثالث، المطلب الرابع، الهدیٰ انٹرنیشنل ۸/۶۶)

(۲) **الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة وإساغة اللقمة بالخمر والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه وكذا إتلاف المال، وأخذ مال الممتنع من أداء الدين بغير إذنه ودفع الصائل ولو أدى إلى قتله.** (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الخامسة، مكتبه زكريا ديوبند قديم ص: ۱۴۰، جديد ۱/۲۵۱)

(۳) **وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ** . [سورة المائدة: ۲]

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وصیت کی ایک مخصوص صورت کا حکم

سوال (۲۷۲۵): قدیم ۴/ ۳۳۸- ہندہ کو کچھ زر نقد سرکار سے ملتا تھا اس نے اس کو اپنی بہو مسماۃ زینب کے نام جس کا شوہر پسر ہندہ سامنے اپنی ماں کے مَر گیا تھا ہبہ کر دیا اور لکھ دیا کہ بعد میرے وہ روپیہ میری بہو کو ملا کرے اور بعد وفات اس کے میرے ورثہ کو ملا کرے اور بعد وفات ہندہ کے مقدمہ عدالت میں پیش ہو کر وہ ہبہ نامہ وصیت نامہ قرار پایا اور ثلث زینب موصی لہا کو دیا گیا باقی دو ثلث ورثائے ہندہ کو اب موصی لہا مسماۃ زینب مرگئی۔ پس دو ثلث زینب کے ورثاء کو ملے گا یا مسماۃ ہندہ کے ورثاء کو؟ بعض اہل علم کی رائے ہے کہ بموجب شرط ہبہ نامہ (جو وصیت نامہ قرار پایا) ورثہ ہندہ کی طرف منتقل ہو جاوے گا اور بعض کی رائے ہے کہ وصیت تملیک ہے لہذا جو شرط اس کے خلاف ہوگی وہ باطل ہے پس اس ثلث کی مالک مستقل زینب ہے اس کی وفات کے بعد اس کے ورثاء کو ملے گا؟

الجواب: چونکہ وصیت یا ہبہ دونوں خاص ہیں ملک موصی وواہب کے ساتھ جو شرعاً ظاہر ہے اور جو روپیہ سرکار سے ہندہ کو ملتا ہے وہ تبرع محض ہے قبل قبض اس میں کوئی ملک یا حق تملیک اس کو حاصل نہیں؛ لہٰذا ہندہ کا یہ کہنا نہ وصیت ہے نہ ہبہ ہے بلکہ تصرف حق غیر میں ہے (۱)؛ لیکن جب سرکار نے ایک ثلث زینب کو دیا اور دو ثلث ہندہ کے ورثاء کو چونکہ یہ ابتداً تبرع ہے اس لئے یہ دینا اور لینا بھی درست ہو گیا گو اس کی یہ بنا کہ اس کو وصیت قرار دیا صحیح نہیں ہے اب بعد وفات زینب کے بھی بناء علی الوصیت کسی کا حق نہیں جیسا بیان ہو چکا؛ بلکہ سرکار جس کو جس قدر دیدے اس کو اسی قدر لے لینا درست ہے وہ سب تبرع مبتدا ہوگا (۲)

---

(۱) **ويشترط في الموصى به أن يكون في اختصاص الموصى فلا تصح الوصية بملك الغير ولو ملكه بعد الوصية.** (الفقه على المذاهب الأربعة، مباحث الوصية، قبيل مبحث حكم الوصية، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۳۲۵)

منها أن يكون مملوكا للواهب فلا تجوز هبة مال غير لا ستحالة تمليك ما ليس بمملوك. (بدائع الصنائع، كتاب الهبة، فصل في شرائط ركن الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۱۶۹، كراچي ۶/ ۱۱۹)

الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۲/ ۱۲۷۔

(۲) **عن طارق أن عمر بن الخطاب كان يعطيهم العطاء ولا يزكيه.** (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الزكاة، ما قالوا في العطاء إذا أخذ، مؤسسة علوم القرآن ۶/ ۵۲۸، رقم: ۱۰۵۶۹) ←

پس بعض کا یہ کہنا کہ ہندہ کی شرط کے موافق منتقل ہو جاوے گا یا بعض کا یہ کہنا کہ وصیت تملیک ہے الخ اس لئے صحیح نہیں کہ شرط وتملیک دونوں مخصوص ہیں مِلک وحق مِلک کے ساتھ اور یہاں یہ مفقود ہے جیسا مذکور ہوا اور قول ثانی اس لئے بھی صحیح نہیں کہ اگر یہ تملیک واقعی بھی ہوتی تو چونکہ موصی بہ عین نہیں حق محض ہے اور حقوق میں وصیت کا بقاء موصیٰ لہ کی حیات تک رہتا ہے اس کی موت کے بعد وہ موصی بہ ورثہ موصی کی طرف عود کرآتا ہے۔

فی الدرالمختار ورد المحتار بموت الموصى له بعد موت الموصي يعود العبد والدار أي خدمة العبد وسكنى الدار وغلتها إلى الورثة أي ورثة الموصي بحكم الملك أي ملك الموصى أو ورثته فلا يعود إلى ورثة الموصى له. اه ملخصاً.(۱) ومثله فى الهداية.(۲)

۳/ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ (امداد ج:۳،ص:۲۰۷)

← **اختلف الناس في أخذ الجائزة من السلطان، قال بعضهم: لايجوز ما لم يعمل أنه يعطيه من حرام، قال محمدؒ: وبه نأخذ ما لم نعرف شيئًا حراما بعينه.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۳۴۲/۵، جديد ۳۹۶/۵)

الموسوعة الفقهية الكويتية ۷۸/۱۵۔

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوصايا، باب الوصية بالخدمة والسكنى والثمرة، مكتبه زكريا ديوبند ۴۰۰/۱۰، كراچي ۶۹۳/۶-۶۹۴۔

(۲) فإن كان مات الموصى له عاد إلى الورثة؛ لأن الموصي أوجب الحق للموصى له ليستوفي المنافع على حكم ملكه فلو انتقل إلى وارث الموصى له استحقها إبتداء من ذلك الموصي من غير مرضاته وذلك لا يجوز (هداية) وفي هامشه: قوله: عاد أي الموصى به وهو خدمة العبد وغلته وسكنى الدار وغلتها إلى ورثة الموصي لا إلى ورثة الموصى له. (الهداية، كتاب الوصايا، باب الوصية بالسكنى والخدمة والثمرة، مكتبه اشرفيه ديوبند ۶۸۴/۴)

لو أوصى بخدمتها وغلتها لإنسان ومات الموصي، ثم مات الموصى له بعد القبول لاتصير الغلة والخدمة ميراثًا لورثة الموصى له؛ بل تعود إلى ورثة الموصى. (بدائع الصنائع، كتاب الهبة، الكلام في العقد، مكتبه زكريا ديوبند ۱۶۷/۵، كراچي ۱۸۸/۶) شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳۷/ كِتَاب الفَرَائِضُ

خاص غرض کے لئے خریدے ہوئے سامان میں میراث کا حکم

سوال (۲۷۲۶): قدیم ۴/ ۳۳۹- ترکۂ ماموں صاحب میں کئی قسم کی چیزیں ہیں، ایک خاص انہی کے استعمال کے لائق جیسے مردانہ کپڑے وغیرہ، وہ تو یقیناً منقسم بین الورثہ ہوں گے، دوم خاص زنانی چیزیں جیسے زنانہ کپڑے وغیرہ تو یہ زوجین (*) میں جو جس کے قبضہ میں ہے غالباً اسی کی مِلک قرار دی جائے، اور وراثت جاری نہ ہو، سوم اثاث البیت جیسے لوٹا پتیلی، صندوق، تخت چارپائی وغیرہ اسباب خانہ داری، قسم ثالث کا یہ حال ہے کہ زوجین میں جو چیز جس کے پاس ہے وہی اس کے اُوپر قابض ہے، یہ بھی داخل ترکہ ہے یا نہیں؟ کیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو کچھ اسباب و اثاث البیت حیات میں زوجین کو دیئے گئے تھے وہ دینا بطور ہبہ تھا، کچھ زنانے تھان زوجہ اولیٰ کے پاس بغرض نکاح احقر تھے، ان کا کیا حکم ہے؟ ممانی صاحبہ کے دینے کی صورت میں اُن کا لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: فی الدرالمختار باب التحالف اختلف الزوجان فی متاع فی البیت فالقول لكل واحد منهما فيما صلح له مع يمينه والقول له فی الصالح لهما وإن مات أحدهما واختلف وارثه مع الحي فی المشكل فالقول فيه للحي. (۱) اه

(امداد ج۳،ص۱۱۵)

(*) مراد اس سے زوج وزوجہ نہیں؛ بلکہ دونوں زوجہ ہیں کہ میت کے دو زوجین تھیں

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الدعوى، باب التحالف، كراچي ٥/٥٦٣-٥٦٤، مكتبة زكريا ديوبند ٨/٣١٥ تا ٣١٧

وإن اختلف الزوجان في متاع البيت فالقول لكل واحد منهما فيما يصلح له لأن الظاهر يشهد له......وله فيما يصلح لهما أي إذا اختلفا فيما يصلح لهما كان القول قوله لأن المرأة وما في يدها في يدالزوج والقول لصاحب اليد في الدعاوي...... فإن مات أحدهما فللحي أي إذا مات أحدالزوجين واختلف الحي مع ورثة الأخر كان المتاع للحي ومراده من المتاع ←

ولدالزنا اور ماں میں وراثت

سوال (۲۷۲۷): قدیم۴/۳۴۰- ولدالزنا کو اپنی ماں کی طرف سے تو غالباً ضرور میراث ملے گی، البتہ باپ کی طرف سے بوجہ غیر ثابت النسب ہونے کے میراث نہ ملیگی، اور غیر ثابت النسب ہونے کا غالباً یہی مطلب ہے کہ باپ سے نسب ثابت نہیں ماں سے تو ماننا پڑے گا، جو رائے عالی ہو ارشاد فرمائیں؟

الجواب: ماں سے ثابت النسب بھی ہے اور میراث بھی پاوے گا۔

فی الدرالمختار ولد الزنایرث من توامه (۱)الخ قلت فمن الأم أولی واللّٰه اعلم،

۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد، ج ۳، ص ۱۱۶)

← **مايصلح لهما وهو المشكل الخ.** (تبيين الحقائق، كتاب الدعوىٰ، باب التحالف، مكتبة زكريا ديوبند ٥/٣٦٠-٣٦١، امدادية ملتان ٤/٣١٢)

البحرالرائق، كتاب الدعوى، باب التحالف، مكتبة زكريا ديوبند ٧/٣٨١-٣٩٤، كوئٹه ٧/٢٢٥-٢٢٦۔

الهداية، كتاب الدعوى، باب التحالف، مكتبة اشرفية ديوبند ٣/٢١٥-٢١٦۔

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، كراچي ٦/٧٧٧، مكتبة زكريا ديوبند ١٠/٥٢٥۔

ويرث ولدالزنا واللعان بجهة الأم فقط لأن نسبه من جهة الأب منقطع فلايرث به ومن جهة الأم ثابت فيرث به أمه وإخوته من الأم بالفرض لاغيرالخ. (تبيين الحقائق، كتاب الفرائض، مكتبة زكريا ديوبند ٧/٤٩١، امدادية ملتان ٦/٢٤١)

البحرالرائق، كتاب الفرائض، كوئٹه ٨/٥٠٣، مكتبة زكريا ٩/٣٩١۔

وكل من ولد الزنا وولد اللعان لاتوارث بينه وبين أبيه وقرابة أبيه بالإجماع وإنما يرث بجهةالأم فقط لأن نسبه...... من جهة الأم ثابت فنسبه لأمه قطعا...... فيرث كل منهما عند الأئمة الأربعة من أمه وقرابتها. (الفقه الإسلامي وأدلته، الباب السادس: الميراث، الفصل السابع عشر، المبحث السابع، الهدي انٹر نيشنل ديوبند ٨/٤٢١)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حصوں کے امتیاز اور سپردگی کے بغیر تقسیم معتبر نہیں

سوال (۲۷۲۸): قدیم ۴/ ۳۴۰- زید نے انتقال کیا، اور خالد، ولید، عمرو پسران وساجدہ عابدہ دختران وحامدہ زوجہ چھوڑی، ترکہ زید پر صرف خالد قابض رہا، اس نے ترکہ زید کو بموجب شرع شریف تقسیم کیا، مگر مسماۃ عابدہ کو اس کے حصہ کا نصف ادا کیا، اور نصف کے دینے کا وعدہ کیا، بعدہ مسماۃ عابدہ نے انتقال کیا اور ایک پسر اور ایک دختر اور شوہر چھوڑا، وارثان متوفیہ نے خالد سے باقی نصف جو زر نقد تھا طلب کیا، تب خالد نے ایک ہفتہ میں ادا کر دینے کا وعدہ کیا، اسی طرح پر خالد پر تقاضے ہوتے رہے اور وہ ہفتہ عشرہ میں دینے کا وعدہ کرتا رہا، آخر کار خالد نے کہہ دیا کہ میرے چوری ہوگئی، اور میرے مال کے ساتھ نصف حصہ عابدہ کا جو میرے پاس باقی تھا چوری ہوگیا، بعد اس کے خالد نے اپنے لئے جائیداد خریدی، اب یہ دریافت طلب ہے کہ جو نصف حصہ مسماۃ عابدہ کا خالد کے پاس باقی رہ گیا ہے، وہ ازروئے شرع شریف خالد کے ذمہ واجب الادا ہے یا نہیں؟

الجواب: فی الدرالمختار من کتاب القسمة ورکنها هو الفعل الذی یحصل به الإفراز والتمییز بین الأنصباء ککیل وذرع وفیه أیضا عن الخانیة مکیل أوموزون بین حاضرو غائب أو بالغ و صغیر فأخذ الحاضر أوالبالغ نصیبه نفذت القسمة إن سلم حظ الاٰخرین وإلا لا، (۱)

ان روایات بالا سے معلوم ہوا کہ تقسیم میں جب تک سب کا حصہ علیحدہ نہ ہو جائے وہ تقسیم معتبر نہیں بلکہ مالِ مشترک بدستور مشترک رہے گا۔(۲)

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب القسمة، کراچي ۶/ ۲۵۳-۲۵۴، مکتبة زکریا دیوبند ۹/ ۳۶۹- ۳۷۰۔

(۲) **وأما رکنها (القسمة) فهو الفعل الذي یحصل به الإفراز والتمییز بین النصیبین کالکیل في المکیلات والوزن في الموزونات والذرع في المذروعات والعددفي العددیات کذا في النهایة.** (هندیة، کتاب القسمة، الباب الأول، قدیم زکریا دیوبند ۵/ ۲۰۴، جدید ۵/ ۲۳۷)

تبیین الحقائق، کتاب القسمة، مکتبه زکریا ۶/ ۴۰۱، امدادیة ملتان ۵/ ۲۶۴ ←

اسی طرح اگر بعض شرکا اپنا حصہ علیحدہ کر لیں مگر بعض کو ان کا حصہ تسلیم نہ کیا جاوے تب بھی وہ تقسیم نافذ نہیں ہوتی، پس صورت مسئولہ میں عابدہ کہ نصف حصہ اس کو تسلیم اور ادا نہیں کیا گیا تو وہ مشترک رہا اور سب کا چوری ہو گیا (۱) اس لئے تمام ترکہ زید سے اس مقدار کو منہا کر کے جس قدر ترکہ باقی رہا اس کو ازسرِ نو تقسیم کر کے دیکھیں گے کہ اس باقی میں سے عابدہ کا کتنا حق ہے، وہ سب ورثہ سے حصہ رسد اس مقدار حق کے تکمیل کرنے کے لئے مطالبہ کرنے کی مستحق ہے چونکہ مسئلہ ہذا میں وہ وفات پا چکی ہے؛ اس لئے اس کے ورثہ اسی طرح اس مطالبہ کے مستحق ہیں۔ فقط واللہ اعلم

۱۶/صفر ۱۳۰۲ھ (امداد، ج ۳، ص ۱۱۶)

توارث اخت من الزنا

سوال (۲۷۲۹): قدیم ۴/۳۴۰- زید فوت ہوا، ایک منکوحہ بی بی الف دو بیٹیاں ب، ج ایک منکوحہ کنیزک د اور ایک بیٹی کنیزک سے جس کی پیدائش قبل از نکاح ہے اور ایک بیٹا اسی کنیزک سے ز اور ایک حقیقی چھوٹا بھائی ط وارث چھوڑے، پھر بیٹا باپ سے پانچ سال بعد فوت ہوا، اندریں صورت زید کا ترکہ بروئے میراث ہر پسماندہ کو کتنا پہنچے گا؟

← فتح القدير، كتاب القسمة، مكتبة زكريا ديوبند ۴۳۶/۹، كوئٹه ۳۴۸/۸۔

(۱) **والمكيل والموزون إذا كان بين حاضر وغائب أو من بالغ أو صبي فأخذ الحاضر أو البالغ نصيبه فإنما ينفذ قسمته من غير خصم بشرط سلامة نصيب الغائب و الصغير حتى لو هلك مابقي قبل أن يصل إلى الغائب كان الهلاك عليهما.** (الفتاوى التاتار خانية، كتاب القسمة، الفصل الثالث عشر، مكتبة زكريا ديوبند ۲۲۳/۱۷، رقم: ۲۷۰۴۸)

الفتاوى البزازية، كتاب القسمة، الفصل الرابع، مكتبة زكريا ديوبند جديد ۷۶/۳، قديم على هامش الهندية ۱۵۳/۶۔

خانية على هامش الهندية، كتاب القسمة، فصل في قسمة الوصي، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱۵۶/۳، جديد ۹۸/۳۔ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

الجواب: مسئلہ:۳۲-۹۶

زوجہ	زوجہ	بنت	بنت	بنت مولود قبل نکاح	ابن	اخ
(الف)	(د)	(ب)	(ج)	(ہ)	(ز)	(ط)
۲/۶	۲/۶	۲۱/۷	۲۱/۷	م	۱۴	م

مسئلہ۶ زمف۱۴

ام (د)	اخت لام (ہ)	اخت لاب (ب)	اخت لاب (ج)	عم (ط)
۱/۷	۱/۷	۲/۱۴	۲/۱۴	م

(۹۶) الاحیاء المبلغ

الف	د	ب	ج	ہ
۶	۱۳	۳۵	۳۵	۷

صورت مندرجہ بالا میں بعد تقدیم مایقدم علی الارث مثل تجہیز وتکفین وادائے دیون جس میں مہر ہردو زوجہ بھی ہے، وتنفیذ وصایا بشرط حصر ورثہ ترکہ زید کا ۹۶ سہام ہوکر الف یعنی زوجہ زید کو ۶ سہام (۱) اور (د) یعنی زوجہ ثانیہ کنیزک کو ۱۳ سہام اور (ب) و (ج) یعنی ہردو دختران زید کو ۳۵ سہام دلائے جاویں (۲) اور (ہ) یعنی وہ بیٹی جس کی پیدائش قبل از نکاح ہے وہ چونکہ زنا سے پیدا ہوئی ہے اس لئے شرعاً

---

(۱) **قال الله تعالی: وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ الآية**. (سورة النساء: ۱۲)

أما للزوجات فحالتان: الربع للواحدة فصاعدةعند عدم الولد وولدالابن وإن سفل والثمن مع الولد أو ولد الابن وإن سفل. (السراجي في الميراث، فصل في النساء، ص: ۷-۸، مطبوعة ياسرنديم ديوبند ص: ۱۱)

وللزوجة الربع عند عدمهما والثمن مع أحدهما. (هندية، كتاب الفرائض، الباب الثامن، مكتبة زكريا ديوبند قديم ٦/٤٥٠، جديد ٦/٤٤٢)

(۲) **قال الله تعالىٰ: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ الآية.**

(سورة النساء: ۱۱) ←

زید سے اس کا نسب ثابت نہ ہوگا، تو اس سے تو وارث نہ ہوگی، لیکن (ز) یعنی زید کے پسر کی چونکہ اخیافی بہن ہے، اس لئے اس سے وارث ہوگی، (۱) اس کے ترکہ سے (ہ) کو ۲ سہام ملیں گے (۲)

۸/ ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ (امداد، ج ۳،ص ۱۱۷)

سرکاری وظیفہ میں میراث کا حکم

سوال (۲۷۳۰): قدیم ۴/ ۳۴۱- زید وبکر وعمر و خالد و ہندہ و زینب حقیقی بھائی بہن ہیں، زید و بکر کی موجودگی میں عمر و خالد کا انتقال ہوگیا، ان کی اولاد ذکور واناث سے باقی رہی اس کے بعد بکر بھی ایک زوجہ چھوڑ کر مَر گیا، اس کے نام جو وظیفہ سرکار سے مقرر ہے اس کی تقسیم میں جھگڑا ہوا زید کا دعویٰ ہے کہ چونکہ میں حقیقی بھائی ہوں، اس واسطے زوجہ کا حق چھوڑ کر باقی کل میرے نام مقرر فرمایا جاوے، زوجہ کا یہ ادعا ہے کہ شوہر کا کل ترکہ میرے نام مقرر ہونا چاہئے، اولاد عمر و خالد اس بات کے دعویدار ہیں کہ وظیفۂ مذکور سرکار

← **وإذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فيكون للابن مثل حظ الأنثيين.** (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثاني في ذوي الفروض، مكتبة زكريا ديوبند قديم ٦/ ٤٤٨، جديد ٦/ ٤٤١)

(۱) **ويرث ولد الزنا واللعان بجهة الأم فقط؛ لأن نسبه من جهة الأب منقطع فلايرث به ومن جهة الأم ثابت فيرث به أمه وإخوته من الأم بالفرض لاغير وكذا ترثه أمه وإخوته من أمه فرضا لاغير.** (تبيين الحقائق، كتاب الفرائض، مكتبة زكريا ديوبند ٤٩١/٧، امدادية ملتان ٦/ ٢٤١)

البحرالرائق، كتاب الفرائض، كوئٹه ٨/ ٥٠٣، مكتبة زكريا ديوبند ٩/ ٣٩١-

الفقه الإسلامي وأدلته، الباب السادس: الميراث، الفصل السابع عشر، المبحث السابع، هدى انٹر نيشنل ديوبند ٨/ ٤٢١-

(۲) **الأخوات لأم، للواحدة السدس.** (الفتاوى الهندية، كتاب الفرائض، الباب الثاني، مكتبة زكريا ديوبند قديم ٦/ ٤٥٠، جديد ٦/ ٤٤٢)

البحرالرائق، كتاب الفرائض، مكتبة زكريا ديوبند ٩/ ٣٨٠، كوئٹه ٨/ ٤٩٧-

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سے بطور پرورش کل اولاد مقرر رہا ہے اور ہنگامِ تقسیم وظیفۂ مذکورہ سرکار نے جائیداد مکسوبہ قرار نہیں دیا ہے، بلکہ ایسا وظیفہ جائیداد غیر مکسوبہ قرار دیا جاتا ہے، ایسی حالت میں تنخواہ مذکورہ ہم کل اولاد کو بھی ملنا چاہئے، کیونکہ جو بعد ہمارے والد اور والدہ کی زندگی کی وجہ سے بکر کے درمیان تھا وہ ہماری والدہ کے فوت ہونے کی وجہ سے جاتا رہا، اور مثل زید ہم بھی قرب رکھتے ہیں، کیا یہ وظیفہ زید کی خواہش کے موافق تقسیم ہوسکتا ہے یا اس کی زوجہ کی خواہش کے مطابق، اور اولاد عمر و خالد دلیل مذکورہ کی وجہ سے حصہ پاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب : چونکہ میراث مملوکہ اموال میں جاری ہوتی ہے (۱)، اور وہ وظیفہ محض تبرع واحسان سرکار کا ہے، بدون قبضہ کے مملوک نہیں ہوتا (۲)؛ لہٰذا آئندہ جو وظیفہ ملے گا اس میں میراث جاری نہیں ہوگی، سرکار کو اختیار ہے جس طرح چاہے تقسیم کردے (۳)؛ البتہ اگر یہ وظیفہ کسی جائیداد مملوکہ کا نفع جائز ہے تو اس میں میراث جاری ہوگی، اور اس صورت میں بکر کے ترکہ میں اس کی زوجہ کو ربع بوجہ اولاد نہ ہونے کے ملے گا۔ (۴)

---

(۱) **لأن الإرث إنمّا يجري في المتروك من ملك أو حق للمورث على ماقال عليه الصلاة والسلام من ترك مالا أو حقا فهو لورثته.** (بدائع الصنائع، كتاب الحدود، صفات الحدود، مكتبة زكريا ٥/٥٢٣، كراچي ٧/٥٧)

الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثاني: حدالقذف، المبحث الرابع، الهدیٰ انٹر نیشنل دیوبند ٦/٣١۔

(۲) **تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول وتتم بالقبض بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لايتم إلابالقبض.** (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبة اتحاد ديوبند ١/٤٦٣، رقم المادة: ٨٣٧)

الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/١٣٥۔

(۳) **المالك هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء من الملك.** (بيضاوي شريف، مكتبة رشيد ١/٧)

الملك مامن شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في تعريف المال۔ مكتبة زكريا ديوبند ٧/٢٣٥، كراچي ٥/٥٠)

(۴) **قال الله تعالى: وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ الآية** . (سورة النساء: ١٢) ←

باقی زید اوراس کی دونوں بہنوں کا حق للذکر مثل حظ الأنثيين، (۱)اور بھائی بہنوں کے ہوتے عمراور خالد کی اولاد کا کچھ حق نہیں ہے۔(۲)

۹/محرم۱۳۲۲ھ (امداد، ج ۳،ص:۱۱۷)

حق وراثت میں مختلف جہتوں کا اعتبار

سوال (۲۷۳۱): قدیم۴/۳۴۲- وارث علی فوت ہوا،اس نے ایک زوجہ مسماۃ امۃ اللہ اورتین ابن العم ایک ذوالفقارعلی، دوسرا محمد علی اور تیسرا احمد علی وارث چھوڑے،اوراحمد علی ابن العم بھی ہے اورابن الام بھی ہے، دوجہت رکھتا ہے، پس ترکہ وارث علی کا ان ورثاء پرکس طرح تقسیم ہوگا؟

← **أما للزوجات فحالتان: الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولد وولدالابن وإن سفل والثمن مع الولد أو ولد الابن وإن سفل.** (السراجي في الميراث، فصل في النساء، ص: ۷-۸، مطبوعة ياسرنديم ديوبند ص: ۱۱)

وللزوجة الربع عند عدمهما والثمن مع أحدهما. (هندية، كتاب الفرائض، الباب الثامن، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۶/۴۵۰، جديد ۶/۴۴۲)

(۱) أخرج البيهقي في سننه عن زيدبن ثابت فإن كان معهن أخ ذكر فإنه لافريضة لأحد من الأخوات ويبدأ بمن شركهم من أهل الفرائض فيعطون فرائضهم فما فضل بعد ذلک كان بين الإخوة والأخوات للأب والأم للذكر مثل حظ الأنثيين. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الفرائض، باب ميراث الإخوة والأخوات لأب وأم أو لأب، دارالفكر بيروت ۹/۲۸۸، رقم: ۱۲۵۸۱)

الأخوات لأب وأم للواحدة النصف وللثنتين فصاعداً الثلثان ومع الأخ لأب وأم للذكر مثل حظ الأنثيين الخ. (هندية، كتاب الفرائض، الباب الثاني، مكتبة زكريا ديوبند قديم۶/۴۵۰، جديد ۶/۴۴۲)

(۲) فيقدم الابن على ابنه والأب على أبيه والأخ على ابنه بقرب الدرجة. (شامي، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، مكتبة زكرياديوبند ۱۰/۵۱۸)

الفقه الإسلامي وأدلته، الباب السادس: الميراث، الفصل التاسع: العصبات، الهدیٰ انٹرنیشنل دیوبند ۸/۳۳۰۔ شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ

الجواب: بعد تقدیم حقوق متقدمہ کل ترکہ ۳۶ سہام پر منقسم ہوکر زوجہ کو ۹ (۱) اور احمد علی کو ۱۳ اور ذوالفقار علی اور محمد علی کو ۷، ۷ ملیں گے۔

فی الدرالمختار: ویأخذ ابن عم هو أخ لأم السدس بالفرض ویقتسمان الباقی بینهما نصفین بالعصوبة حیث لا مانع من إرثه بهما فیرث بجهتی فرض و تعصیب. (۲)

والتخریج هکذا.

مسئلہ ۱۲/۳۶ وارث علی مس

زوجہ امۃ اللہ	اخ لام احمد علی	ابن العم احمد علی	ابن العم ذوالفقار علی	ابن العم محمد علی
۹	۶	۷	۷	۷

(امداد، ج ۳، ص ۱۱۸)

---

(۱) **قال الله تعالى: وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ الآية .** (النساء: ۱۲)

أما للزوجات فحالتان: الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولد وولدالابن وإن سفل والثمن مع الولد و ولد الابن وإن سفل. (السراجي في الميراث، فصل في النساء، ص: ۷-۸، مطبوعة ياسرنديم ديوبند ص: ۱۱)

وللزوجة الربع عند عدمهما والثمن مع أحدهما. (هندية، كتاب الفرائض، الباب الثامن، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۶/۴۵۰، جديد ۶/۴۴۲)

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، كراچي ۶/۷۸۵، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱۰/ ۵۳۶

لوترک ابني عم أحدهما أخ لأم فله السدس والباقي بينهما. (البحرالرائق، كتاب الفرائض، مكتبة زكريا ديوبند ۹/۳۸۰، كوئٹه ۸/۴۹۷)

ومن ترک ابني عم أحدهما أخ لام فللأخ من الأم السدس والباقي بينهما نصفان لأن له قرابتين من جهتين. (الجوهرة النيرة، كتاب الفرائض، باب الحجب، دارالكتاب ديوبند ۲/۳۹۱)

الفتاوى الهندية، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۶/۴۵۱، جديد ۶/۴۴۴۔ *شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ*

عصوبت کہاں ختم ہوتی ہے

سوال (۲۷۳۲): قدیم ۴/۳۴۲- شرع محمدی کا مسئلہ یہ ہے کہ جب عصبہ نہ ہوتو ذوی الارحام وارث ہوتے ہیں، لیکن یہ امر ناممکن ہے کہ کسی متوفی کا کوئی عصبہ نہ ہو، اگر حضرت آدم علیہ السلام کا رشتہ لگایا جاوے، مثلاً ایک علوی یا صدیقی وغیرہ کا انتقال ہوا، ایک غاصب نے متوفی کی جائیداد پر قبضہ حاصل کرلیا تب ذوی الارحام نے دعویٰ متروکہ کا کیا، غاصب یہ کہتا ہے کہ تم اس وقت وارث ہو سکتے ہو کہ جب عصبہ نہ ہو، علوی اور صدیقیوں کے بہت سے خاندان دنیا میں موجود ہیں، جب تک وہ موجود ہیں تم بحیثیت ذوی الارحام کے وارث نہیں ہو سکتے ہو تو ایسی حالت میں ذوی الارحام کو عصبہ کا عدم کس طرح ثابت کرنا چاہیے، یہ ظاہر ہے کہ عصبہ کا عدم ثابت کرنا قریب قریب محال ہے، تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ذوی الارحام متوفی کے متروکہ کا کبھی وارث نہ ہو، یہ بات اگرچہ خلاف عقل ہے، لیکن اس کے لئے فقہ کی کسی مستند کتاب کی ضرورت ہے، عنایت فرما کے فقہ کی کتب کے حوالہ سے جواب تحریر فرما کر ممنون فرمایئے؟

الجواب: اس غاصب کے استدلال باطل کا یہی جواب کافی ہے کہ شریعت نے ذوی الارحام کو بھی وارث بنایا ہے (۱) ورنہ اگر عصبہ میں اس قدر تعمیم ہوتی تو ذوی الارحام کے وارث ہونے کے کوئی معنی ہی نہ ہوں گے اس کو خود شریعت باطل کر رہی ہے، اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہوگیا ور جوائمہ توریث

---

(۱) **أخرج ابن أبي شيبة في مصنفه عن إبراهيم قال: كان عمر وعبدالله يعطيان الميراث ذوي الأرحام قال فضيل: فقلت لإبراهيم: فعلي؟ قال: كان أشد هم في ذلك أن يعطي ذوي الأرحام.** (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الفرائض، من كان يورث ذوي الأرحام، مؤسسة علوم القرآن ۱۶/۲۴۹، رقم: ۳۱۸۰۶)

هل يرث بعضهم من بعض؟ قال: عامة أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ذوي الأرحام يرث بعضهم من بعض وأنهم مؤخرون عن أصحاب الفرائض والعصبات لايرث مع أحدهم...... علمائنا أخذوا بقول: عامة الصحابة رضي الله عنهم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الفرائض، الفصل السابع والعشرون، مكتبة زكريا ديوبند ۲۰/۳۱۷، رقم: ۳۳۴۰-۳۳۴۱)

ذوی الارحام کے قائل نہیں ہیں انہوں نے بھی کبھی یہ دلیل بیان نہیں کی، اوراس کے بعد کے مستحقین کو میراث دلائی حتیٰ کہ اخیر میں بیت المال مستحق قرار پایا (۱) تو یہ سب احکام جونصاً واجماعاً ثابت ہیں سب باطل ہوجاویں گے، اورنص اوراجماع کا ابطال باطل ہے۔اور جودعویٰ مستلزم امر باطل کو ہووہ خود باطل ہے، معلوم ہوا کہ یہ استدلال اودعویٰ غاصب کا باطل ہے، تمام کتب فرائض وفقہ کی تصریح کے موافق کل عصبات یہ ہیں:

(۱) ابن ثم ابن الابن وإن سفل. (۲) أب. (۳) جد صحیح وإن علا حتی إلٰی آدم علیه السلام. (۴) جزء الأب وإن سفل. (۵) جزء الجد یعنی عم ثم ابنهٗ وإن سفل. (۶) عم الأب ثم ابنه وإن سفل. (۷) عم الجد ثم ابنه وإن سفل. (۲)

بس اس پر عصبات ختم ہوگئے، اورمفہوم تصانیف حسب تصریح علمائے حجت ہے، معلوم ہوا کہ اس سے آگے عصبات نہیں، اورمرتبہ ثالثہ میں جد کے عموم و **إن علا** سے دوسرے مراتب میں عموم لازم نہیں؛ بلکہ عدم عموم اس لئے لازم ہے کہ عموم کی صورت میں **جزء الجد** کے بعدکوئی مرتبہ نہ نکلنا چاہئے،

---

(۱) وذهب مالک والشافعي إلی أن ذوي الأرحام لایرثون فإذا مات شخص من غیرذوی فرض ولاعصبة وله ذورحم ردت الترکة إلی بیت المال وهذا رأي زید بن ثابت وسعیدبن المسیب وسعید بن جبیر وأخذ به الأوزاعي وأبوثور وداؤد وابن جریرالطبري، واستدلوا بأن الله تعالیٰ ذکرفي آیات المواریث نصیب أصحاب الفروض والعصبات ولم یذکر لذوي الأرحام شیئا، ولوکان لهم حق لبینه، قال الله تعالیٰ: وما کان ربک نسیا. (مریم: ۶۴) قال صلی الله علیه وسلم، إن الله اعطی لکل ذي حق حقه وأیضاً سئل علیه الصلوة والسلام عن میراث العمة والخالة، فقال أخبرني جبریل أن لا شیئ لهما. (الفقه الاسلامي وادلته، الباب السادس: المیراث، الفصل الخامس عشر، الهدیٰ انٹرنیشنل دیوبند ۸/۳۷۷-۳۷۸)

المبسوط للسرخسي، کتاب الفرائض، باب میراث ذوي الأرحام، دارالکتب العلمیة بیروت ۳۰/۳۔

(۲) الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الفرائض، فصل في العصبات، کراچي ۶/۷۷۴-۷۷۵، مکتبة زکریا دیوبند ۱۰/۵۱۸-۵۲۱۔

مجمع الأنهر، کتاب الفرائض، فصل في العصبات، دارالکتب العلمیة بیروت ۴/۵۰۴-۵۰۵۔

کیونکہ عم الأب اور عم بھی کسی مرتبہ کے جد کے تو جزہی ہیں، اور بعض محشین نے جو جزء الجد میں جد کو عام کہہ دیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض متون میں کل مراتب کو چار عنوان میں منحصر کر دیا ہے:

جز ۱ : أصل ۲ : جزء الأب : ۳. جزء الجد ۴ : اس پر شبہ عدم تناول **عم الأب وعم الجد** کا وارد ہوتا تھا اس کے دفع کے لئے عام کہہ دیا (۱) اس سے معلوم ہوا کہ اس عموم سے مراد مطلق عموم نہیں، بلکہ عموم خاص ہے جو تناول **عم الأب** اور **عم الجد** پر منتہی ہو جاوے، جیسا شامی نے اس ایراد کو اسی طرح دفع کیا ہے (۲)، پس ثابت ہوا کہ دوسرے مراتب میں جد سے خاص **أب الأب** مراد ہے، پس جو شخص میّت کے اب الاب کے عم کی اولاد سے بھی نہ ہو وہ عصبہ نہیں ہے، اور یہ بہت ہی ظاہر ہے؛ لیکن قدرے فہم درکار ہے (*) **فبای حدیث بعده یؤمنون**، (۳) واللہ اعلم تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

۳۰/ ذیعقدہ ۱۳۲۲ھ (امداد، ج ۳، ص: ۱۱۸)

(*) اس سے حضرت نے رجوع فرمایا ہے جس کی تفصیل کتاب میں درج ہونے سے رہ گئی ہے۔ ۱۲

---

(۱) **هم (العصبات) أربعة أصناف جزء الميت وأصله وجزء أبيه وجزء جده (إلى قوله) ثم الجد أي أب الأب وإن علاثم جزء أبيه أي الإخوة ثم بنوهم وإن سفلوا ثم جزء جده أي الأعمام الخ (السراجية) وفي الهامش: قوله أبوالأب الخ، فسربه الجد لإفادة تعميم...... لإن الذهن قد يخصص الجد بالأب الأب بلاواسطة فقط ولايتبادر إلا إليه عمه بمجموع قوله: أب الأب وإن علا. ۱۲.** (السراجي، باب العصبات، مكتبة رحيمية ديوبند ص: ۲۰-۲۱)

(۲) **ثم جزء جده أراد بالجد مايشمل أبا الأب ومن فوقه بدليل قوله الآتي وإن علا فلايرد أن عم الأب وعم الجد في كلامه الآتي خارجان عن الأصناف الأربعة.** (شامي، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، مكتبة زكريا ديوبند ۱۰/۵۱۸، كراچي ۶/۷۷٤)

(۳) سورة المرسلات رقم الآية: ۵۰۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قرض دار اور اس کے ورثاء کی عدم موجودگی میں میت کے ترکہ کا مصرف

سوال (۲۷۳۳): قدیم ۴/۳۴۴- زید مَر گیا اور اس کے ذمہ کچھ قرض ایک بقّال کا تھا، اور زید نے اس قدر روپیہ نہیں چھوڑا کہ قرض اس کا ادا ہو، اور زید کے مرنے سے پہلے وہ بقّال مَر گیا تھا، صرف اس کا بھتیجا باقی تھا، کچھ مدّت کے بعد ورثہ زید زید کا ایک مکان بیع کر کے چاہتے ہیں کہ قرضہ ادا کر دیں، لیکن جس وقت ادا کرنا چاہا تو اس بقال کے کوئی وارث نہیں، اب سوال یہ ہے کہ وہ قرض کا روپیہ کس مصرف میں صرف کیا جائے، تا کہ زید سے اس کا مواخذہ نہ ہو؟

الجواب: اصل قرضدار کے نزدیک دور کے رشتہ داروں کی اور اس کے بھتیجے کے نزدیک دور کے رشتہ داروں کی تحقیق ضرور ہے، اگر کوئی موجود ہو تو لکھیں تا کہ مسئلہ بتایا جاوے، اور اگر کوئی موجود نہ ہو تو یہ روپیہ ایسے کاموں میں خرچ کرنا چاہئے، مساجد کی مرمت وخدمت، تیل بتی، لوٹا بدھنا، ڈول رسی، مؤذن و امام کی تنخواہ، مدارس اسلامیہ میں علماء کی تنخواہ، طلبہ کی اعانت خوراک و پوشاک کی، اور جو لوگ بلا تنخواہ اللہ کے لئے علم دین پڑھا رہے ہیں۔ (والدلائل هذه)

في كتاب الفرائض من الدر المختار: ثم يوضع في بيت المال لا إرثاً بل فيئاً للمسلمين (۱). وفي باب اللقطة منه إلا إذا عرف أنها لذمي فإنها توضع في بيت المال، في رد المختار: للنوائب بحرط. (۲)

---

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الفرائض، مكتبة زكريا ديوبند ۱۰/۵۰۲-۵۰۳، كراچي ۶/۷۶۶۔

سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الفرائض، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۴۹۷۔

(۲) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب اللقطة، مكتبة زكريا ديوبند ۶/۴۳۸، كراچي ۴/۲۷۹-۲۸۰۔

البحر الرائق، كتاب اللقطة، كوئٹه ۵/۱۵۴، مكتبة زكريا ديوبند ۵/۲۵۸۔

مجمع الأنهر، كتاب اللقطة، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۵۳۰۔

وفيه قبيل باب المرتد وما أخذ منهم بلا حرب ومنه تركة ذمي (إلى قوله) مصالحنا، ثم قال :وكفاية العلماء والمتعلمين تجنيس (إلى قوله) وبه يدخل طلبة العلم فتح فى رد المحتار: ومثله بناء مسجد و حوض (إلى قوله) وكذا النفقة على المساجد كما فى زكوٰة الخانية: فيدخل فيه الصرف على إقامة شعائرها من وظائف الإمامة والأذان ونحوهما بحر (۱) وفى باب المستأمن من الدرالمختار: فإن أدانه حربي دينا ببيع أوقرض و بعكسه أو غصب أحدهما صاحبه وخرج إلينا لم نقض لأحد بشيئ ويفتى المسلم برد المغصوب وبرد الدين أيضا ديانة لاقضاء انتهى مختصرا (۲) قلت: محصل من هذه الروايات أن هذا الدين الذي هو من تركة هذا الرجل الكافر واجب رده ديانة سواء كان ذميا أوحربيا ويكون على كل فيئا يصرف في مصارفه فانطبق الجواب على كلا القولين فى الهند أهو دار الإسلام أم دار الحرب. فافهم فقط والله اعلم وعلمه اتم.

۵/ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ (امداد، ج ۳، ص:۱۱۹)

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب العشروالخراج والجزية، مطلب في مصارف بيت المال، مكتبة زكريا ٦/٣٤٨-٣٤٩، كراچي ٤/٢١٧۔

فتح القدير، كتاب السير، قبيل باب أحكام المرتدين، كوئٹه ٥/٣٠٧، مكتبة زكريا ديوبند ٦/٦٢۔

خانية على هامش الهندية، كتاب الزكاة، فصل في العشروالخراج، مكتبة زكريا ديوبند قديم ١/٢٧٤، جديد ١/١٦٨۔

البحرالرائق، كتاب السير، فصل في الجزية، قبيل باب أحكام المرتدين، كوئٹه ٥/١١٨، مكتبة زكريا ديوبند ٥/١٩٩۔

(۲) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب المستأمن، كراچي ٤/١٦٧، مكتبة زكريا ٦/٢٧٦-٢٧٧۔

الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/١٨٩-١٩٠۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تقسیم ترکہ اور مشترکہ مال کے ذریعہ حاصل شدہ منافع کا حکم

سوال (۲۷۳۴): قدیم ۴/ ۳۴۵- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عرصہ سولہ برس کا ہوا، زید نے انتقال کیا اور سات لڑکے محمود وعبدالحمید واحمد وعبدالحلیم ومحمد سلیم وعبدالمجید ومحمد شبلی اور دولڑکی اقلیمہ ونعیمہ اور ایک بی بی سکینہ کو ورثہ چھوڑا، لیکن محمود زید کی حیات ہی میں جُدا ہوگیا تھا اور ایک قطعہ مکان زید نے اس کو دیا تھا، بقیہ لڑکے بعد وفات زید چندروز تک حسب لیاقت اپنے اپنے کام یکجا رہکر کرتے رہے، بعد اس کے عبدالحمید بھی کچھ روپے لے کر بلا اجازت عرصہ بارہ برس کا ہوا کہ کنارہ ہوگیا، بعدہ محمد سلیم عرصہ چھ برس کا ہوا کہ کچھ روپیہ بلا اجازت ناجائز طور پر خرچ کرکے کنارہ ہوگیا، اور عبدالحمید نے عرصہ سات برس کا ہوا کہ انتقال کیا، باقی احمد وعبدالحلیم ومحمد شبلی ابھی تک ایک جگہ ہیں، مگر عبدالحلیم زید کی حیات سے اب تک روزگار کا کام کرتے آتے ہیں، اور احمد دس برس سے کام کرتے ہیں، اور محمد شبلی زید کی وفات کے وقت ایک برس کا تھا، تین چار برس سے روزگار کا کام کرتا ہے، عرصہ تیرہ برس کا ہوا کہ اقلیمہ نے انتقال کیا اور عرصہ دو برس کا ہوا کہ مسماۃ سکینہ نے انتقال کیا، زید کا ترکہ ابھی تک تقسیم نہیں ہوا، زید کے ترکہ سے اور کچھ مہاجنوں سے روپیہ لے کر لڑکوں نے روزگار کرکے مال زیادہ حاصل کیا ہے، اب اس حالت میں مال کیونکر تقسیم ہوگا؟

الجواب: بعد تقدیم حقوق متقدمه علی المیراث ترکہ زید کا (۱۲۸) سہام پر منقسم ہوکر ساتوں لڑکوں میں سے ہرلڑکے کو ۱۴، ۱۴ اور دونوں لڑکیوں کو ۷، ۷ (۱) اور زوجہ کو ۱۶ ملیں گے۔ (۲)

---

(۱) قال الله تعالى: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ الآية. (النساء: ۱۱)

وإذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فيكون للابن مثل حظ الأنثيين.

(هندية، كتاب الفرائض، الباب الثاني، مكتبة زكريا ديوبند قديم ٦/ ٤٤٨، جديد ٦/ ٤٤١)

(۲) قال الله تعالىٰ: وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ الآية. (النساء: ۱۲)

أما للزوجات فحالتان: الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولد وولدالابن وإن سفل والثمن مع الولد أوولدالابن وإن سفل. (السراجي، فصل في النساء، مكتبة رحيمية ديوبند ص: ۱۰)

اور محمود کو جو مکان زید نے دیا تھا، اگر مرض موت سے قبل دیا تھا، وہ بلا شرکت خالص اس کا مملوک ہے(۱) اور باقی ترکہ حسب حصص بالا مشترک ہے(۲)، پھر بقیہ لڑکے جو یکجا کام کرتے رہے، اگر یہ کام سب حصہ داروں کی رضامندی سے تھا تو نفع میں بھی سب شریک ہوں گے، اور اگر بعض ورثہ راضی نہ تھے، تو وہ نفع میں شریک نہ ہوں گے(۳) البتہ یہ نفع بوجہ اس کے کہ مال غیر میں تصرف بلا اذن تھا جائز نہ ہوگا، بلکہ اس کا تصدق واجب ہوگا(۴) پھر عبدالحمید جب کچھ روپے لیکر جدا ہوا ہے اس وقت ترکہ زید کا جس قدر موجود تھا اس میں عبدالحمید کا حصہ دیکھنا چاہئے کس قدر تھا، اگر دونوں برابر ہیں تو حساب برابر ہوا، اور اگر دونوں میں

---

(۱) **ولو وهب رجل شيئا لأولاده في الصحة...... روي عن أبي حنيفة أنه لابأس به.** (هندية، كتاب الهبة، الباب السادس، مكتبة زكريا ديوبند قديم ٤/٣٩١، جديد ٤/٤١٦)

شامي، كتاب الوقف، مطلب مهم في قول الواقف على الفريضة، كراچي ٤/٤٤٤، مكتبة زكريا ٦/٦٦٤۔

حكم الهبة ثبوت الملك للموهوب له. (الفتاوى التاتار خانية: كتاب الهبة، مكتبة زكريا ١٤/ ٤١٣، رقم: ٢١٥٣٧)

(۲) **إن أعيان المتوفى المتروكة عنه مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم.** (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبة اتحاد ديوبند ١/ ٦١٠، رقم: المادة: ١٠٩٢)

(۳) **إذا بذر بعض الورثة الحبوب المشتركة بإذن الكبار أو وصي الصغار في الأراضي الموروثة تصير جملة الحاصلات مشتركة بينهم أما لو بذرها بغير إذن بقية الورثة فالغلة للزارع ولو كان البذر مشتركا.** (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبة اتحاد ديوبند ١/٦٠٩، رقم المادة: ١٠٨٩)

(۴) **عن رافع بن خديج أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من زرع في أرض قوم بغير إذنهم فليس له من الزرع شئ وله نفقة.** (جامع الترمذي، أبواب الأحكام، باب ماجاء من زرع في أرض قوم بغير إذنهم، النسخة الهندية ١/٢٥٣، دارالسلام رقم: ١٣٦٦)

ولو آجر الزوج المهر بغير إذن المرأة فالأجرة له...... كالغاصب إذا آجر المغصوب ويتصدق بالأجرة لأنها مال حصل بسبب محظور وهو التصرف في ملك الغير بغير إذنه فيتمكن فيه الخبث فكان سبيله التصدق به. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، بيان مايسقط به نصف المهر۔ مكتبة زكريا ديوبند ٢/٥٩٧، كراچي ٢/٢٩٩)

تفاوت ہے تو کمی بیشی کا حساب بقیہ ورثہ سے رہے گا، اسی طرح محمد سلیم کے جدا ہونے کے وقت دیکھا جاوے گا، پھر عبدالحمید کے انتقال کے وقت حسب قاعدۂ مذکورہ جس قدر اس کا ترکہ قرار پاوے گا اس کے ورثہ شرعیہ میں منقسم ہوگا، اسی طرح اقلیمہ اور سکینہ کے انتقال کے وقت یہی عملدرآمد ہوگا، اور شرکت فی النفع کے لئے کام کرنے کی ضرورت نہیں، صرف رضا بشرط بلوغ کی ضرورت ہے، پس جو لڑکے نابالغ تھے اُن کے مال میں تجارت کرنے کا بھائیوں کو حق حاصل نہیں، اسی طرح جو راضی نہ تھے (۱)، اس لئے نہ وہ نفع میں شریک ہوں گے نہ اُن پر قرضہ مہاجن کا پڑے گا، باقی ورثہ نفع اور قرضہ دونوں میں شریک ہوں گے (۲) واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم ۔ (امداد، ج ۳، ص ۱۲۰)

ترکہ میں مہر وغیرہ پر حق مرتہن مقدم ہے

(یہ مسئلہ جلد سوم کتاب الرہن صفحہ ۳۸۵ میں گذر چکا ہے۔ (۳)

مہر میں وراثت کا حکم

سوال (۴) (۲۷۳۵): قدیم ۴/ ۳۴۶ - مسماۃ زاہدہ بانو یک برادرزادہ و دو دختر وارث گذاشتہ فوت شدہ وسوائے زر نقد بابت مہر خود چیزے ترکہ نہ کردہ، پس دریں صورت درعوض مہر میّت مزبورہ بدختران چہ قدر میرسد و بر برادرزادہ چندروز مہر بمال متروکہ محسوب است یا چگونہ؟ بینوا توجروا

(۱) **كل من الشركاء في شركة الملك أجنبي في حصة سائرهم فليس أحدهم وكيلا عن الآخر ولايجوز له من ثم أن يتصرف في حصة شريكه بدون إذنه.** (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبة اتحاد ديوبند ۱/ ۶۰۱، رقم المادة: ۱۰۷۵)

هندية، كتاب الشركة، الباب الأول، الفصل الأول، مكتبة زكريا قديم ۲/ ۳۰۱، جديد ۲/ ۳۱۱۔

(۲) **إذا أخذ أحد الورثة مبلغا من نقود التركة قبل القسمة بدون إذن الآخرين وعمل فيه وخسر كانت الخسارة عليه كما أنه إذاربح لايسوغ لبقية الورثة أن يقاسموه الربح.** (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبة اتحاد ديوبند ۱/ ۶۱۰، رقم المادة: ۱۰۹۰) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

(۳) یہ مسئلہ امدادالفتاوی جدید سوال ۲۰۸۸ کے تحت موجود ہے۔

(۴) **ترجمۂ سوال**: - زاہدہ بانو کا انتقال ہوا، ورثہ میں ایک بھتیجہ اور دو لڑکیاں چھوڑیں، اور ترکہ میں اپنے مہر کی قیمت کے علاوہ کچھ بھی نہیں چھوڑا، تو اس صورت میں مذکورہ میت کے مہر کے بدل میں سے لڑکیوں کو کتنا ملے گا اور بھتیجے کو کتنا؟ اور مہر کی قیمت ترکہ میں شمار ہوگی یا اور کوئی حکم ہوگا؟ بینوا توجروا

الجواب: (۱) زر مہر ہمچو دیگر اموال مملوکہ در مال متروکہ محسوب است در ترکہ شمار خواہد شد (۲) پس زر نقد گذاشتہ میت مع مہر ہمہ را ترکہ قرار دادہ بر سہ حصہ منقسم خواہد شد، دو ثلث بدو دختر (۳) و یک ثلث باقی بہ برادر زادہ خواہد رسید (۴) پس مسئلہ از سہ شد و اینان را اختیار است کہ از زوج متوفیہ تقاضا مہر کردہ وصول کنند واللہ اعلم۔

۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۳۰۰ھ (امداد، ج ۳، ص: ۱۲۲)

---

(۱) **جواب کا ترجمہ**: زر مہر کو دوسرے اموال کی طرح ترکہ میں شمار کیا جائے گا؛ لہٰذا نقدی روپیہ اور مہر کے پیسے سب کو ترکہ قرار دے کر تین حصوں میں تقسیم کردیں گے، دو ثلث تو دونوں لڑکیوں کو مل جائے گا، اور باقی ایک ثلث بھتیجہ لے لے گا تو مسئلہ تین سے بنا، اور ان کو اختیار ہے کہ متوفیہ کے شوہر سے مہر کا مطالبہ کر کے اپنا اپنا حصہ وصول کرلیں۔

(۲) **كما أن أعيان المتوفي المتروكة عنه مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم كذلك يكون الدين الذي له في ذمة آخر مشتركا بينهم على قدر حصصهم.** (شرح المجلة لسليم رستم باز، الفصل الثالث في الديون المشتركة، مكتبة اتحاد ديوبند ۱/ ۶۱۰، رقم المادة: ۱۰۹۲)

(۳) **وأما لبنات الصلب فأحوال ثلٰث النصف للواحدة والثلثان للإثنين فصاعدة الخ.**

(السراجي، في الميراث، فصل في النساء، مكتبة رحيمية ديوبند ص: ۱۰، ۱۱)

وأما النساء فالأولي: البنت ولها النصف إذا انفردت وللبنتين فصاعدا الثلثان. (هندية، كتاب الفرائض، الباب الثاني، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۶/ ۴۴۸، جديد ۶/ ۴۴۱)

البحرالرائق، كتاب الفرائض، كوئٹه ۸/ ۴۹۴، مكتبة زكريا ديوبند ۹/ ۳۷۴-۳۷۵۔

(۴) **والعصبة كل من يأخذ ماأبقته أصحاب الفرائض وعند الانفراد يحرز جميع المال.** (السراجي، مكتبة رحيمية ديوبند ص: ۵)

ثم العصبات بأنفسهم أربعة أصناف: جزء الميت، ثم أصله ثم جزء أبيه ثم جزء جده ويقدم الأقرب فالأقرب منهم بهذا الترتيب. (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، كراچي ۶/ ۷۷۴، مكتبة زكريا ديوبند ۱۰/ ۵۱۸)

والعصبة أربعة أصناف عصبة بنفسه وهو جزء الميت وأصله وجزء أبيه وجزء جده الأقرب......فأما الكلام في العصبة بنفسها فنقول أولى العصبات بالميراث الابن ثم ابن الابن وإن سفل ثم الأب...... ثم الأخ لأب وأم ثم لأب وابن الأخ لأب وأم. (البحرالرائق، كتاب الفرائض، مكتبة زكريا ديوبند ۹/ ۳۸۱، كوئٹه ۸/ ۴۸۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سرکاری عطیہ میں میراث کا حکم

(۱) **سوال** (۲۷۳۶): قدیم ۴/ ۳۴۶- خدمت قضاءت حسب فرمان سلطان بنام زید مقرر بود و زید چہار پسر داشت مسمیون عمرو و بکر و خالد و محمود و ازاں جملہ عمرو پسر کلاں روبروئے زید بحصول سند سرکار بر انعام خدمت مذکورہ قابض گردیدہ بموجب وصیت زید نصف معاش خدمت مذکورہ در قبضہ خود داشتہ در باقی نصف معاش بہ بکر و خالد و محمود علی السویہ برائے قوت بسری آنہا تقسیم کردہ داد مگر اسناد سرکاری بشروط کلہم معاش بنام عمرو حاصل می شد بعد فوت عمرو ابراہیم پسرش بدستور پدر بحصول اسناد سرکاری بشروط کلہم معاش بر نصف حصہ خود تا حالت تحریر قابض و متصرف است پس در ملک مشروط الخدمت سوائے عمرو و ابراہیم صاحب سند بہ برادران و اعمام آنہا حصہ از روئے شرع شریف جو از می شود یا نہ، و اگر ابراہیم بموجب سند خود معاش منقسم از بکر و خالد و محمود واپس کردن خواہد دعوی ابراہیم در معاش منقسمہ درست می گردد یا نہ؟ و فی زماننا حکام سرکار آصفیہ حصہ در ملک مشروط الخدمت می کنند ایں چہ جواب موافق کتب ہائے معتبر و فقہ ہائے مسجّل زیر سطور ہذا زیب و مزین خواہند فرمود؟ بینوا توجروا

---

(۱) **ترجمۂ سوال**:- شاہی فرمان کے مطابق قضاء کی خدمت زید کے سپرد تھی، اور زید کے چار لڑکے ہیں، عمرو بکر، خالد اور محمود ان میں سے بڑا لڑکا عمرو زید کے سامنے ہی سرکاری سرٹیفکٹ لے کر مذکورہ خدمت (قضاء) کے انعام پر قابض ہو گیا، زید کی وصیت کے مطابق عمرو نے مذکورہ خدمت کی نصف آمدنی اپنے قبضہ میں رکھی، اور باقی نصف بکر، خالد اور محمود کو زندگی گذارنے کی خاطر برابر برابر تقسیم کر کے دے دیا، مگر تمام شرائط کے ساتھ سرکاری سرٹیفکٹ میں آمدنی عمرو کے نام پر ہی آتی ہے عمرو کے انتقال کے بعد اس کا لڑکا ابراہیم باپ کی طرح تمام شرائط کے ساتھ سرکاری سرٹیفکٹ حاصل کر لینے کی وجہ سے آمدنی میں سے اپنے نصف حصہ پر تادم تحریر قابض و متصرف ہے، تو خدمت کے ساتھ مشروط ملکیت میں سرٹیفکٹ والے عمرو اور ابراہیم کے علاوہ ان کے بھائیوں اور چچاؤں کا بھی شرعا کوئی حصہ بنتا ہے یا نہیں؟ اور اگر ابراہیم اپنی سند کی بنا پر تقسیم شدہ (بقیہ نصف) معاش اور آمدنی کو بکر، خالد اور محمود سے واپس لینا چاہے تو تقسیم شدہ معاش میں ابراہیم کا دعوی درست ہو گا یا نہیں؟ اور ہمارے زمانے میں سرکار آصفیہ کے حکام خدمت کے ساتھ مشروط ملکیت میں حصہ کرتے ہیں تو یہ کیسا ہے؟ ان مسائل سے متعلق مدون فقہ اور معتبر کتابوں کے موافق جواب تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا

(۱) **الجواب:** ملک کہ زید قاضی رااز سرکار عطا شداگر سرکار زید را مالک کردہ است بعد وفات در و میراث جاری خواہد شد و ہمہ وارثانش مستحق حصص خود ہا خواہند شد (۲)، واگر آں ملک از سرکار بمقابلہ ہمیں خدمت است پس ہر کہ برآں خدمت مقرر باشد ہماں مستحق است بشرط اذن سرکار آصفیہ ودر و میراث جاری نخواہد شد۔ (۳) فقط واللہ اعلم

۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۳۰۰ھ (امداد، ج ۳،ص:۱۲۲)

---

(۱) **ترجمۂ جواب:** -سرکار کی طرف سے قاضی زید کو جوملکیت ملی ہے اگر سرکار نے زید کو (انعام کے طور پر) مالک بنایا ہے تو وفات کے بعد اس میں وراثت جاری ہوگی، اور زید کے تمام ورثاء اپنے اپنے حصوں کے مطابق اس ملکیت کے حق دار ہوں گے، اور اگر وہ ملکیت سرکار سے اسی خدمت (قضاء) کے بدلے ملی ہے تو جو شخص اس خدمت کے لئے مامور ہوگا وہی شخص اس کا مستحق ہوگا، بشرطیکہ سرکار آصفیہ کی طرف اجازت ہواور اس میں میراث جاری نہیں ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

(۲) **لأن التركة في الاصطلاح ماتركه الميت من الأموال صافيا عن تعلق حق الغير بعين من الأموال.** (شامي، كتاب الفرائض، كراچي ٦/٧٥٩، مكتبة زكريا ديوبند ١٠/٤٩٣)

إن الأصل الأول في نظام الميراث الإسلامي: أن جميع ماترك الميت من أملاكه ميراث للورثة . (تكمله فتح الملهم، كتاب الفرائض، جميع ماترك الميت ميراث، مكتبة اشرفية ديوبند ٢/٤)

إن أعيان المتوفي المتروكة عنه مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم. (شرح المجلة لسليم رستم باز، مكتبة اتحاد ديوبند ١/٦١٠، رقم المادة: ١٠٩٢)

(۳) **ولايصح الصلح والاعتياض لأن الاعتياض عن حق الغير لايصح ولايجري فيه الإرث لأن الإرث إنما يجري في المتروك من ملك أوحق للمورث على ماقال عليه الصلاة والسلام: من ترك مالا أوحقا فهو لورثته ولم يوجد شيئ من ذلك فلا يورث الخ.** (بدائع الصنائع، كتاب الحدود، قبيل مقدارالواجب منها، مكتبة زكريا ديوبند ٥/٥٢٣، كراچی ٧/٥٧)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ترکہ نبویہ سے متعلق حدیث کا حل

سوال (۲۷۳۷): قدیم ۴/ ۳۴۷ - احقر نے حدیث مالک بن اوس (۱) کے متعلق دریافت کیا کہ حضرت اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ وحضرت عباسؓ کوابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث **لانورث الخ** سے تسکین نہیں ہوئی اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حضور میں آکر وراثت کے دعویدار ہوئے، جب انہوں نے بھی حدیث **لانورث** کی بناء پراُن کے دعوے کو خارج کردیا تو اب بھی ان کو تسکین نہ ہوئی، اورانہوں نے تیسری مرتبہ پھر وراثت کا دعوی کیا، یہ تو ناممکن ہے کہ ان حضرات نے شیخین کو روایت حدیث میں جھوٹا سمجھا ہو، کیونکہ اگر واقعی اُن کی جلالت وعظمت سے قطع نظر بھی کرلی جاوے تب بھی امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کا جواُن کی نسبت عقیدہ ہے وہ یہی ہے کہ شیخین تمام امت سے افضل ہیں، چنانچہ وہ کوفہ کے منبر پر **علی رؤس الاشھاد** اس کا اعلان فرماتے تھے (۲)، اورایک حدیث میں فرماتے ہیں کہ جو شخص مجھ سے یہ حدیث بیان کرتا ہے میں اس سے قسم لیتا ہوں مگر **حدثنی ابوبکر و صدق ابوبکر الخ** (۳) پس لامحالہ اُن کو کوئی اور شبہ ہوگا، پس میں وہ شبہ دریافت کرنا چاہتا ہوں، اس وقت مجھے شیعوں کو جواب دینا مقصود نہیں، کیونکہ شیعوں کے لئے تو وہ جواب موجود ہیں کہ وہ دم بھی نہیں مارسکتے؛ بلکہ مقصود صرف حضرت علیؓ وعباسؓ کا اپنی تسکین کے لئے عذر معلوم کرنا ہے؟

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب فرض الخمس، النسخة الهندية ۱/ ۴۳۵، رقم: ۲۹۹۵، ف: ۳۰۹۴۔

صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب حكم الفيئ، النسخة الهندية ۲/ ۹۰، بيت الأفكار الدولية رقم: ۱۷۵۷۔

(۲) **عن عبد خير قال: سمعت عليا يقول على المنبر: خير هذه الأمة بعد نبيها أبوبكر وعمر.** (مسند احمد بن حنبل، بيروت ۱/ ۱۲۹، رقم: ۱۰۶۰)

(۳) سنن ترمذي، أبواب الصلاة، باب ماجاء في الصلاة عند التوبة، النسخة الهندية، ۱/ ۹۲، دارالسلام رقم: ۴۰۶۔

اس کے جواب میں ارشاد فرمایا

کہ روایت صحاح میں اس کی کہیں تصریح نہیں ہے کہ ان حضرات نے صراحۃً حضرت عمرؓ کے اجلاس میں وراثت کا دعویٰ کیا، اس لئے یوں کہا جاوے کہ ان کو عدم موروثیت ترکہ نبوی کی تصدیق تو ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں ہی ہوگئی تھی، اور امیر المومنین عمر بن الخطابؓ کے اجلاس میں ابتداء یہ طلب تولیت کے لئے تشریف لائے تھے، مگر اپنے مقصود کو انہوں نے صاف صاف لفظوں میں ظاہر نہیں کیا بلکہ یوں کہا:

ادفعها إلينا كما فى صحيح مسلم. (۱)

پس چونکہ یہ الفاظ دعوی میراث اور طلب تولیت دونوں کا احتمال رکھتے تھے اور خلافت صدیقی میں یہ لوگ وراثت کا دعویٰ کر بھی چکے تھے، اس سے امیر المومنین یہی سمجھے کہ اب بھی یہ میراث ہی کا دعویٰ کر رہے ہیں، اس لئے امیر المومنین نے فرمایا کہ وراثت تو میں تم کو حدیث لا نورث کی وجہ سے نہیں دے سکتا، ہاں اگر تم چاہو تو تولیت دے سکتا ہوں، چونکہ ان کا مقصود دعویٰ میراث کا تھا ہی نہیں بلکہ طلب تولیت ہی مقصود تھی جس کو امیر المومنین نے خود منظور کرلیا، نیز انہوں نے سمجھا کہ اس وقت یہ کہنا کہ ہمارا مقصود دعویٰ وراثت نہ تھا جیسا کہ آپ نے سمجھا ایک گونہ خلاف ادب ہے، کیونکہ بلا ضرورت تغلیط ہے امیر المومنین کے خیال کی، اس لئے انہوں نے اپنے مقصد کی توضیح کی ضرورت نہ سمجھی، اور تولیت قبول کر کے چلے آئے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے قبول تولیت ہی کو اپنے مدعا کی توضیح کے لئے کافی سمجھا ہو اس لئے الفاظ سے توضیح کی ضرورت نہ سمجھی ہو، غرض کہ یہ تولیت لے کر آئے، کچھ دنوں کے بعد حضرت علیؓ وعباسؓ میں تولیت کے متعلق جھگڑا ہوا، اور یہ دونوں طلب تقسیم تولیت کے لئے خدمت امیر المومنین میں حاضر ہوئے، اس وقت بھی انہوں نے اپنے مقصد کی توضیح نہیں کی، بلکہ حضرت عباسؓ نے ان الفاظ سے حضرت علیؓ کی شکایت کی۔

يا أمير المومنين أرحني من هذا الكاذب الأثم الغادر الخائن كما فى صحيح مسلم. (۲)

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب حكم الفيئ، النسخة الهندية ۲/ ۹۰-۹۱، بيت الأفكار الدورليته رقم: ۱۷۵۷-

(۲) صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب حكم الفيئ، النسخة الهندية ۲/ ۹۰، بيت الأفكار الدولية رقم: ۱۷۵۷-

چونکہ اولاً یہ خلافت صدیقی میں دعویٰ وراثت کر چکے تھے، اور اس کے بعد ایک مرتبہ خود امیر المؤمنین کے اجلاس میں انہوں نے مجمل الفاظ میں تولیت طلب کی تھی، جس کو امیر المؤمنین نے دعویٰ وراثت سمجھا تھا، اور اُن کے خیال کی غلطی بوجوہ مذکورہ ظاہر نہ ہوئی تھی، اس لئے انہوں نے اس نزاع کو بھی دعوی وراثت سے متعلق سمجھا اور چونکہ امیر المومنین کے خیال میں اُن کا دعوی وراثت دو دفعہ بحدیث نبوی خارج ہو چکا تھا اس لئے ان کے بار بار دعویٰ کرنے پر امیر المومنین کو غصّہ آ گیا، اور آپ نے ابطال دعویٰ وراثت کے لئے اس قدر اہتمام کیا، کہ جو دعویٰ کرتے تھے ان کو حاضرین جلسہ اور خود اُن متنازعین سے تسلیم کرا لیتے تھے، جب یہ لوگ اس دعوے کو تسلیم کر لیتے تھے تب دوسرا دعویٰ کرتے تھے اسی گفتگو کے ضمن میں امیر المومنین نے معاتبانہ طور پر یہ بھی فرمایا کہ تم نے اوّلاً ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجلاس میں وراثت کا دعویٰ کیا، انہوں نے تمہارے دعوے کو حدیث لانورث کی بنا پر خارج کیا، مگر تم نے دوبارہ پھر میرے یہاں وراثت کا دعویٰ کیا، چونکہ اس دعوے کی کوئی اور وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے انہیں **کاذب و آثم و خائن و غادر** سمجھا، اور جب میں نے بھی تمہارے دعوے کو اسی حدیث کی بنا پر خارج کر دیا اور تم کو تولیت دیدی، تو اب پھر تم وہی دعویٰ لے کر آئے ہو، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے مجھے بھی **کاذب و آثم و خائن و غادر** سمجھا، کیونکہ اس کے علاوہ میرے فیصلہ کو منظور نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی، پس خواہ تم ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور مجھے کاذب و آثم و غادر و خائن سمجھو، جیسا کہ تمہارے بار بار دعوی وراثت کرنے سے معلوم ہوتا ہے، مگر خدا شاہد ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی صادق و بار و راشد و تابع للحق تھے اور میں بھی، پس جب کہ سابق فیصلے مطابق حکمِ خدا و رسول ہیں تو اب میں انہیں منسوخ نہیں کر سکتا، تم کو تولیت منظور ہو رکھو، نہ منظور ہو میرے حوالے رکھ دو، میں خود نبٹ لوں گا۔ (۱)

---

(۱) عن مالک بن أوس قال: أرسل إليَّ عمر بن الخطاب فجئته...... فقال: هل لک في عباس وعلي قال: نعم فأذن لهما. فقال عباس: يا أمير المؤمنين: اقض بيني وبين هذا الكاذب الآثم الغادر الخائن. فقال القوم: أجل يا أمير المؤمنين فاقض بينهم وأرحهم. فقال مالک بن أوس: يخيل إلى أنهم قد كانوا قد موهم لذلک. فقال عمر: اتئدا أنشد كم بالله الذي ←

امیر المومنین چونکہ ذاتی طور پر بھی باہیبت تھے اور رعب حکومت اور غصہ نے اس کو اور بھی بڑھا دیا تھا، اور اس کے ساتھ ان حضرات کو ان کا ادب بھی ملحوظ تھا، ان وجوہ سے ان کو اس وقت بھی یہ کہنے کی جرأت نہ ہوئی، کہ امیر المومنین! ہم وراثت کے مدعی ہو کر نہیں آئے بلکہ تقسیم تولیت کی درخواست کے لئے آئے ہیں، اس لئے حضرت عباسؓ نے جو کہ مدعی ہو کر آئے تھے اپنے دعوے سے دستبرداری دیدی، اور تولیت پوری امیر المومنینؓ کے قبضہ میں آ گئی۔ یہ قصّہ ہے، اس میں نہ حضرت عباسؓ وعلیؓ پر کوئی شرعی الزام عائد ہوتا ہے نہ شیخینؓ پر، بلکہ حضرت عمرؓ سے اُن کے مقصد سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی، جس میں وہ معذور تھے، اور حضرت علیؓ وعباسؓ سے اپنے مدعا کی توضیح نہ کرنے میں کوتاہی ہوئی جس میں وہ بھی معذور تھے۔ انتہیٰ

ما أفاده عم فيضه وطال بقائه على رؤس المستفيدين مع توضيح.

← بإذنه تقوم السماء والأرض أتعلمون أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لانورث ماتركنا صدقة قالوا: نعم ثم أقبل على العباس وعلي فقال: انشد كما بالذي بإذنه تقوم السماء والأرض أتعلمان أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لانورث ماتركنا صدقة قالا نعم...... قال: فلما توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم قال أبوبكر: أنا ولي رسول الله صلى الله عليه وسلم فجئتما تطلب ميراثک من ابن أخيک ويطلب هذا ميراث امرأته من أبيها فقال أبوبكر: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مانورث ماتركناه صدقة فرأيتماه كاذبا آثما غادرا خائنا والله يعلم إنه لصادق بار راشد تابع للحق ثم توفي أبوبكر وأنا ولي رسول الله صلى الله عليه وسلم وولي أبي بكر فرأيتماني كاذبا آثما غادرا خائنا والله يعلم إني لصادق بار راشد تابع للحق ثم جئتني أنت وهذا، وأنتما جميع وأمركما واحد فقلتم ادفعها إلينا فقلت: إن شئتم دفعتها إليكم على أن عليكما عهدالله أن تعملا فيها بالذي كان يعمل رسول الله صلى الله عليه وسلم: فأخذتما ها بذلک، قال: أكذلک قالا: نعم قال: ثم جئتما ني لأقضى بينكما، ولا والله لاأقضي بينكما بغير ذلک حتى تقوم الساعة، فإن عجزتما عنها فرداها إلي.

(صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب حكم الفئ، النسخة الهندية ۲/ ۹۰-۹۱، بيت الأفكار الدولية رقم: ۱۷۵۷)

اس کے بعد میں نے روایت: **غضبت فاطمة و هجرته ولم تكن مهاجرة حتى توفيت أو نحوه.** (۱) کا جواب چاہا، تو اس کے جواب میں افادہ فرمایا کہ:

ان کی نسبت یہ تو خیال نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے حدیث رسول اللہ ﷺ سننے کے بعد بھی اپنے دعوے وراثت پر اصرار کیا ہو، اور یہ غصہ اور ہجر اس وجہ سے ہوا ہو کہ ان کو حصہ کیوں نہیں دیا گیا اور یہ بھی خیال نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے ہجر ممنوع شرعی کا ارتکاب کیا ہو، کیونکہ یہ دونوں باتیں اُن کی جلالتِ شان سے نہایت ہی بعید ہیں، اس لئے بر تقدیر صحت واقعہ و **عدم خطاء الناقل في الفهم** یوں کہا جاوے گا کہ نازک مزاج شہزادی تھیں، یہ عتاب اُن کا بطور ناز کے تھا جو اپنے مخلصین پر ہوتا ہے، اور وجہ اس کی ان کا یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکرؓ نے مخلص ہو کر ہم سے ضابطہ کا برتاؤ کیوں کیا، اُن کو زیبا تھا کہ جب ہم ترکہ کے مستحق نہ ٹھہرے تھے تو ہمیں خشک جواب دیتے اور نرمی سے فرماتے کہ ترکہ دینے سے تو میں اس لئے معذور ہوں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے مال میں میراث جاری نہیں ہو سکتی، ہاں آپ اطمینان رکھیں، میں دوسرے طریقوں سے آپ کی خدمت کروں گا اس وقت نہ حضرت فاطمہؓ پر کوئی شرعی الزام ہے، نہ ابو بکر صدیق پر، رہی یہ بات کہ پھر ابو بکر صدیقؓ نے ایسا کیوں نہ کیا، اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ جس قدر حضرت فاطمہؓ نے درخواست کی تھی اتنی ہی بات کے جواب کو انہوں نے کافی سمجھا ہو اور اس کی طرف ان کا ذہن نہ پہنچا ہو، کہ اس کا ان کی طبیعت پر کیا اثر ہوگا، اور کوئی دلیل بھی اس کی نہ تھی، کہ خواہ مخواہ یہ طرز انہیں ناگوار ہوگا، نیز شرعاً ان کے ذمہ واجب بھی نہ تھا، اور یہ بات کہ معلوم ہونے کے بعد انہوں نے معذرت کیوں نہ کی، سو اول تو اس کا وہی جواب ہے کہ شرعاً اُن پر واجب نہ تھی، دوسرے اس کی کوئی دلیل نہیں کہ انہوں نے معذرت نہیں کی، ممکن ہے کہ انہوں نے معذرت کی ہو، مگر حضرت فاطمہؓ کے دل سے یہ تکدّر جو محض ناز کے طور پر تھا نہ گیا ہو،

---

(۱) عن عائشة أم المؤمنين رضى الله عنها، أن فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم سألت أبابكر الصديق بعد وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يقسم لها ميراثها ماترك رسول الله صلى الله عليه وسلم مما أفاء الله عليه فقال لها أبوبكر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لانورث ماتركنا صدقة، فغضبت فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم فهجرت أبا بكر فلم تزل مهاجرته حتى توفيت (الحديث) (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب فرض الخمس، النسخة الهندية، ۱/۴۳۵، رقم: ۲۹۹۴، ف: ۳۰۹۲-۳۰۹۳)

اور یہ واقعہ اس لئے منقول نہ ہوا ہو کہ سلف نے محض واقعات کی روایت کا چنداں اہتمام نہیں کیا، اُن کی ہمتیں نقلِ احکام یا اُن واقعات کی نقل میں مصروف تھیں جن کو احکام سے تعلق ہے، یا زائل ہو گیا ہو جیسا کہ روایت شعبی سے معلوم ہوتا ہے۔

كذا في فتح الباري ج: ٦. كتاب فرض الخمس. (١)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کی اطلاع نہ ہوئی ہو۔ واللہ اعلم انتہی بزیادۃ ما

۱۲/ شعبان ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامس ص:۲۱)

ورثہ کے حق میں مال حرام کا حکم

سوال (۲۷۳۸): قدیم ۴/۳۵۰- باپ نے بذریعہ حلال یا حرام کچھ مال حاصل کیا تھا، بیٹوں کو تحقیقی طور سے معلوم ہوا کہ ذریعہ حرام سے مال حاصل کیا، اس صورت میں بیٹوں کو وہ مال لینا حلال ہے یا حرام؟

الجواب: ہر چند بعض فقہاء نے مطلقاً مال حرام کو وارث کے لئے حلال کہا ہے، لیکن یہ روایت صحیح نہیں، مفتٰی بہ اور معتمد یہ ہے کہ اُن کے لئے بھی حرام ہے، پس اگر ارباب حقوق ورثہ کو معلوم ہیں تو اگر بعینہ اُن کی چیز محفوظ ہو تو اس کو ورنہ اس کی قیمت واپس کر دیں، اور اگر معلوم نہیں تو اگر مال حرام معیّن اور متمیز ہے تو اس کو مالک کی نیت سے تصدق کر دیں، اور اگر مخلوط غیر متمیز ہے تو اگر اس کی مقدار قیمت معلوم ہے اس کو تصدق کر دیں ورنہ تخمینہ کر کے تصدق کر دے انشاء اللہ تعالیٰ آخرت میں مواخذہ نہ ہوگا۔

---

(١) روي البيهقي من طريق الشعبي: أن أبابكر عاد فاطمة فقال لها علي: هذا أبوبكر يستأذن عليك قالت: أتحب أن آذن له؟ قال: نعم فأذنت له، فدخل عليها فترضاها حتى رضيت، وهو وإن كان مرسلا فإسناده إلى الشعبي صحيح وبه يزول الإشكال في جواز تمادي فاطمة عليها السلام على هجر أبي بكر. (فتح الباري، كتاب فرض الخمس، باب فرض الخمس، مكتبة اشرفية ديوبند ٦/٢٤٨، تحت رقم الحديث: ٣٠٩٣، دارالريان لتراث القاهرة ٦/٢٣٣)

السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب قسم الفيء والغنيمة، باب بيان مصرف أربعة أخماس الفيء الخ، دارالفكر بيروت ٩/٤٣٦، رقم: ١٣٠٠٥ ـ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

لانـأخذ بهذه الرواية وهو حرام مطلقاً على الورثة فتنبه درمختار (ا)، في الشامي بعد البحث الطويل الحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم وإلا فإن علم عين الحرام لايحل له ويتصدق به بنيةصاحبه وإن كان مالا مختلطاً مجتمعاً من الحرام والحلال ولا يعلم أربابه ولا شيئًا منه بعينه حل حكمًا والأحسن ديانة التنزه عنه. انتهى (۲) فى الدرالمختار عليه ديون ومظالم جهل أربابها فعليه التصدق بقدرها وسقط عنه المطالبة في العقبى. (۳) واللہ اعلم

۸/صفر ۱۳۰۴ھ (امداد، ج۳،ص:۱۲۳)

(ا) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ۳۸٦/٦، مكتبة زكريا ديوبند ۵۵٤/۹ـ

ولسنا نأخذ بهذه الرواية بل هو حرام مطلق على الورثة. (المحيط البرهاني، كتاب الكراهية والاستحسان، الفصل الرابع عشر، المجلس العلمي ٦٣/۸، رقم: ۹۵۹٤)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع عشر، مكتبة زكريا ديوبند ۱۵۷/۱۸، رقم: ۲۸۳٤۸ـ

(۲) شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراما، مكتبة زكريا ديوبند ۳۰۱/۷، كراچي ۹۹/۵ـ

صرح الحنفية بأنه إذا مات الرجل وكسبه خبيث...... فالأولى لورثته أن يردوا المال إلى أربابه فإن لم يعرفوا أربابه تصدقوا به لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه وفي البزازية: إن علم المال الحرام بعينه لايحل له (للوارث) أخذه وإن لم يعلمه بعينه أخذه حكما وأما في الديانة فإنه يتصدق به بنية الخصماء. (الموسوعة الفقهية الكويتيه ۲٤٦/۳٤)

بزازية على هامش الهندية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۳٦۰/٦، جديد ۲۰۳/۳-۲۰٤ـ

(۳) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب اللقطة، مكتبةزكريا ديوبند ٤٤۳/٦، كراچي ۲۸۳/٤ـ

مجمع الأنهر، كتاب اللقطة،قبيل كتاب الآبق، دارالكتب العلمية بيروت ۵۳۱/۲

الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۳۵/۲٦ـ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تحقیق تقسیم صنف ثالث ذوی الارحام مختلف الاصول

سوال (۲۷۳۹): قدیم ۴/۳۵۰- رمضانی بیگم فوت شد و یک دختر برادر و یک پسرِ خواہر و یک دختر خواہر دیگر کہ ہمہ از بنی اعیان بودہ اند بگذاشت اندریں صورت بچہ طور ترکہ میت خواہد گشت؟

الجواب: مسئلہ ۴ رمضانی بیگم

میــت

بنت اخ	ابن اخت	بنت اخت
۲	۱	۱

جواب دیگر

مسئلہ ۴ رمضانی بیگم

میــت

ابن اخت	بنت اخ	بنت اخت
۲	۱	۱

جواب دیگر (*)

مسئلہ ۴ تصح من ۱۲ رمضانی بیگم

میــت

بنت اخ	ابن اخت		بنت اخت
۲/۶	۴	بینہما اثلاثا	۲

(*) یہ تینوں جواب مختلف مجیبوں کے لکھے ہوئے سوال ساتھ آئے تھے، سائل کا مقصود ان احقر کا جواب اقوال سے شروع ہوا ہے۔

اقول مثنیا و مسلما یہ ورثہ ذوی الارحام صنف ثالث سے ہیں، اور قرب الی المیت اور ولدیت عصبہ وقوت قرابت میں برابر لیکن مختلف الاصول ہیں، اس صورت میں امام ابو یوسفؒ ابدان فروع کا لحاظ کر کے للذکر مثل حظ الأنثيين تقسیم فرماتے ہیں، اور امام محمدؒ اصول پر تقسیم کر کے ذکور کو ایک طائفہ اناث کو ایک طائفہ فرض کر کے ہر ایک کے فروع کو للذكر مثل حظ الأنثيين دیتے ہیں۔

وإن كانوا من بني الأعيان أو بني العلات أو بني الأخياف يقسم على الأبدان عند أبي يوسف رحمه الله وكذلك محمد رحمه الله إن اتفقت أصولهم وإلا فيقسم على الخلاف ثم يجعل الذكور طائفة والإناث طائفة علىٰ قياس ما سبق من الشيخ والعلوى. (۱)

پس جواب ثانی بنا بر مذہب ابو یوسفؒ کے صحیح ہے اور جواب ثالث بنا بر مذہب محمدؒ کے صحیح ہے، اور جواب اول دونوں کے خلاف ہے، اور دونوں مذہبوں کی تصحیح و ترجیح میں اختلاف ہے۔

كما يظهر لمن نظر ضياء السراج.

لیکن صاحب سراجی نے امام محمدؒ کے قول کو ترجیح دی ہے۔

وقول محمه رحمه الله تعالىٰ: أشهر الروايتين عن أبي حنيفة رحمه الله في جميع ذوى الأرحام وعليه الفتوى. (۲) اه قال الشيخ: فالعمل به أولىٰ والله أعلم بالصواب وعنده أم الكتاب والحق فى باب من شان رب الأرباب.

۲۶/محرم ۱۳۵۰ھ (امداد، ج ۳، ص: ۱۲۳)

بیوی کے پاس رکھے ہوئے سامان کا حکم

سوال (۲۷۴۰): قدیم ۴/۳۵۱- علمائے دین متین اس صورت میں نزدیک شریعت کے کیا فرماتے ہیں، سوال اوّل، شیخ بشارت علی نے زوجۂ اولیٰ کے سامنے مقام راجگڑھ سے روپیہ بصیغۂ نوکری پیدا کر کے ایک حویلی پختہ تیار کرائی اور ایک نشست گاہ اور ایک بہل خانہ خرید کیا، اور زوجۂ اولیٰ سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں، اور زندہ ہیں، زوجہ مذکورہ نے انتقال کیا۔

---

(۱) ضياء السراج، شرح السراجي، فصل في الصنف الثالث، مطبوعة پٹکا پور کانپور ص: ۴۸۔

(۲) السراجی، باب ذوي الأرحام، فصل في الصنف الأول، مكتبة رحيمية ديوبند ص: ۴۷۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال دوم: بشارت علی نے بعد انتقال زوجہ اُولیٰ کے نکاح ثانی کیا، اور اس سے دو پسر اور ایک دختر پیدا ہوئی، اور مقامِ سندھ سے روپیہ حاصل کیا، اور وہ روپیہ حوالۂ زوجہ ثانیہ رہا، اور دخترِ زوجۂ ثانیہ نے اسی روپیہ سے جائیداد اپنے نام سے خرید کی۔

سوال سوم: ہر دو زوجہ کا مہر حسب دستور شیخ زادگان مبلغ پانچ پانچ ہزار روپے کا مقرر رہوا۔

سوال چہارم: کچھ جائیداد جدی شیخ صاحب موصوف نے چھوڑی، اب اس صورت میں ورثۂ زوجۂ اولیٰ کو کس قدر حصّہ پہونچتا ہے، اور ورثۂ زوجۂ ثانیہ کو کس قدر حصّہ پہونچتا ہے، اور جو جائیداد زوجۂ اولیٰ کے سامنے مندرجہ سوال پیدا کی یا تیار کرائی، اس میں کسی قدر ورثۂ ہر دو زوجہ کو پہونچتا ہے یا نہیں؟ اور جو جائیداد زوجۂ ثانیہ نے بعد انتقال شیخ صاحب مذکور خرید کی، اس میں بھی ورثہ زوجۂ اولیٰ کو پہونچتا ہے یا نہیں؟ اور اگر زوجۂ ثانیہ دعویٰ کرے کہ مجھ کو بطور ہبہ روپیہ دیا ہے تو اس کے ذمّہ گواہ لازم ہیں یا نہیں؟

الجواب: جو روپیہ شیخ بشارت علی نے زوجۂ ثانی کو حوالہ کیا ہے بحکم عرف وہ امانت ہے، صرف حوالہ کرنے سے ملک نہیں ہو جاتا، اور اگر وہ دعویٰ ہبہ وغیرہ کا کرے تو گویا ملکیت شوہر کا اقرار کر کے مدعی انتقال ملک کی ہے، پس گواہ لانے اس پر لازم ہیں،

في الشامي: في بحث اختلاف الزوجين في متاع البيت هٰكذا وفی البدائع وهٰذا كله إذا لم تقر المرأة ان هٰذاالمتاع اشتراه. فإن أقرت بذلک سقط قولها لأنها أقرت بالملک لزوجهاثم ادعت الانتقال إليها فلايثبت الانتقال إلا بالبينة. انتهى

وكذا إذا ادعت أنها اشترته منه كما في الخانية: ولا يخفى أنه لو برهن علىٰ شرائه كان كإقرارها بشرائه فلا بد من بينة على الانتقال إليها منه بهبة ونحو ذٰلک ولا يكون استمتاعها بمشريه ورضاه بذلک دليلاً على أنه ملكها ذٰلک كما تفهمه النساء والعوام وقد أفتيت بذلک مرارا، بحر. شامي جلد رابع، ص: ۴۳۲. (۱)

پس کسی شخص دانا کو حکم مقرر کر کے اس کے روبرو اپنے اس دعوے پر بینہ یعنی گواہ گذارے، اگر وہ بینہ نہ لا سکے تو جو ورثا اس سے نزاع اور مطالبہ روپیہ کا کرتے ہیں وہ اس حکم کے سامنے یہ قسم کھاویں کہ قسم خدا کی ہم کو معلوم نہیں کہ شوہر نے اس کو یہ روپیہ ہبہ کیا ہو،

---

(۱) شامي، كتاب الدعوى، باب التحالف، مكتبة زكريا ديوبند ۳۱٦/۸، كراچي ۵٦۳/۵۔ ←

البينة على المدعي واليمين على من أنكر الحديث. (۱) **وفي الدر المختار مع الشامي: التحليف على فعل نفسه يكون على البنات أي القطع بأنه ليس كذٰلک والتحليف على فعل غيره يكون على العلم أي أنه لا يعلم أنه كذلک لعدم علمه بما فعل به غيره. انتهى جلد رابع ص: ۴۲۶.** (۲)

پس اگرانہوں نے قسم کھا لی تو دعویٰ زوجہ ثانیہ کا مسموع نہ ہوگا، اور وہ امانت ہی قرار دی جاوے گی اوراس میں میراث جاری ہوگی یعنی کل مال متروکہ مع اس روپے کے میراث قرار دے کرحسب تخریج ذیل کل ورثہ میں بقدر حصص تقسیم ہوگا، البتہ اگر وہ اپنے مہر میں رکھنا چاہے بشرطیکہ شیخ بشارت علی نے مہر ادا نہ کیا ہو، اور نہ اُس نے معاف کیا ہو تو بقدر پانچ ہزار روپے کے رکھ سکتی ہے، اس میں کسی کو دعوی نہیں پہو نچتا (۴) اوراسی طرح زوجۂ اولی کا مہر بھی بشرط عدم اداء وعدم ابراء اسی مال متروکہ میں سے نکالا جاوے گا مگر وہ چونکہ

← البحر الرائق، كتاب الدعوى، باب التحالف، كوئٹه ۲۲۵/۷، مكتبة زكريا ديوبند ۳۸۳/۷۔

بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل: اختلاف الزوجين في متاع البيت، قبيل فصل الكفائة، في إنكاح غير الأب، مكتبة زكريا ديوبند ۶۱۲/۲۔

(۱) السنن الكبرى للبيهقي، كتاب القسامة، باب أصل القسامة الخ، دارالفكر بيروت ۲۱۶/۱۲، رقم: ۱۶۹۱۲۔

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الدعوى، مكتبة زكريا ديوبند ۳۰۰/۸، كراچي ۵۵۲/۵۔

والأصل فيه: أن التحليف على فعل نفسه يكون على البتات أي أنه ليس كذلک والبتات القطع، والتحليف على فعل غيره على العلم نفي أي أنه لايعلم أنه كذلک. (مجمع الأنهر، كتاب الدعوى، دارالكتب العلمية بيروت ۳۵۹/۳)

فتح القدير، كتاب الدعوى، فصل في كيفية اليمين والاستحلاف، مكتبة زكريا ديوبند ۲۱۱/۸، كوئٹه ۱۸۸/۷۔

(۳) **المرأة تأخذ مهرها من التركة من غير رضاالورثة، إن كانت التركة دراهم وإن كانت التركة شيئا يحتاج إلى البيع فتبيع ما كان يصلح لتستوفي صداقها.** (خلاصة الفتاوى، كتاب الوصايا، الفصل السابع في الدعوى والشهادة، مكتبة اشرفية ديوبند ۲۴۱/۴)

شوہر کے سامنے مرگئی ہے اس لئے چوتھائی حصّہ یعنی منجملہ پانچ ہزار روپے کے ایک ہزار دوسو پچاس روپے شوہر کو میراث میں آکر معاف ہوگیا (۱)، تین چوتھائی باقی یعنی تین ہزار سات سو پچاس روپے اسی مال متروکہ میں سے نکال کر زوجۂ اولیٰ کے وارثوں یعنی اس کی دونوں لڑکیوں کو اور جو کوئی اس کا شرعاً وارث ہوان کو از روئے فرائض تقسیم کیا جاویگا، پس اب دیکھنا چاہئے کہ ترکہ میں دونوں مہر نکال کر اگر حساب برابر ہو جاتا ہے یا کمی رہتی ہے تو اور ورثہ بالکل محروم ہیں، اور اگر کچھ باقی رہتا ہے تو اس باقی میں اور ورثہ بحسب تخریج ذیل شریک ہوں گے، تخریج حصص کل ورثہ یہ ہے:

مسئلہ ۹۶/۸ شیخ بشارت علی مورث

زوجہ ثانیہ	بنت من الاولی	بنت من الاولی	ابن من الثانیہ	ابن من الثانیہ	بنت من الثانیہ
الف	بے	جیم	دال	ہے	واو
۱/۱۲	۱/۱۲	۱/۱۲	۲/۲۴	۲/۲۴	۱

مسئلہ ۱۲/۶ ۱ : من الثانیہ واو

ام	اخ لاب وام	اخ لاب وام	اخت لاب	اخت لاب
الف	دال	ہے	بے	جیم
۱/۲	۵/۵	۵/۵	م	م

مسئلہ ۹۶

الف	بے	جیم	دال	ہے
۱۴	۱۲	۱۲	۲۹	۲۹

يعني بعد تقديم ما يجب تقديمه شرعاً من التجهيز والتكفين وأداء الدين كالمهر وغيره وتنفيذ الوصية من الثلث.(۲)

---

(۱) المسمى دين في ذمته وقد تأكد بالموت فيقضي من تركته، إلاإذاعلم أنها ماتت أولا فيسقط نصيبه من ذلك (الهداية)وفي هامشه: وهو النصف على تقدير أن لايكون لها ولد والربع إن كان لها ذلك. (هداية كتاب النكاح، باب المهر، قبيل فصل في أحكام النكاح في الكفار، مكتبة اشرفية ديوبند ۲/ ۳۳۷۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة الأول: يبدأبتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ←

ترکہ شیخ بشارت علی مورث اعلیٰ کا اس طرح تقسیم ہوگا کہ منجملہ چھیانوے سہام کے زوجہ ثانیہ کو چودہ (۱) ایک بنت الاولی کو بارہ، دوسری بنت الاولیٰ کو بارہ (۲)، ایک ابن الثانیہ کو اُنتیس، دوسرے ابن الثانیہ کو اُنتیس ملیں گے (۳) فقط واللہ اعلم وھو یقضی بالحق.

۱۴/محرم الحرام ۱۳۰۱ھ (امداد، ج ۳،ص:۱۲۴)

← **ولاتقتير ثم تقضى ديونه من جميع مابقي من ماله ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين ثم يقسم الباقي بين ورثته.** (السراجي، مكتبة رحيمية ديوبند ص:٣-٤)

وكذافي الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الفرائض، مكتبة زكريا ديوبند ٤٩٣/١٠ تا ٤٩٧، كراچي ٧٥٩/٦ تا ٧٦١۔

(۱) قال الله تعالى: وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ الآية . (النساء: ١٢)

أما للزوجات فحالتان: الربع للواحدة فصاعدةعند عدم الولد وولدالابن وإن سفل والثمن مع الولد أو ولد الابن وإن سفل. (السراجي فصل في النساء،مكتبة رحيمية ديوبند ص: ١٠)

وللزوجة الربع عند عدمهما والثمن مع أحدهما. (هندية، كتاب الفرائض، الباب الثامن، مكتبة زكريا ديوبند قديم ٤٥٠/٦، جديد ٤٤٢/٦)

قال الله تعالىٰ: فَاِنْ كَانَ لَهُ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ (النساء: ١١)

وأما للأم فأحوال ثلث: السدس مع الولد أوولد الابن وإن سفل أو مع الاثنين من الإخوة والأخوات فصاعدا من أي جهة كانا الخ. (سراجي، فصل في النساء، مكتبة رحيمية ديوبند ص:١٦-١٧)

وللأم...... السدس مع أحدهما أو مع الاثنين من الإخوة أو من الأخوات الخ. (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الفرائض، مكتبة زكريا ديوبند ٥١٠/١٠، كراچي ٧٧٢/٦)

(۲) قال الله تعالىٰ: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِىْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ (النساء: ١١)

وإذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فيكون للابن مثل حظ الأنثيين. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثاني في ذوي الفروض، مكتبة زكريا ديوبند قديم ٤٤٨/٦، جديد ٤٤١/٦)

تبيين الحقائق، كتاب الفرائض، مكتبة زكريا ديوبند ٤٨٠/٧، امدادية ملتان ٢٣٤/٦۔

(۳) والعصبة كل من يأخذ ما أبقته أصحاب الفرائض، وعند الانفراد يحرز جميع المال. (السراجي، مكتبة رحيمية ديوبند ص:٥) ←

وصیت برائے وارث یا اجنبی واجازت وارث بعد رد

یہ مسئلہ جلد ہذا کے صفحہ ۳۲۹ پر لکھا گیا ہے۔(۱)

کسی کے نام جائیداد خریدنے سے اس کی ملک نہ ہونا اور بعد مرنے کے مثل دوسرے ترکہ کے تقسیم ہونا

یہ مسئلہ بھی امدادالفتاویٰ جلد سوم صفحہ ۱۸ پر لکھا جاچکا ہے۔(۲)

نانی کے بھتیجے کی وراثت کا حکم

سوال (۲۷۴۱): قدیم ۴/۳۵۴- نانی کا برادرزادہ محروم ہیں یا نہیں؟

الجواب : فی الدرالمختار: باب توریث ذوي الأرحام، ثم عمات الأباء والأمهات وأخوالهم (إلیٰ قوله) وأولاد هؤلاء. (۳)

نانی کا برادرزادہ خال الام کی اولاد ہے، پس جو اس پر مقدم ہیں اُن کے فقدان کے وقت اس کو میراث ملے گی اور اُن کے تحقق کے وقت یہ محروم ہوگا۔(۴) فقط

۹/ رمضان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص:۱۹۹)

← **ثم العصبات بأنفسهم أربعة أصناف: جزء الميت: ثم أصله، ثم جزء أبيه ثم جزء جده ويقدم الأقرب فالأقرب منهم بهذا الترتيب.** (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، مكتبة زكريا ديوبند ۱۰/۵۱۸، كراچي ۶/۷۷۴)

وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض، مكتبة زكريا ديوبند ۹/۳۸۱، كوئٹه ۸/۴۸۹۔

(۱) امدادالفتاویٰ، جدید سوال نمبر ۲۷۱۴ر میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) امدادالفتاویٰ، جدید سوال نمبر ۱۶۳۷ر میں ملاحظہ فرمائیں۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۳) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الفرائض، باب توريث ذوي الأرحام، كراچي ۶/۷۹۶، مكتبة زكريا ديوبند ۱۰/ ۵۵۳۔

(۴) **الخامس عمات الأباء والأمهات كلهم وأخوالهم...... وأولاد هؤلاء فأولاهم** ←

قبل ادائے دَین وارث ترکہ کا مالک ہے یا نہیں

سوال (۲۷۴۲): قدیم ۴/۳۵۴- قبل ادائے دَین وارث مالک مال کا ہوگا یا نہیں؟ فقط

الجواب: مالک ہوجاتا ہے، مگراس کی یہ ملک مشغول بحق غیر ہوگی، مثل اصل مورث کے کہ وہ بھی اپنے مال کا مالک تھا، مگر مشغول تھا بحق غیر (۱)

۶/ رمضان ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص:۱۹۹)

زمین عاریت کی بیع باطل ہونا اور وصیت کا ثلث میں جاری ہونا

سوال (۲۷۴۳): قدیم ۴/۳۵۴- زید تین بہنیں رکھتا تھا، منجملہ ان کے ایک بہن کی لڑکی یعنی ہمشیرہ زادی زید کی مسماۃ ہندہ زید سے جو کہ ماموں ہندہ کا تھا، ایک ٹکڑا زمین کا مانگ کراس میں مکان بنوا کر رہنے لگی، زید چار لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑ کر مرگیا، اور ہندہ بعد وفات اپنے ماموں زید کے ایک لڑکی چھوڑ کر مرگئی، اور دخترِ ہندہ نے مکان مذکورہ جو ہندہ نے زمین اپنے ماموں سے لے کر بنوایا تھا ایک غیر شخص

← **بالميراث أولهم...... ثم خامسهم. وفي رواية عن أبي حنيفة وعليه الفتوىٰ.** (البحرالرائق، كتاب الفرائض، كوئٹه ۸/۵۰۷، مكتبة زكريا ديوبند ۹/۳۹۷)

وإن لم يكن من أعمام أب الميت وخالاته وأخواله كان حكم أولادهم مثل حكم أولاد الصنف الرابع، فإن لم تكن أولادهم ينتقل الحكم إلى عمومة أبوي الميت وخئو لتهم ثم إلى أولادهم وهكذإلى مالا يتناهي. (حاشية السراجي، قبيل فصل في الخنثى، مكتبة رحيمية ديوبند ص:۵۵)

(۱) **قال علماء نا رحمهم الله، الدين إذا كان محيطا بالتركة يمنع ملك الوارث في التركة، وإن لم يكن محيطا فكذلک في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ الأول وفي قوله الآخر: لايمنع ملک الوارث بحال؛ لأنه يخلف المورث في المال، والمال كان مملوكا للميت في حال حياته مع اشتغاله بالدين كالمرهون فكذلک يكون ملكا للوارث.**

(كتاب المبسوط للسرخسي، كتاب الفرائض، دارالكتب العلمية بيروت ۲۹/۱۳۷)

الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۱/۲۱۳- شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ

کو بلاعوض کسی قیمت کے زبانی دیدیا اور بعد دینے کے مرگئی، اور یہ وصیت کرگئی کہ میری اور چیزیں کسی کارخیر میں صرف کردینا، اب ہندہ کے ماموں زاد بھائی سب یہ کہتے ہیں کہ میرے باپ نے ہندہ کو یہ مکان رہنے کو دیا تھا، ہندہ کی لڑکی کو کوئی حق اس کے دینے کا یا کسی طرح سے منتقل کرنے کا نہیں تھا، یہ فعل ناجائز اس کا ہے، علاوہ اس کے جتنی چیزیں اس کی ہیں سب کے مالک ہم لوگ ہیں، اوراس لئے سب چیزیں ہم لوگوں کو ملنا چاہئے، اب اس میں کیا کیا جائے، اُمید ہے کہ بموجب حکم خداورسول کے اس سے سرفراز فرمادیں، کہ بموجب اس کے عمل میں لایا جاوے اور بامید اس کے مکان قفل سے بند کردیا گیا، اور سب چیزیں ایک شخص کے یہاں امانۃً رکھدی گئی ہیں؟ فقط

الجواب: اگر ہندہ نے زید سے یہ زمین بطور عاریت کے لی تھی، تو ہندہ اس کی مالک نہیں ہوئی؛ اس لئے اس کا دینا غیر شخص کو جائز نہیں ہوا (۱)، البتہ تعمیر کی مالک ہندہ ہے، اس کا ہبہ کرنا جائز ہوگیا۔

في ردالمحتار عن الذخيرة: هبة البناء دون الأرض جائزة. ج:۵، ص: ۷۸۶(۲)

---

(۱) منها أن يكون مملوكا للواهب فلاتجوز هبة مال الغير لاستحالة تمليک ما ليس بمملوک. (بدائع الصنائع، كتاب الهبة، فصل في شرائط ركن الهبة، مكتبة زكريا ديوبند ۱۶۹/۵، كراچي ۱۱۹/۶)

الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۲۷/۴۲۔

الفتاوى الهندية، كتاب الهبة، الباب الأول، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۳۷۴/۴، جديد ۳۹۶/۴۔

(۲) شامي، كتاب الهبة، قبيل باب الرجوع في الهبة، كراچي ۶۹۸/۵، مكتبة زكريا ديوبند ۵۰۴/۸۔

الفتاوى الهندية، كتاب الهبة، الباب الحادي عشر:في المتفرقات، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۴۰۴/۴، جديد ۴۳۲/۴۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الهبة، الباب الحادي عشر: المتفرقات، مكتبة زكريا ديوبند ۴۹۶/۱۴، رقم: ۲۱۸۷۲۔

اور باقی جو دوسرے اموال کی نسبت وصیت کی ہے تو اس کا ثلث تو بلا رضا مندی ورثہ کے موافق وصیت کے نافذ ہو جاوے گا (۱)، باقی دوثلث کے مالک ورثۂ شرعیہ ہیں، اب ہندہ کے تمام رشتہ داروں کی تفصیل لکھنا چاہئے کون کون ہیں تا کہ سب کا حصّہ بتلایا جاوے۔

۶/ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص:۱۹۹)

خالہ زاد بھائی پر علاتی ماموں مقدم ہے

سوال (۲۷۴۴): قدیم ۴/ ۳۵۵ - مسئلہ یہ ہے کہ میاں شیخ محمد کو جو ورثہ ملا وہ اس کی نانی کے گھر کا تھا، میاں شیخ محمد نے بعد وفات کوئی وارث جدی یا پسری نہیں چھوڑا، ایک خالہ زاد بھائی ہے اور ایک ماموں یعنی ماں کا علاتی بھائی ہے، لہٰذا اس کا حق کس کو پہونچتا ہے؟

الجواب: فی الدرالمختار: باب توريث ذوي الأرحام منهم أصناف أربعة جزء الميت ثم أصله ثم جزء أبويه ثم جزء جديه أوجدتيه (إلى قوله) ويقدم الأقرب في كل صنف. (۲)

---

(۱) عن عامر بن سعد عن أبيه رضي الله عنه قال: مرضت فعادني النبي صلى الله عليه وسلم -إلى- قلت أريد أن أوصي بالنصف؟ قال: النصف كثير، قلت فالثلث؟ قال: الثلث كثير أو كبير، قال: فأوصى الناس بالثلث فجاز ذلك لهم. (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب الوصية بالثلث، النسخة الهندية ۱/ ۳۸۳، رقم: ۲٦٦۳، ف: ۲۷٤٤ـ

وتجوز بالثلث للأجنبي عند عدم المانع وإن لم يجز الوارث ذلك لاالزيادة عليه. (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوصايا، مكتبة زكريا ديوبند ۱۰/ ۳۳۹، كراچي ٦/ ٦۵۰)

تبيين الحقائق، كتاب الوصايا، مكتبة زكريا ديوبند ۷/ ۳۷۵، امدادية ملتان ٦/ ۱۸۲ـ

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الفرائض، باب توريث ذوى الأرحام، مكتبة زكريا ديوبند ۱۰/ ۵٤۷-۵۵٤، كراچي ٦/ ۷۹۲-۷۹۷ـ

بنا بر روایت ہذا صرف ماموں وارث ہے، اور خالہ زاد بھائی محروم ہے۔(۱)

۸/ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص: ۹۳)

شیعہ وسنی کے درمیان میراث کا حکم

سوال (۲۷۴۵): قدیم ۴/ ۳۵۵- زید کا انتقال ہوا جو سنّی المذہب تھا، اس کے صرف دو بیٹے ہیں، ایک سُنّی دوسرا شیعی، آیا دونوں وارث ہوں گے یا صرف سُنّی؟

الجواب: جو اختلافِ دین مانع توارث ہے وہ اختلاف کفراً واسلاماً ہے نہ کہ سنۃً وبدعۃً (۲)، پس جو شیعی کھلّم کھلاّ کفریہ عقائد کا قائل نہ ہو وہ سنّی کا وارث ہوگا۔(۳)

۸/ محرم ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص: ۱۱۲)

---

(۱) ترتيب ذوي الأرحام في الإرث كترتيب العصبات يقدم فروع الميت...... ثم أصوله...... ثم فروع أبويه...... ثم فروع جديه وجدتيه كالعمات والأعمام لأم والأخوال والخالات وإن بعدوا فصارو أربع أصناف...... والترجيح بقرب الدرجة لأن إرثهم بطريق العصوبة فيقدم الأقرب على الأبعد في كل صنف منهم كما في العصبات. (تبيين الحقائق، كتاب الفرائض، مكتبة زكريا ديوبند ۷/ ۴۹۵، امدادية ملتان ۶/ ۲۴۳)

البحرالرائق، كتاب الفرائض، مكتبة زكريا ديوبند ۹/ ۳۹۷-۴۰۸، كوئٹه ۸/ ۵۰۶-۵۰۷-۵۱۳۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) عن أسامة بن زيد رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لايرث المسلم الكافر ولاالكافر المسلم. (ترمذي شريف، أبواب الفرائض، باب ماجاء في إبطال الميراث بين المسلم والكافر، النسخة الهندية ۲/ ۳۱، دارالسلام رقم: ۲۱۰۷)

واختلاف الدين أيضا يمنع الإرث والمرادبه الاختلاف بين الإسلام والكفر. (الفتاوى الهندية، كتاب الفرائض، الباب الخامس في الموانع، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۶/ ۴۵۴، جديد ۶/ ۴۴۶)

البحرالرائق، كتاب الفرائض، مكتبة زكريا ۹/ ۳۸۶، كوئٹه ۸/ ۵۰۰۔

(۳) حضرات والا رحمہ اللہ نے یہ فتوی ۱۳۳۲ھ میں تحریر فرمایا ہے، اور ۱۳۴۲ھ میں تقریباً دس سال کے بعد جو فتویٰ تحریر فرمایا ہے اس میں شیعہ تبرائی اور شیعہ غالی میں فرق بیان فرمایا کہ جو شیعہ غالی حضرت عائشہ صدیقہؓ ←

امورِ خیر میں صرف کرنا بیت المال کے قائم مقام ہے

سوال (۲۷۴۶): قدیم ۴/ ۳۵۵- ترکہ کی تقسیم میں لکھتے ہیں کہ جب کوئی وارث نہ ہو تو بیت المال میں داخل کر دیا جاوے، آج کل ایسی صورت میں کہاں صرف کیا جاوے اور رد علی الزوجین آج کل جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: امورِ خیر میں صرف کرنا قائم مقام بیت المال کے ہے(۱)، اور رد علی الزوجین اس وقت جائز ہے جب کہ زوجین مصارف بیت المال میں سے ہوں (۲)۔

۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (حوادث ۱، ۲)

← پر تہمت لگاتے ہیں اور قرآن مجید میں کمی زیادتی کے قائل ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حد الوہیت تک پہونچادے وہ کافر ہیں ان کے ساتھ سنی کا نکاح کسی طرح درست نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے مسئلہ نمبر ۱۰۸۷ر پر؛ لہٰذا کھلم کھلا کفریہ عقائد کی وجہ سے ایسا شیعہ وارث بھی نہیں ہوسکتا۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) **ثم بيت المال أي إذا لم يوجد أحد من المذكورين توضع التركة في بيت المال على أنها مال ضائع فصارت بجميع المسلمين (الشريفيه) وتحته في هامشه: فيصرف إلى نفقة المريض وأدويته إذاكانوا فقراء وإلى نفقةاللقيط وعقل جنايته وإلى من هو عاجز عن الكسب وليس له من يفرض عليه نفقته وكذلك إلى مثل ذلك، وذكر في الكامل: أنه يجوز صرفه إلى مصارف الجزية والخراج كالقضاة والفقهاء الأعلام وغيرذلك مما فيه صلاح دار الإسلام وجوز الطحاوي الصرف في أكفان الموتى الفقراء وجعل قاضيخان يعم الرباطات والقناطير.** (الشريفية شرح السراجية، قبيل فصل في الموانع، مكتبة رحيمية ديوبند ص: ١١)

حاشية السراجي، قبيل فصل في الموانع، مكتبة رحيمية ديوبند ص:٦۔

(۲) **ذكر في بعض الكتب: أن الزوجان يرد عليهما في هذا الزمان لفساد بيت المال ففهم منه بعض العلماء أنه يرد عليهما مطلقا مع أن المراد بالرد عليهم إذالم يكن للميت أحدمن ذوي الفروض النسبية ولا أحدمن ذوي الأرحام كأنهما وضعا موضع بيت المال بل كأنهما جعلا مصرفا من مصارف بيت المال الخ.** (حاشية السراجي، قبيل فصل في الموانع، مكتبة رحيمية ديوبند ص:٥) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

زوجین پر رد کے لئے ذوی الارحام کا نہ ہونا شرط ہے

سوال (۲۷۴۷): قدیم ۴/ ۳۵۵- زید مرا اس نے ایک زوجہ اور ایک ہمشیرہ زادہ وارث چھوڑے، زوجہ کو ربع دینے کے بعد تین ربع کو کیا کیا جاوے آیا زوجہ پر رد کیا جاوے کیونکہ ذوی الارحام کا مرتبہ ترتیب ورثہ میں بعد رد ہے ۱۲ مفتی بہ اب یہ ہے کہ رد علے الزوجین جائز ہے یا ذوی الارحام کو بعد ادائے قرض زوجہ دیا جاوے قول در المختار: **ثم ذوي الأرحام طحطاوی محشی درمختار** لکھتا ہے۔

يعني إذا عدم أصحاب الفروض النسبية والعصبات المذكورة يبدء في التركة بذوى الأرحام وإنما قيدنا أصحاب الفروض بالنسبية؛ لأنه إذا كان في المسئلة أحد الزوجين يعطي فرضه والباقي لذوي الأرحام لأنهما ليسا من أهل الرد فكما أن المال عند عدمه يقسم بين ذوى الأرحام يقسم ما بقي من فرضه بينهم. (۱)

اب تامل یہ ہے کہ جب رد علی الزوجین مفتی بہ ہے اور مرتبۂ رد ذوی الارحام پر مقدم ہے، تو زوجہ پر رد کر کے ذوی الارحام کیوں نہ محروم کر دیا جاوے؟

الجواب: في ردالمختار عن القنية: ويفتي بالرد على الزوجين في زماننا لفساد بيت المال. وفيه قال المحقق أحمد بن يحيٰى بن سعد التفتازاني أفتى كثير من المشايخ بالرد عليهما إذا لم يكن من الأقارب سواهما الخ وفيه عن المستصفى والفتوى اليوم على الرد على غير الزوجين عند عدم المستحق لعدم بيت المال. (ج:۵ ص: ۷۷۱) (۲)

یہ روایات نص ہیں اس میں کہ یہ رد علی الزوجین ذوی الارحام پر مقدم نہیں ہے بلکہ بیت المال کے درجہ میں ہے جو سب مستحقین سے مؤخر ہے اور ذوالارحام کے ہوتے ہوئے زوجین پر رد نہ ہوگا۔ (۳)

لإنعدام العلة وهو أظهر من أن يتهم لا ثباته.

۲۸/ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص:۴۶)

---

(۱) حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الفرائض، كوئٹه ٤/ ٣٧٢۔

(۲) شامي، كتاب الفرائض، باب العول، مكتبة زكريا ديوبند ١٠/ ٥٤٠، كراچي ٦/ ٧٨٨۔

الفقه الإسلامي وأدلته، الباب السادس، الفصل الثالث عشر، الهدىٰ انٹر نیشنل ٨/ ٣٥٥۔

(۳) ذكر في بعض الكتب أن الزوجين يرد عليهما في هذاالزمان لفساد بيت المال ←

لڑکیوں کو نہ دینے کی صورت میں لڑکوں کا جائداد موروثہ کا مالک نہ ہونا

سوال (۲۷۴۸): قدیم ۴/ ۳۵۶ - جناب والد بزرگوار نے جس کی عرض پہلے کر چکا ہوں انتقال کیا، مبلغ تیرہ سو روپے اراضی رہن کا قرضہ ہے اور ترکہ میں استعمالی پارچہ اور برتن، چارپائی وغیرہ اسباب خانگی و دوصد بیگہ اراضی خام و مکان سکونت وغیرہ چھوڑا لیکن یہاں کے ناقص رواج کے باعث موانع پیش آرہے ہیں، وہ یہ ہیں کہ یہاں لڑکیوں کو ترکہ میں سے نہیں دیا جاتا اور بندہ دینا چاہتا ہے بلکہ رجسٹر انتقال میں اراضی بموجب حکم شرع لکھوادی ہے، اگر احکام مانع نہ ہوئے تو آسان صورت ہے، کیونکہ اراضی کو فروخت کر کے مبلغ تیرہ سو روپے قرض کا ادا کر دیں گے، ورنہ اگر بجائے لڑکیوں کے حصہ کے ترکہ جائیداد میں بھتیجوں کا نام لکھا گیا، جو شرعاً ترکہ سے محروم ہیں۔ تو البتہ دقت ہوگی، کیونکہ پھر نصف قرضہ بموجب نصف حصہ جو مجھے ملے گا، ادا کر سکتا ہوں، اور لڑکوں سے ایسی اُمید نہیں کہ وہ فروخت جائیداد کر کے قرضہ ادا کر دیں، میرے لئے ہر دو صورت میں نصف حصہ ہی ملتا ہے کیونکہ شرعاً دو بہن اور ایک بندہ وارث ہیں جس میں نصف حصہ ہوتا ہے، اور یہاں کے رواج پر بھی نصف میں بھتیجے اور نصف بندہ کا، بہرحال مجھ ناکارہ کا نصف حصہ ہے، اور کوشش یہی ہے کہ بموجب حکم شرع بجائے لڑکوں کے دونوں بہنوں کو حصہ ملے، اگر خدانخواستہ یہاں کے قانون و رواج کے موافق ترکہ تقسیم ہوا تو میرے لئے اس نصف حِصہ لینے میں تو کوئی گناہ نہیں ہے، بلا ادائیگی قرض مبلغ تیرہ سو روپے کے گھر کی اشیاء یعنی سامان برتن وغیرہ و استعمالی پارچہ جات کا تقسیم کرنا کیسا ہے، کیونکہ اس سامان و پارچہ سے یہ کثیر رقم ادا نہیں ہو سکتی، اور کم رقم میں اس مقدار سے حصہ رہن بھی رہا نہیں ہو سکتا، تو کیا کیا جاوے، علیٰ ہذا کسی جگہ سے لگان وصول ہونے پر تقسیم کیا جاوے یا نہیں؟

← ففهم منه بعض العلماء أنه يرد عليهما مطلقا مع أن المراد بالرد عليهم إذا لم يكن للميت أحد من ذوى الفروض النسبية ولا أحد من ذوي الأرحام كأنهما وضعا موضع بيت المال بل كأنّهما جعلا مصرفا من مصارف بيت المال كما يفهم من عبارات الفقهاء ففي الدرالمختار ذكر الزيعلي معزيا للنهاية أن بنت المعتق والابن والبنت رضاعا ترث في زماننا لفساد بيت المال وكذا ما فضل عن فرض أحد الزوجين يرد عليه. (حاشية السراجي، قبيل فصل في الموانع، مكتبة رحيمية ديوبند ص:٥) ←

الجواب : چونکہ جائیداد کا ہر ہر جزو آپ میں اور بہنوں میں شرعاً مشترک ہے (۱) اور تقسیم غیر مالک کی معتبر نہیں ہے، لہٰذا بھتیجوں کے نام جتنا جاویگا اس میں بھی آدھا آپ کا اور آدھا بہنوں کا ہوگا، اور جتنا آپ کے نام آویگا اس میں بھی آدھا آپ کا اور آدھا بہنوں کا ہوگا، اسی طرح تمام اشیاءِ منقولہ میں اور محاصل ومنافع جائیداد میں آدھا آدھا ہوگا، اور جتنا بھتیجوں کے پاس جاوے گا اس میں وہ غاصب ہونگے اور آپ اور بہنیں شرعاً اس کے استرداد کا حق رکھتے ہیں (۲)، مگر قرضہ چونکہ کل جائیداد کے متعلق ہے؛ اس لئے جس قدر جائیداد آپ کے قبضہ سے نکل جاویگی، مثلاً نصف جائیداد بھتیجوں کو چلی گئی اُتنا ہی قرضہ آپ سے متعلق نہ رہے گا، اور نصف قرضہ آپ کی مقبوضہ جائیداد سے ادا کیا جاوے گا، سوال کی عبارت کہیں کہیں پریشان اور مبہم ہے، اگر اس جواب کے بعد بھی کوئی جزو سوال کا بلا جواب کے رہ گیا ہو تو مکرر پوچھ لیں۔

۳/ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۲۷)

← تبیین الحقائق، کتاب الولاء، قبیل فصل أسلم رجل علی ید رجل الخ، امدادیة ملتان ۱۷۸/۵، مکتبة زکریا دیوبند ۲۲۶/۶۔ *شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ*

(۱) **أعیان المتوفی المتروکة عنه مشترکة بین الورثة علی حسب حصصهم.** (شرح المجله لسلیم رستم باز، مکتبة اتحاد دیوبند ۶۱۰/۱، رقم المادة: ۱۰۹۲)

(۲) **عن عبد الله بن السائب بن یزید عن أبیه عن جده أنه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: لایأخذن أحدکم متاع أخیه لاعبا ولاجادا وقال سلیمان لعباولاجدا، ومن أخذ عصاأخیه فلیردها.** (سنن أبي داؤد، کتاب الأدب، باب من یأخذ الشيء من مزاح، النسخة الهندیة ۶۸۳/۲، دارالسلام رقم: ۵۰۰۳)

سنن الترمذي، أبواب الفتن، باب ماجاء لایحلّ لمسلم أن یروع مسلما، النسخة الهندیة ۳/۲، دارالسلام رقم: ۲۱۶۰۔

عن أبي حمید الساعدي أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: لایحل لمسلم أن یأخذ مال أخیه بغیر حق. (مجمع الزوائد، دارالکتب العلمیة بیروت ۱۷۱/۴)

مسند احمد بن حنبل، بیروت ۴۲۵/۵ رقم: ۲۴۰۰۳۔ *شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ*